

خواتین کے لیے خاص محققانہ رولڈ

آنچل

aanchalpk.com aanchalnovel.com



WWW.PAKISTANPOINT.COM

WWW.PAKISTANPOINT.COM

پاکستانی پوائنٹ

آرتو۔ دہلی کی بین الاقوامی ویب سائٹ

www.pakistanpoint.com

ایک رابطہ ہزاروں سے

زیبائے اسلام
شہزادی احمد قریشی
قیصر اکبر
سعیدہ شاد
طابہ احمد قریشی
جمیہ احمد
روشنی احمد

بانی مرکز
معاون
مرکز
نائب مرکز
مرکز
مرکز
مرکز

جلد 39
شمار 08
نومبر 2017

اشتراکات اور دیگر معلومات
0300-8264242

آئینہ


رکن آل پاکستان نیوز پیپر سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹر
رکن چیپٹر آف کامرس

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

www.aanchalpk.com/blog

onlinemagazinepk.com/recipes

 /NaeyuFAQ Aanchal &
Hijab official group

 /women.magazine



عکاسی سلسلہ

مکمل ناول

- 29 ذرا مسکرامیر گمشدہ فاختر گل
111 عہد وفا رافعہ ملک
155 جنون عشق نک سمیرا شریف طور
189 میرا ڈھول ماہیا سحر فاطمہ

ناولٹ

- 97 کھیتی ام ایمان قاضی
225 عشق کا جلال نسویوں سمیرا محمد رفیق

افسانے

- 59 ڈیڑھ ریا کی نیکی نبیلہ ابرار
145 بارگراں طیبہ مغزل
177 اس درد کی دوا نادیا احمد
221 جینا مغرب منا مشرق شبنم گل

ابتدائیہ

- 14 سرگوشیاں مدیرہ
15 حمد ریاض حسین قمر
15 نعت صابر
16 درجہ آں مدیرہ

دانش کدہ

- الکوتر مشتاق احمد قریشی 21

ہمارا آنچل

- آسیہ عروں/ ازینب دلبر ملیحہ احمد 25
وزیر سحر بن/ رقیہ اسماعیل

سلسلہ وار ناول

- نیری زلف کے سر ہونے تک افراسیہ احمد 71

ورق: عظمیٰ آرائش: زید جی ڈریس: جیم کلکیش

عکاسی: ایم کاشف 0331-4546116

مستقل سلسلے

- ہومیوکارنر طلعت نظامی 245 یادگار لمحے جویریہ مالک 268
بیاض دل میمونہ رومان 247 آئینہ شہلا عامر 272
بشم مقابلہ طلعت آغاز 249 ہم سے پوچھیے شائلہ کاشف 281
بیوٹی گائیڈ رویین احمد 252 آپ کی صحت ہومیو ڈاکٹر ہاشم مرزا 284
نیر ند خیال ایمان وقار 254 گاگی باتیں حنا احمد 289
است کا پیغام آئے ہما احمد 260 کترینیں قاترین 000

پبلشر: مشتاق احمد مشریش پرنٹرز جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہالی انڈیا کراچی دفتر کاپٹ: 7-فسرید چیمبر زعبد اللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

پبلشر: مشتاق احمد مشریش پرنٹرز جمیل حسن ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہالی انڈیا کراچی دفتر کاپٹ: 7-فسرید چیمبر زعبد اللہ ہارون روڈ کراچی۔ 74400

”حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑائیں کرتا میں اس کے لیے جنت میں گھر کا خائن ہو۔“
(سنن ابی داؤد)

گھسیٹیں مدیرہ

استقام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نومبر ۲۰۱۷ء کا آچل حاضر مطالعہ ہے۔

ماہ محرم اپنی تمام تر عقیدت و احترام کے ساتھ گزر گیا اللہ سبحان و تعالیٰ کا صد شکر ہے کہ اس ماہ مبارک میں کوئی برا غم آگیا معاملہ پیش نہیں آیا محرم کی تمام مجالس و محافل و طن عزیز میں ہر جگہ ہر طرف مکمل سکون و اطمینان کے ساتھ منعقد کی گئیں، اللہ سبحان و تعالیٰ کرے کہ وطن عزیز ہمیشہ اس دیر سکون رہے اور اتحاد بین المسلمین کی فضا ہمیشہ قائم رہے آمین۔

وطن عزیز میں ہر طرف سیاسی بے چینی اور پھل کا سال ہے ہر آنے والا لمحہ بے چینی و بے اعتمادی لیے چلا آ رہا ہے تمام چھوٹی بڑی سیاسی جماعتیں اپنی وطنی اپنا راگ الاپ رہی ہیں کہیں سے عوامی فلاح و بہبود کی کوئی ہلکی سی بھی آواز نہیں سنائی دے رہی عوام غربت، بے روزگاری اور سب سے بڑھ کر مہنگائی کی جگلی میں پس رہے ہیں کہیں کوئی شنوائی نہیں۔ ہر طرف کربن بدعنوانی کے عفریت نے اپنے بچے کا ڈر رکھے ہیں، نہ بلد بانی نہ ترقیاتی کام ہو رہے ہیں ہر کوئی اپنی ذمہ داری پوری نہ کرنے کا الزام اپنے مخالفین پر ڈال کر عوام کو بے وقوف بنارہا ہے خیریت تو کئی حالات حاضریہ کی بات اب چلتے ہیں اپنے آپ کی جان ب۔

تمام قاری اور لکھاری، بہنوں کا تہہ دل سے شکر یہ ادا کرتی ہوں کہ ہر ماہ کی طرح اس ماہ بھی بہت سارے محبت بھرے خطوط ملے اور اس میں بہنوں نے نہ صرف اپنی دلچسپی و پسندیدگی کا اظہار کیا بلکہ مفید مشوروں سے بھی خوب نوازا۔ میری اور میری ساتھیوں کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ آپ کے محبت ناموں سے ملنے والی حوصلہ افزائی اور پسندیدگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے مزید بہتر سے بہتر نئی کی جستجو کرتے رہیں آپ کی پسند اور تسلی ہی ہمارا بے حد قیمتی سرمایہ ہے ان شاء اللہ ہمیں ہر قدم آپ اپنے قریب اور ساتھ پائیں گی۔ ہمیں یہ قوی امید ہے کہ آپ بہنوں کا بھرپور تعاون ہمیں ہمیشہ حاصل رہے گا ان شاء اللہ آپ کی رائے آپ کے مشورے ہمارے لیے نہ صرف حوصلہ افزائی کا باعث ہوتے ہیں بلکہ ہمیں آگے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ اور رہنمائی بھی فراہم کرتے ہیں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کا تعاون آپ کی محبتیں یونہی برقرار اور قائم رکھے آمین آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت دیجیے آپ کے محبت ناموں کا انتظار رہے گا۔

نوٹ: حجاب کا نومبر کا شمار سالگرہ ہو گا تمام بہنیں جلد از جلد اپنی نگارشات ارسال کر دیں ”دوست کا پیغام آئے“ سلسلہ آپ نے شوق کو مد نظر رکھتے ہوئے حجاب میں بھی شروع کیا جا رہا ہے اس سلسلے کے لیے اپنے پیغامات ارسال کر سکتے ہیں۔

اس ماہ کے ستارے

نبیلہ ابرار جابطہ، عبیر غفر، شبنم بگل، ام ایمن، قاضی بحر، فاطمہ، رافعہ ملک، سمیرا احمد رفیق۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو

قیصر آرا

حکیم

بچے دل سے جھک گیا جو بھی خدا کے سامنے

سرخرو وہ ہو گیا ہے کبریا کے سامنے

وہ کبھی مشکل میں گھبراتا نہیں ہے بالیقین

جس نے سمجھا ہے تری ہستی کو رب العالمین

لفظ کن سے جس نے پیدا کر دیا سارا جہاں

ہے وہی ہستی یقیناً خالق کون و مکاں

ظلمتوں کی کوکھ سے پیدا کرے وہ نور کو

پھر اجالوں پر کرے حاوی شب و بخور کو

ان فضاؤں میں پرندوں کو اڑاتا ہے وہی

گلشن ہستی میں پھولوں کو کھلاتا ہے وہی

چل نہیں سکتی ہوا اس کی اجازت کے بغیر

آدمی انسان نہیں اس کی عبادت کے بغیر

وہ قمر سب کا خدا ہے مالک ارض و سما

اس نے اس دنیا کی ہر اک چیز کو پیدا کیا

ریاض حسین قمر

نعت

اے سبز گنبد والے منظور دعا کرتا

جب وقب نزع آئے دیدار عطا کرتا

اے نور خدا آ کر آنکھوں میں سما جانا

یا در پر بلا لینا یا خواب میں آ جانا

اے پردہ نشیں دل کے پردے میں رہا کرتا

جب وقب نزع آئے دیدار عطا کرتا

میں قبر اندھیری میں گھبراؤں گا جب تنہا

امداد میری کرنے آ جانا ذرا شاہا

روشن میری تربت کو لکھ ذرا کرتا

جب وقب نزع آئے دیدار عطا کرتا

مجرم ہوں جہاں بھر کا محشر میں بھرم رکھنا

رسوائے زمانہ ہوں ووزخ سے بچا لینا

مقبول دعا میری محبوب خدا کرتا

جب وقب نزع آئے دیدار عطا کرتا

چہرے سے ضیاء پائی ان چاند ستاروں نے

اس در سے شفا پائی دکھ درد کے ماروں نے

آتا ہے انہیں صابر ہر دکھ کی دوا کرتا

جب وقب نزع آئے دیدار عطا کرتا

صابر صاحب



رفاقت جاوید..... اسلام آباد

ذیر رفاقت! شادو! یاد رہو! آپ کی علالت اور بیماری کے متعلق نگر بے ساختہ دعا گو ہوں کہ اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی تمام تکالیف دور کرے آمین۔ بے شک صحت و تندرستی اللہ سبحان و تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے اور جب اس نعمت سے انسان محروم ہوتا ہے تو اس کی قدر بخوبی جان پاتا ہے۔ ایسے حالات میں اپنا بھرپور خیال رکھیں اللہ سبحان و تعالیٰ تمام بیماروں کو شفاء کا ملکہ عطا فرمائے آمین۔

نازیہ کنول نازی..... ہارون آباد

ذیر نازی! سدا سہا کن! یاد رہو! آپ کی علالت کے متعلق جان کر بے حد دکھ ہوا! اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ آپ کو جلد صحت و تندرستی عطا فرمائے مع آپ کے بچوں کے اور مشکل کی ان گھڑیوں میں آپ کو آسانی عطا فرمائے آمین۔ بے شک چھوٹے بچوں کے ساتھ گھریلو ذمہ داریوں میں الجھ کر انسان اپنی ذات سے غافل ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی اپنا خیال رکھیں آپ کے قارئین سے بھی آپ کے لیے دعائے صحت کی اپیل ہے۔ اسی علالت کے سبب نازیہ اس بار قسط بھی نہیں لکھ سکیں امید ہے آئندہ ماہ آپ رو بہ صحت ہو کر اس ٹھکانے کو دور کر سکیں گے! اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو صحت و تندرستی والی عمر دے آمین۔

سوہرا افلت..... سوہرا

ذیر سوہرا! خوش رہو! والدین اللہ سبحان و تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے سب سے اہم نعمت ہیں جنہیں ہم کبھی کھوتا نہیں چاہتے یا ان کے حوالے سے کوئی منفی سوچ کبھی ذہن میں آنے نہیں دیتے لیکن دنیائے فانی میں زندگی کی حقیقت بھی مختصر ہی ہے یہاں سے سب نے ہی اپنی باری پر چلے جاتا ہے۔ آپ کے والد کی رحلت کا جان کر بہت دکھ ہوا ہے شک والد کا روپ گھنے سائے کی مانند ہوتا ہے اور ہر دہوا سے بچاتے ہماری پرورش کرتے ہیں۔

آپ کی اس محرومی کا دکھ میں جان سکتی ہوں لیکن پھر بھی صبر کا دامن تھامے رکھیں اور ان کے لیے دعا گو رہیں۔ اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا ہے کہ آپ کے والد کے درجات بلند فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین! قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

نادیہ احمد..... دہلی

عزیزی نادیہ! شادو! یاد رہو! آپ کی جانب سے ارسال کردہ خوب صورت کتابی تحفہ بعنوان ”وہ نہیں ملا تو ملا لیا“ موصول ہوئی سب سے پہلے تو دوسری کتاب کی اشاعت پر ڈھیروں مبارک باد۔ آپ یونہی کا میاں بی ورتی کی منازل طے کرتی جائیں۔ آسمان ادب کے درخشاں ستاروں میں آپ کا نام سدا جگمگا رہے آمین۔ جہاں تک کتاب کی بات ہے تو ہمارے قارئین کے لیے ایک خوب صورت اضافہ ہے چار ناولز پر مبنی یہ کتاب جن میں سے دو آپ ہمارے ادارے کے توسط سے پڑھ چکے ہیں جن میں ایک ”اسکیڈل“ اور دوسرا ”کتنے منہ پر ٹھہرے“ شامل ہیں۔ آپ کے دیگر دو ناول بھی دلچسپی اور انفرادیت میں اپنی مثال آپ ہیں! امید ہے یہ کتاب علم و ادب سے شغف رکھنے والوں کے لیے ایک بہترین اضافہ ثابت ہوگی۔

مسز نگہت غفار..... کراچی

ذیر نگہت! شادو! یاد رہو! آپ کی تحریر دبیر کے رنگوں کو بھی خود میں سمونے ہوئے ہے۔ محبت روایات اور معاشرتی انداز کا خوب صورت استخراج پیدا کیا ہے جہاں جاہت آخری دم تک نظر آتی ہے اور کہانی اس بات کا احاطہ کیے ہوئے ہے کہ

”ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں“

فریدہ فوری..... لاہور

عزیزی فری! مبتدی رہو! آپ کے بیٹے کے حادثے کی خبر سن کر دل بہت رنجیدہ ہوا! اللہ سبحان و تعالیٰ ہر کسی کو ان ناگہانی آفات آلام و مصائب سے دور رکھے یقیناً اس وقت آپ اپنے بیٹے کے لیے مشکوک و متذکرہ ماحول میں مشکل گھڑیوں میں ہماری دعائیں آپ کے لیے بہت زیادہ مفید ہوں گی۔

ہاں نظر پہلے کی طرح صحت یاب ہو کر آپ کے گھر کی رونق بن جائے گا! قارئین سے بھی فریدی فری اور ان کے بیٹے کے لیے دعائے صحت کے ملتیں ہیں۔

ملیا سمیعون..... انٹ

ذیر ملیا! سدا خوش رہیں! آپ کی تحریر ہمیں موصول ہوئی ہے! ان شاء اللہ باری آنے پر پڑھنے کے بعد اپنی رائے سے آگاہ کر دیں گے۔

صبا یونس قریشی..... ملتان

ذیر صبا! سدا مسکرا! آپ کی ارسال کردہ تمام تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں اور ”شرعی حق“ اور ”رشتے“ بھی قبولیت کا درجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہیں پہلے ان فسانوں کا نمبر آگے گا اور اس کے بعد آپ کے ناول کی طرف برہمیں گے۔ آپ اسی طرح اپنا کلمی سفر جاری رکھیں۔ ہم تک آپ کا ناول پہنچ گیا ہے تو ان شاء اللہ ایک روز شائع بھی ہو جائے گا۔

عائشہ اختر بٹ..... سرگودھا

ذیر عائش! سدا شادو! یاد رہو! آپ کی ارسال کردہ تینوں تحریریں پڑھ ڈالیں جن میں سے آپ کی ایک تحریر ”115“ منتخب ہوگئی ہے لیکن اس کا نام تبدیل کر کے ”انوکھی ایماڈ“ منتخب ہوا ہے بانی و تحریریں کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہریں۔ بے شک زندگی کی حقیقت ہے لیکن کہانی میں دلچسپی کا عنصر نہیں ہے اس لیے معذرت۔ آپ انٹرویوز کر لیں اور سوالات ایسے رکھیے گا جن سے شخصیت کا جامع اور مکمل تعارف سامنے آسکے یہ انٹرویوز آپ ارسال کر سکتی ہیں مع تصویر۔

صدف بتول..... نامعلوم

ذیر صدف! جگ جگ! چو! آپ کی ارسال کردہ تحریر ”خواب سفر“ پڑھ ڈالی! تحریر کچھ خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام ٹھہری! وجہ موضوع کا چٹا اور انداز تحریر کی کمزوریاں غالب رہیں۔ ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے اور ایسے میں قسط وار لکھ کر محنت کا ضیاع مت کریں بلکہ اچھا لکھنے کے لیے اپنا موضوع کا وسیع ہونا ہے اس پر توجہ دیں امید ہے آپ کو سیکھنے کو ملے گا اور کوشش جاری رکھیں گی۔

تمنا بلوچ..... ڈی آئی خان

ذیر تمنا! سدا ہنسی رہو! آپ کی شخصی پری کی تصویر ہمارے پاس محفوظ ہے اگر اسکیں جو جاتی تو ضرور لگاتے اس لیے معذرت آپ کی شادی کی سالگرہ ہے تو ہماری طرف سے آپ کو پیشگی شادی کی سالگرہ مبارک! اللہ سبحان و تعالیٰ اس خوشی کے موقع پر آپ کا دامن بہت سی خوشیوں سے بھر دے اور نیک و صالح اولاد عطا کرے آمین۔ آپ کی نگارشات بھی جلد لگا دیں گے۔

عائشہ رحمن ہنسی..... ریالی، مری

ذیر عائش! آبا د رہو! مصروفیت کے باعث جواب نہ ملے تو ناراضگی کیسی۔ طاہر صاحب کو دن بھر میں موصول ہونے والی کال و میسجز کی کوئی تعداد نہیں بھربات آپ کے شہر کی بھی آپ خود کسی بک اسٹال سے معلوم کر لیں خیر آپ آجکل دھجاب کی سالانہ خریدار بننا چاہتی ہیں تو اس کا طریقہ کار ہر ماہ آجکل میں شائع کیا جاتا ہے اس پر نظر ثانی کرتے رقم مٹی آرڈر کر دیں۔ دوسرے ماہ ہی آجکل دھجاب آپ کے دروازے پر ہوں گے! بشرط کہ ایڈریس مکمل ہو! تحریر کے حوالے سے کوشش جاری رکھیں ان شاء اللہ کبھی یہاں بھی نام ہوگا۔ شاعری متعلقہ شعبے میں بیج دی ہے اگر معیاری ہوگی تو منتخب ہونے کے بعد اپنی جگہ بنا لے گی! امید ہے ناراضگی دور ہوگئی ہوگی۔

سلمیٰ عنایت..... کھلا بٹ ٹائون شب

ذیر سلمیٰ! خوش رہو! آپ کی والدہ کے متعلق جان کر خوشی ہوئی کہ اللہ سبحان و تعالیٰ نے انہیں صحت و تندرستی عطا فرمائی اور دوائیوں سے بھی چھٹکارا مل گیا اسی لیے بوڑے بوڑھے کہتے ہیں تندرستی ہزار نعمت ہے اور ان ہزار نعمتوں کا ہمیں اصل ادراک تب ہی ہوتا ہے جب ہم صحت و تندرستی سے محروم ہو کر دوائیوں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں! اللہ سبحان و تعالیٰ تمام مریضوں کو شفاء کا ملکہ عطا فرمائے آمین۔ آپ کی یہ بے انتہا محبت اور خلوص خود پر بے حد فخر محسوس ہوا کہ آپ تہجد کی نماز اور دعاؤں میں بھی ہمارے لیے دعا گو رہتی ہیں! اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کی سب دعاؤں کو شرف قبولیت بخش دے اور آپ کے حق میں بہتری کرے آمین۔

نجم انجم اعوان..... کراچی

ذیر نجم! اسم با سکی بن کر جگمگاتی رہو! نگر میں شغل

ہونے کی مبارک باد غالباً مصروفیت میں دینا بھول گئی ہوں گی بہر حال ہمارے اور آپ کے رشتے کو یہ چند الفاظ مضبوط تو ضرور کرتے ہیں لیکن ان کے بغیر بھی ہمارا رشتہ استوار رہے گا بعض اوقات دیر سویر اور تاخیر ہو جاتی ہے آپ کے بچوں کی علالت کے متعلق جان کر دکھ ہوا اللہ سبحان و تعالیٰ ہم سب کو اس پکن کو نیا جیسے موذی مرض سے محفوظ رکھے آج کل ہر کوئی اس وباء میں گھرا ہوا نظر آتا ہے۔ سالانہ خریدار بننے کا طریقہ دہی ہے جو آپ کو فون پر بتایا گیا ہے اس طرح ہر ماہ گھر بیٹھے پرچہ ملتا رہے گا۔ جہاں تک ناراضگی کی بات ہے تو ہماری طرف سے کوئی ناراضگی نہیں۔ امید ہے آپ بھی ہماری مصروفیت کو مد نظر رکھتے اس چھوٹی سی بات کو نظر انداز کر دیں گی۔

کوثر ناز..... حیدر آباد

ڈیر کوثر! چچی و مسکرائی رہو حیدر آباد شہر سے شرکت کرنے والی اپنی پرانی قاری و لکھاری کو ہم ہرگز نہیں بھولے آپ کی تمام تحریروں پر بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں بے شک حجاب کی اشاعت کی اہم وجہ اس شکوے کی تلافی اور آپ کی ناراضگی کو دور کرنے کا ہی تھا لیکن ہر ماہ آپ بہنوں کی کثیر تعداد میں کہانیاں موصول ہوتی ہیں اور اسی حساب سے منتخب بھی ہوتی ہیں۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ باری آنے پر سب کو موقع دیا جائے اور جہاں تک بعض لکھاریوں کے جلد شائع ہوجانے کی بات ہے تو وجہ ہے کسی بی خاص موقع یا تہوار پر لکھنا یا پھر قارئین کی ڈیمانڈ کے مطابق لکھنا اگر ہمارا لکھاری ہمیں وہ چیز دے گا جس میں دلچسپی، انفرادیت اور تخلیقی کا پہلو ہوگا اور سب سے بڑھ کر قارئین کی پسند کے مطابق ہوگا تو ایسے لکھنے والوں کو ہم جلد لگائیں گے وہ بھی صرف قارئین کی پسند پر۔ امید ہے اس تفصیلی جواب سے کفایت مٹ جائے گی بہر حال آپ کی تحریروں کو جلد لگانے کی کوشش جاری ہے دیگر سلسلوں میں شرکت کرنی رہا کریں یوں غیر حاضری اچھی نہیں ہوتی۔

صباحت سلیم..... کراچی

ڈیر صباحت! سدا خوش رہو! آج کل اور آپ کے دیرینہ ساتھ کے متعلق جان کر خوشی ہوئی آپ نے جو نظم بھیجی ہے وہ متعلقہ شعبے میں بھیج دی گئی ہے اگر معیاری ہوئی تو اصلاح کے عمل سے گزر کر لگ جائے گی آپ

شاعری کے علاوہ دیگر سلسلوں میں بھی شرکت کر سکتی ہیں۔
صائمہ سکندر سومرو..... حیدر آباد
ڈیر صائمہ! سدا سہان رہو! آپ کی بچی کی شراوتوں کے متعلق جان کر اچھا لگا۔ چھوٹے بچے اسی طرح سب کو اپنی طرف نہ صرف متوجہ رکھتے ہیں بلکہ گھر کی اصل رونق اور چہل پہل بھی انہی کے دم سے ہوتی ہے اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید خوشیاں عطا کرے آمین۔

شازیہ الطاف ہاشمی..... شجاع آباد
ڈیر شازیہ! سدا مسکراؤ! سب سے پہلے تو خسی گڑیا کی آمد پر ڈیروں مبارک باد اللہ تعالیٰ نے ماں جیسے عظیم رتے پر ایک بار پھر سے فائز کر دیا بے حد خوشی ہوئی بے شک تین ماہ کی بچی اور دونوں بچوں کے ساتھ بہت مصروف ہوں گی ان مصروف گھڑیوں میں سے وقت نکال کر آپ نے شرکت کی بے حد خوشی ہوئی۔ آپ آج کل فیملی کا حصہ ہیں اس لیے بھولنے والی بات تو نہیں آپ کی تحریروں ہمارے پاس محفوظ ہیں جلد اشاعت کا مرحلہ بھی طے کر لیں گی آپ کی درست شمشاد ملک کو بہت سی دعائیں اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو مزید خوشیاں عطا کرے آمین۔

ارم کمال..... فیصل آباد
ڈیر ارم! سدا سہان رہو! جناب کیسی غلطی کیسی ناراضگی! کیا شکوہ کیسی شکایت! بس آج کل مصروفیت کی گھڑیوں میں فرصت کے لمحات کم ہی میسر آتے ہیں۔ شب و روز کیسے تو اتارے گزرتے جارہے ہیں کچھ خبر نہیں اسی وجہ سے بعض اوقات سب بہنیں شریک نہیں ہو پائیں بہر حال آپ ہماری ریگولر قارئین میں سے ایک ہیں جن کی کی ہمیں بھی بے حد محسوس ہوتی ہے۔ آپ کی بچی کے متعلق جان کر خوشی ہوئی اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کو بہت سی خوشیاں عطا کرے اور بچی کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

تبسم شہزادی..... جڑانوالہ

ڈیر تبسم! اسم یا سمنی بن کر سدا مسکرائی رہو! جنابوں اور رحمتوں کی خوشبو میں بسا آپ کا نامہ محبت موصول ہوا۔ دوست کا پیغام سلسلہ میں ہر ماہ کثیر تعداد میں پیغامات موصول ہوتے ہیں جبکہ آپ سب کو علم ہے کہ صفحات کی تعداد مخصوص ہوتی ہے اور اسی میں رہ کر سب کے پیغام

شائع کرنا بے حد دشوار ہے اس لیے آپ بہنیں اس شکوہ کو برائیاں ہیں بہر حال آپ کا پیغام جلد شائع کرنے کی کوشش کریں گے۔ نیرنگ خیال میں اصلاح شدہ شاعری پیسے ہمارے پاس آتی ہے ویسی ہی لگادی جاتی ہے آپ کی شاعری بھی جلد لگانے کی کوشش کریں گے دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

افرا حفیظ..... کے ٹی ایس ہری پور
پیاری افرا! مسکرائی رہو! آپ کا آرٹیکل دسمبر کے حوالے سے تھا پڑھ کر منتخب تو کر لیا ہے البتہ حجاب یا آج کل کہاں لگے گا اس کا جواب ٹل از وقت ہوگا بہر حال اگر دسمبر کے آج کل میں نہ ہوا تو حجاب میں تو ضرور ہوگا یہ بات یقینی اور طور پر طے شدہ ہے امید ہے اب الجھن نہیں رہے گی حجاب اور آج کل کی پسندیدگی کا شکریہ۔ اللہ آپ کے قلم میں مزید ترقی و وسعت عطا فرمائے آمین۔

حازبہ عباسی..... مری
ڈیر حازبہ! سدا آباد رہو! آپ کی بے انتہا محبت و خلوص کے ہم قدر دان ہیں دعاؤں میں یاد رکھنے پر جزاک اللہ۔ دوست کا پیغام سلسلہ میں وہی مسئلہ درپیش ہے کہ پیغامات کی تعداد بہت زیادہ ہے جبکہ صفحات کی تعداد محدود لگتا ہے اب حجاب میں بھی اس سلسلے کا آغاز کر دینا چاہیے تاکہ آپ بہنوں کا یہ گلہ دور ہو سکے بہر حال آپ کا پیغام اس بار شامل ہو گیا ہے مبارک باد قبول کیجیے۔

ساریہ چوہدری..... ڈوگہ گجرات
پیاری ساریہ! جگ جگ جیو سب سے پہلے تو ہماری جانب سے مبارک باد کہ آپ کی تحریروں پر نیورٹی کی میگزین میں شائع ہوئی۔ رہی ہمارے پاس سے رد ہونے کی بات تو تحریروں کا موضوع اور آپ کا انداز اس کی گرفت میں کمزور تھا جس کی بنا پر وہ قبولیت کا درجہ نہ پاسکی اور پھر نیورٹی میگزین اور دیگر رسائل میں فرق تو ہے جب ہی مصنفین ان رسائل کو زیادہ ترجیح دیتی ہیں تاکہ نیورٹی میگزین کو۔ آپ دل برداشتہ ہونے کے بجائے محنت جاری رکھتے ہوئے اپنی دوسری تحریروں کو ارسال کر دیں۔

صدف مہر..... سرگودھا
گڑیا صدف! جگ جگ جیو! آپ کی تحریروں (تن جج من سچا) اور "میرا اقبال" موصول ہوئی۔ پڑھ کر اندازہ

ہوا کہ ابھی آپ کو مزید محنت کی ضرورت ہے اس لیے ناکامی سے دل برداشتہ ہونے کے بجائے امید کا دامن تھامتے ہوئے کوشش جاری رکھیں اور اسی طرح منفرد موضوع کا انتخاب کریں اور مثبت پہلو کو بھی سامنے رکھیں تاکہ آپ کے ساتھ تحریروں کا اختتام پڑھتے ہوئے قاری بھی مطمئن ہوں! امید ہے ان باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے تحریروں ارسال کریں گی۔

فہمیدہ غوری..... کراچی
ڈیر فہمیدہ! سدا سہان رہو! "اب بچھٹائے کیا ہوت" کے عنوان سے آپ کی تحریروں موصول ہوئی ہلکا ہلکا موضوع اور گفتگو تحریروں لیکن یہ گفتگو پہلے کے مقابلے میں کچھ کم گلی آپ اسی طنز و مزاح کے انداز میں لکھیں۔ قارئین آپ کو اس روپ میں زیادہ سراہتے ہیں یہ تحریروں حجاب میں لگ جائے گی لیکن آئندہ موضوع کے چناؤ میں قارئین کی پسند اور ہماری تجویز کو پیش نظر رکھیے گا اسی بناء پر "شاہ گل" کے لیے معذرت اللہ سبحان و تعالیٰ آپ کے قلم میں مزید دلچسپی عطا کرے آمین۔

فرحین ناز طارق..... نامعلوم
ڈیر فرحین! شاد آباد رہو! آپ کی تحریروں "شب یلدا" پڑھ ڈالی محبت کے موضوع پر لکھی یہ تحریروں جس میں بہت سے اسرار بھی ہیں اور بہت سے انکشافات بھی لیکن بعض جگہ کہانی پر گرفت کمزور ہوتی محسوس ہوئی اس لیے اس کا مہابی کے بعد مزید محنت کو اپنا شعار بناتے کوشش جاری رکھیں۔ یہ تحریروں حجاب میں شامل ہو جائے گی۔

ماہم نور انصاری..... حیدر آباد
ڈیر ماہم! سدا آباد رہو! آپ کی تحریروں "عزت وقار زیست" پڑھ ڈالی معاشرے کی حقیقت اور گداگری کی مذمت پر روشنی ڈالتی ہے تحریروں لیکن کہانی میں انفرادیت نہ ملتی وہی بات جس سے ہر کوئی آشنا ہے آپ بہت بہتر انداز میں لکھ سکتی ہیں اس لیے اس کے لیے معذرت۔ کچھ مزید اچھا لکھیں البتہ آرٹیکل حجاب کی زینب بن جائے گا۔

زرقا بھٹی..... جناب نگر
ڈیر زرقا! سدا خوش رہو! آپ کی دو تحریروں میں سے ایک افسانہ "وہ ایک نظر" پڑھا حجاب کے لیے منتخب ہو گیا ہے جبکہ دوسرا بھی جلد پڑھ کر اپنی رائے سے آگاہ کر دیں

داش کدہ

مشق احمد قریش

ترجمہ: اگر ہم اس قرآن کو کبھی پہاڑ پر اتارتے تو دیکھتا کہ خوفِ الہی سے وہ پست ہو کر گلزے گلزے ہو جاتا ہم ان مثالوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور و فکر کریں۔ (سورۃ البقرہ ۲۱)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور اپنی عطاء کا ذکر فرما کر اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت و ادراک کا اظہار فرما رہا ہے کہ ہم نے اپنے محبوب کو کتنا قوی کتنا ادراک فہم عطا کیا۔ وہ اتنا عظیم ہے کہ پہاڑ جواپنی تختی و مضبوطی میں دنیا میں سب سے زیادہ ہے وہ بھی میرے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت و ادراک کے سامنے بالکل پست ہے اگر ہم قرآن کو اتارنے کے لیے پہاڑ میں بھی ہم وادراک پیدا کر دیتے وہ صلاحیت جو ہم نے انسان میں رکھی ہے وہ بھی پیدا کر دیتے تو قرآن حکیم کی بلاغت و فصاحت قوت و استدلال اور عظمت کرے کے ایسے پہلو ہیں جنہیں سن کر پہاڑ بھی باوجود اپنی تختی اور وسعت و بلندی کے خوفِ الہی سے ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اس آیت مبارکہ میں خطاب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن مجید نازل کیا جو ایسی عظمت و شان کا حامل ہے کہ اگر ہم اسے کسی پہاڑ پر نازل کر دیتے تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتا لیکن یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا احسان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا قوی اور مضبوط کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز (قرآن حکیم) کی قوت کو برداشت کر لیا جس کی طاقت پہاڑ میں نہیں ہے۔ (فتح القدیر) یہ آیت مبارکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ہر فرد کے سمجھنے کے لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو عقل و فہم کی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں تاکہ وہ قرآن حکیم کے مواعظ سے نصیحت حاصل کریں اور تافریاتوں سے اجتناب کریں یہاں عام انسانوں کے لیے نصیحت ہے انہیں سمجھایا دیا جا رہا ہے کہ وہ کلامِ الہی کو خوب سمجھ لیں اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح پیروی کریں اور رحمت اللعالمین کی رحمت کے سائے میں اپنی آخرت کا سامان کر لیں۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا انعام عام ہے کہ انہوں نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کچھ عطا کر کے مبعوث فرمایا جو اس سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کیا گیا۔ ایک اور بڑی عظیم الشان نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہونے والی معراج کی سعادت ہے۔ یہ انعام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پر ایک مریض تاج کی مانند چمکتا و منکنا نظر آتا ہے۔ ایسا تاج جو تمام انبیاء السلام سمیت تمام تاریخ انسانی کے کسی اور فرد کی حیات و سیرت میں نظر نہیں آتا۔ اس کا ذکر اللہ رب العزت نے قرآن حکیم میں سورہ بنی اسرائیل کے آغاز میں فرمایا ہے۔ معراج کا واقعہ درحقیقت تاریخ انسانی کے ان بڑے اہم واقعات میں سے ہے جنہوں نے زمانے کی رفتار ہی بدل ڈالی اور تاریخ پر اپنا مستقل اثر چھوڑا ہے۔ یہ یقیناً محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ ترجمہ: پاک ہے وہ (اللہ تعالیٰ) جو اپنے بندے کو رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے آس پاس ہم نے برکت دے رکھی ہے اس لیے کہ ہم اسے اپنی قدرت کے بعض مشاہدے دکھائیں یقیناً اللہ تعالیٰ ہی خوب سننے دیکھنے والا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۱)

محبت کی حقیقت: محبت اور یقین کا سفر میں پاکستان ہوں
آوارہ عورت: رجن گل لالہ کیا ہوتا ہے پیار آشنائی کی
جموئی: گرم انڈے اڑھنے سے دیکھ گریاں حرام حلال میں فرق
ہمارے رنگ: آج کل کے رنگ دور کی دنیا لغزش آنکھوں سے
اوجھل اپنے کامیاب شادی اظہار فحسوں میرا اقبال آدمی
ادھوری محبت دیا جلانے رکھنا ایک حقیقت کاچ کی گڑیا دوستی
اور محبت لمحے کی زنجیر عید تیرے سنگ آئی بلانے جان نیا سال
نئی بڑھائی مغربی رنگ گڈی کی لوستوری رشتہ احساس کا
آرٹیکل شاہ گل: ہم سفر محبت تو نہال ہم ٹوٹ گیا نصیب
انوکھی لڑکی: من سچا من سچا سال نو سے پہلے عورت سائے کی
مستلاشی آج کل اوڑھ کر ملتا تو مجھے نصیب سے بھوکے نہیں سوئیں
گئے خدا اور میں: اصول رشتے آدمی ادھوری محبت میرا اقبال
اظہار فحسوں کامیاب شادی کاچ کی گڑیا قصہ تمام پردہ
رشتے و لوں کے اسے روکتے بھی تو کس لیے پیار محبت اور
یقین کا سفر جیتا نہیں پیار کے بن مشعل راہ صاحب عزت
دلیر ہر رانی حتماً نہیں ہوتی راجا کی۔

نمرہ شوکت علی قاسم پورہ..... لاہور
کینٹ

ڈیر ثمرہ! خوش رہو! آپ کی تحریر ”لمحے کی زنجیر“
موصول ہوئی! پڑھ کر اندازہ ہوا کہ آپ میں لکھنے کی
صلاحیت موجود ہے لیکن بے جا طوالت اور غیر ضروری
باتیں تحریر کو کمزور کر رہی ہیں بہتر ہے کہ پہلے مختصر موضوع پر
محنت جاری رکھیں ان شاء اللہ وہ دن دور نہیں جب آپ
اپنی تحریر آج کل وجاب کے صفحات پر دیکھ سکیں گی۔

ماریہ طفیل یار س..... چکوال
ڈیر ماریہ! سدا ہستی شکر الی رہو ”محبت فاتح عالم“
کے عنوان سے آپ کی تحریر موصول ہوئی! ہلکے پھلکے اور رنگت
انداز میں لکھی یہ تحریر ایک خوشگوار اضافہ ثابت ہوئی لیکن
کہانی لکھنے کے دوران ڈائلاگ لکھتے وقت خیال رکھیں۔
ہر کردار کا مکالمہ الگ لائن اور انوائڈ کا مکالمہ لگا کر شروع کریں
اور جملے کے اختتام پر ڈیش اور انوائڈ کا مکالمہ ضرور لگائیں اور
دوسرے کردار کے لیے مکالمے میں دوسری لائن سے لکھیں
تاکہ دونوں کی بات چیت الگ واضح ہو سکے اس تحریر میں
بہت گزربڑ ہے اس لیے کافی محنت کرنی پڑے گی۔ (بہتر
ہے کہ آپ کہانی لکھنے سے پہلے ڈائجسٹ کی کسی کہانی کا
بخور مطالعہ کر لیں) امید ہے آئندہ اس بات کو ملحوظ خاطر
رکھیں گی خوش رہیں۔



مصفین سے گزارش
☆ مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ ہاشیہ لگائیں صفحہ کی
ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں
اور اس کی فوٹو کا کرا کر اپنے پاس رکھیں۔
☆ قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل
کرنا لازمی ہے۔
☆ نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر
ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔
☆ فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔ ادارہ نے
نا قابل اشاعت تحریروں کی واپسی کا سلسلہ بند کر دیا ہے۔
☆ کوئی بھی تحریر نیلی یا سیاہ روشنائی سے تحریر کریں۔
☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط
تحریر کریں۔
☆ اپنی کہانیاں دفتر کے پتا پر رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعے
ارسال کیجئے۔ 7، فرید جیمیر زعبد اللہ ہارون روڈ۔ کراچی۔

واقعہ گلزار..... نامعلوم
ڈیر رافد! جیتی رہو! آپ سے اتنا ہے کہ آپ
فوری طور پر دفتر سے رابطہ کریں۔

فتبل اشاعت:
سفید لباس شب پیدا آگ جنگل جگنو محبت فاتح عالم
خواب ریزہ ریزہ سرکاری اسکول انوکھی ایماؤ بنام دبیر
منظوم مسلمان تیرے کو بے کی آخری شب گلے گھر بچھلے
گھر پہانے خواب خوشیوں کے رنگ میں تو مگر کبھی میری
جان بچھے چاہوں گا ادھوری بات اب بچھتا ہے کیا ہودت
قائد کا پاکستان ٹوٹ گیا گلے جب سوچ کے در۔
فتبل اشاعت.

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ذکر فرمایا ہے جو ناصرِ حق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔ اس آیت مبارکہ میں بھی واقعہ معراج دراصل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دل جوئی و تسلی کا ذریعہ ہی ہے کیونکہ جس روز اللہ کے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہو کر اہل مکہ اور قریش کو دعوتِ حق دی تھی اسی روز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشمنانِ حق اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور ہر طرف سے مصائب و آلام کا سیلاب اُبھ آیا تھا اور ہر روز زح و غم میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ شہید نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے دسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شفیق و مہربان سرپرست چچا ابو طالب وفات پا گئے۔ ابھی اس صدمہ سے گویا وہ وقت نہیں گزر رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موس و ہمد مر فیقہ حیاتِ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ نے بھی اسی سال اس جہانِ فانی سے کوچ فرمایا۔ (ابن اتمر کے مطابق مقلطہ اور محصور کی حالت کے بعد شعیب سے ٹکٹے کے چھ ماہ بعد ہوئی اور ان کے تین دن بعد اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا جبکہ ابن سعد لکھتے ہیں ابوطالب کی عمر انتقال کے وقت اسی برس تھی ان کے ایک مہینہ پانچ دن بعد اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا گئی اس وقت ان کی عمر ۶۵ برس تھی۔ حکیم بن حزام کے حوالے سے بلاذری نے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی تاریخ وفات سن ۱۰ رمضان ۱۰ بعد بعثت نبوی لکھی ہے) اس سے قبل آپ کے دونوں صاحبزادے یکے بعد دیگرے کسی میں وفات پا گئے تو ان کا جناحہ حادثوں پر اہل مکہ کو ذرا رنج نہ ہوا بلکہ انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور خوشی کے شادیاں بچائے اور انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ان کا لڑکا تو کوئی رہا نہیں جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں نہیں رہیں گے تو یہ سلسلہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اس طرح انہوں نے اپنے اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ اہل مکہ کے لیے یہی رویوں ماحول اور حالات سے مایوس ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہاں کے لوگ دعوتِ حق کو قبول کرنے کے لیے آمادہ ہو جائیں۔ لیکن وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظالمانہ اور بے ہمانہ سلوک اختیار کیا گیا اس نے سابقہ زخموں پر نمک پاشی کا کام کیا۔ ان حالات میں جب ہر طرف سے یہ ظاہر ہوا کہ امید کی کامیابی کا سامنا ہو رہا تھا تب رحمتِ الہی نے اپنی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ کرانے کے لیے اپنے محبوب بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالمِ بالا کی سیر کے لیے بلا لیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طبیعت پر جو تکرر کا غبار محسوس فرما رہے ہیں اسے دور کر دیا جائے اگر غور و فکر کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ سفرِ معراج کے لیے اس سے موزوں وقت کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ (معراج کا واقعہ وادعی کے مطابق جسے ابن سعد نے نقل کیا ہے) ۱۲ رمضان المبارک ۱۲ بعد بعثت نبوی یعنی ہجرت سے اٹھارہ مہینے پہلے پیش آیا۔ ابن سعد کے حوالے سے ہی ایک اور روایت ہے جس میں معراج کا واقعہ تاریخ الاول بعد بعثت یعنی ہجرت سے ایک سال قبل بیان کیا ہے۔ یہی نے موسیٰ و بن عقبہ اور انہوں نے امام تہری کے حوالے سے معراج کی ہی تاریخ بیان کی ہے)

سببِ حسن، صحیح کا مصدر ہے اس کے معنی شیع یعنی پاک یا بیان کرنے کے ہیں امام سیوطی اللہ تعالیٰ ان میں لکھتے ہیں سببِ حسن (اللہ پاک ہے) اور سبحان اللہ اسری پاک ہے وہ ذات جو لے گیا سببِ حسن اللہ یعنی کہیں اللہ کی برکت سے تشریف اور برکت کرتا ہوں۔ اسری کے معنی رات کو لے جانا اور "لیل" اس لیے استعمال ہوا تاکہ رات کی قلب و صبح ہو جائے اس لیے وہ نکرہ ہے۔ یعنی رات کے ایک حصے میں یا کچھ حصے میں۔ تقریباً چالیس راتوں کا طویل ترین سفر پوری رات میں بھی نہیں بلکہ رات کے ایک قلیل حصے میں طے ہوا۔ یہاں واقعہ معراج کو انتہائی اختصار سے پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں ویسے تو یہ مسافت بہت طویل ہے اس پر محققین نے بہت کچھ اور بہت سا تحریر کیا ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ اپنی جگہ بڑا عجیب و غریب ہے۔ سفرِ معراج کا واقعہ ہجرت سے ایک سال قبل اور بعض روایت

کے مطابق اٹھارہ ماہ پیش آیا اس سفرِ مبارک کے بارے میں مسلمانوں کا ایک گروہ اس بات سے انکار کرتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی طور پر ہوئی۔ وہ اسے حلیتِ خواب سے تعبیر کرتے ہیں۔ معراج جسمانی تھی یا روحانی اس سلسلے میں بڑی تفصیلی بحث کتب میں موجود ہے۔ جبکہ اہل مکہ کفار و قریش اس کا مستحکم ثبوت اور اس کی تکذیب کرتے اور ثبوت طلب کرتے تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس توسط سے پوری مسلم امت پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام بھی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور علم و دانائی اہل ایمان پر آشکارہ کرنے کے لیے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سفرِ معراج کرایا۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے ہجرت سے قبل جو آیات قرآنی آپ پر نازل کی گئیں ان کی تعداد ۶۵ ہیں اور وہ سب کی سب اللہ کی وحدانیت اللہ کی قوت و حکمت و اقتدار سے متعلق ہیں یہی وجہ ہے کہ کئی اور مدنی سورتوں کا پس منظر طرزِ بیان اسلوب و آہنگ ایک دوسرے سے مختلف ہے کئی سورتیں عموماً اصولی تعلیمات پر مشتمل ہیں ان میں زیادہ زور عقائد اور اخلاق پر دیا گیا ہے۔ چنانچہ ان میں جو حیدر رسالت آخرت، تقویٰ، صبر و ثبات، فداکاری، اتفاق فی سبیل اللہ، اوقات سے منہ موڑنے والوں کا انجام اس کی مثالیں کفار و مشرکین کے التزامات کے جوابات بڑی خوبصورتی اور خوبی سے دی گئی ہیں۔ یہ تمام سورتیں مختصر اور پر جوش ہیں ان میں چھوٹے چھوٹے جملوں میں مطالب ادا کئے گئے ہیں اور ان میں پوری انسانیت کو مخاطب کیا گیا ہے۔

چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو علیٰ منہ کے طور پر بھی ہر چیز کا مشاہدہ کرنا تھا اور قرآن حکیم میں آگے آنے والی آیات جن میں لوگوں کو اولین الہی سکھانے اور سمجھانے تھے اور ان کو نہ ماننے کی سزا سے اور ماننے کی جزا سے آگاہی کے ساتھ ساتھ خوف بھی پیدا کرنا مقصود تھا۔ جنت و دوزخ اور ہر اعمال کی تفصیلی جزا و سزا کا ادرار بھی کرنا تھا۔ جن کا ذکر اس سفرِ معراج کے بعد قرآن حکیم میں آیا۔ وہ تمام واقعات و اعمال جن کا ذکر قرآن حکیم میں آیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے سفرِ معراج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم دید کر کے اس پر آپ کو گواہ بھی بنایا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں سورۃ الاحزاب کی آیات ۴۵ و ۴۶ میں کہا گیا ہے۔ ”اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تم کو گواہ اور خوش خبری دینے والا ڈرانے والا اور اللہ کے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا ایک روشن گراں فاب بنا کر بھیجا ہے۔“ اس سے بھی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کا سفر ان کے پورے ہوش و حواس اور توانائیوں کے ساتھ کرایا۔ تاکہ جب آپ اس سفر کی تفصیل سے اہل مکہ اور کفار و قریش کو گواہ کریں تو وہ اس پر اپنے رد عمل کا فوری اظہار کریں اور پھر جب وقتاً فوقتاً وہ تمام باتیں جو سالوں بعد قرآن حکیم کی آیات کے ذریعے ان تک پہنچیں تو وہ ذہنی طور پر پہلے سے تیار ہوں اور ان کی صداقت پر انہیں کوئی دوسرے شک و شبہ نہ رہے۔ آیات قرآنی احکام الہی کی ہیبت و قوت ان پر طاری ہو جائے اور قرآنی احکام کی چشم دید گواہی کا احوال وہ پہلے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ معراج میں سن چکے تھے۔ یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان احادیث مبارکہ کا ایک جامع خلاصہ پیش کر دیا جائے جن میں معراج رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حیرت انگیز سفر کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور یہ بھی کہ معراج سے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پیغام اللہ کی جانب سے سلا تھا وہ دنیا کے سامنے کس طرح پیش کیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مصعب بن عمیر نے تقریباً بارہ سال گزرے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارکہ اس وقت باون برس کی تھی۔ ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم حرمِ کعبہ میں استراحت فرما رہے تھے کہ احاب تک حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیدار کیا اور تم غنودی کے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہ زمزم پر لے گئے۔ وہاں حکم الہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک چاک کر کے آب زمزم سے دھویا اور علم پر برداری

دائمی اور ایمان و یقین سے بھر دیا۔ (بخاری) مسلم، مسند احمد، حاکم ابن جریر، ابن ابی حاتم، طبرانی، راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے لیے ایک سفید رنگ کا جانور براق پیش کیا گیا جو قدم میں گوندھے سے بڑا تھا اور نچر سے کسی قدر چھوٹا جو برق کی رفتار سے چلتا تھا براق کا لفظ برق (بھلی) سے ماخوذ ہے اس کی رفتار برق کی مانند تھی اس لیے اسے براق کہا گیا تحقیق کے مطابق اس کی رفتار ایک لاکھ چھاسی ہزار میل فی سیکنڈ تھی۔ اس کا ہر قدم حد نگاہ پر پڑتا تھا۔ (جہاں تک ہماری نگاہ کام کرتی ہے یعنی نگلی آنکھوں سے ہم چاند سورج ستارے دور دور تک دیکھ سکتے ہیں۔ اس سے براق کی رفتار کا اندازہ کیا جاسکتا ہے اسے ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ آج جو مصنوعی سارے خلا میں بھیجے جاتے ہیں ان سے بھی کہیں زیادہ اس کی رفتار ہے) اسی نسبت سے اس کا نام براق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس پر سوار ہونے لگے تو وہ چمکا جس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اسے ٹھکی دے کر کہا۔ ”دیکھ کیا کرتا ہے“ آج تک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بڑی شخصیت کا کوئی انسان تجھ پر سوار نہیں ہوا۔“ اس پر براق شرمندہ ہو کر پسینے پسینے ہو گیا۔ (مسند احمد ترمذی ابن حبان ابن جریر ابن اسحاق ابن سعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سوار ہوئے تو وہ چلا حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ چلے (ابن جریر، بیہقی، نسائی، حاکم ابن ابی حاتم، طبرانی، بزار اور ابن سعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کی پہلی منزل مدینہ منورہ کی تھی جہاں انہوں نے نماز پڑھی۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا اس جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے آئیں گے دوسری منزل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طور سینا کی تھی جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری منزل بیت اللحم کی تھی جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے چوتھی منزل پر بیت المقدس تھا جہاں براق کا یہ سفر ختم ہوا۔ واقعات معراج میں سواری یعنی براق کا استعمال سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ سفر جسمانی تھا اور خود سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت جو سفر معراج پر سند ہے اس میں اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے۔ ”پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات ہی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا اور سورۃ میں عبد کا استعمال اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آپ کو روح مع لکھنہ یہ سفر کرایا گیا۔ ورنہ تو لفظ عبد کی جگہ روح یا اس کے مماثل کوئی لفظ استعمال کیا جاتا۔ ایسی برق رفتار سواری کا سوار بھی ایسا ہی قوی اور مضبوط ہونا چاہیے جب ہی تو ایک کڑور گیارہ لاکھ ساٹھ ہزار فی گھنٹہ رفتار رکھنے والی سواری پر سفر کر سکتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اور مضبوطی کا اظہار اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۱ میں بیان فرمایا ہے۔ ”اگر ہم اس قرآن کی کسی پہاڑ پر اتارتے تو تو دیکھتا کہ وہ خوف الہی سے پست ہو کر ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ اس سے بھی یہ بات واضح اور ثابت ہو جاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بذات خود مکمل جسمانی طور پر یہ سفر معراج فرمایا اس کے علاوہ بھی اگر ذیل کی احادیث مبارکہ پر غور کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے اللہ کے لیے سب کچھ کرنا ممکن ہے اللہ جو صرف اپنے ارادے سے سب کچھ کر سکتا ہے۔

(جاری ہے)



مشعل

ملیحہ احمد

آسیہ عروج

پیارے پیارے آپ چل پڑھنے اور اڑھنے والوں کو مابدولت آسیہ عروج کا پیار بھر اسلام۔ السلام علیکم کیسی ہو دوستو! یقیناً حمرے میں ہوں گی ہر ماہ اپنی دوستو کا تعارف پڑھتی ہوں سوچا کیوں نہ اس بار آپ لوگوں سے اپنا تعارف ہی کروادوں۔ نام آسیہ پیار سے سب عاشق کہتے ہیں ماشاء اللہ سے میرے پانچ بھائی ہیں اور چار بہنیں ہیں میرا نمبر چھٹا ہے۔ امی ابو اور بہن بھائیوں سے بہت پیار ہے بھائی منظر اور باہر بھائی اودا آپی ساجدہ آپی راشدہ اور فرزانہ کی شادی ہو چکی ہے۔ جاوید بھائی عمران بھائی کی (اور میری) منگنی ہو چکی ہے۔ باہر بھائی اور بھابی خالدہ کے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے جو کہ سب کے بہت لاڈلے ہیں آپ سب دوستیں بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بھائی منظر اور بھائی عصمت کو اولاد سے نوازے اور آپی ساجدہ راشدہ کے لیے بھی پلیز اور فرزانہ کی پیاری سی بیٹی ہے سعد یہ جو کہ دو ماہ کی ہے آپ بھی سوچ رہے ہوں گے یہ تو اپنے گھر والوں کا تعارف کروا رہی ہے بیٹائی چلوں کہ میرا تعارف تو میرے گھر والوں سے مکمل ہوتا ہے۔ اب بات ہو جائے کچھ اپنے بارے میں کلرز میں بلیک کسی گرین پر پل پسند ہے۔ جیلری میں سب کچھ ہی اچھا لگتا ہے شادی بیاہ ہو تو ویسے تو سادگی اچھی لگتی ہے خوشبو میں گلاب اور چمکی کی خوشبو اچھی لگتی ہے اور بہت زیادہ حساس ہوں۔ کسی کا دکھ برداشت نہیں کر سکتی کہانیوں میں جب حتمکین ساسین ہو تو رونا آ جاتا ہے۔ فارغ وقت میں میری بہترین تفریح ڈائجسٹ پڑھنا ہے گرمیوں کی لمبی دوپہروں میں اور سرویوں کی لمبی اور ٹھنڈی راتوں میں رسالے پڑھنا بہت پسند ہے۔ آپ چل میرا پسندیدہ رسالہ ہے ہر ماہ آپ چل کا شدت سے انتظار رہتا ہے ہماری اصلاح کے لیے یہ

رسائل جو ہیں جن سے ہم بہت کچھ سیکھتے ہیں یہ اسٹوریز ہمیں سکھاتی ہیں کہ ہمیں زندگی کس طرح گزارنی چاہیے کون سی بات ہماری زندگی پر اچھا تاثر ڈالے گی۔ پسندیدہ راسخو تو بہت ساری ہیں کسی ایک کا نام لکھوں تو نا انصافی ہوگی۔ شاعری کی جنون کی حد تک دیوانی ہوں نازیہ کنول نازی اور وحی شاہ پروین شاکر کی شاعری بہت زیادہ پسند ہے۔ ہم لوگ گاؤں میں رہتے ہیں اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے گھر میں ہر وہ سہولت موجود ہے جو کہ شہر میں ہوتی ہے۔ زندگی میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ گھر میں امی ابو اور اکرام بھائی ہوتے ہیں اور میں بھی چاروں بھائی اپنے کام کے سلسلے میں دوسرے شہروں میں ہوتے ہیں۔ جب سب بہن بھائی آتے ہیں تو عید کا ساں لگتا ہے۔ 21 سال پہلے اس دنیا میں تشریف لائی مارچ کی 3 تاریخ کو تعلیم اپنی خاص نہیں۔ میری بیسٹ فرینڈ ز بشری شازیہ صبا اور میری آپی ساجدہ بھی ہے جس سے میں اپنے دل کی ہر بات کہہ دیتی ہوں اور تمام کزن شباہ شائلہ نازیہ ماریہ ارے سب کے نام لکھوں گی تو بہت لمبا ہو جائے گا سب سے بہت اچھی بیٹی ہے اور میں کوئٹہ بہت اچھی کر سکتی ہوں سب کہتے ہیں۔ گھر کا کام میں خود کرتی ہوں امی کو نہیں کرنے دیتی کوئی مجھ سے جھوٹ بولے تو برداشت نہیں ہوتا میں چاہتی ہوں جیسے میں ہر ایک سے مخلص ہوں ایسے ہی سب ہوں۔ آج تک کسی کا برا نہیں چاہا اور جب غصہ آتا ہے تو کوشش کرتی ہوں کہ کنٹرول کر لوں اور نہ کروں تو چیزوں پر ٹکاتی ہوں اور کھانے میں ویسے تو ہر چیز کھا لیتی ہوں لیکن جو فوڈ ہے چار گوشت شملہ مرغ بریانی پیٹھے میں کسر پز پسند ہے اور امبر گل تم سے یہ کہنا چاہوں گی کہ تمہاری امی کی وفات کا مجھے بے انتہا دکھ ہوا اللہ تعالیٰ تم کو صبر عطا فرمائے پاکستانی ڈرامے شوق سے دیکھتی ہوں ہم کی وی فرحت اشتیاق کو دیکھا آپ فرحت آپ بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ مجھے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ان کی احادیث سے بے انتہا پیار ہے آخر میں بس یہی کہنا چاہوں گی کہ اپنے ماں باپ اور

اپنے سے وابستہ ہر اس رشتے کی قدر کریں میری باتیں
آپ کو کیسی لگیں دوستوں اپنی آراء سے ضرور آگاہ کیجیے گا
اوکے دوستو اللہ حافظ دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

زینب دلیو اعوان

ہم بہت مان و ارمان سے اپنا تعارف لے کر آئے ہیں
اس ناچیز کا محبتوں بھرا سلام آپ کل سے وابستہ تمام لوگوں
کے نام عرض کرتی ہوں۔ امید ہے آپ سب لوگ ٹھیک
ٹھاک ہوں گے آپ کل میں نے 2016ء میں پہلی بار پڑھا
اور کافی اچھا لگا اس سے پہلے کوئی بھی ڈائجسٹ ہاتھ لگتا
پڑھ لیا کرتی تھی۔ آپ کل سے مجھے کافی کچھ سیکھنے کو ملا اس
لیے اب صرف آپ کل تک ہی محدود ہو کر رہی ہوں تو اب
آتے ہیں اپنے تعارف کی طرف۔ میری تاریخ پیدائش
23 مارچ 2000ء ہے اسٹار ایس ہے ویسے میں ان پر
بہت ہی کم یقین رکھتی ہوں کیونکہ انسان کے ساتھ وہی
کچھ ہوتا ہے جو اللہ نے اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہو۔ ہم آٹھ
بہن بھائی ہیں نابہولت کا نمبر پانچواں ہے مجھے بڑی دو
بہنیں ایک بھائی شادی شدہ ہے۔ مجھے اپنی سستی سے
بہت پیار ہے وہ اس عید پر ہمارے لیے اپنے ساتھ ڈھیر
ساری خوشیاں لائی ہے گھر میں سب سے چھوٹی ہونے
کے ساتھ ساتھ گھر بھر کی لاڈلی بھی ہے ایڈ (آئی لو
امثال)۔ فرسٹ ایئر کی طالب علم ہوں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم
حاصل کرنے کا بہت شوق ہے اپنی فیملی اور اپنے پیارے
وطن کے لیے کچھ کر دکھانا چاہتی ہوں۔ ایئر فورس میں
جانے کا جنون کی حد تک شوق ہے اس لیے دعا کیجیے گا کہ
میرا یہ شوق پورا ہو سکے۔ اب بات ہو جائے خویوں اور
خامیوں کی تو پہلے خامیوں کی تو بہت جلد غصہ جاتا ہے (ہا
نہیں کیوں) ضدی بہت ہوں (گھر والوں کی زبانی)
کھانا پکانا نہیں آتا، کوشش تو بہت کرتی ہوں مگر کچھ نہیں
پاتی۔ اب آتے ہیں خویوں کی طرف تو پانچ وقت کی نماز
پڑھنے کی کوشش کرتی ہوں اور کافی حد تک اس میں
کامیاب بھی رہتی ہوں۔ مہندی بھی لگاتی ہوں بہت
حساس دل ہوں کسی کو دکھی نہیں دیکھ سکتی۔ شعر و شاعری سے

بہت لگاؤ ہے یوں ہی سمجھ لیجیے کہ رماحت میں ملی ہے۔
سردیوں میں آگس کریم، مچھلی کھانا بہت اچھا لگتا ہے
سردیوں کا موسم بہت اٹریکٹ کرتا ہے۔ کلرز میں مجھے
پنک گرین اسکاٹے بلو بہت اچھا لگتا ہے ہناروں کا موسم
بھی بہت پسند ہے۔ بارش میں بیگنا اور بارش کے بعد
کے منظر کو دیر تک دیکھنا تو اور بھی زیادہ اچھا لگتا ہے۔
پھولوں میں مجھے گلاب اور موسمی کی خوشبو پسند ہے
کھانے میں بریانی، گوشت اور گوار چھلی بہت پسند ہے۔
جیلری بہت پسند ہے، پہنتی بہت ہی کم ہوں، جس میں
مجھے رنگ اور بریسلٹ بہت پسند ہے موڈ ہوا تو بہن بھی
لیتی ہوں۔ دنیا میں سب سے زیادہ حسین والدین کا مقدس
رشتہ ہے گفت دینا پسند کرتی ہوں کیونکہ اس سے محبت
بڑھتی ہے۔ مجھے مکتہ معظمہ اور مدینہ منورہ دیکھنے کا بہت
شوق ہے اور آپ سب دعا ضرور کیجیے گا کہ میرا یہ شوق جلد
از جلد پورا ہو سکے میرا پسندیدہ شہر اسلام آباد انڈسٹری ہے۔
سمندر کو دور سے دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے سچے اور کھرے
لوگ بہت پسند ہیں، منافق لوگوں سے سخت نفرت ہے
میں بڑی خوش مزاج بھی ہوں موڈ ہوا تو خود بھی ہنس لیا اور
دوسروں کو بھی ہنسایا۔ کپڑوں میں فراک اور چوڑی دار
پاجامہ بہت پسند ہے۔ مجھے کاج لائف بہت پسند ہے اور
اتنا ہی انجوائے بھی کرنا چاہتی ہوں اگر راسٹرز کی بات
ہو جائے تو نازیہ کنول نازی، سمیرا شریف طرز فاعرہ گل کی
اسٹوریز بہت پسند ہیں اور ان سے دوستی کرنا اور ملنا تو میرا
خواب ہے۔ چاند کو دیر تک دیکھنا بہت ہی اچھا لگتا ہے اور
سردیوں میں چاندنی راتیں تو اور بھی زیادہ اچھی لگتی ہے۔
فروٹ آف انڈیا اور مالٹے بہت پسند ہیں۔ بیٹھے میں کھیر
کسٹرڈ بہت اچھا لگتا ہے، سنگرز میں ارجیت سنگھ راحت فتح
علی خان اور عاطف اسلم کے گانے بہت پسند ہیں۔ بہت
کھلے دل کی مالک ہوں، فضول خرچ بالکل بھی نہیں
ہوں۔ خوب صورت چیزیں بہت اٹریکٹ کرتی ہیں خواہ وہ
کوئی خوب صورت منظر ہو یا کوئی انسان۔ کھیلوں میں
کرکٹ کھیلتا بہت پسند ہے میں حمیرا رشید صفانا خان، ماہم

اور انصاری عکس فاطمہ بیرون افضل شاہین نور المثل
شہزادی انجم برٹانی، نجم انجم انھید چوہدری میزاب
نصروارم کمال کرن شہزادی باقی جن کا نام رہ گیا ہے میں
ان سب سے دوستی کی خواہش مند ہوں اگر کوئی مجھ سے
دوستی کرنا چاہے تو میری طرف سے ویلک اگر آپ کو میرا
تعارف اچھا لگا تو ضرور بتائیے گا ناخال رکھیے گا اور ہمیشہ
مجھے دعاؤں میں یاد رکھیے گا کوئی غلطی ہوگئی ہو تو پلیز
معاف کر دیجیے گا اس کے ساتھ ہی اللہ حافظ۔

وزیہ سحرین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! تمام آپ کل اسٹاف اور
تمام فرینڈز کو میرا محبت بھرا عا جزا نہ سلام۔ کیسے ہیں آپ
سب؟ امید ہے کہ سب خیریت سے ہوں گے 25 دسمبر
1995ء کو اللہ تعالیٰ نے اس کھوٹ سے بھری دنیا میں
مطلب پرست بے وفا سنگ دل لوگوں کو سدھارنے کے
لیے مجھ معصوم اکیلی جان کو بھیج دیا۔ ماما جان کہتی ہیں کہ
جب تم پیدا ہو میں تو بہت نفیس اور خوب صورت بچی تھیں
(آہم) مجھے ایک خوب صورت اکیڈمزویہ پسند تھی تو اس
کے نام پر تمہارا نام رکھ دیا مجھے اپنا نام بہت پسند ہے کیونکہ
میں اپنے ہم نام لوگ دنیا میں بہت کم دیکھے ہیں (ارے
بھئی، ہم منفرد ہیں ناں) اگر پرستی مجھ سے میرے بارے
میں پوچھا جائے تو میں یہی کہوں گی کہ میں بہت سادہ
طبیعت کی مالک ہوں دل سے سب کی قدر کرتی ہوں کسی
کو تکلیف پریشانی میں نہیں دیکھ سکتی میں ہر حال میں ہر
ماحول میں رہنے والی لڑکی ہوں۔ ہر طرح کے حالات کے
لیے خود کو تیار رکھتی ہوں اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھتی ہوں جو
اللہ نے میری قسمت میں لکھ دیا وہ مجھے ضرور ملے گا۔ کسی
سے بے رخی غصہ یا اتنا میں بات نہیں کرتی کیونکہ مجھے اللہ
جہ بہت ڈر لگتا ہے اور میں محنتی ہوں کہ انسان کا ہر عمل ہر
اللہ بھی نہ سمجھی اس کے آگے ضرور آتا ہے۔ میں بہت
ہڈ ہالی لڑکی ہوں غصہ بہت جلدی آتا ہے اور بہت جلد اثر
ہاتا ہے کبھی بھی اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس کرتی
ہوں نے کو دل چاہتا ہے میرے دوست احباب مجھ

سے کہتے ہیں وزی تم رویا مت کرو کمزور دل لوگ روتے
ہیں اور ہماری وزیہ تو بہت بہادر ہے بہت حساس فطرت
ہوں جس سے محبت کرتی ہوں اس کی بے رخی برداشت
نہیں ہوتی اور کوئی مجھے اگنور کرے تو بہت غصہ آتا ہے میں
اپنے ہر رشتے سے بہت مخلص ہوں لیکن افسوس دنیا میں
بہت کم لوگ مجھے سمجھتے ہیں خیر محبتوں کے معاملے میں
بہت خوش قسمت ہوں مجھ سے سب بہت محبت کرتے
ہیں۔ میری فیملی میری فرینڈز بھی کبھی اتنی محبت دیکھ کر گھبرا
جاتی ہوں بس اللہ کا کرم ہے (آہم) میں ہر کسی پر اعتبار
کر سکتی ہوں اگر بھروسہ ٹوٹ جائے تو شکوہ نہیں کرتی بس
خاموشی سے چھوڑ دیتی ہوں جیواور جینے دو پر عمل کرتی ہوں
اگر پسند کا پوچھا جائے تو اللہ کی بنائی ہر چیز پسند ہے مگر مجھے
پنک گلر بہت پسند ہے اور وقت میں سے مغرب کا وقت
مجھے ہمیشہ اپنی سبیلی تھیلہ کا آٹو گراف یاد آتا ہے جس پر
اس نے لکھا تھا ہم روز اداس ہوتے ہیں اور یہ شام گزر جاتی
ہے کسی روز شام اداس ہوگی اور ہم گزر جائیں گے اور رات
کے وقت سفر کرنا اچھا لگتا ہے۔ تنہائی بھی کبھی اچھی لگتی
ہے ویسے میری دادی جان کہتی ہیں کہ تم بہت بہادر ہو ہاں
کبھی میں بہادر ہوا کر کرتی تھی مگر اب کچھ عرصہ سے میں
بہت بدل گئی ہوں کبھی میں بہت منہ بھٹ بھی ہوا کرتی
تھی مگر اب ایسا کچھ بھی نہیں ہے میں کچھ کرنا چاہتی ہوں
روزانہ رات کو میں روتی ہوں کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا اور
ایک دن گزر گیا۔ میں انتہائی شدت پسند جنونی لڑکی ہوں
مجھے اپنی بے عادت بالکل پسند نہیں اور خوبی یہ کہ میں دوسروں
کا دل نہیں دکھاتی گھر میں جینے پہنتی ہوں یونیورسٹی میں تو
گاؤن پہن کر جاتی ہوں۔ میری دوستیں مجھ سے بہت
محبت کرتی ہیں ٹو ٹو جانا یہ ہو سکتا ہے کہ میں تمہارا نام نہ لوں
ارے ارے تم منہ نہ بھولاؤ تمہارا نام بھی ضرور لوگی۔ ثانی تم تو
آنسو صاف کرو کھر شرم منہ بند کر کبھی نہ چلی جائے مانی
ساری تمہارا بارے میں ذکر نہ کروں یہ ہو سکتا ہے جہاں تم
وہاں میں جہاں میں وہاں تم اور..... میرے ٹیچرز نے مجھے
بہت زیادہ سپورٹ کیا۔ میں دل سے ان کی بے حد مشکور

دلکش سیرگشاہ فاخرہ گل

ہوں اب آپ کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں تھک گئی ہوگی اجازت چاہتی ہوں۔ تازیہ کنول بہت اچھا سنتی ہیں دعا کیجئے گا کہ میں بھی آپ کی طرح لکھ پاؤں بہت جلد میری کتاب (ایک درد ہے میرے دل میں) شائع ہونے والی ہے پڑھنا مت بھولے گا اجازت اللہ حافظ۔

سیدہ رقیہ اسماعیل شاہ

السلام علیکم نوآل ریڈرز اینڈ رائٹرز ارے بھی آپ سب لوگ ایک سادہ دل لڑکی سے متعارف ہونے کے لیے تیار ہیں (جی) چلیں پھر ٹھیک ہے تیار ہو جائے۔ نام تو ہم آپ کو بتا ہی چکے ہیں بانی رہ گئی پیدائش تو میں 13 نومبر 1993ء کو اس دنیا میں وارد ہوئی اور اپنے ماما پاپا کی اتنی لاڈلی ہوں کہ جنہیں ہے چار بھائی اور ایک بہن ہے پہلے تو میں اکلوتی تھی مگر بھلا ہو چھوٹی طوبی! یمن کا جس نے سب سے آخر میں آ کر میرے اکلوتے پن کو ختم کر دیا اور اب ماما پاپا کا لاڈ زیادہ وہ بھڑی ہے اس سے آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہماری اہمیت ختم ہو گئی ہے نہیں ابھی ہماری اہمیت تو بھی اول روز کی طرح برقرار ہے اور ان شاء اللہ رہے گی۔ چھ بہن بھائیوں میں میرا نمبر تیسرا ہے مجھ سے بڑے دو بھائی ہیں اور دو بھائی اور ایک بہن مجھ سے چھوٹی ہے۔ انجیکشن ہے میری میٹرک اس کے بعد عالمہ کے کورس کا دوسرا سال ہے میرے پاپا کی خواہش تھی یہ سواس خواہش پر عمل درآمد جاری ہے۔ آچل از مانی فیورٹ ڈائجسٹ آنٹی فرحتہ آراء کی جدائی ناقابل برداشت ہے لیکن ان شاء اللہ ہمارے دلوں میں ہمیشہ زندہ رہیں گی۔ بہادپور سے آگے یزمان ہے جہاں میں رہتی ہوں اور مجھے اپنے شہر سے بہت پیار ہے چلیں بھی بات ہو جائے کچھ پسند نا پسند کی تو جناب کھانے میں مجھے مسور کی دال اور چاول اور چائیز رائس بھی بہت پسند ہیں اس کے علاوہ سبندی از مانی فیورٹ ڈش۔ ڈریسر مجھے رواج کے مطابق اچھے لگتے ہیں لیکن اس میں بھی سادگی ہونی چاہیے نہ کہ بے حیائی ویسے ماما مجھے سازشی سمجھنے نہیں دیتیں چلیں کوئی بات نہیں۔ شادی زندہ باد شادی کے بعد پھمن لیس گے ان



آگہی کا عذاب باقی ہے
کھل گئی آنکھ خواب باقی ہے

وقت منتلی تھا اڑ گیا کب کا
ڈاری میں گلاب باقی ہے

گزشتہ قسط کا خلاصہ

اجیہ ڈاکٹر کی بات پر دنگ رہ جاتی ہے اسے سمجھ نہیں آتی کہ وہ یہ خوش خبری کس سے شیئر کرے ایسے میں وہ جلد از جلد اریش سے رابطہ کرنا چاہتی ہے اور اس کے لیے گھر پہنچنا لازمی ہوتا ہے لیکن ڈاکٹر اسے فی الحال جانے نہیں دیتی، غزنی حنین کے ذریعے اریش کے تمام ڈاکوئنٹس حاصل کرتا ہے اور آخر میں یہ بات اس کے لیے بے حد حیران کن ہوتی ہے کہ یہ اریش اجیہ کا شوہر ہے اریش کو اپنے سامنے دیکھ کر غزنی بدلے کی آگ میں جلنے لگتا ہے دوسری طرف شرمین کے لیے بھی یہ خبر کسکی انہونی سے کم نہیں ہوتی ایسے میں وہ فوراً اریش کی ممی کو بتاتی ہے کہ اسے اریش کا علم ہو گیا ہے اریش کی ممی اس کی بے حد ممنون نظر آتی ہیں مافس میں اریش شرمین سے نہیں مل پاتا اور وہ خود بھی اس کے سامنے آنے سے کتراتے ہیں۔ اریش کے لیے چند گھنٹے بعد کا سفر بہت سی مشکلات لے کر آتا ہے اجیہ کو سمجھانا اور اس سے رابطہ کرنا بے حد دشوار لگتا ہے ایسے میں وہ اپنے گھر جا کر اپنی ماں کو تمام صورت حال بتانا چاہتا ہے لیکن وہاں موجود سکندر صاحب کو دیکھ کر اور ان کی عامیانہ گفتگو کو نہ کر اسے اپنی ماں پر بے حد غصہ آتا ہے جو چپ چاپ اس شخص کی بات سن رہی تھیں وہ ان سے ملے بغیر واپس گھر لوٹ جاتا ہے جہاں اجیہ ابھی تک لوٹ کر نہیں آئی، غصے میں وہ اجیہ کا فون بھی توڑ ڈالتا ہے اور غزنی کی جلدی جلدی سامان سمیٹتے سفر کے لیے روانہ

اب آگے پڑھیے

باجھ ارادہ اور کوئی
جھوٹا وعدہ اور کوئی

ہم جیسا کیا دیکھا ہے؟
تم نے سادہ اور کوئی
دل میں سارا کھوٹ ہی کھوٹ
تن میں لبادہ اور کوئی
نکلے تھے ہم اپنے گھر سے
کر کے ارادہ اور کوئی
آخر کس امید پر مانگیں
امجد وعدہ اور کوئی

سکندر صاحب نے ہمیشہ ہی تمام گھر والوں کی امیدوں کے برعکس کام کیا تھا اکثر اوقات ہی ایسا ہوتا کہ ان سے توقع کسی اور عمل کی ہوتی اور ان کے افعال کوئی اور آئینہ دکھارے ہوتے لیکن پہلے ان کے والدین ان کی ہر بات کو نظر انداز کرتے چلائے تھے اور ان کے دنیا سے جانے کے بعد ان کے بڑے بھائی نے بھی والدین ہی کی روش اختیار کیے رکھی وہ ہمیشہ انہیں چھوٹا بھائی ہونے کا فائدہ دیتے چلائے تھے لیکن یہ سب تک کا معاملہ تھا جب تک سارے معاملات ان تک محدود تھے لیکن اب اولاد کا وقت تھا اور ویسے بھی جب اولاد اپنے قد کے برابر آنے لگے تو ان کی رائے کو اہمیت دینی ہی پڑتی ہے کسی بھی کام کے لیے پاس بٹھا کر مشورہ بھی کیا جاتا ہے اور یہی باشعور اور محمد اراؤالدین کی نشانی بھی ہے۔

اور ابابا کا بھی یہی طریقہ تھا گھر کا کوئی بھی اہم معاملہ ہوتا وہ نہ صرف ماں بلکہ غزنی کے سامنے بھی تمام معاملہ رکھتے اور ان دونوں کے مشورے کے بعد ہی کوئی بھی فیصلہ عمل میں لاتے لیکن آج جب ماں نے سکندر صاحب کی خواہش ان تک پہنچائی تو پہلے تو وہ خود محو نچکارہ گئے کہ آخر یہ کیسی بات کی ہے انہوں نے پھر بہن، پیاز چھلکی ماں کو مخاطب کیا۔

”آپ کو یقین ہے کہ سکندر نے یہ بات مکمل سنجیدگی سے ہی کی تھی؟“ وہ ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر سکندر صاحب سے محمداری کی امید لگائے بیٹھے تھے۔
”یقین کیوں نہ ہو مجھے یہ سب کچھ انہوں نے حنین

کے سامنے ہی تو کہا تھا اور پھر میرا ان کے ساتھ کون سا مذاق کا رشتہ ہے کہ وہ یوں بیٹھے بٹھائے مجھے لطیفے سنانے لگ جائیں گے۔“

”اوہ ہو بیگم صاحبہ میں نے ایسا کب کہا؟“ لہجے میں شکستگی سموئے انہیں اپنی بات کی وضاحت دینی پڑی تھی۔
”بھئی وراصل مجھے ہرگز بھی سکندر سے اس حد تک بے حسی کی امید نہیں تھی کہ بیوی زندگی موت کی جنگ لڑتے اسپتال میں بڑی ہو اور وہ اس بات پر اصرار کرنے لگے کہ اس کی بیٹی کی رخصتی ہو جانی چاہیے۔“

”ہمم..... کہتے تو آپ ٹھیک ہی ہیں اور اس وقت جو تاثرات حنین کے چہرے پر میں نے دیکھے تھے آپ یقین کریں میرا دل کٹ کر رہ گیا تھا کیا سمجھتی ہوگی وہ کہ اس کے ابا اب اسے ایک بوجھ کی طرح سر سے اتار پھینکنا چاہتے ہیں اور خواہ اپنے منہ سے کہہ رہے ہیں کہ بہن اب جتنی جلدی ہو سکے اسے لے جاؤ۔“ ماں اپنے کام میں مصروف رہ کر بولیں۔

”ویسے میں یہ سوچتی ہوں تو دل میں شدید گھٹن کا احساس ہوتا ہے کہ کتنی بد نصیب ہوتی ہیں وہ بیٹیاں جنہیں اپنے باپ کی محبت اس کا سہارا اور اعتماد ہی میسر نہ ہو۔“

ماں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔
ان کی اپنی تو کوئی بیٹی نہیں تھی لیکن آخر وہ خود بھی تو کسی کی بیٹی تھیں اور بیٹیوں کے جذبات اور احساسات خوب سمجھتی تھیں یہی وجہ تھی کہ اب تک ان کے ذہن کے پردے سے حنین کے چہرے پر موجود ان تاثرات کا نقش نہیں اترتا تھا جو سکندر صاحب کی بات سنتے ہی فوری طور پر اس کے چہرے پر ابھرے تھے اور وہ لمحات ایسے تھے کہ جب انہیں حنین سے محبت محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ اس پر ترس آتا تھا اس کے لیے دل میں ہمدردی بھی پیدا ہوتی تھی۔

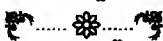
محبت پر رحم غالب آ گیا تھا..... اور تب انہوں نے اپنے دل میں عہد بھی کیا تھا کہ وہ اپنے جیتے جی حنین کے چہرے پر یہ تاثرات دوبارہ کبھی بھی آنے نہیں دیں گی۔

کی حسرتیں اور جائز خواہش تک لپیٹ کر دے دی جائیں۔ کچھ اللہ کا خوف بھی ہے آپ کے بھائی کو کہ نہیں ہونہ ساری عمر گزر گئی مگر اب تک ان کا مزاج نہ بدلا دنیا کے لیے بہترین اور گھر والوں کے لیے بدترین۔ اماں کو بہت کم ہی غصہ آتا تھا لیکن آج جو غصہ آتا تو اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اور اس کی وجہ جنین کے وہ تاثرات تھے جو انہوں نے رخصتی کی بات پر اس کے چہرے پر دیکھے ابا کچھ دیر گہری سانس لے کر لب بھینچے انہیں دیکھتے رہے پھر کچھ سوچ کر بولے۔

”میرا تو خیال ہے کہ اگر سکندر خود کہہ رہا ہے کہ جنین کی رخصتی کر دی جائے تو ہمیں فوراً اس کی بات مان لینی چاہیے ڈھول ڈھکے کے بغیر بھی تو یہ کام ہو سکتا ہے اور ویسے بھی نکاح بھی پہلے وہیں اسپتال میں ہوا تھا تو رخصتی بھی وہیں سے کرالیں گے بڑی خاموشی اور سادگی سے اس کے بعد اگر جنین چاہے جو کہ یقیناً وہ چاہے گی تو یہاں سے روز اپنی ماں کے پاس اسپتال جا سکتی ہے۔“

”ہاں میرا بھی یہی خیال ہے بس سکندر یہ چاہتا ہے کہ کسی طریقے سے اس پر سے یہ ذمہ داری ختم ہو اور پھر بے شک وہ اسپتال میں دین میں بیٹھے بیارات کو تو اسے کسی قسم کی فکر نہ ہو۔“ اماں رخ تھیں اور یہی ابھی کچھ دیر اور برقرار رہتی تھی۔

”تو بس ٹھیک ہے غرنی کے آنے کا انتظار کرو مجھے امید ہے کہ وہ ہماری رائے کا احترام کرے گا اور اگر اسے کوئی اعتراض نہ ہوا تو میں تو کہوں گا کہ آج ہی جنین کو گھر لے آیا جائے باقی اگر اپنے چاؤ پورے کرنے بھی ہوں تو بعد میں آرام سے دلیمہ پر کرکریں گے۔“ وہ دونوں ایک بات پر متفق ہو چکے تھے اور اب غرنی کے انتظار میں تھے کہ وہ آ کر ان کی رائے کو فیصلے کی شکل دے۔



ابھی تو رت بدلتی تھی ابھی تو پھول کھلتے تھے
ابھی تو رات ڈھلتی تھی ابھی تو زخم سلتے تھے
ابھی تو سر زمین جاں پر اک بادل کو گھرنا تھا

”بیگم صاحبہ پہلے ایک بات تو آپ مجھے یہ بتائیں ناں کہ یہ جو آپ کی آنکھوں میں، میں اپنی اپنی گناہگار آنکھوں سے آنسو دیکھ رہا ہوں تو ان کا سبب سکندر ہے یا پھر یہ پیاز؟“ انہوں نے اٹھ کر ٹیبل سے نشو لیا اور انہیں پیش کر دیا۔

”میں اس وقت بہت سنجیدہ ہوں۔“ ان کے ہاتھ سے نشو لے کر آنسو صاف کرتے ہوئے وہ بولیں۔

”میں سمجھ سکتا ہوں، لیکن خیر مذاق تو میں بھی نہیں کر رہا ناں بلکہ میں اسی متعلق سوچ رہا ہوں کہ آخرا ب کیا کرنا چاہیے؟“ اماں پیاز کاٹ چکی تھیں اور ان کی خوشبو پھیلنے لگی تھی ابا نے قریب رکھی پلیٹ سے انہیں ڈھکتے ہوئے کہا۔

”آپ کا کیا خیال ہے کیا ہم ان حالات میں جنین کی رخصتی کرائیں گے تو کچھ غیر مناسب تو معلوم نہیں ہوگا۔ آخر ہم کس کس کو بتاتے پھریں گے کہ یہ رخصتی تو خود دلہن کے والد کے اصرار پر کی جا رہی ہے۔“ وہ موضوع کی طرف آتے سنجیدگی سے بولے۔

”میرا تو خیال ہے کہ ہمیں اس طرح کا کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے غرنی سے مشورہ کر لینا چاہیے کیونکہ اس کی رائے کے بغیر ہماری اس سوچ بچار کا تو کوئی فائدہ ہی نہیں۔“ ابا سر ہلاتے ہوئے اماں کی بات سے متفق نظر آئے۔

”مگر حیرت کی بات یہ بھی ہے کہ آج سکندر سے میری ملاقات ہوئی تھی اس نے مجھ سے تو ایسا کوئی بھی ذکر نہیں کیا۔“

”آپ دونوں کہاں ملے۔“ اماں گردن ان کی طرف موڑ کر مکمل متوجہ ہوئیں۔

”شفیق صاحب کے اسپتال میں کچھ رقم عطیہ کرنے آیا تھا کہ کسی غریب کا علاج ہو جائے۔“

”ہونہ یہ تو شروعات سے عادت ٹھہری کہ بے شک اپنے گھر والے دس روپے کو ترس رہے ہوں مگر باہر امداد کے طور پر ہزاروں بھی دیتے ہیں ارے میں تو کہتی ہوں کیا فائدہ ایسی خیرات یا صدقے کا جس میں اپنے گھر والوں

ابھی تو وصل کی بارش میں ننگے پاؤں پھرنا تھا ابھی تو کشتِ غم میں اک خوشی کا خواب ہونا تھا ابھی تو سیکڑوں سوچی ہوئی باتوں کو ہونا تھا ابھی تو ساحلوں پر اک ہوائے شاد چلتی تھی ابھی جو چل رہی ہے یہ تو کچھ دن بعد چلتی تھی واقعی ابھی تو بہت کچھ ہونا باقی تھا وہ سب کچھ جو ابھی اجیہ کے خیال میں تھا اور جواب تک اس کی زندگی میں نہیں ہوا تھا ابھی تو وہ سب بھی ہونا تھا جو اس کی خواہش تھی لیکن ایسا کچھ بھی نہیں ہو سکا تھا اسے اپنا آپ اس مسافر کی طرح لگ رہا تھا جس سے اذان سفر چھین لیا جائے منزل پر پہنچنے سے پہلے پہلا قدم اٹھاتے ہی۔ اسے اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ اس نے ارش سے نکاح کی حامی اس کا ایشیئس دیکھ کر بھری تھی لیکن یہ بھی تو ایک زندہ بچ تھا کہ عین اس روز جب وہ صرف اس کی خاطر اپنی می کو چھوڑ آیا عیش و عشرت کی زندگی کی پروا نہ کی اور روحی سوچی کھا کر اس کے ہی ساتھ رہنا گوارا کیا تب اجیہ کے دل سے بھی آسائشوں کی جاہ نکل گئی تھی اور ارش کی محبت نے یوں اپنی حیثیت واضح کی کہ پھر اس کے دل میں کوئی طلب ہی باقی نہ رہی وہ اس ٹوٹے پھوٹے گھر میں دال کے ساتھ بھی بے حد خوش اس لیے تھی کہ اس کے ساتھ ارش تھا ارش کی محبت نے اسے دنیا کی ہر چیز سے بے گناہ ہی تو کر دیا تھا کہ کوئی خواہش ہی نہ رہی وہ جانتی تھی کہ نت نئے کپڑے جوتے وہ انورڈ نہیں کر سکتی تو اس نے بھی سوچا بھی نہیں کہ کبھی ان چیزوں کی شاپنگ کرے اس کے لیے یہ سب چیزیں اب ثانوی اور نہایت عام سی حیثیت اختیار کر چکی تھیں کیونکہ اس کی کشش کا محور مرکز اب صرف اور صرف ارش تھا حالات جتنے بھی ٹھن کیوں نہ ہوں وہ ارش کے ساتھ پوری عمر گزارنے پر تیار تھی لیکن یوں اچانک کچھ بھی بغیر بتائے ارش کا چھوڑ جانا اپنی روزمرہ کی تمام اشیاء لے جانا اور یہاں تک اپنے اور اجیہ کے درمیان رابطے کا ایک واحد ذریعہ اس کا موبائل فون بھی توڑ دینا اور پھر سونے پر سہاگر شرمین کا آ کر حقیقت سے پردہ اٹھانا یہ سب اجیہ کے دماغ کو بہت

زیادہ الجھنا رہا تھا وہ اس بات پر تو کسی بھی صورت یقین نہیں کرنا چاہتی تھی کہ ارش نے اس کے ساتھ کسی قسم کا کوئی دھوکہ کیا کیونکہ اس کی روشن شفاف آنکھوں میں اجیہ نے کبھی کوئی دھوکا کوئی منافقت تو دیکھی ہی نہیں تھی ارش کی باتوں میں اسے کبھی بھی ایسا نہیں لگا تھا کہ وہ یہ سب کچھ اوپری دل سے کہہ رہا تھا بلکہ لینے والے تو کچھ اور ہی ہوتے ہیں اجیہ کا دل کیسے مانتا کہ ارش نے صرف اور صرف شرمین کی خاطر اس سے بدلہ لینے کے لیے پہلے اس سے محبت پھر شادی اور پھر اس کے ساتھ یوں اس چھوٹے سے گھر میں رہنے کا ڈرامہ رچایا اس کا دل کسی بھی طور شرمین کی باتوں پر یقین کرنے کو تیار نہ تھا۔ لیکن آخر وہ کیا کرتی..... کس سے پوچھتی کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کون سا ہے؟ ارش کے حق میں دلائل دیتے اپنے دل کی صفائیوں پر کس سے صداقت کی گہر لگوانی اور پھر اب..... زندگی کے اس موڑ پر جبکہ اس نے مشکل دن گزارنے کے بعد اسے ایک مکمل اور پھر پور خوشی کی محبت وہ ماں بننے والی تھی لیکن اس خوشی کو بھی لہجوں میں گھس لگ گیا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طور کہیں سے بھی ارش کو ڈھونڈ نکالتی اور اسے سارا قصہ سنا کر کچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنے کا کہتی لیکن ایسا کیسے ممکن ہوتا؟ اس کے سامنے تو کوئی بھی ایسا ذریعہ نہیں تھا جس کے ذریعے وہ ارش کو ڈھونڈتی یا جس کی بدولت وہ ارش سے رابطہ کرنے کی پوزیشن میں ہوتی ذرائع اور وسائل دونوں طرف سے وہ خالی ہاتھ تھی نہ تو ہاتھ میں چند روپے تھے کہ آسرا ہوتا اور اگر بالفرض ایسا ہوتا بھی تو بھلا وہ کیا کرتی کہاں جاتی کس سے مدد مانگتی اور ارش کو کیسے اپنی آنکھوں سے دیکھ پاتی۔ شرمین کے جانے کے بعد اپنے بیڑ پر بیٹھی اجیہ کافی دیر سے ٹھنوں پر تھوڑی رکھے اسی سوچ میں غم تھی ایسا لگتا جیسے کسی ایسی فلمی میں آ نکلی ہے جو ہر سمت سے بند ہے جس سے کسی بھی جانب کوئی رستہ نکلتا ہی نہیں بلکہ سامنے جانے کی بھی کوئی صورت حال نہیں اسے میں دیکھنے والوں

کو شاید یہی لگتا کہ ایسی صورت میں بہترین واپس مڑ جانا ہے لیکن اگر وہ واپس مڑتی بھی تو کہاں، کون ایسا ہوتا جو اسے اپنے پاس رکھتا یا محبت سے اسے قبول کر لیتا۔ پہلا خیال اسے ہی کا ہی آیا تھا لیکن خواب اور خیال دونوں ہی آزادروں ہیں کچھ بھی اور کسی سے بھی منسلک ہو سکتے ہیں اسے لگتا جیسے وہ اس کے ماں بننے کی خوشی سے جھوم جائیں گی کہ وہ دادی بننے والی ہیں لیکن یہ صرف اور صرف ایک خیال سے بڑھ کر نہیں تھا کیونکہ جانتی تھی کہ اس کی جیب خالی ہے اور می کا دل اگر شرمین کے مطابق یہ سارا ڈھونگ رچایا ہی شادی کے لیے گیا تھا تو پھر بھلا انہیں اس بچے کی کیا خوشی ہوتی اور خود اجیہ تو وہ یوں بھی رو رو چکی تھیں دوسری صورت میں اس کا میکہ بھی ایک آپشن ہو سکتا تھا لیکن وہ میکہ واپس جانے کا تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی اسے یقین تھا کہ میکہ جانے کی صورت میں ملے گی اس کے لیے اس کی موت سکندر صاحب کے ہاتھوں ہی تھی۔ ویسے بھی وہ ان بد نصیبوں میں سے تھی جنہیں میکہ کا مان نہ بھی شادی سے پہلے ملا اور نہ ہی بعد میں وہ لڑکیاں اور ہی ہوتی ہوں گی جو میکہ کے نام پر سر اٹھا کر بات کرتی ہیں سکندر صاحب کی طرف سے وہ اعتماد تو اسے بھی ملا ہی نہیں تھا جس کی بنا پر وہ کسی بھی مشکل وقت میں میکہ کے بارے میں سوچتی وہاں کارخ کرتی، ویسے بھی شادی کے بعد میکہ لڑکیوں کی وہ محفوظ پناہ گاہ ہوتی ہے جہاں وہ سسرال میں پیش آنے والے کسی بھی ناخوشگوار واقعے یا نامساعد حالات کے بعد فوری طور پر داخل ہو جانے کا سہوچ ہیں لیکن پھر بھی ہر لڑکی کی قسمت میں یہ محفوظ پناہ گاہ نہیں ہوتی اور بعض اوقات ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ پناہ گاہ تو ہوتی ہے لیکن وہاں کوئی حفاظت کرنے والا نہیں ہوتا ایسی لڑکیاں تو پھر ڈرتی ہی رہتی ہیں سسرال کے ناخوشگوار حالات سے میکہ کے ناخوشگوار حالات کے درمیان۔ اجیہ شاید یہی ہی دیر اپنے خیالات میں کھوئی رہتی کہ اچانک اسے دروازے پر کھٹکنا محسوس ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی بہت دھیمی آواز میں مگر مسلسل اس کے گھر

کے دروازے پر دستک دے رہا ہے غیر محسوس طریقے سے اجیہ اپنے آپ میں مزید سگڑ گئی تھی دونوں بازوؤں سے خود کو پہلے سے زیادہ مضبوطی سے جکڑا اور کان انتہائی حساس ہو کر جیسے دروازے پر ہی لگ گئے تھے۔ آج سے پہلے تک تو اسے ہمیشہ یہی شکوہ ہوا کرتا کہ پلک جھپکتے ہی رات کیوں گزر جاتی ہے سارا سارا دن تو وہ ارش کے انتظار میں وقت شمار کرتی رہتی اور وقت انتہائی سست رفتار سے گزرتا لیکن جیسے ہی ارش گھر میں داخل ہوتا تو ایسا لگتا جیسے وقت کو پر لگ گئے ہوں صرف ان کے کھانا کھانے اور معمولی سی بات چیت کے دوران ہی آدمی رات بیت جاتی اسے ہمیشہ ہی ارش کے ساتھ گزارے گئے وقت کے مختصر ہونے کا شکوہ ہوتا ہی حال ارش کا بھی تھا ہمیشہ یہی کہتا۔ ”سارا دن تو وقت گزرتا ہی نہیں اور جیسے ہی گھر میں داخل ہوتا ہوں وقت بھی دوڑنے لگتا ہے اتنے دن ہو گئے ہیں ساتھ رہتے لیکن آج تک تم سے جی بھر کر باتیں ہی نہیں کیں، جنہیں آکھ بھر کبھی دیکھا ہی نہیں یہ وقت بھی ناں تمہاری دوسری ساس ثابت ہو رہا ہے۔“ وہ جھپٹتے ہوئے کہتا۔ ”ساس۔“ وہ نا بھگی سے مسکراتے ہوئے پوچھتی۔ ”ہاں بھئی آج کل ساسوں کا دل کہاں چاہتا ہے کہ ان کا بیٹا ان کی بہو کے ساتھ بہت سارا وقت گزارے۔“ ”ہاں تمہیں تو جیسے بڑا تجربہ ہے ناں اور ویسے ایک بات کہوں ارش اگر تم مائنڈ نہ کرو تو.....“ اس کے چپ ہوتے ہی ارش سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا اور وہ بات جاری رکھی۔ ”ممی کی بچہ بہت اچھی ہے وہ عام ساسوں، جیسی کبھی بھی ثابت نہ ہوتی لیکن بس شاید انہیں دکھ اس بات سے پہنچا کہ تم نے ان کے غم میں لائے بغیر اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کر لیا اور اس بات کے لیے وہ ذہنی طور پر تیار ہی نہیں تھیں۔ شاید کوئی اور بھی عورت ان کی جگہ ہوتی تو اس کا بھی رد عمل یہی ہوتا جو ان کا تھا اس لیے پلیز ان کے لیے اپنے

دل میں کسی بھی کوئی غلط بات نہ لانا۔“

”بھئی یہ دنیا کی پہلی بھو ہے جو شوہر کے سامنے اپنی ساس کی حمایت میں بول رہی ہے۔“ وہ ہنستا۔

”اور نہ صرف یہ کہ بول رہی ہے بلکہ شوہر کو اس بات پر اکسا بھی رہی ہے کہ وہ اس کی باتوں کو سو فیصد درست مانے، سچ مانے اور انہیں حقیقت تسلیم کرے۔ مجھے لگتا ہے اربش جیسے ہم سب ہی حالات کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں کیونکہ تم بھی تو میری پسند کے خلاف انہیں بتائے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کرنے کے حق میں نہیں تھے ناں۔ تم تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتے کہ کبھی اپنی زندگی میں کوئی ایسا کام بھی کرو گے جو ان کی پسند اور مزاج سے متصادم ہو لیکن تمہیں پھر بھی کرنا پڑا اور وہ بھی صرف اس لیے کہ حالات ہی ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ اس کے بغیر کوئی چارہ ہی نہ تھا۔“ بات کرتے کرتے اجیہ نے سر جھکا لیا اور دونوں ہتھیلوں کو آپس میں گرگڑنے لگی۔

اربش نے مکمل خاموشی سے اسے بات کرنے کا بھرپور موقع دیا۔

”اور میں..... ہونہ میں نے کب ایسا چاہا تھا کہ مجھے گزرا نے کے لیے ایک ایسی زندگی ملے جس میں کوئی بھی میرے قریب نہ ہو میں سب سے بات بھی کرتے نہ کو ترسنا کروں باوجود اس کے کہ میں بھرے پرے گھر میں رہنے کی خواہش مندگی میں چاہتی تھی کہ شادی کے بعد ایسی زندگی گزاروں جو میری پہلے والی زندگی کا میری محرومیوں کا ازالہ کر دے لیکن دیکھ لو اپنی زندگی کی تو محرومیاں کیا ہی ختم ہوئیں میں نے تمہاری زندگی سے بھی سب کچھ چھین لیا۔“ اربش نے اجیہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی چمک دیکھی تو فنی میں گردن ہلا کر کچھ کہنا چاہا مگر اجیہ نے اپنی بات جاری رکھی۔

”میں باپ کے پیار کو ترس تو اب میری وجہ سے تمہیں ماں کے پیار کو ترسنا پڑ رہا ہے، میں اپنی زندگی میں معاشی طور پر کمزور رہی تو تمہاری زندگی میں آئے ہی نہیں بھی خالی ہاتھ کر دیا میں ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن دیکھ لو

حالات نے ایسا کھیل کھلایا کہ میں سمجھ ہی نہیں پائی کہ جن کے مقدر میں ہمیشہ کے لیے شکست لکھ دی گئی ہو وہ کسی بھی طریقے سے اس ہار کو جیت میں نہیں بدل سکتے اور شاید میں نے اپنے مقدر سے لڑنے کی کوشش کی تھی جس کی سزا نہ صرف مجھے ملے بلکہ میرے ساتھ ساتھ ناکردہ گناہ کی سزا تم بھی بھگتنے پر مجبور ہو۔ میں ان تمام حالات کی وجہ سے تم سے پھر معافی چاہتی ہوں اربش..... آج میری وجہ سے تم صرف روزگار کی تلاش میں سرنگوں پر دھکے کھانے پر مجبور ہو اگر میرے پاس وقت کو لوٹانے کا اختیار ہوتا تو یقیناً کرو کبھی تمہاری زندگی میں شامل نہ ہوتی اور کبھی تمہیں وہ بدر نہ ہونے دیتی۔“ اجیہ کو احساس تھا کہ وہ صرف اس کی وجہ سے یہ مشکل زندگی گزارنے پر مجبور ہے لہذا دل کی بات کہہ دی تو کچھ دیر بعد اربش بولا۔

”ہم دونوں میں فرق ہی تو اسی سوچ کا ہے ناں تمہارے پاس اگر وقت لوٹانے کا اختیار ہوتا تو کبھی میری زندگی میں شامل نہ ہوتیں لیکن یقیناً کراچی کے اگر میرے پاس وقت لوٹانے کا اختیار ہوتا تو میں پھر بھی زندگی گزارنے کے لیے تمہارا ہی انتخاب کرنا چاہتا چاہے اس کے لیے مجھے کتنی ہی دشوار زندگی کا سامنا کرنا ہوتا۔“ اجیہ نے سامنے بیٹھے اربش کی آنکھوں میں دیکھا۔

وہ جانتی تھی کہ وہ سچ کہہ رہا ہے اسے اس کے الفاظ کی صداقت پر کبھی بھی شک نہیں رہا تھا یہی وجہ تھی تو تھی جس نے اجیہ کے لیے روپیہ پیسہ، اسمتھیں اور آسائشیں سب کو نچلے درجے پر رکھ کر نہایت عام اور اربش کی محبت کو اپنی انتہائی خاص کر دیا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ جس دامن میں محبت ہو وہی اس دنیا کا امیر ترین اور خوش نصیب شخص ہے اور یہ دولت حاصل کرنے کے بعد اب حقیقتاً اس کے دل سے روپے پیسے کی خواہش ختم ہو گئی تھی۔

”مجھے تم سے کوئی بھی شکوہ اس لیے نہیں ہے کہ یہ سب ہمارے ساتھ اسی طرح ہونا چاہیے تھا ہو سکتا ہے مگر ہمارے ساتھ یہ سلوک روا نہ رکھتیں تو ہم ایک دوسرے کے لیے اتنے قریب نہ آتے ہم ایک دوسرے یوں شدت سے

محبت نہ کر پاتے جس طرح اب کرتے ہیں خوشی کے لمحات کی دوستی انسان بھول سکتا ہے لیکن مشکل وقت کا ساتھ مرتے دم تک یاد رہتا ہے اور تم دیکھ لو کہ ان مشکل حالات نے ہمیں جتنا ایک دوسرے کے نزدیک کیا اتنا ہم عام حالات میں شاید ہو ہی نہ پاتے۔“

اور اربش کی بات سے تو جیسے اجیہ کے دل پر لگی گرہ کھل گئی وہ واقعی قدرت کا کھیل اب کبھی بھی اور اسے یوں لگا جیسے سکون کی ایک ان دیکھی لہر ہے جو اس کے اندر اترتی ہی چلی گئی ہے اپنے حالات اور مقدر سے کیے جانے والے شکوے بھی ختم ہو گئے تھے وہ اب سمجھ گئی تھی کہ واقعی اسے یہ وقتی پریشانی دے کر ہمیشہ کے لیے اربش کی محبت عطا کر دی گئی تھی اور ایسا ہی تو تھا کہ اربش کی حقیقی محبت تو اس کے دل میں جا گئی تھی جب اس نے دیکھا کہ اربش صرف اس کی محبت میں اس کی خاطر ہر قسم کی آسائشوں اور دولت کو ٹھوکر مارتا آیا ہے۔

محبت کیا ہوتی ہے یہ تو اجیہ کو پتا ہی تب لگا تھا کہ وہ جن آسائشوں اور دولت کے لیے اربش سے شادی کر رہی ہے وہ تو محبت کے مقابلے میں ذرہ برابر اہمیت نہیں رکھتیں اور اگر آتے ہی اسے وہ سب مل جاتا جس کی خاطر اس نے اربش کو چنا تھا تو اربش کا مقام اس کے دل میں نہایت عام سا ہوتا جبکہ اب اربش اس کے لیے سب کچھ تھا اور اس کی محبت نے اجیہ کے دل سے دنیاوی خواہشیں تک نکال پھینکیں تھیں۔

”جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں کسی بھی قسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں، تم پر آنے والی ہر مصیبت اور پریشانی پہلے مجھ پر سے ہو کر گزرے گی جیسے تم۔“ اجیہ کی ٹھوڑی پکڑ کر خنسنے بچوں کی طرح اربش نے اس سے پوچھا تو وہ مسکرائے لگی۔

”اور میری سے دوری کا معاملہ ہو یا تمہارے گھر والوں سے ملاقات کا میں ان شاء اللہ سب کچھ بہترین طریقے سے طے کر لوں گا تم بس کسی بھی معاملے میں پریشان نہ ہوا کرو بس مجھے تھوڑا سا وقت دو پھر دیکھنا تم جو چاہو گی وہی

ہوگا بس تم مجھ پر اعتبار کرو اور اپنی ساری فکریں پریشانیاں مجھے سونپ کر بے فکر ہو جاؤ۔“ اربش نے اس کا ہاتھ تھام کر یقین دلایا تھا اور واقعی وہ اس کی باتوں پر بچوں کی طرح خوش ہو گئی۔

لیکن اب تو سب کچھ متضاد تھا اچانک ہی اسے محسوس ہوا کہ دروازے پر ہونے والی دستک اب تیز ہونے لگی ہے۔

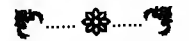
”اس وقت کون ہو سکتا ہے؟“ وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے خود سے سوال کیا۔

”اس گھر میں اس کی موجودگی کے بارے میں شرمین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا اور بھلا شرمین یوں رات گئے دوبارہ اس کے پاس کیوں آئے گی؟ محلے میں کسی کے ساتھ بھی اس کے تعلقات نہیں تھے اس لیے اس سوال کا بھی امکان نہ تھا کہ شاید اہل محلہ میں سے کوئی ہو اور پھر اگر ہو بھی تو یہ وقت ایسا تھا کہ کوئی بھی کسی کے گھر دستک نہ دیتا اور پھر ایک دوسرے نہیں یوں آہستہ آہستہ مسلسل اور پراسرار..... پہلے تو اس نے سوچا کہ بیو کی طرح آنکھیں بند کر لے خاموش رہ کر بیٹھی رہے اس وقت تک جب تک کہ کوئی زوردار طریقے سے دروازہ نہ بجائے یا کسی طریقے سے اندر آنے کی کوشش نہ کرے لیکن یہ خیال آتے ہی اس نے رد کر دیا تھا اور اٹھ کر دروازے کے قریب جانے کا فیصلہ کیا تاکہ پوچھے کہ اس وقت کون ہے اور دروازہ کیوں بجارہا ہے۔ لمحے بعد دروازے کی دستک کی طرف دھیان جاتے ہی وہ بھول گئی کہ وہ ابھی چند لمحوں پہلے کسی وجہ سے پریشان تھی اس وقت اس کی مکمل توجہ دروازے کی طرف گئی ذہن میں کئی طرح کے خیال آ رہے تھے۔

”ہونے کو کچھ بھی ہو سکتا تھا وہ اس وقت گھر میں اکیلی ہے اگر اس کے ساتھ کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تو کسی کو خبر بھی نہیں ہوگی کہ اس کے ساتھ کیا ہوا نہ ہی اہل محلہ کسی کو اطلاع کر پائیں گے وہ کون ہے کہاں سے آئی ہے اس کے والدین کہاں ہے شوہر کہاں ہے کوئی اس کے بارے

میں کچھ بھی تو نہیں جانتا تھا حتیٰ کہ اس کا نام بھی نہیں۔ ایسے میں اگر اس کے ساتھ کچھ ہوا تو کیا وہ یہاں یونہی لا وارٹوں کی طرح بڑی رہے گی؟" یہ سوچ ذہن میں آتے ہی وہ کانپ گئی تھی۔

اس کے ساتھ ہی باہر ہوتی دستک کی آواز جو پہلے دھبی تھی اب تیز ہونے لگی دروازہ بجانے کا انداز بھی عام نہ تھا ایسا لگتا جیسے دروازہ بجاتے جانے کوئی بندہ چالی یا کوئی اور چیز دروازے کی سطح پر پھیرنے لگتا خوف اور پریشانی سے اجبیہ کو اپنا خون خشک ہوتا محسوس ہوا ہاتھ پاؤں بھی سرد ہو چلے تھے اٹھ کر دروازے تک جانے نہ جانے یہی سوچتے ہوئے کچھ وقت بیتا اور ساتھ دستک مدہم ہونے لگی تو اسے احساس ہوا کہ وہ آج صبح سے ہی بھوکے ہے لیکن کچھ بھی کھانے کی کوئی طلب چاکی نہ خواہش البتہ خوف سے اس کی زبان خشک ہو رہی تھی لہذا ہمت کر کے پاؤں پیڑ سے نیچے اتارے سلیپر زپہنہ اور کمرے سے باہر نکلے۔ ہلکی زرد روکی دیتا بلبل صحن کو مزید پراسرار بنا رہا تھا ایک طرف رمی اینٹوں اور ریت میں اسے یوں لگا جیسے کوئی شخص چھپا بیٹھا ہے یہ سب اس کا وہم تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ اسے صحن میں موجود ایک چیز سے خوف محسوس ہو رہا تھا ایسا لگتا جیسے ابھی کئی گئی چیز کے پیچھے سے کوئی نکل آئے گا بمشکل ٹھوک ٹھکتی وہ چون تک پہنچی گلاس میں پانی ڈالا اور جیسے ہی گلاس لے کر پلٹنے لگی تو بیرونی دروازے کے باہر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا دروازہ کیونکہ زمین سے معمولی سا اوپر تھا اس لیے نیم تاریکی میں اسے دروازے کے بالکل ساتھ لگے دوسرے محسوس ہوئے لیکن اس سے پہلے کہ وہ غور سے دیکھتی ایک دم دوبارہ سے دروازہ بجنے لگا اور اچانک چونکنے پر اس کے ہاتھ سے گلاس بھی زمین پر جا کر اٹھا۔



جس دن سے اریش ان سے روٹھا تھا اور انہوں نے اسے اجبیہ سمیت گھر سے نکالا تھا تب سے وہ ایک ہل کے لیے بھی سکون حاصل نہیں کر پائی تھیں جذبات اور غصے

میں آ کر اسے نکال تو دیا تھا اور یہی سوچا تھا کہ تازہ دم اور عیش و عشرت میں پلا بڑھا اریش دو چار دن حالات کے تھیرے کھانے کے بعد پھر واپس آ جائے گا لیکن ماں ہونے کے باوجود وہ اس معاملے میں غلطی ثابت ہوگئی تھیں اور وہ درست اندازہ نہ لگا پائی جس کا نتیجہ مستقل پریشانی کی صورت میں سامنے آیا اور پھر ایک پریشانی نے یکے بعد دیگرے کئی پریشانیوں کو جنم دیا اور وہ بھونچکا سی ہو کر رہ گئیں۔ وہ ان معاملات اور اس طرح کے حالات کی تو عادی ہی نہیں تھیں نہ ہی ان کی فطرت میں لڑائی جھگڑا تھا ان کی زندگی اسکول سے گھر اور گھر سے اسکول تک ہی محیط تھی لیکن اب اجبیہ کی ان کی زندگی میں آمد کے ساتھ ہی سب کچھ بدل کر رہ گیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ اجبیہ کو ہی ان تمام معاملات کی ذمہ دار سمجھتی تھیں اور پھر صرف یہی نہیں بلکہ وہ تو اجبیہ کو اپنی بھانجی کی صورت میں بھی قبول نہیں کر پاری تھیں، بہن کی محبت اپنی جگہ لیکن وہ لڑکی جوان کے اور اریش کے درمیان فاصلے پیدا کرنے کا سبب بنی جس نے ان کے لاڈ لے اور فرماں بردار بننے کو ان کے مد مقابل لا کھڑا کیا وہ اسے بھلا کیسے معاف کر سکتی تھیں یہی وجہ تھی کہ وہ بہن کو ایک نظر دیکھنے ان سے ملنے کو تو ترپ رہی تھیں لیکن اجبیہ کو دیکھنے کی بھی روداد نہ تھیں۔

"شرمین! کی نہیں ابھی تک" بوا کی نظریں لاؤنچ کے اندرونی دروازے اور سماعت اطلاعی ٹھنڈی پر مرکوز تھی خود بھی شرمین کے ہی انتظار میں ٹھل رہی تھیں وہ یہ جان لینے کو بے تاب تھیں کہ اریش اس وقت کہاں ہے اور وہ اسے کب مل سکیں گی گلے لگا سکیں گی اتنے دنوں بعد آخر وہ اسے کب جی بھر کر دیکھ سکیں گی۔

"میں خود ہی سمجھن ہوں بوا بس شاید آتی ہی ہوگی۔"

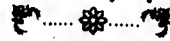
"اللہ بھلا کرے شرمین کا جس نے ہم پر اتنا بڑا احسان کیا۔" بوائے دل سے شرمین کو دعا دی۔

"واقعی آپ نے سچ کہا لڑکی ہمارے لیے تو فرشتہ بن کر ہماری زندگی میں داخل ہوئی ہے اس کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی بوا اس نے مجھے بن مول کے خرید لیا

ہے۔" ممی کی آواز احساس تشکر سے ہنسنے لگی تھی۔

"بس دیکھ لو یہ دنیا ابھی اچھے لوگوں سے خالی نہیں ہوئی اور شرمین کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوتا ہے۔" ممی نے مسکرا کر گردن ہلاتے ہوئے ان کی بات کی تائید کی۔

"میں نے شرمین کے پسندیدہ کو فتنے نکائے ہیں آئے گی تو خوش ہو جائے گی لیکن اب بس آج ہی جانے یقین مانو مجھ سے تو انتظار ہی نہیں ہو رہا کہ کب وہ آئے اور آ کر ہمیں بتائے کہ اریش کہاں ہے پھر تم بس دیکھنا مجھے ایک باریہ معلوم ہو جائے کہ وہ ہے کہاں پھر تو میں اسے خود جا کر واپس لاؤں گی۔" بوا مستقبل خراب کے تمام منصوبے بنا چکی تھیں اور اب وقت تھا کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا نہ جانے مانمن نہ پائے رفتن والی صورت حال سے گزرتی بوا کو اب کسی طریقے چننا آتا دکھائی نہ دیا تو اٹھ کھڑی ہوئیں اور پردہ ہٹا کر کھڑکی کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئیں ابھی انہیں کھڑکی سے بیرونی گیٹ پر نظریں جمائے چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اطلاعی ٹھنڈی کی آواز پر دونوں چونکی تھیں بوا گیٹ کھولنے لگیں تو ممی سے بھی رہا نہ گیا اور وہ ممی ان کے پیچھے پیچھے ہوئیں۔



ایئر پورٹ پر ایک ہجوم تھا جواب آہستہ آہستہ چھٹ چکا تھا جانے والے مسافروں سے زیادہ انہیں اوداع کہنے والے لوگ تھے ہاتھوں پر مہندی لگے زرق برق لباس پہنے کچھ لڑکیوں کو تو دیکھنے سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ شادی کے بعد اب پہلی مرتبہ بیرون ملک جا رہی ہیں کچھ فیملیز تھیں اور کچھ تنہا اپنا ٹیک یا ایئر ٹھیکے ایئر پورٹ کے اندرونی حصے میں ایک قطاری صورت داخل ہو رہے تھے۔ اریش اپنے گروپ کے ساتھ ہی تھا وہ سب ایک دوسرے سے بات چیت میں مصروف تھے بورڈنگ کے لیے قطار میں کھڑے ساری باری کا انتظار کر رہے تھے مگر اریش کو ان کی باتوں میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی نہ ہی اس نے باقی سب کی طرح اپنا تعارف کرنا ضروری خیال کیا تھا۔ ویسے بھی اس کے حالات باقی تمام سے مختلف تھے وہ سب

اپنے اپنے گھروں سے ہنسی خوشی بہتر مستقبل کے لیے جانے کتنی ہی دعاؤں کے حصار میں نکلے تھے جبکہ آتے ہوئے اجبیہ سے ملنا تو دور اسے بتا بھی نہیں پایا تھا اور پھر وہ رہ رہ کر خود کو کوتا کہندہ اس وقت غصے میں موبائل توڑتا اور نہ آج اس صورت حال کا سامنا ہوتا کم از کم وہ اجبیہ سے بات تو کر لیتا۔ اب جب تک حسن کا اجبیہ سے رابطہ نہ ہوتا وہ چٹانیں کیا سوچے گی کتنا پریشان ہوگی دعا کے نام پر اریش کے پاس ایک لفظ تک نہ تھا البتہ ممی کی طرف سے بدگمانی ضرور بڑھتی تھی وہ جانتا تھا کہ آج کی رات حسن کا کراچی لوٹنا مشکل ہے لیکن اس کی خاطر وہ کل تک اجبیہ کو تمام صورت حال سے آگاہ کر کے اس سے بات بھی کرا دے گا لیکن اجبیہ پریشان ہے اور پریشانی کی وجہ خود اریش ہے یہ خیال ایسا تھا جو اسے مزید پریشان کر رہا تھا۔

گہری سانس لے کر خود کو ریٹیکس کرنے کی کوشش میں اس نے چاروں طرف نظر دوڑا کر یونہی لوگوں کو دیکھا اس کے ساتھ آنے والے سب لڑکوں کی بورڈنگ ہو چکی تھی غزنی ابھی تک ایئر پورٹ کے اندرونی حصے سے دور اس مقام پر کھڑا تھا جہاں سے اسے بورڈنگ کراتے افراد با آسانی نظر آرہے تھے۔ اس کی ٹریول ایجنسی کے تھرو جانے والے سب لڑکے بورڈنگ ہو جانے پر اسے اوکے کا بیج میٹ کر رہے تھے کہ یہ ہی اس کی ہدایت تھی اب انہیں فلائٹ کا انتظار تھا سو سب ایک ساتھ ایئر پورٹ میں بنی انتظار گاہ کی طرف چل دیے جبکہ اریش ابھی کاؤنٹر پر ہی موجود تھا۔

"نام کیا ہے آپ کا؟" کاؤنٹر کے اس پار بیٹھی خاتون نے پاسپورٹ پر لگی تصویر کو بغور دیکھتے ہوئے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔

"اریش....." اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"پہلی مرتبہ جا رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"ساتھ کون ہے فیملی ممبر ہیں۔"

"جی نہیں مائیکلا ہوں۔"

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں

آنچل ناول

(ایک ساتھ منگوانے پر)

ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلچسپ پرفارم کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ
(بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 700 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

7000 روپے

میدل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے

6000 روپے

رقم ذیما ڈرافٹ، منی آرڈر منی گرام
ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔
مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

رابطہ: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے آف گروپ آف سیلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7 فیسری چیئر مین عبد اللہ بادل و ڈیپارٹی
فون نمبر: 922-3562077/2

aanchalpk.com
aanchalnovel.com
circulationngp@gmail.com

اتنی بڑی سازش کر گیا مجھے واقعی کچھ بھی معلوم نہیں۔ لاکھ
سوڑنے کے باوجود بھی وہ نہیں سمجھ پارہا تھا کہ اس سے
دشمنی کرنے والا شخص کون ہے کیونکہ اس کے تو آج تک
کسی سے بھی برے تعلقات بنے ہی نہیں جتنے لوگوں کو وہ
جانتا تھا سب کو انتہائی اچھی طرح پہچانتا تھا کہ ان میں
سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اتنی گری ہوئی حرکت کرے
اور پھر وہ تو سب سے ہی بہت اچھے انداز سے ملتا جلتا تھا
حد تو یہ بھی کہ اس وقت کوئی ایسا نام تک ذہن میں نہیں آ رہا
تھا جس پر وہ شک کر سکتا اور پھر وہ تو گھر سے نکلنے کے بعد
کہیں اتنا رکا ہی نہیں تھا کہ کوئی یوں اس کے ساتھ اتنی
بڑی حرکت کر جاتا۔

”صرف آپ ہی نہیں میرے بھائی، ہر لازم ایسا ہی کہتا
ہے سب کے چہروں پر ایسی ہی بے چارگی ہوئی ہے سب
یوہی اپنا یقین دلانے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں لیکن
یقین کرو کہ ہم اب اتنے پاگل بھی تو نہیں ہیں کہ سب کا
یقین کر لیں۔“ بات ختم کر کے دونوں آفیسر نے فاتحانہ
مسکراہٹ کے ساتھ ایک دوسرے کو دیکھا جبکہ اربش
حیرت اور افسوس کے بارے چپ سا ہو گیا تھا آخر کیا کرتا
کیا کہتا کہ یہ پیکٹ آفیسر نے اس کی آنکھوں کے سامنے
اس کے پیک سے نکالا تھا لہذا وہ اربش کو مجرم سمجھنے میں حق
بجانب تھا اور اربش بے تصور ہونے کے باوجود اب گناہ گار
بنان کے سامنے کھڑا تھا اور سب سے پہلا خیال جو اس
کے ذہن میں آیا وہ یہی تھا کہ ”اب اجبہ کا کیا ہوگا؟“
نشات فروشی ایک سنگین جرم تھا اور اس جرم کی سزا کیا ہوگی
اس کی نوعیت سے بھی وہ بخوبی آگاہ تھا اور پھر امید کی کوئی
ایک بھی ایسی کرن نہیں تھی جس پر انحصار کیا جاسکتا۔

آفیسر زاپنی کارکردگی پر خوش تھے اور حکام کو اطلاع
دینے کے لیے ان سے رابطہ کرنے کی کوشش میں تھے
جبکہ اربش کا ذہن اس وقت ایک خالی مگر سیاہ سلیٹ کی
مانند تھا اجبہ کے علاوہ کوئی سوچ کوئی خیال اس کے ذہن
میں نہیں آئی تھی اور وہ یہ بات بھی بخوبی سمجھتا تھا کہ اس کے
علاوہ اجبہ کا اب بھری دنیا میں کوئی نہیں وہ اب یہاں سے

”فکر نہ کریں میرے ساتھ چلتے جائیں ابھی آپ کو
سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔“ مراد آفیسر کے کہنے پر وہ ایک
بار پھر اس کے ساتھ چلتے لگا وہ خدشات کا شکار ہو رہا تھا
لیکن اس سے پہلے کہ کسی نتیجے پر پہنچتا آفیسر ایک کمرے
میں داخل ہوا اور ایک کاؤنٹر پر اس کا تمام بیک خالی کرنے
لگا ویسے بھی اس کے بیک میں کوئی بہت زیادہ سامان تو تھا
نہیں بس ایک دو چیزیں نکالنے کے بعد ہی سیاہ شاپر میں
لپٹی کوئی چیز اپنے بیک سے نکلی دیکھ کر اربش کے پیروں
تلے سے جیسے زمین ہی نکل گئی اور اس سے پہلے کہ آفیسر
اس سے کچھ پوچھتا وہ خود غور سے بولا۔

”یہ..... یہ کیا ہے؟“
”یہی تو آپ سے پوچھنے کے لیے میں آپ کو یہاں
اس کمرے تک لایا ہوں۔“ آفیسر نے ہاتھ میں وہ پیکٹ
لے کر وزن کا اندازہ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ اپنے کام
میں مصروف ایک اور آفیسر بھی کپیوٹر کے سامنے سے اٹھ کر
ان کے قریب چلا آیا۔
”لیکن یہ پیکٹ تو میرا نہیں ہے۔“
”بیک کس کا ہے؟“
”بیک تو ظاہر ہے کہ میرا ہے لیکن آپ میرا یقین
کریں کہ یہ پیکٹ میرا نہیں ہے۔“
”بھی بیک آپ کا ہے تو پھر بیک میں موجود ہر چیز
آپ کی ہی ہوئی ناں میں نے آپ کے سامنے ہی بیک
کھولا ہے لہذا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں نے اس میں یہ
پیکٹ رکھا۔“

”نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ اربش حیرت زدہ تھا
کہ بیک تو ہر وقت اس کے ہی پاس تھا پھر بھلا یہ کیسے
ہو سکتا ہے کہ کوئی اس میں یہ پیکٹ رکھ گیا ہو اور اسے پتا
بھی نہ چلے۔
”کب سے کر رہے ہو یہ کام؟“ آفیسر نے پیکٹ پر
سے سیاہ شاپر ہٹایا تو سفید پاؤڈر بالکل سامنے نظر آ رہا تھا۔
”لیکن آپ میرا یقین کریں مجھے نہیں معلوم کہ یہ
پیکٹ کہاں سے آیا کس نے رکھا کون میرے خلاف

”لیج میں کیا چاہ آپ کے پاس؟“
”صرف ایک بیک۔“ اربش نے اپنے بیک کی
طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔
”پینڈ کیری کریں گے یا بیک کرنا ہے۔“
”پینڈ کیری۔“
”کتنا وزن ہے اس کا؟ اور اس میں کوئی چھری پلیدی یا
کوئی اور اس طرح کی چیز تو نہیں؟“ خاتون آفیسر نے ایک
نظر بیک کو دیکھا۔
”جی نہیں، بالکل بھی نہیں۔“
”اس میں کیا ہوئی ہے۔“

”دو زمرہ کی چند چیزیں اور کپڑے۔“ وہ خاتون کی اس
جرح پر زنج ہو رہا تھا لیکن جانتا تھا کہ حالات اور سیکورٹی
کے پیش نظر سب اس کے فرائض میں شامل تھا اسی لیے
بڑے آرام اور دل سے تمام سوالات کے جوابات دیتا رہا۔
”لو کہ اسے ذرا ہیلت پر رکھیں اور یہ بیک لے کر
اسے لگائیں۔“
ہدایات کے عین مطابق اربش نے اپنا بیک لیج ہیلت
پر رکھا اور بیک کے ساتھ لگی لاسٹک کی گرہ بنانے لگا تاکہ
بیک پر لگا سکے۔

”یہ بیک واقعی آپ کا ہے؟“ خاتون نے ساتھی آفیسر
کو اشارے سے بلا کر اسکرین کی طرف متوجہ کیا اربش
اسکرین نہیں دیکھ پایا تھا کیونکہ اس کا رخ مسافروں کی
طرف تھا آفیسر نے مسکراتے ہوئے کاؤنٹر پر بیٹھی خاتون
کو شاباشی دی۔

”جی ہاں میرا ہی ہے۔“ وہ ان کے انداز پر چٹکا۔
”آپ ذرا میرے ساتھ آئیے۔“ مراد آفیسر نے اس کا
بیک اٹھایا اور اسے اپنے ساتھ چلتے کا کہا خاتون آفیسر قطار
میں کھڑے باقی مسافروں کے کاغذات چیک کرنے لگی
تھی کچھ ہی قدم چلتے کے بعد اربش سے رہا نہ گیا تھا سو
وہیں رک گیا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ مجھے کہاں لے جا
رہے ہیں اور آخر اصل معاملہ کیا ہے۔“

ان لوگوں سے کروائی اور اب اسے اپنی زندگی میں بہتری کی امید صرف اور صرف انہی سے ہے۔

”تم فکر نہ کرو میں ہوں ناں اور میرے ہوتے ہوئے تمہیں اپنے بارے میں کچھ بھی سوچنے یا فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ڈرانگ دوم میں داخل ہوتے ہوئے می نے اسے حوصلہ دیا۔

”تمہیں پوچھنی تھی..... اسی لیے تو میں آپ کو اپنی ماں صرف کہتی نہیں سمجھتی تھی ہوں کیونکہ جانتی ہوں کہ اللہ کے بعد اب آپ ہی میری سرپرست ہیں۔“ وہ اسی صوفے پر بیٹھی جس پر می بیٹھی تھیں اور دانستہ ان کے قریب بیٹھ کر لاڈ سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

”اچھا شرمین تم کچھ بتانے والی تھیں ارش کے بارے میں۔“ بولے سب حریف مبر نہ ہوا تو پوچھ لیا۔

”میں نے خاص تمہارے لیے آج ترکی کو فٹے پکائے ہیں لیکن پہلے تم جواب کرنا چاہ رہی تھیں وہ کرلو تو مل کر کھانا کھاتے ہیں۔“

”اگر سداہ بھانڈا باد۔“ اس نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

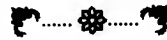
”کیا معلوم ہوا ہے ارش کے بارے میں کہاں ہے وہ؟“ می نے بے تابی سے پوچھا۔ ”اسی شہر میں ہے جی اور ایک چھوٹے سے ٹھک ڈربے نما گھر میں اجیہ کے ساتھ رہا ہے۔“

”ڈربے نما گھر میں.....؟“ می کی حیرت اداسی کی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔

”جی ہاں مجھے آج کل جاب کے لیے سڑکوں پر دھکے کھا رہا ہے ایک جگہ معمولی سی نوکری ملی تھی لیکن کی بات پر تکرار کے بعد وہاں سے نکال دیا گیا دونوں میاں بیوی یوں سمجھیں کہ ایک وقت کا کھاتے ہیں تو دوسرے وقت بھوکے رہتے ہیں آپ کا دل دکھانے کی خوب سزا بھگت رہا ہے۔“ شرمین نے مزید بڑھا چڑھا کر تمام حالات بیان کیے جس پر می سمیت ہوا کا بھی دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکولیا تھا۔

وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں کہ ایک وقت ایسا آئے گا

کب باہر نکل پائے گا وہ نہیں جانتا تھا اجیہ کی خاطر تیز بھاگنے کی خواہش میں پہلے ہی قدم پر ٹھوکر کھا کر گر جانے والا ارش شاید یہ بات جانتا تھا کہ سفر جتنا بھی دشوار ہو راستے جتنے بھی ٹھن ہوں اور منزل کتنے ہی فاصلے پر کیوں نہ ہو کامیابی انہی کا مقدر بنتی ہے اور فتح انہی کے قدم چومتی ہے جن کے زور اور والدین کی دعا میں شامل ہوں اور والدین کی دعاؤں کے بغیر شروع کیا جانے والا زندگی کا سفر ہمیشہ کسی نہ کسی طرح بے برکتی کا ہی شکار ہوتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ وہ آنے سے پہلے می سے ملنے اور ان سے معافی مانگنے بھی گیا تھا لیکن شاید ابھی اسے چند مزید آزمائشوں سے گزرنا پاتا تھا۔



”آ..... آ..... شرمین..... بھی آج تو تم نے ہم دونوں کو انتظار کی سولی پر ہی لٹکا دیا تھا۔“ بوائے بڑی ہی خوش دلی سے گیسٹ کھولتے ہوئے شرمین کو دیکھ کر کہا تو وہ مسکرائی۔

”واہ بھی میری قسمت آج تو میرا اس شدت سے انتظار ہو رہا تھا۔“ بوائے سامنے سے ہٹ کر اسے اندمانے کی جگہ دی اور گیسٹ ہاؤس بار بند کر دیا۔

”مگر تم یہ جان جاؤ کہ تمہارا اس دل میں مقام کیا ہے تو یقین مانو نورنگ کروائی قسمت پر۔“ عقب سے آئی می نے شرمین کی بات سن کر کہا۔

”مجھے اپنی قسمت پر فخر ہے کیونکہ یہ قسمت ہی تو ہے جس نے مجھے آپ جیسے اچھے لوگوں سے ملوایا ورنہ جب تک میں آپ سے نہیں ملی تھی خود اپنی ہی زندگی سے بیزار ہونے لگی تھی اس پر بھائی بھابی کے منہی رویے تو یوں سمجھیں مجھے خود کشی پر بھی مجبور کر دیا تھا۔“ ان تینوں کے چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے اور وہ مسکرائی ہوئی ڈرانگ دوم کی طرف بڑھ رہی تھیں کہ صحت کی طرح شرمین نے اپنی مظلومیت کا دکھڑا روٹا ضروری سمجھا وہ اکثر اوقات می اور بوا کے سامنے یہ بات باور کرائی رہتی تھی کہ بھائی اور بھابی اسے ایک بوجھ سمجھتے ہیں اور وہ زندگی کا خاتمہ کرنے کا سوچ رہی تھی جب اللہ نے مدد کے طور پر اس کی ملاقات

جب اتنے لوگوں کو نوکری دینے والا ارش خود نوکری کی تلاش میں دھکے کھاتا پھرے گا۔ شرمین کو لگا تھا جیسے می ارش کی اس حالت کو اس کی سزا کے طور پر تعبیر کریں گی لیکن ایسا کچھ نہ ہوا کیونکہ شاید وہ نہیں جانتی تھی کہ ماں ہی ایک ہستی ہے جو اولاد کی تمام تر غلطیوں کو تاحیوں اور تاخریاتوں کے باوجود اس سے پیار کرتی ہے اسے اپنی آغوش میں لینے کو بے تاب رہتی ہے اور درگزر کرنے کو ہر لمحہ تیار رہتی ہے۔

”ممی..... ارش کو آپ کا دل دکھانے کی سزا ملی ہے شاید۔“ شرمین کی بات پر ممی نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ ”اللہ نہ کرے شرمین، ایسا نہ کہو کہ ممی اسے کوئی سزا ملے بلکہ میں اللہ کی بارگاہ میں دعا کرتی ہوں کہ اس پر آتی تمام مشکلات مصیبتیں اور مسائل سب دور ہو جائیں۔“ ممی نے بڑے ہی دل سے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی جس پر بوانے آمین کہا۔

”واقعی ممی ماں ہو تو آپ جیسی کدو راسی ارش پر مشکل کیا آئی فوراً سے ہی دل موم ہو گیا۔“ شرمین نے ستائش سے انہیں دیکھا۔

”میں نہیں شرمین ساری مائیں ایسی ہوتی ہیں اور میں تو اپنے رب کے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتی ہوں کہ اے مالک میں نے ارش کو دل سے معاف کیا تو بھی اسے معاف فرما کر اس کی زندگی کی تمام مشکلات دور فرما دے آمین۔“

”ہم..... آمین۔“ شرمین نے گہری سانس لیتے ہی ان کے ہاتھ پر چھکی دے کر انہیں اپنے ساتھ کا احساس دلایا اور ساتھ ہی موبائل کی روشن ہوئی اسکرین پر غزنی کی طرف سے نمودار ہونے والا منیج پڑھ کر تو جیسے اس کے چہرے کی چمک میں انوکھا ہی اضافہ ہوا کن اکھیوں سے بوا اور ممی کا چہرہ دیکھا اور گفتگو جاری رکھنے کے لیے مزید الفاظ ترتیب دینے لگی۔

”اس ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی گزارتے ارش سے اجیہ نے تو شادی ہی دولت کے لیے کی تھی ناں اور جب یہ

سب اسے حاصل نہ ہوا تو مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ دن رات ارش کو تنگ کرتی رہتی ہے آپ کے نام کے طعنے دیتی ہے اور اسے کسی بھی قیمت پر مکمل سہولیات والی زندگی حاصل کرنے کے لیے اسے سکون کا سانس تک نہیں لینے دیتی ارش واقعی اس سے شادی کر کے پھنس گیا ہے۔“

”ہائے میرا بچا اس اجیہ نے اس کی محبت کی بھی قدر نہ کی کہ اس کی خاطر وہ کیسے اپنی آرام دہ زندگی کو لات مار گیا۔“ ارش کے بارے میں اگر کوئی خیر کی خبر ملتی تو بھی کوئی بات تھی لیکن اس کی مشکلات کے بارے میں جان کر تو ممی کا دلچسپی نہ کٹانے لگا تھا۔

”لیکن شرمین..... سب باتیں جنہیں کیسے معلوم ہوئیں۔“ بوا اجیہ سے مل چکی تھیں اس کا گھر دیکھا تھا اس کی اسی سے بات چیت ہوتی تھی اور انہیں ایسا ہرگز نہیں لگا تھا کہ اجیہ کوئی لاچلی لڑکی ہے جو صرف روپے پیسے کی خاطر ارش کو مسلسل ذہنی تشوہ کا نشانہ بناتی ہوگی۔

”اسی محلے میں بلکہ اس کے گھر کے سامنے ہمارے دفتر کی صفائی کرنے والی عورت رہتی ہے۔“ شرمین نے جھوٹ گھڑا۔ ”وہ بتا رہی تھی کہ ان کے گھر سے اکثر لڑائی جھگڑے کی آوازیں آتی ہیں جن میں ہمیشہ گھر سے باہر آتی آواز اجیہ ہی کی ہوتی ہے جو ان باتوں پر چلا رہی ہوتی ہے اور میری اجیہ سے ملاقات بھی ہوتی ہے۔“

”کیا تم اجیہ سے ملی ہو؟ ارش بھی تھا وہاں اس سے بھی مل سکی ہو کیا؟“ یہ جان کر کہ ارش کے گھر کا پتا شرمین کو معلوم ہے اب ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ فوراً جا کر اس سے ملیں اور اسے بتائیں کہ اس کے بغیر انسان کے گھر میں کوئی رونق باقی رہی ہے نہ زندگی میں۔

”جی ممی..... میں ان کے گھر گئی تھی اجیہ سے ہی ملی ارش موجود نہیں تھا۔“

”مجھے بھی لے چلو وہاں شرمین میں وہاں بیٹھ کر ارش کے آنے کا انتظار کروں گی اور اس سے مل کر ہی سکون پاؤں گی۔“

”ممی اس وقت تو رات ہو گئی ہے دیر سے گھر گئی تو

بھائی غصہ کرے گا اسی لیے ایسا کرتے ہیں کہ میں صبح آفس جانے سے پہلے یہاں آ جاؤں گی اور پھر ایک ساتھ چلیں گے۔“ اسے اندازہ تھا کہ اب ممی اسی وقت جانے پر اصرار کریں گی اس لیے فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور شولڈر بیگ بھی اٹھالیا۔

”ارے رکو تو سہی کھانا تو کھا لو۔“ ناچاچے ہوئے بھی ممی انہیں ورنہ بددی اس قدر تھی کہ بات کرنے کو بھی جی نہ مانا۔

”نہیں بوا پہلے ہی میں آج اجیہ اور ارش کو ڈھونڈنے کے چکر میں تھک کر چور ہو چکی ہوں۔“ اب وہ جلد از جلد ان کے گھر سے نکلنا چاہتی تھی کیونکہ غزنی نے اسے کوئی خوش خبری دینے کے لیے جلد از جلد فون کرنے کا کہا تھا۔

”چھپا تم ایک منٹ رکو میں تمہارے لیے کھانا پیک کر کے لے آتی ہوں گھر لے جاؤ وہاں آرام سے کھا لیڈا۔“ بوا بڑی برق رفتاری سے پکچن کی طرف گئیں تو وہ ممی کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”ارش کو آپ سے ملوانا میری ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کے لیے مجھے کچھ بھی کرنا پڑا کوئی بھی قدم اٹھانا پڑا تو میں پیچھے نہیں ہٹوں گی بس آپ پریشان نہ ہوں۔“ ”اللہ تمہیں خوش رکھے۔“ ممی نے اسے گلے لگا کر اللہ حافظ کہا۔

بوانے اس کے لیے زکسی کو فتنے پیک کر دیے تھے جو اسے اپنے ساتھ لانے پڑے ممی کی طرف سے گھر چھوڑنے کے اصرار کے باوجود اس نے انہیں زحمت نہ کرنے کا کہا اور خود گیٹ سے باہر نکل آئی جہاں موٹر سائیکل پر بیٹھا غزنی اس کا ہی انتظار کر رہا تھا شرمین نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور بڑے مزے سے موٹر سائیکل پر اس کے پیچھے بیٹھ گئی۔ چند ہی لمحوں میں وہ دلوں سڑک پر جاتی کئی لائنوں کا حصہ بن چکے تھے۔

اکیلے گزرنے والی صرف ایک رات ہی کس قدر طویل

ہو سکتی ہے اس بات کا اندازہ اجیہ کو بہت اچھے طریقے سے ہو گیا تھا لیکن پھر بھی وہ یوں کسی کو بھی اجازت نہیں دے سکتی تھی کہ اسے اکیلے ہونے کی بنا پر ہراساں کرے لہذا باوجود اس کے کہ وہ سخت خوف زدہ تھی مگر اس نے دروازے تک جانے کا فیصلہ کیا کہ دیکھے اور صبح محلے میں کسی سے شکایت بھی کرے کیونکہ شگ گلی میں سارے کم آمدنی والے ہی رہائش پزیر تھے مگر کبھی شریف لوگ تھے گلی میں کوئی فضول بات آج تک اجیہ اور ارش نے نوٹ نہیں کی تھی دروازے پر ہونے والی دستک اب تک ختم چکی تھی۔ لہذا بڑی مشکل سے خود کو کھینچے ہوئے پہلے تو اس نے محن کا زرد بلب بند کیا تاکہ باہر سے کوئی اسے نہ دیکھ سکے اور پھر چاند کی بھری روشنی میں دبے قدموں دروازے کے پاس پہنچی اور دائیں سائیڈ کی جھری پر آ کھ لگادی اور یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس کے دروازے کے سامنے دو درمیل سے کتے جو فقاہت کے باعث شاید بھوک بھی نہیں مارے تھے موجود تھے جو تھوڑی تھوڑی دیر بعد دروازے پر بھی آہستہ اور کبھی زور سے پونچے مارنے لگتے جنہیں اجیہ کوئی پر اسرار دستک سمجھنے لگی تھی۔

یہ مسئلہ حل ہوتے ہی اجیہ کو بھوک اور فقاہت کا احساس ہونے لگا تھا لیکن اس کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا کہ کچن سے کوئی چھوٹی موٹی چیز لے کر کھالے جیسے تپتے کرے تک پہنچی تو اس کے ذہن میں یہ سوال گردش کر رہا تھا کہ اگر کبھی کوئی شخص رات کے وقت اسے تنہا جان کر گھر میں داخل ہو جائے دستک دینے کی زحمت کیے بغیر دیوار ہی بھلا لنگ کر آ جائے تو وہ کیا کرے گی؟ یہ سوال ذہن میں آتے ہی جو پہلی سوچ اس کے ذہن میں آئی وہ یہی تھا کہ اسے صبح ہوتے ہی یہ گھر چھوڑ دینا چاہیے لیکن پھر اس کے بعد وہ جائے گی کہاں غیاہی اور سب سے اہم سوال تو یہی تھا جس کا جواب بہت دیر سوچنے کے بعد صرف اور صرف دارالامان ہی کی صورت میں ملا کیونکہ آج کل جس طرح کے حالات تھے وہ کسی بھی طور اکیلے رہنے کا رسک نہیں لے سکتی وہ بھی اس طرح کے محلے میں جہاں کوئی اس کا

جانے والا یا ہمدرد بھی نہیں تھا۔

وہ رات اس کی زندگی کی مشکل ترین رات تھی جو اس نے جاکتے ہوئے گزار دی اور تمام رات ذہن میں اربش سے ہونے والی پہلی ملاقات سے لے کر صبح ہونے والی آخری ملاقات تک کے مناظر گھومتے رہے اس کی ایک ایک بات اچیر کو یاد آ رہی تھی اور اس نے بہت کوشش بھی کی کہ اس کی کسی ایک بات پر ہی شک کرے اور اسے بنیاد بنا کر یہ سوچے کہ واقعی اربش اسے چھوڑ کر جا چکا ہے وہ اس سے بدلہ لینا ہی چاہتا تھا اور کام ہو جانے کی صورت میں اس نے ممکن اتارنے کے لیے بیرون ملک کی اڑان بھری تھی اپنی آنکھوں سے اربش کے بیرون ملک جانے کے دستاویزات دیکھ لینے کے باوجود جانے کیوں وہ یہ بات ماننے کو تیار ہی نہ تھی کہ اربش نے اسے دھوکا دیا ہے، جتنی مرتبہ اس نے اس طرز پر سوچنا چاہا دل نے مخالفت کی اور تب اس نے دل اور دل کی تمام تر دلیلوں کے آگے ہار مان لی۔

ثبوت ہونے کے باوجود وہ اسے مجرم قرار نہیں دے پاتی تھی۔ لہذا تمام تر ہمت جمع کر کے ابھی اور اپنے کپڑے اور بنیادی ضرورت کی چند چیزیں اسی اپنی میں ڈالیں تو دل اربش کا تصور کر کے رو دیا۔ یہ سب اچیر نے کب سوچا تھا کہ ایسا ہوگا وہ تو اربش کے ساتھ پوری زندگی گزارنے کی خواہش مند تھی اس نے تو کبھی کسی چیز کی فرمائش یا خواہش تک اربش سے نہیں کی تھی پھر آخر وہ کیوں چھوڑ گیا اسے اور وہ بھی اس کا کوئی بھی تصور کوئی غلطی بتائے بغیر۔

یہ اور بات کہ دشمن میرا ہے آج مگر وہ میرا دوست تھا کل تک اسے برا نہ کہو نہ جانے کون سی مجبور یوں کا قیدی ہو وہ ساتھ چھوڑ گیا ہے تو بے وفا نہ کہو اچیر کے دل کی عدالت نے اربش کو مجرم قرار نہیں دیا تھا مگر اچیر اس سے سخت نفاسی جو اسے دنیا کے پھیرے

کھانے کے لیے بھوکے شیر جیسے حالات کے سامنے ڈال گیا تھا ہر ہلکی روٹی ہونا شروع ہوئی تھی مشکل اس نے اپنا

اچھی پیڑ سے اٹھا کر پیچے رکھا جو کہ بہت دزنی نہیں تھا لیکن کل سے بھوکا ہونے کی وجہ سے اس میں اتنی بھی توانائی نہیں بچی تھی کہ بھولت سے اچھی ہی رکھ پاتی اس پر اللہ کا شکر ادا کیا کہ اچھی میں پیسے لگے تھے جس کی وجہ سے وہ آرام سے اسے لے کر جاسکتی تھی۔

گھر سے نکلنے سے پہلے اس نے بڑی سی چادر میں خود کو چھپایا بیٹھی ہوئی نظروں سے خری مرتبہ درود پوار دیکھے جہاں اس نے اربش کے ساتھ اپنی زندگی کا قیمتی وقت گزارا تھا صحن میں بڑی اینٹیں جن پر اکثر لوڈ شیڈنگ کے دوران وہ دونوں آکر بیٹھا کرتے تھے وہ روشن دان جہاں سے آسمان کا ایک کٹرا ان دونوں کو دیکھا کرتا تھا وہ ہر ایک چیز سے مانوس ہو چکی تھی کہ اذان سنانے والا دیکھیں جھپکاتے ہوئے چادر کے پلو سے آنکھیں رگڑتی وہ گھر سے باہر گلی میں آگئی وقت چونکہ صبح کا تھا اس لیے گلی میں خاموشی تھی اور یہی وہ جاتی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ لوگ اچھی لے کر اسے جاتا دیکھ کر کسی بھی قسم کا کوئی سوال کریں لہذا تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہ بس اسٹاپ پر جا پہنچی اور یہ جانے بغیر کہ بس کہاں جا رہی ہے اچھی سمیت اس میں سوار ہو گئی۔

ویسے بھی وہ یہ بات پوچھتی ہی کیوں کہ بس کی منزل کون سی ہے جبکہ اس کی اپنی کوئی منزل نہیں تھی اور اب بس میں بیٹھ کر ہی اس نے طے کرنا تھا کہ اتنے بڑے شہر کے کون سے دارالامان میں اسے پناہ لینی چاہیے جہاں عزت سے سر چھپایا جاسکے چہرے کو نقاب سے ڈھانپے وہ کھڑکی سے باہر منہ کیے ہوئے تھی کہ ساتھ والی سیٹ پر ایک خاتون دو سالہ بچے کے ساتھ آ بیٹھی بس کے ابھی بھرنے کا انتظار کیا جا رہا تھا اور خاتون نے ذرا باتونی قسم کی واضح ہوئی تھیں لہذا پہلے تو بچے کے ساتھ مصروف رہیں پھر اسے مخاطب کر لیا اور پہلے اپنے بارے میں تفصیل بتانے لگیں۔

”میں مبینہ کے پہلے ہفتے ہمیشہ آتی ہوں اپنے بھائی کے پاس ہفتہ کا دن بھی ایک ساتھ گزارتا ہے تو اراک بھی اور

پھر پیر کے روز صبح سویرے بھائی بس پر بیٹھا جاتا ہے اور میں اپنے گھر پہنچ جاتی ہوں یوں سمجھو مبینہ کے دو روز بھائی کے پاس گزار لوں تو باقی پورا ماہ اچھا گزرتا ہے یقین کرو بھائی بھاندر دونوں اتنے اچھے ہیں کہ میں تو سارا سارا دن بھی دعا مانگ دیتی رہوں تو نہ ٹھکوں۔“ وقت گزاری کے لیے اچیر کو بھی ان کا ساتھ بہترین لگا تھا جیسی سر ہلا کر اپنی دلچسپی ظاہر کرتی رہی۔ ”تم کہاں جا رہی ہو، کیلی ہو کیا؟“

”میں وہ..... میں بھی اپنی امی کے پاس جا رہی ہوں۔“ اچیر نے مصلحت جھوٹ بولا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اصل بات بتا کر پھر ہمدردی بھرے الفاظ اور ترس والی نظریں برداشت کرنی رہے۔

”اچھا واہ بھئی واہ اور لگتا ہے مبینہ مھر رہنے جا رہی ہو، اسی لیے اچھی بھی ساتھ ہے یہ تمہارا ہی ہے ناں؟“ بات پہلے کی اور تصدیق بعد میں کرنے کا خیال آیا اچیر کو وہ ایک دلچسپ خاتون لگ رہی تھیں جن کے پاس بیٹھ کر شاید کوئی بور نہ ہو اس ان کی طرح طرح کی باتیں سنی ہی رہے گی۔

”جی میرا ہی ہے۔“ اور اس کے بعد خاتون نے جو بولنا شروع کیا تو اسے گھر سے لے کر خاندان والوں تک کی باتیں کرنی ہی چلی گئیں اچیر کو لگنے لگا کہ جب یہ بس رک جائے گی تب وہ بھی کسی نہ کسی طور ان کے خاندان کا ہی کوئی فرد لگنے لگے تھی اور اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ بس کا آنے والا اسٹاپ ہی طے کرے گا کہ اس کی زندگی کا اگلا اسٹاپ کہاں ہوگا، ان خاتون سے باتوں میں اس نے جو دارالامان کا پوچھا تھا تو وہ بھی آخری اسٹاپ کے ہی نزدیک تھا۔

لیکن ان کی باتیں سنتے ہوئے اچانک سے اچیر کو جانے کیا ہوا کہ وہ مکمل طور پر ان خاتون پر لڑھک گئی پہلے تو اس نے خوب کوشش کی کہ کسی طریقے سے اچیر ہوش میں آئے لیکن جب ایسا نہ ہوا تو وہ کھڑی ہو کر شور مچانے لگی اور ڈرائیور سے درخواست کی کہ کسی بھی نزدیک اسپتال کے سامنے اسے اتار دے۔ ڈرائیور بھی کوئی اللہ کا ایسا بندہ تھا جس کے دل میں ابھی اللہ کا خوف موجود تھا لہذا اپنے طے

شدہ روٹ میں تبدیلی کر کے بس کو اس سڑک پر ڈالی جہاں کم سے کم وقت میں اسپتال تک جاسکتا ہو سارے مسافر ڈرائیور کو سراہ رہے تھے اور اسے بتا رہے تھے کہ اگر انہیں اپنے اپنے اسٹاپ پر پہنچنے میں کچھ تاخیر بھی ہو جائے تو خیر ہے لیکن اس نے بس کو اسپتال کی طرف موڑ کر بہترین کام کیا ہے۔ چند ہی منٹوں میں بس اسپتال کے بالکل سامنے آرکی ایک مسافر برق رفتاری سے اسپتال کے اندر سے اسٹریچر لے آیا اچیر کو خاتون کی مدد سے باہر کالایا گیا اور پھر اسٹریچر پر لیٹایا گیا۔ وہ ابھی تک بے ہوش تھی مسافروں کو کہہ کر خاتون نے اس کا اچھی بھی اتار دیا اور اسٹریچر کے ساتھ کھینچی ہوئی اسپتال میں داخل ہوئی لیکن نہیں جانتی تھیں کہ اب کرنا کیا ہے اور اسٹریچر لے کر جانا کہاں ہے ابھی وہ اسپتال کے اندرونی حصے میں داخل ہو کر اس سے پہلے کہ کسی نرس کی طرف متوجہ ہوتی سامنے سے آتی خاتون کو دیکھا تو لپک کر بولی۔

”بہن سنو..... میں بس میں جا رہی تھی یہ لڑکی میرے ساتھ بیٹھی تھی بے ہوش ہو گئی تو دوسرے مسافروں کی مدد سے اسے یہاں لے آئی ہوں مگر اب میں نے بھی گھر جانا ہے بس پہلے ہی جا چکی ہے اب دوسری بس پکڑوں گی وقت پر نہ پہنچ سکی تو میرے شوہر بہت پریشان ہوں گے کہ وہاں سے تو بھائی نے بٹھا دیا تھا تو پھر میں گھر کیوں نہیں پہنچ سکی ننھے بچے کا ساتھ ہے اتنی دیر یہاں وہاں آنے جانے پر یہ بیمار نہ ہو جائے اور میرا تو پہلے بھی ایک ہی بیٹا ہے شادی کے چار سال بعد ہی تو پیدا.....“ ابھی ان کی باتیں جاری تھیں کہ خاتون کو کنا پڑا۔

”ان سب باتوں سے میرا کیا واسطہ ہے آپ کیوں مجھے یہ کہانی سنارہی ہیں۔“

”صرف اس لیے کہ اسے اسپتال میں داخل کرادو باقی نرسیں خود دیکھ لیں گی۔“ ابھی ان خاتون نے اتنا ہی کہا تھا کہ ڈاکٹر پر موجود نرسیں اور دارڈر ہواز متوجہ ہوئے اور اس سے پہلے کہ وہ قریب آ کر کوئی سوال جواب کرتے جس طرح بوکھلاہٹ میں خاتون نے اسے داخل ہوتے دیکھا تھا

اس سے کہیں زیادہ بولکھا ہٹ کے ساتھ بچے کو سنبالا اور منظر سے غائب ہو گئی۔

”سسر یہ لڑکی شاید بس میں بے ہوش ہو گئی تھی اور یہ خاتون کی طرح اسے یہاں لے آئیں۔“ اس سے پہلے کہ نرس پوچھتی جین نے خود ہی آگاہ کر دیا تھا ویسے بھی وہ کافی دنوں سے اسپتال میں تھی اور تمام اسٹاف سے اس کی اچھی خاصی واقفیت ہو چکی تھی اس وقت کمرے کی صفائی کا وقت ہوا تو وہ چار پانچ منٹ کے لیے کمرے سے نکل آئی تھی۔

”اوہ مائی گاڈ لیکن اس کی کوئی شناخت وغیرہ؟“ نرس نے پریشانی سے اس کے چہرے پر بڑی چادر ہٹا کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا تو جیسے جین نے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ کیا واقعی اس وقت اس کے سامنے اچھی ہی ہے اور ہاں اگر وہ سو فیصد اچھی ہی ہے تو یوں اس حالت میں، جین حیرت سے منگ کھڑی تھی جب وارڈ بوائے کی آواز اس کے کانوں سے نکل گئی۔

”سسر میرا خیال ہے شناخت بعد میں معلوم کر لیں گے لیکن پہلے ضروری ہے کہ مریض کو کم از کم ابتدائی طبی امداد دی جائے ہوش میں لانے کی کوشش سب سے زیادہ ضروری ہے۔“

”سسر..... یہ بہن ہے میری میں جانتی ہوں اسے یہ میری سگی بہن ہے۔ اچھی..... اچھی سکندر نام ہے اس کا پلیر آپ لوگ اسے فوری طور پر چیک کریں میں اس کی بہن ہوں جین سکندر۔“ اس کی بات سننے ہی اسٹریچر کو ایمرجنسی کی طرف دوڑا دیا گیا تھا وارڈ بوائے نے کورڈیٹر کے ہتھوں بچ کر کھینچ کر اسٹریچر پر موجود نرس کے حوالے کیا اور خود اپنی دیگر پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کی طرف متوجہ ہوا جین البتہ اسٹریچر پر لیٹی اچھی کے ساتھ ہی تھی اور وہ سمجھ ہی نہیں پارتی تھی کہ اریش جیسے امیر کیر انسان کے ساتھ شادی کرنے کے بعد اچھی اس حالت تک کیسے پہنچی اور پھر اس کا حلیہ تو کسی بھی عام مڈل کلاس لڑکی جیسا تھا

اسے دیکھ کر تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ ایک اونچے اور کھاتے پینے گھرانے کی لکھنوی بیوی ہے۔

”کیا اچھی کی آزمائش ابھی تک ختم نہیں ہوئی۔“ اچھی کے نزدیک چہرے پر نظریں جمائے جین نے خود سے سوال کیا آنسو اس کی آنکھوں سے کسی لڑی کی طرح مسلسل بہہ رہے تھے لیکن اس کے باوجود دل ہلکا ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اچھی کے گلے لگ کر دھاڑیں مار مار کر روئے کہ کسی طور اسے صبر آتا نہ کرنے فوری طور پر اچھی کا نمبر پچر بلڈ پریشر اور شوگر لیول چیک کر کے اسے ڈرپ لگا دی تھی۔ جین اب تک اچھی کے پاس ہی تھی اور مسلسل رو رہی تھی جب ایک نرس جواب تک اس کی دوست بن چکی تھی کمرے میں آئی۔

”جین کمرے کی صفائی ہو گئی ہے آپ چاہیں تو کمرے میں جا سکتی ہیں کیونکہ ابھی میں نے آپ کے ہسپتال کو بھی کمرے میں داخل ہوتے دیکھا ہے۔“ جین نے سر ہلاتے ہوئے آنسو پونچھے۔

”یہ پھٹت میری سگی بہن ہے اور اس کا نام اچھی سکندر ہے جیسے ہی اسے ہوش آئے پلیر مجھے فوراً بتا دینا۔“ اس کے انداز میں بے تاب تھی۔

”ہاں ضرور کیوں نہیں، میں خود بتانے آ جاؤں گی۔“ نرس کے کئی ویسے پر وہ لب بچھنے کمرے سے نکلی تو غزنی کو یہ خبر دینے کے لیے بے چین تھی اور اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طور یہیں کھڑے کھڑے غزنی کو آواز دے کر بتائے کہ یہ دیکھو اچھی اس کے سامنے ہے اور یہ سب یقیناً اسی لیے تھا کہ وہ نہیں جانتی تھی کہ غزنی اس وقت اچھی کے معاملے میں کہاں تک انوالو ہے۔

اریش اس وقت ایئر پورٹ کے اسی کمرے میں موجود تھا جہاں اسے کل لایا گیا تھا اور اب تک نہ تو کوئی کارروائی شروع کی گئی تھی اور نہ ہی مزید کسی بھی قسم کی تفتیش ہوئی تھی شام سے رات اور رات سے صبح ہو گئی تھی مگر وہ اس خالی کمرے میں چند کمپیوٹرز کے ساتھ ایک کرسی پر بیٹھا تھا کبھی

اٹھ کر کمرے میں ٹیبلٹ لگاتا اور کبھی پھر سے اسی کرسی پر بیٹھتا اس کا فون بھی لے لیا گیا تھا ورنہ کم از کم حسن کو فون کر کے اس کے کراچی بچپن کے بارے میں ہی معلوم کر لیتا اور پھر اس کے ذریعے اچھی کی خیریت کا پتا چلتا تو نہ سکون ہو جاتا مگر ایسا نہ ہوا۔ اور اب یہ حالت تھی کہ اس کی کمرشدید درد کر رہی تھی ساری رات اسے کوئی جگہ نہ ملی جہاں دو گھنٹی ہی ابھی گزر رہی تھی۔

وہ بالکل بھی یہ سب سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ خراس کے ساتھ ہو کیا رہا ہے۔ پہلے اس کے بیک سے اس پیکٹ کا ٹکنا ہی غلط پھر اس کے بعد کوئی قانونی کارروائی نہ ہونا اور پوں اسے کمرے میں بند کر دیا جانا اریش کے ذہن میں ٹھنوک شبہات پیدا کر رہا تھا۔ ابھی وہ انہی سب باتوں پر غور کر رہا تھا کہ وہی دو آفیسرز جو کل اس کے پاس تھے۔ ایک دم سے دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئے۔

”ہاں بھی کیسے ہیں آپ؟“ ایک آفیسر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟“ اریش اب جھن کا شکار تھا اور یہ ابھن اب اس کے چہرے سے بھی عیاں تھی۔

”کیا ہوا..... کیا ہو رہا ہے؟“ دوسرے آفیسر نے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا۔

”پہلی بات تو یہ کہ وہ پیکٹ میرا نہیں ہے اور میں یہ بات کل سے آپ کو کئی مرتبہ بتا چکا ہوں کہ میرا یقین کیسے۔“

”جی ٹھیک ہے کر لیا یقین اور دوسری بات؟“ آفیسر مذاق کے موڈ میں تھا جبکہ تمام رات جاگنے کی وجہ سے اریش کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

”دیکھیے میں سنجیدہ ہوں۔“

”تو ہم کون سا یہاں آج ڈرامہ کر رہے ہیں ہم بھی تو سنجیدہ ہی ہیں ناں آپ اپنی بات مکمل کریں۔“ اریش نے اس کی بات پر نا پسندیدگی سے اسے دیکھا مگر وہ مزید بحث کر کے معاملہ بگاڑنا نہیں چاہتا تھا۔

”اور دوسری بات یہ کہ تمام رات مجھے اس کمرے میں بند رکھنے کا مقصد کیا ہے پوچھ سکتا ہوں؟“

”اعتراض تمام رات بند رکھنے پر ہے یا پھر اس کمرے میں بند رکھنے پر؟“

”دیکھیں میں آپ سے درخواست کرتا ہوں خدا را میرے ساتھ انصاف کیجیے میں قصور وار نہیں ہوں لیکن مجھے ذہنی اس کیس میں پھنسا یا جا رہا ہے۔“

”کون پھنسا رہا ہے آپ کا کیا کون ہے جو آپ کو اتنے بڑے جرم میں ملوث کر رہا ہے۔“ آفیسر نے ایک نظر دوسرے آفیسر کو دیکھا اور پھر اریش کے چہرے پر اپنی نظریں مرکوز کر دیں۔

”جی تو سارا مسئلہ ہے کہ مجھے تو کسی پر شک بھی نہیں ہے کیونکہ میری آج تک کسی سے دشمنی تو دور کی بات لڑائی تک نہیں ہوئی اور ای لیے تو مجھے سخت حیرت ہے کہ پھر ایسا کون ہے جو میرے خلاف اس حد تک جا رہا ہے۔“

”ہم..... ڈونٹ وری..... سب بہتر ہو جائے گا پہلے تو آپ ہمارے ساتھ چلیں تاکہ آپ کو کم از کم اس کمرے سے نجات ملے۔“

”لیکن کہاں؟“ وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

”یہ بتانا ضروری نہیں ہے میں آپ کے چلوں گا اور آپ مجھے فالو کریں گے آپ کے پیچھے یہ چلیں گے اس لیے کسی بھی قسم کی چالاکیاں یا بھاگ دوڑ کا خیال بھی دل میں لانے کی ضرورت نہیں ہے اگر کوئی شور مچا رہا ہو تو نتائج کی ذمہ داری آپ کی ہی ہوگی سمجھے۔“ اریش کو سمجھوتہ نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب ہو کیا رہا ہے لیکن پھر بھی اس نے صرف یہاں سے نکلنے کے خیال سے ہی خوش ہوتے گردن ہلا دی، کیونکہ یہ تو وہ خود بھی چاہتا تھا کہ کسی طور اس کا معاملہ اس کمرے سے نکل کر پولیس اسٹیشن یا عدالت تک جائے تاکہ اسے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا موقع ملے وہاں جا کر وہ کم از کم حسن سے بھی رابطہ کر سکتا تھا اور اسے تمام صورت حال بتا کر معاملہ حل کرانے کی کوشش کا بھی کہہ سکتا تھا۔ سب سے پہلے

اولاد زینہ، تھیلیسیمیا، اٹھرا، کا کامیاب علاج



تندرست بچہ محمد ابراہیم ولد میاں امیر علی

میاں امیر علی ولد میاں بشیر احمد قوم انیس موضع میاں پور تحصیل دنیا پور ضلع لوہراں 0301-7571324



تندرست بچہ محمد "دلہ" ولد محمد رفیق

شہادت نمبر 1 ہمارے ہاں یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں پیدا ہوئیں چونکہ دونوں بیٹیاں - میجر اپریشن سے پیدا ہوئیں تھیں جسکی وجہ سے ہم بہت پریشان تھے اور اولاد زینہ کی شدید خواہش تھی - میڈیا کے ذریعے معلوم ہونے پر ہم حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ اودو حاضر ہوئے - دعا کرائی اور علاج حاصل کیا اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا اور مورخہ 3 ستمبر 2016 کو تندرست بیٹا محمد ابراہیم پیدا ہوا - یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے -

شہادت نمبر 2 ہمارے ہاں مسلسل 3 بیٹیاں پیدا ہوئیں اولاد زینہ کی شدید خواہش تھی - میڈیا کے ذریعے معلوم ہونے پر حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کی خدمت میں کوٹ اودو حاضر ہوئے دعا کرائی اور علاج حاصل کیا - اللہ تعالیٰ کے فضل سے علاج کامیاب ہوا اور مورخہ یکم ستمبر 2016 کو تندرست بیٹا محمد "پیدا ہوا - یہ علاج کامیاب اور اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے -

فیضیاب محمد رفیق ولد نور محمد قوم سیال بلاک ڈی ایکس گلشن اقبال رحیم یار خان 0304-7042812

یہ طریقہ علاج ان کیلئے ہے جن کے ہاں مسلسل بیٹیاں پیدا ہوں اور بیٹے نہ ہوں یا بچے زندہ نہ رہے ہوں یا بچے گرو تھ خرابی کی وجہ سے پیٹ میں خراب ہو جاتے ہوں یا تھیلیسیمیا کا عارضہ لاحق ہو -

نوٹ: اولاد زینہ کیلئے شدید خواہش مند حضرات جن کے بچے - میجر اپریشن سے پیدا ہوتے ہوں اور چانسز کم باقی ہوں تو انہیں علاج درجہ اول حاصل کرنا ضروری ہے - اور جن کے بچے زندہ نہ رہے ہوں یا گرو تھ خرابی کا عارضہ لاحق ہو تو انہیں امید ہونے پر بروقت علاج حاصل کرنا ضروری ہے -

حصول علاج کیلئے ایڈریس

مرکزی جامع مسجد چوک کالی پل جی ٹی روڈ کوٹ اودو ضلع مظفر گڑھ رابطہ نمبر: 0331-6002834 ہمارا مقصد صرف قرآن و سنت کی روشنی میں کامیاب طریقہ علاج سے فیضیاب لوگوں کی شہادتوں و ثراوت سے اولاد زینہ کے خواہش مند حضرات کو آگاہ کرنا ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اولاد زینہ جیسی نعمت سے مستفید ہو سکیں - ضرورت مند انٹر نیٹ پر دی گئی تفصیلات سے بھی معلومات حاصل کر سکتے ہیں -

جسکا ایڈریس یہ ہے: www.facebook.com/male_progeny_through_the_means_of_Quran_and_sunnah

تحریر: طارق اسماعیل بھٹہ پریس رپورٹر کوٹ اودو

آئیفسر نے کمرے سے باہر نکل کر دائیں بائیں دیکھا اور پھر بڑی ہی خود اعتمادی کے ساتھ باہر نکلا -
ارٹش سمیت دوسرے آئیفسر نے بھی اس کی تقلید کی تھی اور وہ تینوں تیز قدموں سے چلتے ہوئے آئیر پورٹ کے پیرونی حصے تک آ پہنچے چلتے چلتے کہاں سے وہ لوگ یوں ایک دم آئیر پورٹ سے باہر نکل آئے تھے یہ ارٹش کو اندازہ نہیں ہوا تھا - سامنے ہی ایک چھوٹی سی گاڑی تھی جسے کھول کر وہ خود بھی اس میں بیٹھے اور پچھلی سیٹ پر اسے بھی بٹھالیا تھا -

”کیا ہم پولیس اسٹیشن جا رہے ہیں؟“ اس کی بات پر ان دونوں نے زیر لب مسکراتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھا اور ایک نے ڈرائیونگ شروع کرتے ہوئے عقبنی شیشہ سیٹ کرتے ہوئے اسد دیکھا -
”جہاں جا رہے ہیں وہ جگہ دیکھو گے تم بھی بس اب زیادہ سوال جواب کر کے میرا دماغ مت کھانا -“ گاڑی میں بیٹھے ہی اس کی بات چیت کا انداز ہی بدل گیا تھا اور وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ سب کچھ جو بھی ہو رہا ہے غلط ہو رہا ہے اور قانون کا اس تمام معاملے میں کوئی لینا دینا نہیں ہے لہذا آریا پار ہونے کا سوچتے ہوئے اس کے ذہن میں یہی خیال آیا کہ چلتی گاڑی سے کود جائے تاکہ ان دونوں سے بھی نجات مل سکے - ابھی وہ یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ کسٹ گے بیٹھے ہوئے دونوں افراد میں سے ایک نے اپنا مکمل رخ اس کی طرف کیا اور بولا -
”گاڑی کے پچھلے دونوں دروازے خراب ہیں اور صرف باہر سے ہی کھل سکتے ہیں اگر تم اندر سے انہیں کھول پاؤ تو یقیناً یہ ایک مجزرہ ہوگا -“ اس کی بات سن کر ارٹش کے ذہن میں آیا مقصود یہی ہوتا تو دیکھا تھا -

”لیکن آپ لوگ یہ سب کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ، آخر میں نے آپ کا کیا لگاڑا ہے پلیز مجھے کچھ تو بتائیں کہ میری غلطی میرا قصور کیا ہے جس کی سزا مجھے دی جا رہی ہے میں نے ایسا کیا کر دیا ہے -“
”تم بس خاموش رہو ابھی کچھ ہی دیر میں ساری حقیقت تم پر واضح کر دی جائے گی تم ہمارے پاس صرف چند گھنٹوں کے ہی مہمان ہو شاید -“
”چند گھنٹوں کے؟“ ارٹش نے باہر دوڑتی بھاگتی گاڑیوں کو دیکھا اور حسرت سے پوچھا -
”یار کہاں سے زیادہ باتیں مت کرو چپ کر کے خود بھی بیٹھو اور ہمیں بھی ہمارا کام کرنے دو -“ وہ آکٹاپا ہوا تھا لہذا کئی سوالات ذہن میں لیے ارٹش کو خاموش ہونا ہی پڑا -

صبح ہوتے ہی کی اور بواٹر مین کا انتظار کرنے لگی تھیں کیونکہ وہ کل رات یہ کہہ کر گئی تھی کہ صبح آ کر ان دونوں کو ساتھ لے کر جائے گی اور پھر سب مل کر ارٹش کے گھر چلیں گے ان دونوں سے تو رات کا کھانا کھایا جا سکا نہ صبح ناشتے کے لیے چند تھکے حلق سے اترے بس یہی بے چینی تھی کہ کسی طور جلد از جلد ارٹش سے ملیں اور اسی بے چینی میں صبح سے دو تین مرتبہ ٹرینوں کو بھون بھون چکی تھیں اور اب ٹرین میں نے بتایا کہ وہ گھر سے نکل چکا ہے اور بس ان کے پاس پہنچنے ہی والی ہے اس لیے وہ دونوں تیار ہیں - اور تیار ہونے کے بعد وقت تھا کہ گزر ہی نہیں رہا تھا اور ٹرینیں ہوتے بھی می ٹھکنے لگی تھیں کہ آج ایک گیٹ پر اطلاع تھنی بنجے سے دونوں ایک دم چونک گئیں -
”بوا، میں گاڑی نکالتی ہوں آپ لاؤنج کو تالا لگا دیں -“ ممی جلدی سے چابی لے کر نکلیں بوانے بھی بڑی برقی رفتاری سے تالا لگایا اسی دوران دو تین مرتبہ دوبارہ بیل ہونے لگی ممی گاڑی کا رخ گیٹ کی طرف کر چکی تھیں مگر بوا کو گیٹ کھولنے میں وقت لگتا اس لیے خود نیچے اتر کر گیٹ کھولا اور عین سامنے سکندر صاحب کو کھڑے دیکھ کر حیران رہ گئیں -
”آپ..... اس وقت؟“
”ہاں بس اب وقت گزرتا ہی نہیں اور نہ ہی یہ احساس ہوتا ہے کہ دن ہے یا رات گھر پر آگیا تھا اور اب اکیلا پن مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوتا -“ وہ ٹکی محلے کے آوارہ عاشقوں کی طرح جیسی جیسی مسکراہٹ لیوں پر

سجائے خواجہ اور مانجک تاثر دینے کی کوشش میں ہلکان ہو رہے تھے۔

”لو بھئی، یہ صبح ہی صبح کہاں سے آ کر رستہ کاٹ گیا اب بس اللہ ہم پر رحم ہی کرے اور دن اچھے طریقے سے گزر جائے۔“ آہستہ قدموں سے چلتی بوانے انہیں دیکھ کر گاڑی کے پاس ہی رکنے کو ترجیح دیتے ہوئے خود کلامی کی۔

”سکندر صاحب آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ اپنی عمر کا کچھ لحاظ کر لیا کریں آپ کی عمر میں یہ چونچلے انتہائی واہیات معلوم ہوتے ہیں سمجھتے آپ؟“

”سمجھ تو میں گیا ہوں لیکن جو عمر ان چونچلوں کی تھی وہ تو تم نے ضائع کرادی تو پھر اس میں فصوص اور کون ہوا میں یا تم؟“ وہ تو شاید فارغ ہو کر آئے تھے اور لمبی بات چیت کے موڈ میں تھے جبکہ ممی جلدی میں تھیں اس لیے جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

”میں اس وقت کہیں جا رہی ہوں، بہتر ہوگا کہ آپ رستہ چھوڑ دیں۔“

”اتنی صبح کہاں جا رہی ہو؟“

”میں آپ کو بتانے کی پابند نہیں ہوں سکندر صاحب۔“ وہ ان کی ہٹ دھرمی سے مزاح ہوئیں۔

”میں بھی صبح صبح اسپتال ہی جا رہا ہوں حنین اپنی ماں کے پاس اسپتال میں ہی رہتی ہے اکثر..... تو میں پھر حنین کی خیریت معلوم کرنے چلا جاتا ہوں۔“ انہوں نے بغیر ممی کے پوچھے خود ہی بتایا۔

”صرف حنین کی؟“

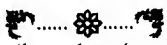
”ہاں کیونکہ اس عورت میں مجھے اول روز سے ہی کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی۔“

”ہمم.....“ ممی نے گہرا سانس لیتے ہوئے کچھ سوچا اور پھر بولیں۔

”کون سے اسپتال میں ہے حنین اور اس کی ماں۔“

طرف سے کوئی ہمدردی والی فیڈنگ نہ آئے اور یہی ہوا جس کھر درے پن کے ساتھ ممی نے پوچھا تھا اسے بڑھ کر رکھائی سے جواب ملا تو ممی کو یوں لگا جیسے سارے خزانے ملنے کا دن آج ہی ہے۔

انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے ہی ذہن میں وقت کو ترتیب دیا کہ آج سب سے پہلے اریش کے گھر جا کر اس کے بعد وہ اپنی بہن سے ملنے اسپتال جائیں گی۔ البتہ اسکول کی وائس پرنسپل کو اپنے تاخیر سے پہنچنے کے بارے میں وہ رات کو ہی آگاہ کر چکی تھیں لہذا بے فکر تھیں۔ اسی دوران انہیں شرمین رکنے میں بیٹھ کر آتی نظر آئی تو سکندر صاحب کو اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے بمشکل ہٹایا اور وقت ضائع کیے بغیر شرمین کو بھی ساتھ لیا اور گاڑی سڑک کی طرف لے آئیں۔



جب سے حنین اجیہ کو چھوڑ کر اپنے کمرے میں آئی تھی اس وقت سے مسلسل ہی دعائیں کیے جا رہی تھی، ساتھ ہی آنسو بھی جاری تھے اور دعائیں بھی اور یہ دعائیں وہ با آواز بلند کر رہی تھی کیونکہ کمرے میں آتے ہی اس نے سب سے پہلے امی کو بتایا تھا کہ اجیہ بھی اسی اسپتال میں ہے اور اسے دعاؤں کی سخت ضرورت ہے اور وہ آواز کے ساتھ دعا مانگ بھی اسی لیے رہی تھی کہ امی کم از کم دل ہی دل میں آمین کہہ دیں۔ اور اسے مکمل یقین تھا کہ امی اس کی ہر ہر دعا پر دل میں اور دل سے آمین ضرور کہہ رہی ہیں اور ماں کی دعا تو بنا کسی رکاوٹ عرش تک پہنچتی ہے وہ دونوں ہاتھ دعا کے لیے پھیلا کر اجیہ کی صحت و سلامتی کے لیے دعا مانگ رہی تھی جب بزنس نے اسے کمرے میں لے آ کر بتایا۔

”مریض کو ہوش آ گیا ہے۔“

”اوہ میرے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔“ حنین نے جذبات میں آ کر فوراً ہی امی کا ہاتھ چوم لیا تھا۔

”امی، میں اجیہ کو دیکھ کر آتی ہوں۔“ حنین کی بے چینی عروج پر تھی اس نے امی کے سامنے اس بات کا تو اظہار کیا تھا کہ اجیہ بھی اسی اسپتال میں ہے لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ

آپ دنیا کے کسی بھی خطے میں مقیم ہوں



ہم بروقت ہر ماہ آپ کی دلچسپ پرفارمنس کرینگے

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا رسالہ (بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ)

پاکستان کے ہر کونے میں 600 روپے

امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے لیے

6000 روپے

میڈل ایسٹ ایشیائی افریقہ یورپ کے لیے

5000 روپے

رقم ڈیمانڈ ڈرافٹ، منی آرڈر، منی گرام

ویسٹرن یونین کے ذریعے بھیجی جاسکتی ہیں۔

مقامی افراد دفتر میں نقد ادائیگی کر سکتے ہیں۔

ابط: طاہر احمد قریشی 0300-8264242

نئے افق گروپ آف پبلی کیشنز

کسٹمر سروس: 7 فری چیئر نمبر: 922-35620771/2

فون نمبر: 922-35620771/2

aanchalpk.com

aanchalnovel.com

circulationngp@gmail.com

میں بہت ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا اور امی کو بھی بے تھک سنا میں اور پھر بس امی کی برداشت ختم ہو گئی ان کے اعصاب مزید بوجھ نہ سہار پائے اور جواب دے گئے وہ بے ہوش ہو گئی تھیں۔

”کیا..... کیا..... کہہ رہی ہو تم حنین امی تب سے اسپتال میں ہیں؟“ اجیہ کو امی کی حالت کے بارے میں جان کر بہت صدمہ ہوا تھا اور اس کا بس چلتا تو ابھی بھاگ کر ان کے پاس پہنچ جانی۔

”ہاں بھی سے اسپتال میں ہی ہیں شروع میں تو حواس بالکل کام نہیں کر رہے تھے مگر اب ڈاکٹر کہتے ہیں کہ وہ سننے کی اور محسوس کرنے کی صلاحیت کو استعمال کر رہی ہیں لیکن اب تک آنکھیں نہیں کھول پارہیں۔“

”سسر..... سسر.....“ حنین کی بات کے جواب میں اجیہ نے پاس سے گزرتی نرس کا ڈانڈ کر کے پاس بلایا۔

”کیا بات ہے۔“ وہ دوسرے بیڈ پر مریضہ کو آنکھیں لگانے جاری تھی اس کے بلانے پر بد مزہ ہوئی جو اس کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا۔

”کیا میں ریڈرپ اتار سکتی ہوں؟“

”خیریت، واش رووم جانا ہے کیا۔“

”نہیں لیکن میں چاہتی ہوں کہ آپ میری ڈرپ اتار دیں مجھے اب اس کی ضرورت نہیں ہے میں بیڈ سے اتارنا چاہتی ہوں۔“

”بی بی مریض ہو تو مریض ہی رہو خود کو ڈاکٹر سمجھنے کی غلطی نہ کرو۔“

”نہیں نہیں..... ایسا تو بالکل بھی نہیں ہے لیکن پلیز آپ میری پرابلم سمجھیں میری ماں بھی اسی اسپتال میں ہے اور سخت بیمار ہے میں ان سے ملنا چاہتی ہوں فارگاہ سیک میری ڈرپ اتار دیں۔“ وہ رو پاہی ہوئی تھی اور جب سے اسے پتا چلا تھا کہ امی بھی اسی اسپتال میں ہیں تو اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خود ہی اپنے بازو میں لگی سوئی کھینچ چھینے۔

”دیکھو، بی بی مانتی ہوں کہ تمہاری ماں بیمار ہے

”یا اللہ تیرا شکر ہے اللہ اسے جزائے خیر عطا کرے۔“

اجیہ نے دل سے اس خاتون کے لیے دعا کی۔

”لیکن اجیہ تم اور یہ سب..... تمہارے سسرال والے کہاں ہیں جو تم یوں اکیلی بسوں کے دھکے کھا رہی ہو؟“ حنین کے آنسو تو ویسے بھی مشہور تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر رونے لگتی لیکن آج تو اجیہ کو دیکھنے کے بعد واقعی اس کے آنسو نہیں رک رہے تھے ابھی لپٹی ہوئی تھی اور وہ اس پر جھک کر اس کے گلے لگ گئی تھی اجیہ نے اپنا دوسرا بازو اس کے گرد لپیٹا اور ہاتھ سناں کی کمر سہلانے لگی۔

”پہلے تم اپنا رونا دھونا بند کرو۔ ورنہ میں بھی یہاں رونے لگ گئی ناں تو وارڈ میں موجود سب مریض گھبرا جائیں گے۔“ اجیہ اسے خاموش کر رہی تھی حنین نے سرائی کر اس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور ہٹ کر بیڈ کے ساتھ رکھے اسٹول پر بیٹھنے سے پہلے نظر گھما کر چاروں اطراف دیکھا۔ یہ زمانہ جنرل وارڈ تھا اور واقعی تمام خواتین بڑی دلچسپی سے یہ مناظر دیکھ رہی تھیں، حنین نے اپنی آنکھیں پونچھیں اور خاموشی سے اجیہ کو دیکھنے لگی اتنے دنوں بعد اجیہ کو دیکھ کر وہ چاہ کر بھی اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا پارہی تھی۔

”میرے متعلق تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے لیکن تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم یہاں اسپتال میں صبح ہی صبح کیا کر رہی ہو جو مجھے دیکھ لیا۔“ اجیہ کے سوال پر حنین نے چند لمحوں تک خاموش رہ کر سوچا کہ اب کیا کیا جائے وہ اسے مکمل صورت حال بتائے یا نہ بتائے۔

”بتاؤ ناں حنین تم کچھ بولتی کیوں نہیں؟“ اجیہ کی آواز سے وہ چوکی اور پھر آخر کار سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

”میں یہاں آج سے نہیں ہوں اجیہ اس دن سے اسپتال میں ہوں جس دن تم رخصت ہو کر گھر سے گئی تھیں۔“

”اس دن سے یہاں ہو، کیا مطلب ہے تمہارا کیوں اس دن سے یہاں ہو تم؟“

”دراصل تمہارے جانے کے بعد بابا جانی نے گھر

کن حالات میں اسے دیکھ کر آئی ہے۔

لہذا تقریباً بھاگتے ہوئے وہ اجیہ کے پاس پہنچی جو جنرل وارڈ کے ایک بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ زرو چہرہ اور آنکھوں تلے حلقے یہ وہ اجیہ تو نہیں تھی جسے انہوں نے ارہش کے ساتھ رخصت کیا تھا اجیہ کو یوں کمزوری میں دیکھ کر حنین کے دل کو کچھ ہول۔ ایک بازو پر ڈرپ لگی تھی سو حنین نے دوسرے ہاتھ کو جیسے ہی ہاتھ میں لیا اجیہ نے گھبرا کر ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ اور ایسی آنکھیں کھولیں کہ بس پھر کھلی کی کھلی ہی رہ گئیں، اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے یا یہ سب حقیقت میں ہو رہا ہے جذبات میں آ کر ایک دم اٹھ کر بیٹھنا چاہا تو ڈرپ کی سوئی نے چہرے کو اسے لپٹے رہنے کا حکم دیا۔

”حنین کیا یہ تم ہو.....! کیا کیا میں واقعی تمہیں دیکھ رہی ہوں؟“ خوشی اور حیرت سے اس کی آواز کانپ رہی تھی اور تقریباً ایسی کیفیت حنین کی بھی تھی۔

”ہاں اجیہ میری بہن یہ میں ہی ہوں، اللہ نے ہماری ملاقات کرائی ہے لیکن دیکھو تو کس مقام پر.....“ وہ رونے لگی۔

”لیکن تم یہاں کیوں ہو، کون ہے اسپتال میں اور مجھے یہاں کون لایا؟ میں تو بس میں بیٹھی تھی ناں اور..... اور میرے ساتھ میرا اپنی کیس بھی تھا۔“ اجیہ نے اپنی کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں۔

”تمہارا اپنی میرے پاس ہے اور تمہیں یہاں تک ایک خاتون چھوڑ کر گئی تھیں جن کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا تم بس میں بے ہوش ہو گئی تھیں اور جب کسی طرف پتے ہوش میں نہ آئیں تو وہ تمہیں اسپتال پہنچانے پر مجبور ہو گئیں۔“

”اوہ ہاں.....“ اجیہ کو وہ خاتون یاد آ گئی تھیں اور ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اگر وہ اسے اسپتال نہ لاتیں اور وہیں سیٹ پر چھوڑ کر اپنے اسٹاپ پر اتر جاتیں تو کیا ہوتا پھر بنجانے وہ جس کو نظر آئی وہ بھی اسی طرح اسپتال لاتا یا نہ لاتا۔

لیکن تم خود سوچو کہ تم بھی تو ماں بننے کے عمل سے گزر رہی ہو، اگر تمہیں کچھ ہوا تو براہ راست اثر تمہارے بچے پر ہی پڑے گا۔“

”اجیہ..... کیا واقعی..... میں خالہ بننے والی ہوں؟“ جنین کے چہرے سے چند لمحوں پہلے والی اداسی دور ہو گئی تھی اور اس کا چہرہ خوشی سے یوں دمک رہا تھا کہ نرس بھی مسکراتے لگی۔

”ہاں بھی تم خالہ بننے والی ہو اس لیے اپنی بہن کو سمجھاؤ کہ اپنا خیال پہلی ترجیح کے طور پر رکھے اپنے لیے نہ سہی تو اپنے ہونے والے بچے کی خاطر ہی سہی۔“ اجیہ کا بازو محبت سے تھپتھپاتے ہوئے نرس مسکرائی اور اگے چل دی۔

”بہت بہت مبارک ہو اجیہ، اتنے سارے مشکل دنوں کے درمیان اس خوشی کی خبر نے تو سمجھو مجھے ہواؤں میں اڑاؤ والا ہے۔“ اور واقعی یہ خبر بھی ہی ایسی کہ جنین نے اس سے مزید کچھ بھی پوچھنے کے بجائے باقی تمام معاملات کو کسی اور وقت کے لیے موخر کر دیا۔ اجیہ بھی مسکراتے لگی تھی مگر وہ جانتی تھی کہ کچھ بھی دیر بعد جنین دوبارہ اس سے اس کے سسرال کے متعلق سوال کرے گی ارش کے بارے میں پوچھنے کی اور بھلا وہ ارش کے بارے میں اسے کیا بتا دے گی جبکہ وہ خود اس بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی ڈرپ کے ذریعے قطرہ قطرہ توانائی اس کے اندر اٹھیلی جا رہی تھی مگر حقیقت تو یہ تھی کہ جنین کو دیکھنے اور اسی کو دیکھ لینے کی امید سے ہی اس کے اندر ایک نئی قوت کا اضافہ ہوا تھا وہ خود کو پہلے سے زیادہ مضبوط اور توانا محسوس کر رہی تھی اور جانتی تھی کہ آج اگر وہ خیریت سے دوبارہ جنین کے سامنے موجود ہے تو اس میں صرف اور صرف امی کی دعاؤں کی ہی طاقت ہے ورنہ نہ کراچی جیسے بڑے شہر میں جہاں انسانوں کا سمندر موجود ہو ایک بار کسی سے بچھڑ کر یوں ل جانا بڑی بات ہے ورنہ انسانوں کے اس بجوم میں کچھ بھیڑ یا صفت لوگ بھی ہر وقت تک میں رہتے ہیں کہ کب کوئی نیا شکار ہاتھ لگے ایسے میں اگر اس کی ملاقات اس فرشتہ صفت خاتون سے ہوئی جو اسے اسپتال تک چھوڑ گئی تو پھر یہ دعاؤں کی بدولت

پیش آنے والی کوئی کرامت نہیں تھی تو بھلا کیا تھا۔

شرمین می اور بوا کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی اب اجیہ کے گھر کی طرف روانہ تھی وہ انہیں رستہ بتاتی جا رہی تھی اور می اس کی ہدایت کے عین مطابق گاڑی کا رخ موڑتی جاتیں آخر میں روڈ سے اتار کر ان کی گاڑی نسبتاً تنگ ایک طرف سڑک پر چلنے لگی اور وہاں شرمین نے انہیں تھوڑی ہی دیر بعد رکھنے کا کہا۔

”اب آگے گاڑی نہیں جا پائے گی ہمیں پیدل چلنا پڑے گا۔“

”اسی گلی میں رہتا ہے ارش؟“ بوائے گلی کے باہر ہی موجود کچرے کے ڈھیر پر بھینھنائی کھینوں اور پاس ہی کھیلنے بچوں کو دیکھ کر پوچھا۔

”جی بوا، اسی گلی میں، بس تھوڑا سا اندر جا کے۔“ وہ بوا کے ساتھ گاڑی سے باہر آ چکی تھی می بھی گاڑی لاک کر کے ان کے ساتھ ہی آ کھڑی ہوئیں۔

”ممی، ہمیں گلی کے کچھ اندر تک جانا ہوگا اجیہ اور ارش وہیں رہتے ہیں۔“ جواب میں می اور گدی کی طرف قدم بڑھا دیے وہ یہ خاموش ہی رہیں اور گدی کی طرف قدم بڑھا دیے وہ یہ حقیقت قبول ہی نہیں کر پا رہی تھیں کہ انتہائی نفاست پسند ارش روزانہ اس کچرے کے ڈھیر سے قریب سے یوں گزر کر آتا جاتا ہوگا وہ تو بچپن میں بھی صفائی کا اس قدر دھیان رکھنے والوں میں سے تھا کہ کھانا کھاتے ہوئے کپڑوں پر پانی بھی گر جاتا تو اس وقت تک دو بار کھانا کھانا شروع نہ کرتا جب تک می سے اپنے کپڑے نہ بدلوا لیتا، یہ بچوں کے اسکول جانے کا وقت تھا لہذا گلی میں بچوں کی آمد و رفت کی وجہ سے خوب روٹن تھی اور سبھی ان تینوں کو یوں غور سے دیکھ رہے تھے جیسے وہ کوئی عجیب سی مخلوق ہوں۔

کچھ عورتیں دروازے پر لٹکتے پردوں کی اوٹ سے ان تینوں خوش لباس خواتین کو دیکھ کر حیرت سے سوچ میں تھیں کہ ان کی آمد گئی کے کون سے گھر میں متوقع ہو سکتی ہے اور پھر ذرا سا باہر نکل کر اس وقت تک دیکھتی جب تک کہ

سامنے سے کوئی مرد نہ آتا دکھائی دے۔ گلی کے ذرا سا اندر جا کر شرمین ایک گھر کے سامنے جا کر۔

”یہی گھر ہے ارش کا۔“ گھر کی پیر دینی حالت کچھ اتنی اطمینان بخش نہیں تھی شرمین نے ذرا سا دروازے پر دباؤ ڈالا یہی تھا کہ وہ کھلتا ہی چلا گیا اور خود جن میں داخل ہوتے ہوئے اس نے می اور بوا کو بھی اندر آنے کا اشارہ کیا۔

”گھر کیا تھا بس می کا تو دل ہی بند ہونے لگا تھا وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ ارش یہاں اس گھر میں رہتا ہوگا، یہ زیر تعمیر مکان جو ابھی مکمل بھی نہیں ہوا تھا می کے قدم تو وہیں صحن میں پڑی اینٹوں اور بجری سینٹ نے روک رکھے تھے ان کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کس گے بڑھتیں اور کمرے تک جاتیں انہیں معلوم تھا کہ ارش کو گھر سجانے کا کتنا شوق تھا اور گھر میں ذرا سا پھیلا سامان بھی دیکھ کر اس کے چہرے پر کیسی ناپسندیدگی کے آثار ہوا کرتے تھے اور اب یہاں اس گھر میں وہ بھلا کس دل سے رہ رہا ہوگا۔

”آج خراجہ گئی کہاں؟“ شرمین کمرے سے نکلی تو خود کلاہی کرتے ہوئے بلند آواز میں بولی۔

بوا بچن میں رکھی ایک ننھی سی دپٹی دو پلیٹوں دو چمچوں اور پانی کی آدمی بوتل کو دیکھ کر دل گرفتہ تھیں حالات ایک شہزادے کی آن بان سے زندگی گزارنے والے ارش کو کس مقام پر لے آئے تھے وہ جو اکثر اپنی فرمائش پر بوا سے اپنی پسندیدہ چیزیں چکویا کرتا تھا اب کیا کھانا ہوگا یہ سب تو اپریل جی خانے کی حالت دیکھ کر ہی واضح ہو رہا تھا۔

دنیا تمہیں اس موڑ پر لے آئے گی اک دن ہنسنا تو بڑی بات ہے رو بھی نہ سکو گے بوا کا دل اس قدر بو بھل ہو رہا تھا کہ واقعی ان کی آنکھ میں آنسو بھی نہیں آ رہے تھے اور نہ ہی وہ اس وقت آنسو بہا کر می کی کمزیر پریشان کرنا چاہتی تھیں۔

”کیا مطلب ہے شرمین، کہاں ہے اجیہ اور ارش؟“ می نے دہن ان بدرنگ اینٹوں کے پاس کھڑے کھڑے سوال کیا۔

”اجیہ نہیں ہے کمرے میں اور نہ صرف یہ کہ اجیہ نہیں ہے بلکہ اس کے استعمال کی کوئی بھی چیز اس وقت کھرب نہیں ہے۔“

”مطلب.....؟“

”مطلب یہ کہ می وہ اپنا سامان سمیٹ کر کہیں چلی گئی ہے چھوڑ گئی ہے یہ گھر دن بھی کل تک وہ بھی نہیں تھے اور اس کا سب سامان بھی میں خود ہی اس سے۔“

”اور میرا ارش وہ کہاں ہے شرمین مجھے ایک بار اس سے ملو اور دپلیز صرف ایک بار.....“ می اب پچھتا رہی تھیں۔

پہلے گلی پھر گھر کی حالت دیکھ کر وہ انتہائی دل گرفتہ تھیں اور خود کو الزام دے رہی تھیں کہ آج اگر ارش اتنی مشکل زندگی گزارنے پر مجبور ہوا تو اس کی وجہ صرف اور صرف وہ خود تھیں آخر کیوں ماں ہوتے ہوئے بھی انہوں نے درگزر سے کام نہ لیا اس مسئلے کا یقینی طور پر کوئی بہتر حل بھی نکل سکتا تھا پھر کیوں انہوں نے کسی اور آجکدن پر غور نہ کیا جس بیٹے کی خاطر وہ پوری زندگی تیاگ سکتی تھیں اس کی خاطر اس کی خوشی کے لیے وہ اس کی پسند پر کپڑا ماز کیوں نہ کرتیں اپنی انا کا بت اپنے ہی بیٹے کے سامنے کیوں کھڑا کر دیا اور پھر اس ساری جنگ میں کیا ہاتھ یا نہ دل کو سکون حاصل رہا اور نہ ہی بیٹے کو کوئی خوشی ملی صرف ان کی ضد کی وجہ سے آج چار افراد بے سکوئی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ایک استاد کے طور پر دوسروں کو سمجھانے ہونے والی وہ یہ بات کیوں یاد نہ رکھ سکیں کہ چھوٹے تو غلطیاں کرتے ہیں کیونکہ وہ چھوٹے ہوتے ہیں اب یہ ذمہ داری تو بڑوں کے سر ڈالی گئی ہے کہ وہ ان کی غلطیوں کو اس خوب صورتی سے ہینڈل کریں کہ اس کے تمام نقصانات چھوٹوں کے سامنے یوں ظاہر کریں کہ وہ ان کے بڑے پن کو سلام کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ معاف کرنے کی صفت بھی تو بڑوں ہی کی نشانی ہے کہ جب چھوٹے اپنی کسی غلطی کے بعد سر جھکائے انہیں معاف کرنے کی درخواست کریں تو وہ دھتکاریں مت کسی قسم کے طنز و طعنوں سے پرہیز کریں



نیر اور انیس کی ہنسکی

بہت پہلے سے ان قدموں کی آہٹ جان لیتے ہیں
تجھے اے زندگی ہم دور سے پہچان لیتے ہیں
طبیعت اپنی گھبراتی ہے جب سنان راتوں میں
ہم ایسے میں تیری یادوں کی چادر تان لیتے ہیں

اچھی خاصی نیند لینے کے بعد بھی نور کی آنکھیں مارے سستی کے مندی مندی سی تھیں۔ لیکن چائے پینی بھی لازمی تھی۔ ویسے بھی شام ہو چلی تھی۔ وہ ست قدموں سے چلتی باہر برآمدے میں آئی جہاں اماں دو عورتوں کے ساتھ بیٹھی آہستہ آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔ نور کو غصہ آیا کیوں کہ اماں کا انداز اور ان عورتوں کے چہرے دیکھ کر ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ کون ہو سکتی ہیں۔ اس کے اندازے کی تصدیق اس وقت ہو گئی جب اماں نے خود اٹھ کر دونوں کو بیس بیس سیر کے اناج کے تھیلے بھر کر دیے اور ساتھ ہزار ہزار کے دو ٹوٹ بھی۔ دونوں عورتوں کے چہرے کی خوشی قابل دید تھی۔ وہ اماں کو دعائیں دیتیں گھر سے رخصت ہوئیں تو نور پھولے منہ کے ساتھ اماں کے پاس آئی۔

”آپ نے فضول میں دنیا جہان کے فراڈ لوگوں کو سر چڑھایا ہوا ہے۔ آپ نے ان کے کپڑے دیکھے؟ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ محتاج اور ضرورت مند ہیں۔ اب وقت بے وقت منہ اٹھا کر آ جایا کریں گی۔“ اس کا موڈ بہت آف تھا۔

”میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے شرمین جو کچھ بھی ہے جلدی سے بتاؤ۔“

”مہی..... اربش کا پتا چل گیا ہے۔“

”اوہ میرے اللہ تیرا شکر ہے..... تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے تو نے ہماری دعائیں سن لیں۔“ مہی اور یو دونوں نے فرط جذبات سے دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہوئے اللہ کا شکر ادا کیا۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے مہی مگر مجھے افسوس ہے کہ خوشی کی خبر ابھی ادھوری ہے اور اس کے ساتھ جو اگلی خبر میں آپ کو بتانے والی ہوں وہ سن کر شاید آپ کی اس خوشی پر اوس پڑ جائے۔“

”میرے اعصاب کو مت آزماؤ شرمین جو بھی بات ہے سیدھے اور صاف طریقے سے ایک ہی مرتبہ بتا دو۔“ مہی نے دو ٹوک لہجہ بتایا۔

”ہمم..... تو پھر صاف اور مختصر بات یہ ہے مہی کہ اچھی کو عیش و آرام دینے اور اس کی روز روز کی فرمائشیں پوری کرنے کی خاطر اربش نے شارٹ کٹ اپنانے کا تو سوچا مگر.....“ وہ پھر کی تھی۔

”مگر.....؟“ مہی کا لہجہ سخت تھا۔

”مگر یہ کہ وہ انیس پورٹ پر منشیات اسمگلنگ کے الزام میں پکڑا گیا ہے۔“

”کیا.....! یہ کیسے ہو سکتا ہے.....؟“ مہی وہیں ایک طرف رکھی اینٹوں کا سہارا لے کر سینٹ پر بیٹھ بیٹھیں ہوا بھی دل تھا سہ جہاں کھڑی تھیں وہیں کھڑی رہ گئیں۔

شرمین نے چہرے پر اترتے اطمینان کو چھپانے کی کوشش کی کیونکہ جانتی تھی اس کی منزل اب صرف دو قدم کے فاصلے پر موجود ہے۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



اور انیس اس حد تک برا بھلا نہ کہیں کہ پھر منہ میں آ کر یا تو دونوں کے درمیان سے لحاظ اور ادب کا رشتہ ختم ہو جائے اور یا پھر وہ غصے میں آ کر اس سے بھی بڑی غلطی کر بیٹھیں۔

”مجھے تو خود مجھ نہیں آ رہا کہ اربش کہاں ہے بلکہ میں تو اچھے کے لیے بھی حیران ہوں میں نے خود اسے رات کو یہاں کمرے میں بیٹھا بھی دیکھا تھا اور میں اس کے پاس بیٹھ کر باتیں بھی کرتی رہتی تھی۔“ اچھے غیر متوقع طور پر گھر سے غائب ہوئی تھی اس لیے خوش شرمین حیرت میں تھی۔

”تم اچھے کے لیے پریشان نہ ہو شرمین، اربش کا بتاؤ اور اسے ڈھونڈنے کی کوشش کرو اس کے ملنے پر اچھے کا خود بخود پتا چل جائے گا۔“ مہی اب اربش سے جلد از جلد ملنا چاہتی تھیں۔

اسی دوران شرمین کا فون بجنے لگا تھا پرس میں سے فون نکال کر دیکھا تو دوسری طرف غرغری تھا ذرا سا فاصلے پر ہو کر اس نے فون سنا اور چند لمحوں بعد مہی کے پاس آئی اس کے چہرے پر ایک شیطانی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی مگر یہ مسکراہٹ مہی اور یو کی آنکھوں سے چھپی ہوئی تھی ویسے بھی جس سے ہم محبت کرتے ہیں جسے اپنا سمجھتے ہیں تو اعتماد کی پٹی یوں آنکھوں پر بندھ جاتی ہے کہ پھر اس کا جھوٹ بھی سچ لگنے لگتا ہے شرمین پر بھی مہی اور یو نے اسی طرح کا اعتماد کر رکھا تھا کہ اگر وہ دن کو رات بھی کہتی تو وہ مان سکتی تھیں۔

”کیا ہوا، کس کا فون تھا شرمین۔“ مہی کے پوچھنے پر وہ کچھ پر خاموش رہی پھر بولی۔

”مجھے نہیں آ رہا کہ بات شروع کیسے کروں مہی؟“ ٹینشن ظاہر کرنے کے لیے اس نے خواہ مخواہ انگلیاں پچھانی شروع کر دی تھیں۔

”کیا بات ہے شرمین سب ٹھیک تو ہے نا؟“

”سب کچھ ٹھیک نہیں ہے مہی یہی تو مسئلہ ہے۔“ اس نے باری باری مہی اور یو کو دیکھا۔

”کچھ بتاؤ گی بھی یا یونہی پہیلیاں بھجاتی رہو گی؟“ ہوا نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔

اور ان کے خاموش ہونٹوں پہ لکھی ہوتی ہے۔ پر ظاہری حلیہ کچھ اور ہی کہانی سنارہا ہوتا ہے۔“

”اچھا اماں ٹھیک ہے کرتی رہیں فراڈیوں اور دوسرے بازوں پہ یقین اور کرتی رہیں ان کی ضرورت پوری۔ آپ نے اور بابا نے غصہ کیا ہوا ہے ناں علاؤتے بھر کے محتاجوں کا۔“ نورینز تیز بولتی اندر چلی گئی۔

اس کے ابا کھاتے پیتے خوشحال خاندان سے تھے۔
شہر میں رہتے تھے، پڑگاؤں میں ان کی زرخیڑ سونا اگنے والی
زرخیڑ زمینیں تھیں، جن پہ مزارعے کام کرتے تھے۔ سال
میں دو مرتبہ فصل اترتی تو ان کے گھر محتاجوں کا میلہ لگ
جاتا۔ چاول، گندم، دالیں جو جس کے ہيے میں آتا خوشی
خوشی دے دیتا لے جاتا۔

اسی پہ موقوف نہیں تھا، محلے کی بے سہارا محتاج اور ضرورت مند عورتوں کا مینے بھر کے راشن کا ذمہ نور کے ابا نے اپنے سر لے رکھا تھا۔ اس کے علاوہ وہ تین یتیم بچوں کی کفالت بھی کرتے تھے۔ نور کے ابا راشد صاحب کی طرح ان کی بیوی صابرہ بھی خدا ترس اور رحم دل عورت تھی۔ اپنے گھر آنے والے ضرورت مندوں کو خاموشی

سے جو بھی میسر ہوتا چیکے سے اس کے ہاتھ پہنچا دیں۔ سال کے سال راشد صاحب اپنی اور اپنے پانچ بیٹوں کی آمدنی کا حساب لگا کر جو کوڑہ جتنی اتنا پیسہ ان سے لے لیتے۔ بہوؤں کے پاس جو زور تھا ہر سال موجودہ مالیت کے مطابق اس پر بھی جو کوڑہ جتنی ان سے وہ رقم لے لی جاتی اور پھر برابر ضرورت مندوں میں تقسیم کر دی جاتی۔

نور بہت چڑتی تھی جانے کیوں اسے روتے دھوتے
مجبوری بیان کرتے اپنے جیسے انسانوں کو دیکھ کر غصہ آ
جاتا۔ وہ تنفر سے انہیں مانگنے والا ہوتی۔ اس بات پہ ہر بار
اماں اسے ٹوکتی کہ انہیں فقیر یا مانگنے والا مت کہا کرو لیکن
یہ بات نور کی سمجھ میں نہیں آتی۔ کبھی کبھی تو اسے بے انتہا
غصہ آتا جب گھر کے سامنے والے میدان کی صفائی ہوئی
اور بچہ اٹھانے والا ٹرک آتا تو باپ اسے بڑا سناٹا کر مڑے
بھرا کر گھر سے لے جاتے اور صفائی کرنے والوں کو

ہنسنے لہڑھنے کا انداز دیکھ کر دل ہی دل میں سب متاثر
ہئے تھے۔

نور ہاشم کے ساتھ ایسے علاقے میں رہائی تھے کسی بھی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی، گھر پر راج تھا۔ لہا کے گھر کی طرح مہمانوں کا انجوم نہیں تھا۔ وہ خود بھی کسی کے گھر کم ہی جاتی۔ ہاشم کے چچا اور خالہ کے گھر بھی تب جاتی جب وہاں کوئی دعوت ہوئی یا جب وہ خود سے بلا تے۔

شادی کو پانچ سال گزر چکے تھے۔ ان کے دو بچے تھے۔ دونوں ہی بیٹے تھے۔ نور کو اپنی زندگی سے کوئی بھی شکایت نہیں تھی۔ اس کی اپنی ذاتی دنیا اور چھوٹی سی جنت تھی۔ سال کے سال دونوں میاں بیوی پاکستان جا کر سب سے مل آتے۔ ہر چکر میں نور کے پہنچے گئے سونے کے زیور کا الگ ڈیزائن ہوتا۔ دیوارنیاں، جیشیاں یاں دیکھتی رہ جاتیں۔ نور پہلے باپ اور پھر شوہر کے گھر میں بھی قسمت کی جتنی تھی۔ ہاتھم اس پر ہوا نہ دار غار ہوتا۔ جو بات منہ سے نکالتی پوری کرتا۔ گھر کے کاموں کے لیے اس نے نور کو لازمہ رکھ کر دی تھی۔

ان کا بڑا بیٹا آفاق اسی سال جدہ کے مہنگے اور اچھے اسکول میں داخل ہوا تھا۔ حالانکہ پڑھائی وہاں کی اتنی خاص نہیں تھی لیکن اسکول کا نام تھا۔ انتظامیہ خوب فائدہ اٹھا رہی تھی۔ دونوں ہاتھوں سے خوشحال والدین کو لوٹ رہی تھی۔ پاکستانی کرنی کے لیے ایک بھی ذہنک اسکول پوری ریاست میں نہیں تھا۔ والدین بچوں کے مستقبل کی طرف سے پریشان تھے۔ لیکن مجبوری بھی اولاد کو زور پور تعلیم سے آراستہ کرنا بھی تو ضروری تھا۔ جو تعلیم اور مجبوری زیادہ تھی۔

نور نے اپنے ہی علاقے میں آفاق کو گھر کے پائر
ٹیوٹن بھی لگوا دی تھی۔ اس کی ٹیوٹن نیچر سدرہ پاکستانی تھی
اور انڈین کیونٹی کے ایک پرائیویٹ اسکول میں بڑھا رہی
تھی۔ اچھی لڑکی تھی نور سے اس کی اچھی خاصی دوستی ہو گئی
تھی۔ سدرہ کامیاب بھی جب کرتا تھا۔ دونوں کی خنوا ہلکا
گزارا چل رہا تھا۔ سدرہ نور کو دیکھ کر رشک کرتی۔

لگا۔ رات بھر جاگتا اور اپنے سیل فون میں لگا رہتا۔ صبح آفس اور رات کو گھر آتا تو ایک ناقابل بیان کرب اس کے چہرے پر تحریر ہوتا۔ چھ ماہ گزرے تو نور کو تب یہ چلا کہ ہاشم کو تو چھ ماہ سے اس کی کمپنی نے تنخواہ کی ادائیگی ہی نہیں کی۔ اس دوران وہ ادھر ادھر سے ادھار لے کر گھر چلا رہا ہے۔ جب حالات بد سے بدتر ہوئے اس نے جب نور کو بتایا۔ آفاق کی تین ماہ کی اسکول کی فیس ادائیں ہوئی تو اسے اسکول سے فارغ کر دیا گیا۔ ہاشم نے ایک سال پہلے گاڑی تھنوں پہ لی تھی۔ وہ کئی ماہ سے اس کی اقتضا کی ادائیگی کر رہی نہیں پارہا تھا اسی وجہ سے کمپنی اس کی گاڑی اٹھا کر لے گئی۔ گھر کا چھ ماہ کا کرایہ بھی ہر صورت ادا کرنا تھا۔ دو ماہ بعد نور کی ڈیوری تھی اور ادھر کیریڈٹ کارڈ پہ سو کی مد میں ادا کی جانے والی رقم بڑھتی جا رہی تھی۔ ان میاں بیوی کو آسمان سے زمین پہ آنے میں صرف چند ماہ لگے تھے۔

نور نے کبھی بچت کی مد میں ایک روپیہ بھی نہیں بچایا تھا اسے عادت ہی نہیں تھی۔ ہاشم بھی کھلے دل اور کھلے ہاتھ سے خرچ کا عادی تھا۔ ہر ماہ نور کو اچھی خاصی رقم دیتا تھا۔ وہ اگر چاہتی تو ان پیسوں کو خرچ ہونے سے روک سکتی تھی لیکن وہی بات کہ اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا کہ اس فضول خرچی کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔ وہ بیرونی سے پیسے جو تو کپڑوں اور فالتو چیزوں پہ خرچ کرتی۔ دونوں بیٹوں کے لیے ہر ماہ کپڑے کھلونے تھے، مہینوں ان کے پہننے کی نوبت نہ آتی رکھے رکھے ہی چھوٹے ہو جاتے۔ تو کئی کام کے نہ رہتے۔ بچے بھی اسی کی طرح لا پرواہ تھے۔ گھر میں فٹ بال سے کھیلنے ہوئے وہ کئی قیمتی چیزیں توڑ چکے تھے۔ کھلونوں کا ایک انبار اس کے گھر جمع تھا۔ گھر میں کام کرنے والی سوڈنی عورت وہ میٹکے اور بہت کم استعمال شدہ کھلونے خوش خوشی لے جاتی تھی۔ نور اپنی ایک بارکی پہنے ہوئے کپڑے بیگ اور دیگر چیزیں بھی فراخ دلی سے اسے دیتی۔ فریج پر کبھی بھی کچا تھا۔ پانچ سال میں اس نے پانچ بار ہی اپنے گھر کے قالین پردوں برتنوں صفوں

بیڈروم سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی چیز تبدیل کی تھی۔ واشنگ مشین فریج کاونڈیکیم اور دیگر مشینری بھی وہ دھننا نو دھننا لیتی رہتی تھی۔ ہاشم نے اسے کبھی نہیں ٹوکا تھا۔ جنور نے مانگا اس نے بخوشی دیا۔ نور کو براؤن کا خط تھا سر کی پن سے لے کر پاؤں میں پہننے والی عام چپل بھی اسے براؤن چاہیے ہوئی۔ ہاشم خود بھی جامد زیب تھا۔ اس کے جوتے کپڑے کلائی کی گھڑی ٹیڈیاں پرفیوئم لپ ٹاپ سب کے سب انتہائی قیمتی ہوتے۔ خود اس نے نور کو جو عبا پہ دلائے تھے ان میں سے کوئی بھی آٹھ نو سو ریال سے کم کا نہیں تھا۔ بچوں کے کپڑوں اور جوتوں کا بھی یہی حال تھا۔ بچوں کی شاپنگ وہ ریڈی مال۔ عربین مال انڈس اور پلیس سے ہی کرتے۔ اس کے علاوہ ہولٹک کا شوق بھی پورا کیا جاتا۔

☆.....☆.....☆

حالات ایک دم سے ایسے بدلیں گے نور نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ اس نے ان پریشانیوں کا سامنا کیا ہی کہاں تھا۔ ضرورت اور مجبوری کا فرق اب اچھی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ جمع پونجی چند ماہ میں ہی ختم ہو گئی تھی۔ سحویہ میں فیملی کے ساتھ رہنا پہلے کی طرح اتنا آسان بھی نہیں رہا تھا۔ جس علاقے میں ان کی رہائش تھی اس کا کرایہ ادا کرنا ہر کسی کے بس کا کام نہیں تھا۔ جیسا علاقہ تھا اسی حساب سے رہن بہن کھانا پینا ملنا ملا بھی تھا۔ لیکن اب تو گھر کا کرایہ دینا بھی مشکل ہو رہا تھا اور پورے ان سب کے اقامے اور میڈیکل انشورنس کارڈ بھی ختم تھے۔ نور نے اپنا زور نکال کر ہاشم کے سامنے رکھا۔ مرد ہو کر بھی اس کی آنکھوں میں پہلی بار آنسو آئے تھے۔

ہاشم صرفانہ مارکیٹ زیور بیچنے گیا تھا سونے کی قیمت انتہائی حد تک گر چکی تھی۔ لیکن زیورین چنانچہ مجبوری ہی نہیں ضرورت بھی تھی ایک آسرا تو ہو گیا تھا۔ چار ماہ کے کرایے کے بعد اتنی ہی رقم باقی پکی تھی جس سے گھر کا سودا سلف آسکتا۔ نور بہت کمزور ہو گئی تھی اسے اچھی خوراک کی ضرورت تھی۔

”ہاشم..... میں اپنے لبا اور بھائی سے بات کروں؟“

ہمارے حالات جان کر وہ ضرور ہماری مدد کریں گے۔“ نور نے تجویز دی۔

”نہیں ایسا کبھی مت کرنا۔ اتنی بے صبری مت بنو۔ تمہارا انتظار کرو۔ اللہ سب اچھا کر دے گا۔“ ہاشم نے اسے تسلی دی۔

”اچھا ایسا کرتے ہیں آپ کے چچا اور خالہ کی طرف چلتے ہیں۔ ان سے قرض لے لیتے ہیں۔ مجھے ڈاکٹر نے چھ انکشن بتائے ہیں۔ صرف ایک کی قیمت نو سو ریال ہے۔“ نور کی بات سن کر وہ فقط سر ہی ہلاسا۔

☆.....☆.....☆

”میرے لبا اور بھائی لاکھوں روپے زکوٰۃ اور صدقات دیتے ہیں کیا میرے لیے ان کے پاس کچھ نہیں ہوگا۔“

”تم زکوٰۃ اور صدقات لے کر کھاؤ گی؟“ ہاشم کا جملہ اسے اندر تک لرزایا تھا۔

”نہیں..... نہیں اللہ نہ کرے میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“

”میں ان مردوں میں سے ہوں جو بیوی کے منکے سے کسی بھی قسم کی مدد لینا گوارا نہیں کرتے۔ اس لیے پلیز آئندہ مجھے یہ مت بولنا۔“ ہاشم کا لہجہ اس کے ساتھ پہلی مرتبہ اتنا تلخ ہوا تھا اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔

”ہاشم پھر ہم کیا کریں گے؟ میری ڈیوری کے لیے پیسے کہاں سے آئیں گے؟ کم سے کم بھی بارہ ہزار ریال چاہیں اگر میں کسی سستے سے ہاسٹیل میں بھی جاؤں تو.....“

☆.....☆.....☆

”نور اس وقت یہاں سب ہی ہمارے جیسے حالات سے گزر رہے ہیں میں کسی سے کیا کہوں.....“ وہ بے بس نظر آرہا تھا۔

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

☆.....☆.....☆

نہیں۔ اسے لگا وہ ابھی کھڑے کھڑے گرے گی اور پھر بھی بھی اٹھ نہیں پائے گی۔ اس نے پیسے لڑتے ہاتھوں سے تمام کر بیگ میں رکھے اور واپسی کے لیے قدم موڑ لیے۔ خالد اور ان کی بیٹیوں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے اسے اللہ حافظ کہا۔ کوئی پہلے کی طرح دروازے تک چھوڑنے نہیں آیا۔

”ہونہا اس کی شکل اور سوٹ دیکھ کر کوئی یقین کرے گا کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے اور یہ مجبور ہے۔“ یہ آواز ہاشم کی فرسٹ کزن کی تھی۔ اپنے جنوں، کپڑوں اور زیور کا سب یہ عیب ڈالتی تھی۔ اللہ کو ایسے لوگ پسند نہیں ہیں۔“ یہ ہاشم کی خالہ تھیں۔ جو نور کے واری صدقے جانی تھیں۔ ”اس عورت کی شاہ خرچیاں ہاشم بھائی کو لے ڈیں۔“ یہ ہاشم کی دوسری کزن کی آواز تھی۔ باہر لفٹ کے انتظار میں کھڑی نور کو ان کی باتیں کسی تیر کی طرح لگیں۔ خو کو مشکل سے سمجھتے کروہ تھک آئی۔

☆.....☆.....☆

اس کے سیل فون پہ مسلسل پاکستان سے کال آ رہی تھی۔ اس نے بہتے آنسو دوپٹے سے خشک کر کے موبائل دیکھا۔ یہ اس کی دیورانی صبا کی کال تھی۔ اس نے بے ولی سے کال کاٹ دی۔ خالہ کے گھر سے آئے اسے تین گھنٹے ہو چکے تھے۔ لیکن آج زندگی میں پہلی بار جس ہنگ اور شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا تھا اس کا ملال کم ہونے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ صبا کی کال بار بار آئے جاری تھی۔ اس نے بشکل منہ پہ پانی کے چھینٹے مارے اور ٹیس کاٹن آن کیا۔ ”کیسی ہو نور اور فون کیوں نہیں اٹھا رہی تھی؟“ صبا چھوٹے ہی بولی۔

”میں سو رہی تھی۔“ اس نے جھوٹ بولا۔ حالانکہ اس کا لہجہ بھگا ہوا تھا۔

”تم آج بے بی خالہ کی طرف گئی تھی؟“ صبا نے ہاشم کی خالہ کے بارے میں سوال کیا تو وہ ڈر اچوٹی ہو گئی۔

”ہاں گئی تھی کیوں؟“

”بے بی خالہ نے کال کر کے پورے خاندان کو بتایا

ہے کہ تم آج ان کے گھر قرض مانگنے آئی تھی۔ سنا ہے بہت روٹی دھوئی ہو ان کے سامنے اور بے بی خالہ نے بہت عجیب عجیب باتیں کی ہیں تمہارے بارے میں۔“

”اچھا.....!“ نور کو ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ صبا سے ان عجیب و غریب باتوں کی تفصیل معلوم کرتی۔

”نور تم ہر ایک کے سامنے رونے رو کر ہاشم بھائی کو

خاندان میں بدنام تو مت کرو۔ ایک ڈراما پریشانی کیا

آگئی تم نے پورے جہاں میں ڈھنڈورا پیٹ دیا شکر

گزار ہو۔“ صبا نے اس طرح کی اور کتنی نصیحتیں کر کے اس

کی جان چھوڑی تھی تھی کہ اس کی جھفٹانی کی کال آگئی۔

انہیں بھی تجسس ہو رہا تھا کہ بے بی خالہ کے گھر آج کیا

کچھ ہوا ہے۔ وہ نور کی زبانی سننے کی منتی تھیں۔ نور کو اپنے گلے

میں پھندا پڑتا محسوس ہوا۔

”دیکھو برا مت ماننا۔ تمہارے بارے میں بہت

عجیب باتیں سننے میں آ رہی ہیں۔ وائس ایپ کے واسطے سنا

ہیں تمہارے بارے میں۔“

”بھائی..... کون سے میسج؟“

”ارے بھولی مت ہو جیسے کچھ پتہ ہی نہیں تمہیں یہی

کہ تمہیں اپنے باپ کی دولت اور عینے کا بہت غرور ہے۔

اپنے خاندان پر تازہ ہے تمہیں اور تم ہاشم کو لوٹ کر کھا گئی ہو۔

اس کا بال بال فرض میں جکڑ دیا ہے۔ تمہاری دج سے ہی

ہاشم کی طبیعت بھی خراب رہنے لگی ہے۔ تمہیں تو سوائے

فیشن کے آتا جاتا کچھ نہیں۔ میں تمہیں سب میسج بھیجتی

ہوں خود سن لو۔ مجھے تو بہت دکھ ہو رہا ہے۔ سچ پوچھو تو.....“

اس کی جھفٹانی اور بھی جانے کیا کیا بول رہی تھی۔ پر فون اس

کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر چکا تھا۔

وہ بے دم بڑی تھی۔ اس کا چھوٹا بیٹا لگا بھاڑ پھاڑ کر رو

رہا تھا۔ ہاشم گھر میں داخل ہوا تو نور بے ہوش بڑی تھی۔

انہی قدموں وہ نیچے بھاگا اور مرکز سے گزری لیویز کو

روکا۔ واپس آ کر نور کو اٹھایا۔ دونوں بچوں کو ساتھ لیا اور گاڑی

میں ساتھ لے کر ہاسٹل پہنچا۔ نور کے پرس میں خالہ کے

دیے ہوئے تین سو پانچ پڑے تھے۔ ہاشم نے وہ بھی نکال

کر کچھ اپنے پاس سے ملائے۔ تو دے دلا کر ڈاکٹر سے خلاصی ملی۔ نور نے حد سے زیادہ ٹینشن لی تھی۔ گھر آ کر وہ ہاشم کے گلے گلے کر دھواں دھار روئی۔

”مجھے تم سے کوئی بھی شکایت نہیں ہے جو باتیں کرتا

ہے کرنے دو۔ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دو۔

تمہیں پتہ ہے ناں ان باتوں میں سچائی نہیں ہے۔ سب کو

بولنے دو۔ ہمارا برا دقت ہے اس نے سب کے چہرے

بے نقاب کر دیے ہیں۔ شکر کرو تمہیں علم ہو گیا کہ کون اپنا

ہے اور کون صرف تماشہ دیکھنے والا۔ تمہیں جس جس کی

باتوں سے تکلیف پہنچی ہے اسے معاف کر دو۔ دل میں

مت رکھو۔“ کتنے بڑے دل اور ظرف والا تھا ہاشم حالانکہ

نور کی حالت دیکھ کر اس کا کلیجہ کٹ گیا تھا۔

☆.....☆.....☆

”ماما..... مجھے بطاطس (آلو کے چپس) کھانے

ہیں۔“ آفاق نے بڑی آس سے ماں کی سمت دیکھا تھا۔

نور نے اٹھ کر اپنا پرس کھولا۔ اس میں بیس ریال کی مالیت

کے نوٹوں کے علاوہ ڈیڑھ ریال کے تین سکے بھی تھے۔ اس

نے اپنا عیاں اوڑھا۔

”آفاق آپ اپنے چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا، میں

مارکیٹ سے ہو کر آتی ہوں۔“ اس نے آفاق کو چھوٹے

بیٹے کے پاس بیٹھا کر دروازہ لاک کیا۔ اس کے لیے چند

قدم چلنا بھی دو بھر ہو رہا تھا۔ مارکیٹ میں کافی رش تھا۔ اس

نے ایک چھوٹے سے بقالے (دوکان) سے ساڑھے

سات ریال کی خریداری کی۔ اور وہاں سے نکل آئی۔

بقالے کے باہر روز کی طرح بوڑھی صومالین عربی حلاوہ اور

خشک مہندی کے پانچ پانچ ریال کے پیکٹ کے ساتھ دیگر

چھوٹی موٹی اشیاء سجاے بیٹھی منتظر نگاہوں سے آنے

جانے والوں کو دیکھ رہی تھی کہ شاید کوئی اس کے خوابچے

کے پاس بھی آئے۔

نور اس کے پاس سے گزری تو اس نے بڑی آس سے

اس کی سمت دیکھا۔ جیسے وہ کچھ نہ کچھ ضرور خریدے گی۔

گزرتے ہوئے دونوں کی آنکھیں ٹکرائیں تو نور کے دل کو

جیسے کچھ ہوا۔ وہ پوری قوت سے دھڑکا اور سینے میں مقید پسیوں میں پھڑ پھڑایا۔ بوڑھی صومالین کی آنکھوں میں لفظ

محتاج اور ضرورت مند لکھا ہوا صاف دکھائی دے رہا تھا۔ نور

نے اپنے اوپر نظر ڈالی۔ قیمتی عبا، پچھلے سال کا خریدا ہوا

لان کا براعڑ پاکستانی سوٹ جس کی قیمت کسی طرح بھی

بارہ ہزار سے کم نہ تھی۔ پاؤں میں خوب صورت نیس قیمتی

اور مہنگے برائے کے جوئے، کندھے پہ لٹکا ہوا بیش قیمت

لیڈر بیگ اسے تو کہیں سے بھی آزمائش کا شکار ظاہر نہیں

کر رہے تھے۔ یہ سب چیزیں اس کے پاس پہلے سے

تھیں۔ گھر کی دیگر قیمتی چیزیں بک چکی تھیں۔ سوائے

استعمال کے کپڑوں جنوں اس کے سامنے بیٹھی

بوڑھی عورت یقیناً نہیں جانتی تھی کہ یہ جو عورت حلے سے

بہت معزز باوقار اور صاحب حیثیت نظر آ رہی ہے قریب

ہی کے ایک گندے اور غلیظ سے علاقے میں رہتی ہے۔

نور اس سے نظر بچا کر سبزی اور فروٹ کی ریڑھیوں

کے پاس آگئی۔ جو بقالے کے پاس ہی کھڑی رہتی تھیں۔

اس کے پاس چند ریال ہی باقی بچے تھے اس نے تھوڑی

تھوڑی مقدار میں ’آلو شملہ مرغ‘ چند سیب اور تین کیلے

شاہر میں ڈال کر یعنی سبزی فروش کی طرف بڑھائے۔ اس

کے پاس بڑے خوش رنگ خربوزے بھی تھے ایک آدھا کٹا

ہوا خربوزہ ڈھیر کے عین اوپر رکھا تھا۔

”بڈا کم (یہ کتنے کا ہے)“ اس نے عربی میں پوچھا۔

اس نے خربوزوں کی طرف دیکھ کر یہ سوال کیا تھا۔ یعنی نو عمر

لڑکے نے ایک خربوزہ اٹھا کر تو لا اور بولا پانچ ریال۔

”نہیں مجھے وہ کتنا ہوا چاہیے اس کے کتنے پیسے لو

گے؟“ اس نے اشارہ کیا تو وہ نو عمر لڑکا مسکرایا۔

”اس کے کوئی پیسے نہیں ہیں۔ سب چیزوں کی ادائیگی

کے بعد اس کے پاس ڈیڑھ ریال کے سکے بچ گئے تھے۔

یہ سکے لے لو اس خربوزے کے۔“ نور نے کئے ہوئے

خربوزے کی سمت اشارہ کیا اور پرس ٹول کر سکے نکالے۔

”نہیں اس کے کوئی پیسے نہیں ہیں یہ کٹ چکا ہے اور

گا بکوں کو چیک کروانے کے لیے رکھا تھا۔“ نو عمر لڑکے کی

مسکراہٹ بڑی دریا دل اور شفاف تھی۔ اس نے وہ کٹا ہوا
خربوزہ بھی باقی اشیاء کے ساتھ شاپر میں ڈال کر نور کی سمت
بڑھایا۔ وہ نوعمر لڑکا نور کی نسبت زیادہ مجھدار تھا کیونکہ وہ
اس کی آنکھوں سے اس کی ضرورت بھانپ چکا تھا۔ آج
کل نور کا دل بہت عجیب سا ہو رہا تھا۔ خربوزے کو دیکھ کر
بے اختیار اس کا دل چلا تھا لیکن اس کے پاس پانچ ریال
نہیں تھے کہ وہ ایک ثابت خربوزہ لے سکتی۔ فرشتہ صفت
آنکھوں والے یعنی لڑکے نے اس کے ساتھ نیکی کی تھی۔
”شکریہ جزاک اللہ“ اس نے شاپر لڑکے کے
ہاتھ سے لیتے ہوئے پوری سچائی سے کہا تو وہ لڑکا مسکرا
دیا۔ اس کا رنگ اتنا صاف نہیں تھا پر اس کی مسکراہٹ
بہت اجلی تھی۔

چہرہ اور نور کے خیال نے اسے اس شیطانی منصوبے سے باز رکھا اور عمل پیرا ہونے سے روک دیا۔ ادھر گھر میں وردے بے حال ہوئی نور بھی یہی سوچ رہی تھی کہ پہلے گلا گھونٹ کر بچوں کو مار دے اور پھر اپنا بھی خاتمہ کر لے۔ وہ مسلسل رو رہی تھی۔ ذہنی اور جسمانی کرب اس کی برداشت سے باہر ہو چلا تھا۔ اسے صاف لگ رہا تھا اب اسے ہاتھل چلے جانا چاہیے۔ لیکن جانے کے لیے بھی تو بیٹے چاہیے تھے اور اس کے پاس تو پھونٹی کوڑی تک نہ تھی۔ ہاتھ منج سے جانے کس کس کے در کی خاک چھان رہا تھا۔ وہ گھر سے دور باغیچے میں بیٹھا بے بسی سے رد رہا تھا۔ اس وقت رب کے سوا اسے اس حال میں وہاں دیکھنے والا اور کوئی بھی نہیں تھا۔

والی تھی اور جدہ ہاسپتال میں مدوائف تھی۔ طبیعت اور اخلاق کی بہت اچھی اور حرم دل تھی۔ سدرہ نے اس سے خوب دوستی کاغذ لی تھی۔

الزبیتہ نے نور کی غیر ہوتی حالت سے نور ابھانپ لیا کہ اس کے ہاں بچے کی ولادت بہت قریب ہے۔ وقت اتنا کم تھا کہ اسے ہاسپتال بھی نہیں لے جایا جاسکتا تھا۔ سدرہ اور الزبیتہ نور کے لیے اس وقت رحمت کے فرشتے تھے ان کی مدد سے گھر پہنچی اور کی ڈیلوری ہوگئی۔ کسی بھی قسم کا کوئی بھی خرچہ نہیں ہوا نور کے قریب ایک مٹھی سی جان پڑی رو رہی تھی۔ ماں بیٹی دونوں ٹھیک تھیں۔ بس بچی کا وزن کچھ کم تھا۔ ہاشم گھر آیا تو اس کے ہاں ننھے مہمان کی صورت میں رحمت کا اضافہ ہو چکا تھا۔

داخلی گیسٹ پہ آخری پوسٹر لگا رہی تھی جب ہاشم کی خالہ کی آمد ہوئی۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو؟“ ان کا سوال کھوج لیے ہوئے تھا۔

”خالہ میں نے گھر پہ بچوں کو ٹیوشن پڑھانے کا فیصلہ کیا ہے اسی لیے یہ لگا رہی تھی۔“ اس کا اشارہ پوسٹر کی طرف تھا۔ اس دوران سدرہ کا شو ہراسے لینے آگیا تو وہ چلی گئی اب نور بھی اور خالہ کی برے کی طرح چھید کرتی نگاہیں تھیں۔

”خاندان کی عزت کو ٹیوشن میں ملانے کا یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے کہ جگہ جگہ اپنے نام اور فون نمبر کے اشتہار لگا داتا مر رہی ہو تم۔ مت ناشکری کرو اپنے رب کی۔ میں آج ہی زریہ کو فون کر کے بتاتی ہوں کہ بہو بیگم یہاں خاندان کی عزت کے جھنڈے گاڑ رہی ہے۔“

بے بی خالہ وہیں سے کتنی جھنجھکتی واپس چلی گئی۔ نور بے حال قدموں سے گھر آئی اور روئے بن بیٹھ گئی۔ یہ دن بھی آنا تھا۔ خالہ کو گئے مشکل سے ایک گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ پاکستان سے کالز اور مسیجز آنا شروع ہو گئے۔ ان کی ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ کسی سے بات کرے۔ بے بی خالہ نے خاندان کے ہر قابل ذکر فرد کو نور کے اس کارنامے کی خبر دی تھی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ نور ایک بہت ناشکری عورت ہے اور اسی وجہ سے اسے یہ دن دیکھنے پڑے۔

اوپر سے وہ ٹیوشن کے اشتہار لگا کر رہی سہی عزت کو بھی خاک میں ملا رہی ہے۔ اس کے سب سسرالی اسے کوس رہے تھے۔ اس کے شریف انٹنس ساس سسر تک اس کے خلاف ہو چکے تھے۔

نور نے اپنے معصوم بچوں کی طرف دیکھا اور اپنے بچے آنسو صاف کیے۔ اسے اپنی یہ جنگ خود ہی لڑنی تھی۔

☆.....☆.....☆

ابتدا میں نور کے پاس چار بچے آئے۔ ان کی مائیں سو ریاں بی بی کے کسی طرح بھی اسے اوپر دینے کو تیار نہیں تھیں۔

اس نے گھر کے ایک کمرے کا فرنیچر اڈھر اڈھر کر کے اس کو بالکل خالی کر لیا اور وہاں صرف ایک کپڑوں کی الماری تھی۔ نور نے خالی کمرے میں پرانے گھر سے لایا ہوا ایک کارپٹ وہاں بچھایا۔..... چارٹ پیپر پہ سدرہ نے اپنا آرٹ ورک آزمایا تھا۔ چھوٹا سا کمرہ واقعی بچوں کی نرسری کلاس لگنے لگا تھا۔ چھ ماہ میں نور کے پاس بیس بچے جمع ہو چکے تھے۔ سب کی مائیں خوش تھیں نور بہت محنت سے بچوں کی تعلیمی بنیاد مضبوط کر رہی تھی۔ ساتھ ہی اس نے آفاق کو بھی پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

ہاشم کو ایک نیک دل عربی نے اپنے دوست کے توسط سے اسی کی کپنی میں نوکری دلا دی تھی ہاشم نے پرانی کپنی سے نقل کفالہ لے لیا تھا۔ عالمی کساد بازاری کے ان حالات میں ہاشم کو اس نوکری کا ملنا نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا۔ اوقات کار بہت زیادہ اور تنخواہ بہت منتوں کے بعد ساڑھے تین ہزار رپاں مقرر کی گئی تھی۔ اس وقت یہ بھی بہت تھے۔ اس کی شریک سفر نور نے اس کے بوجھ کو کافی حد تک بانٹ لیا تھا۔ اس کے پاس اب پانچویں کلاس تک کے بچے بھی آنا شروع ہو گئے تھے۔ اس نے بی بی کا نام رحمت رکھا اور وہ بی بی میں اس کے لیے رحمت بن کر آئی تھی۔ بہت ہنس کھلا اور صابر بنی تھی۔ کھیلنی رہتی یا سوئی رہتی۔ نور کو اس کے آنے سے کوئی مسئلہ نہیں ہوا تھا۔

☆.....☆.....☆

ہاشم نے نور کو بچوں سمیت پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سعودیہ کے موجودہ حالات میں جب کہ اس کی گزشتہ نوکری بھی جا چکی تھی، فیملی کو ساتھ رکھنا خود کو مشکلات کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف تھا۔ نور کے پاس ٹیوشن سے کمائے گئے اتنے پیسے جمع ہو چکے تھے جس سے وہ اپنا اور بچوں کا ٹکٹ لے کر عزت سے واپس جا سکتی تھی۔ اچھے خاصے پیسے پھر بھی بچ رہے تھے۔ ان نو ماہ کے دوران اس نے ایک پیسہ بھی فالٹو خرچ نہیں کیا تھا۔ اس میں اللہ نے برکت عطا کی تھی۔ بے بی خالہ کی پھٹی بیٹی کی شادی تھی نور کی واپسی کی ٹکٹ کنفرم ہو چکی تھی اس کے جانے میں ایک

بہت باقی تھا۔ اس کی واپسی سے پہلے ہی شادی کی تقریبات فتم ہو رہی تھیں۔ اسے اچھی طرح یاد تھا۔ بے بی خالہ نے اس کے منہ پہ تین سو رپاں کیسے پھنک کر طرح مارے تھے۔ وہ ذات و تنگ اور اپنی خودداری کا کل اسے بھول نہیں پایا تھا۔ اس نے واپسی کے لیے جو پیسے بچا رکھے تھے ان میں سے کچھ الگ کر کے بے بی خالہ کی بیٹی کے لیے گفٹ خرید دیا۔ اس نے سونے کے بہت خوب صورت جھمکے اور ساتھ عزیز سے ایک بہت مہنگا کامیڈا ڈیزائنر سوٹ اور رسٹ واپج لی تھی دیگر چھوٹی موٹی چیزیں اس کے علاوہ تھیں۔ اس نے ٹکٹ اور تین سو رپاں بہت شکریے کے ساتھ واپس کیے تھے۔ بے بی خالہ کی حیرت و کچھ کر اس کے دل کو سکون مل رہا تھا۔ مری ہوئی عزت نفس پھر سے سر اٹھا کر کھڑی ہو گئی تھی۔ بے بی خالہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھیں کہ نور بھی اتنا مہنگا تحفہ دے سکتی ہے۔

نور کے جمع شدہ پیسے کم ہو گئے تھے پر کھلی گئی خودداری اور عزت نفس بحال ہو کر پورے تندر سے کھڑی ہو گئی تھی۔ ہم مشکل میں رب کو چھوڑ کر اپنے جیسے کم ظرف انسانوں سے مدد مانگتے ہیں اور پھر انکار پڑوتے ہیں۔ نور بھی اپنے رب سے بہت دور تھی اس نے ایک زوردار ٹھوکر مار کر اسے خود سے قریب کر لیا تھا۔ اپنی بے پایاں رحمت میں ڈھانپ لیا تھا۔ یہ ٹھوکر اس کے لیے بہت مبارک ثابت ہوئی تھی۔ اسے خود میں اپنی چھپی ہوئی خفیہ صلاحیتوں کو در پافت کرنے کا موقع ملا تھا۔ اپنے ماں باپ کے گھر میں بے خبری کا چھوٹا چھوٹا نور مشکلات سے لڑتا اور نبرد آزما ہوتا سیکھ چکی تھی۔ اس نے اپنے کسی بھائی بہن کے سامنے اپنے حالات کا رونا نہیں رویا تھا بے بی خالہ نے پہلے قدم پہ ہی اسے منہ کے بل گرایا تھا۔ ورنہ سدا کی بزدل اور پست ہمت نور ضرور اپنے میکے والوں کے سامنے دھاڑیں مار مار کر روتی۔

☆.....☆.....☆

واپسی کا سفر بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ اسے اور اس کے بچوں کو بے دلی سے خوش آمدید کہا گیا۔ چھوٹے دیور

کی بھی شادی ہو گئی تھی۔ گھر اور دل میں جگہ تنگ پڑ گئی تھی۔ دبے دبے لفظوں میں کہا جانے لگا کہ نور کو اپنے میکے جا کر رہنا چاہیے کیونکہ اسے اپنے باپ اور بھائیوں پہ بہت غرور ہے ناں۔ شکر تھا کہ ایک ماہ کی چھٹی پہ ہاشم اس کے ساتھ آیا تھا۔ اس نے اپنے والدین کے گھر کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا گھر کرایے پر لینے کا فیصلہ کیا۔ پر ایڈوانس بہت زیادہ تھا۔ یہاں کوئی ادھار دینے والا نہیں تھا تب نور نے دوسرے شہر میں مقیم اپنے بھائی سے مدد لی اس نے خاموشی سے مطلوبہ رقم اس کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کرادی تھی۔

ہاشم ایک ماہ بعد واپس چلا گیا۔ نور بچوں اور زندگی کا بوجھ اکیلی ڈھونے لگی۔ رات کو سسر اس کے پاس آجاتے۔ پوچھ آس پاس کے لوگوں کا شک و دور ہو گیا کہ نور کوئی اکیلی عورت ہے۔ اس نے یہاں بھی گھر میں ٹیوشن سینٹر کھول لیا تھا۔ ایک کمرہ اسی کام کے لیے مخصوص تھا۔ شروع میں طلبہ کی تعداد کم تھی پھر آہستہ آہستہ بڑھنے لگی کیونکہ اس نے فیس بہت کم رکھی تھی کچھ ہی عرصے کے بعد نور کو اپنی مدد کے لیے دو اور ٹیچرز رکھنی پڑیں۔ اس کا ٹیوشن سینٹر چل نکلا۔ اس کا ایک ماہ تھا جو بچاس کے پاس پڑھنے آتا امتحان میں اس کے لازماً اچھے نمبرز آتے۔ لوگوں کا اعتبار نور ٹیوشن سینٹر پہ بڑھنے لگا۔ اب نور کے ساتھ یہاں پانچ اور ٹیچرز بھی تھیں اور یہ سب ضرورت مند گھروں سے تھیں۔ نور ان کو ان کی محنت کا اچھا معاوضہ دیتی تھی۔

اس لیے وہ دل لگا کر اپنا کام کرتی تھیں۔ ادھر ہاشم سعودیہ میں اکیلا تھا۔ فیملی کے جانے کے بعد اس نے اپنے ایک دوست کے ساتھ رہائش اختیار کر لی تھی۔ چار افراد تھے۔ کھانا پینا سب اکٹھا تھا۔ ماہ بہ ماہ سب ایک مخصوص رقم کی ادائیگی کرتے۔ ہاشم ایک پیسہ بچا رہا تھا۔ نور اس کی شریک سفر اس کا دوسرا بازو بن گئی تھی۔

جب سب نے اسے چھوڑ دیا تھا اس نے تب بھی ہاشم کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے رکھا تھا۔ وہ سہولیات میں پئی بڑھی جسے فکر چھوڑ کر بھی نہ گزری تھی اپنے گھر اور بچوں کے

لیے گھنا درخت بن گئی تھی۔ وہ بہت کمزور دل کی چھوٹی چھوٹی باتوں پہ رونے والی بڑی بڑی باتوں کو نظر انداز کرتا اور چٹکیوں میں اڑانا سیکھ چکی تھی۔ زندگی نے بہت سبق دیے تھے۔ سب سے بڑھ کر قریبی رشتوں نے بہت کچھ سکھا دیا تھا۔

ہاشم کو اپنی پرانی کمپنی سے رکی ہوئی تنخواہ اور دیگر واجبات مل گئے تھے۔ نور نے اسے مشورہ دیا ہم جس گھر میں کرائے پر رہ رہے ہیں اسے خرید لیتے ہیں۔ اس کی تجویز اچھی تھی۔ چپکے سے ہاشم نے مان لی۔

☆.....☆.....☆

تین سال بعد

نور اپنے گھر کے سرسبز لان میں کھڑی تھی۔ اس کے تینوں بچے کھیل رہے تھے۔ ہاشم ایک ہفتہ پہلے ہمیشہ کے لیے پاکستان آ گیا تھا۔ وہ بھی بچوں کے کھیل کود کسی سے دیکھ رہا تھا۔ یہ گھر انہوں نے دو ماہ پہلے ایک جاننے والے کے توسط سے خریدا تھا۔ خوب صورت اور پُر سکون علاقے میں تعمیر یہ گھر ان کی جنت تھی۔ وہ جنت جو ان کی اپنی تھی۔ اس گھر کی تعمیر کی بنیاد نور نے چار ساڑھے چار سال پہلے مونا مارکیٹ میں جلتی جھلکتی ایک دوپہر میں صرف ڈیڑھ ریال سے رکھی تھی۔ اس کی ڈیڑھ ریال سے کی جانے والی تجارت نے اسے بے پناہ فتح دیا تھا۔ ڈیڑھ ریال کی نیکی اللہ کے ہاں مقبول ہوئی تھی کیونکہ اس میں ریا کاری نہیں تھی۔ اللہ نے مضبوطی اور پیرا سے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ اس کی نیکی خالص تھی سوائے بوڑھی صومال اور اللہ کے اس کا اور کوئی بھی گواہ نہ تھا۔

☆.....☆.....☆

پکن میں شیفٹ پر رکھے ڈبے میں وہ پیسے ڈال رہی تھی۔ پاس کھڑا آفاق شروع سے دیکھتا آیا تھا اس کی ماں مبینے کے آخر میں اس ڈبے میں پیسے ڈالتی ہے۔ ان کا کیا مصرف تھا اسے اس بات کا جھس تھا۔ وہ اکول جاتے ہوئے رک گیا کیونکہ پایا اسے اسکول ڈراپ کرتے تھے ان کی کوئی کال آگئی تھی وہ سننے کے

لیے کمرے میں چلے گئے۔ ”مما آپ اس ڈبے میں کیوں پیسے ڈالتی ہیں کیا کرتی ہیں ان کا؟“ اس کا معصوم سوال زبان پر آئی گیا۔ ”بیٹا میں اس ڈبے میں اللہ کا حصہ ڈالتی ہوں۔ آپ کو پتہ ہونا چاہیے میں اللہ کے ساتھ تجارت کرتی ہوں اور جو اللہ کے ساتھ تجارت کرتا ہے وہ اپنے سودے میں کبھی ناکام نہیں ہوتا اور یہ پیسے ضرورت مند لوگوں کے کام آتے ہیں۔ ہمارے پیسوں میں اللہ کے بندوں کا بھی حصہ ہوتا ہے ناں آفاق بیٹا۔“ نور نے تفصیل سے اسے جواب دیا۔ نور کی بہت سی باتیں آفاق کی سمجھ سے باہر تھیں لیکن وہ پھر بھی انہیں سمجھنے کی کوشش کرتا تھا۔

”مما میں بھی اس ڈبے میں اللہ کا حصہ ڈالوں؟“ اس نے بے ساختہ پوچھا۔ نور نے پلٹ کر اپنے بے ریا چہرے والے معصوم بیٹے کی طرف دیکھا۔ ”اللہ کے ساتھ آپ کو بھی تجارت کرنی ہے۔“ ”جی ممّا۔“ اس نے تیزی سے سر ہلایا۔ نور نے ڈبے اس کی طرف سرکا دیا۔ آفاق نے اپنی آج کی پاکٹ منی کے آدھے پیسے اس میں ڈال دیے۔ ”مما میں بہت خوش ہوں۔“ آفاق کا چہرہ دمک رہا تھا۔

اس کے پُر سکون چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے نور سوچ رہی تھی کہ بظاہر چھوٹی چھوٹی حقیر سی نیکیاں انسان کو کتنی بڑی بڑی خوشیاں دے جاتی ہیں۔ کتنی بڑی بڑی مشکلات سے نکال لے جاتی ہیں۔ جیسے اللہ نے نور اور اس کے خاندان کو بچا لیا تھا۔

انسان مٹ جاتے ہیں..... نیکی زندہ رہتی ہے۔



نیکی زلف کے سحر



رفاق توں میں وقار کھونا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا
یہ دن میں سونا شب میں رونا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا
جو بیچ دریا میں چھوڑ آئے یہ بات اتنی نہ آتی ان پر
یہ اس کا ساحل پہ لا ڈبونا کوئی سنے گا تو کیا کہے گا

گزشتہ قسط کا خلاصہ

سودہ جید کو ہسپتال میں ماندہ کے روم سے نکلے دیکھ لیتی ہے اور اس سے استفسار کرتی ہے جس پر ماندہ صاف مکر جاتی ہے اور زید کی نظروں میں اسے گرانے سے باز رکھتی ہے زید ان تمام باتوں سے بے خبر ماندہ کو ڈسچارج کروا کر گھر لے آتا ہے۔ پیارے میاں سودہ سے ملاقات کی خاطر زید کی مدد لینا چاہتے ہیں جس پر زید بھڑک اٹھتا ہے اور اسے صاف انکار کر دیتا ہے۔ دوسری طرف سودہ کی لالچائی اسے طمانیت بخشتی ہے اپنے ان جذبول پر زید خود بھی گھبرا جاتا ہے ایسے میں شاہ زیب اسے سودہ سے شادی کرنے کا کہہ کر حیران کر دیتا ہے لیکن شاہ زیب کے سامنے وہ اپنے ولی جذبات چھپا کر اپنی نفرت کا واضح اظہار کرتا ہے جس پر شاہ زیب خاموش رہ جاتا ہے دوسری طرف عمران یہ سب سن کر مطمئن ہو جاتی ہیں۔ انشراح نوفل کے ہاتھوں اس فڈرولت برداشت نہیں کر پاتی اپنی اصلیت جان کر وہ اپنی ہی نگاہوں میں گر جاتی ہے ایسے میں بالی اس کی لوجوئی کرتی ہے۔ جہاں آرا کے ذریعے وہ اپنی ماضی کے متعلق بس اتنا ہی جان پاتی ہے کہ اس کی ماں نویرہ اسے جنم دینے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہو گئی تھی اس کے باپ نے اس کی ماں سے محبت کی شادی کی تھی لیکن اسے وہ مقام ورتہ نہیں دے پایا تھا کچھ عرصے بعد اس کی ماں کو طلاق دے کر اس کا باپ بھی کسی حاوٹے کا شکار ہو گیا تھا ماں کے بتانے پر اس سچ کو بھی انشراح نے حقیقت تسلیم کیا تھا لیکن جہاں آرا کا موجود رویہ اسے بالکل بھی سنا سب نہیں لگ رہا تھا۔ عاکفہ اور باہر کے نکاح کی تیاریاں جاری تھیں ایسے میں عاکفہ انشراح کو اپنے نکاح میں شریک کرنے کی بات کرتی ہے جس پر باہر حامی بھر لیتا ہے اور اس کی تلاش میں گھر تک پہنچ جاتا ہے لیکن وہاں جا کر انہیں لاپوئی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کیونکہ گھر کوئی بھی نہیں ملتا۔ ایسے میں عاکفہ اپنے طور پر اس کی تلاش جاری رکھتی ہے اور چونکیر کے منع کرنے کے باوجود اندر چلی جاتی ہے جہاں آرا کا توہین آمیز سلوک برداشت کرتے وہ انشراح تک پہنچتی ہے تو اس کی حالت دیکھ کر شاکہ کر رہ جاتی ہے۔ انشراح اسے یہاں سے جانے کا کہہ کر خاموشی اختیار کر لیتی ہے عاکفہ کو کئی گڑبڑ کا احساس ہوتا ہے جب ہی وہ باہر کو تمام صورت حال سے آگاہ کرتی ہے۔ عمران ماندہ کے ہمراہ رضوانہ کے گھر جاتی ہیں تو رضوانہ زید کی بطور داماد پسندیدگی کا اظہار کرتے عمران کی خاموشی پر طنز کرتی ہے ایسے میں عمران جلد عروہ کو اپنی بہو بنانے کی خواہش کا اظہار کر دیتی ہیں۔ باہر نوفل کی مدد سے انشراح کا پتا لگانے میں تو کامیاب ہو جاتا ہے لیکن دوسری طرف جہاں آرا بھی متشکر ہو جاتی ہیں وہ سرانج کو بلوا کر انشراح اور بالی کو بے ہوشی کی حالت میں گھر چھوڑنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں جب ہی ان کی گاڑی کو اچانک روڈ پر روک لیا جاتا ہے۔

اب آگے پڑھیے



جہاں آرا نے دل ہی دل میں سرانج کو گالیوں سے نوازا اور اس اثناء میں پولیس موبائل سے سپاہی نکل کر گاڑی کو کھیرے میں لے چکے تھے۔ بالی نے کوئی آواز نکالے بنا انشراح کو بھڑکاتا تھا کہ وہ گہری نیند یا بے ہوشی سے بیدار ہو جائے لیکن نامعلوم کسی بے ہوشی تھی یا نیند جو ٹوٹنے کا نام نہ لے رہی تھی۔ دوسری طرف سرانج اور جہاں آرا گاڑی سے نکل کر باہر مذاکرات میں مصروف تھے گاڑی کی ویڈیو میں بلاسٹنگ گلاسز ہونے کی وجہ سے باہر کے سارے مناظر دکھائی دے رہے تھے۔

”بی بی..... کسی ہوشیاری کی ضرورت ہرگز نہیں کرنا اگر تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو یہیں ڈھیر کر دوں گا۔“ پیچھے بیٹھے ہوئے غنڈے نما مردوں میں سے ایک نے پستول دکھاتے ہوئے اپنی شکل سے زیادہ خوفناک آواز میں کہا۔

”ہم رات دو بندے مار کر آئے تھے ہمارے لیے بندے مارنے اور کبھی مارنے میں کوئی فرق نہیں۔“ دوسرے نے بھی اسی انداز میں دھمکی دی بالی نے سر جھکا کر خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی تھی۔ باہر اسپیکٹر سے جہاں آرا کسی بحث و تکرار میں مصروف تھیں جبکہ سرانج ہونٹ پیچھے کھڑا تھا چہرے پر بڑی عاجزی و مسکینی تھی۔

”میں بچپن سن کی صبر آزما بحث کے بعد اسپیکٹر اور جہاں آرا کے مابین ہونے والے مذاکرات کا میاب ہوئے تھے“ سرانج کو پولیس اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

”بڑا ہی کشمور اسپیکٹر تھا مجال ہے جو ذرا بھی اپنی بات سے ہٹا ہو سرانج کو گرفتار کر کے ہی لے گیا۔“ وہ گاڑی میں آ کر بیٹھے ہوئے بڑبڑا رہی تھیں اب ذرا نیوٹنگ سیٹ سرانج کے ساتھ آئے مردوں میں سے ایک ساتھی نوید نے سنبھالی تھی سرانج کے برعکس وہ جہاں آرا سے بے حد مرعوب دکھائی دے رہا تھا۔

”میڈم جی..... شکر ہے وہ صرف سرانج باپ کو ہی گرفتار کر کے لے کر گیا ورنہ اس کے تیور تو ہم سب کو ہی جیل کی ہوا کھلانے کے تھے۔“ نوید نے خوشامدی انداز میں کہا۔

”ارے تو کون سا احسان کروا رہا ہے؟ حرام خورد نے دس لاکھ روپے لیے ہیں معاملہ رفع دفع کرنے کے مفت میں کام نہیں کیا اور سرانج کو کتنی دفع منع کیا ہے کہ نیٹے کی حالت میں گاڑی نہ چلایا کر مگر اس کی کھوپڑی میں بھوسا بھرا ہے بات سمجھ نہیں آتی۔“ وہ بندوں کو رات کو گاڑی ماری تھی پھر دوبارہ اس راستے سے جانے کی کیا ضرورت تھی۔

”سرانج باؤ تو اب لمبے اندر گئے میڈم جی۔“

”کیا میڈم جی..... میڈم جی نگار تھی ہے تو نے؟ جانتا نہیں ہے یہ شہر ہے یہاں لوگ بڑی عزت کرتے ہیں میری آئی بولا کر مجھے۔“ انہوں نے تیوری بدل کر اس کو بری طرح لتاڑا تو وہ گڑبڑا کر رہ گیا۔

”اچھا..... اچھا آئی جی۔“

”ہاں..... ہم کہاں جا رہے ہیں اس طرح چوری چھپے؟“

”چوری چھپے؟“ جہاں آرا نے اس کی طرف گردن موڑ کر ہنس کر کہا۔

”کہیں نہ کہیں تو چلے جائیں گے فی الحال اس دنیا میں ہیں۔“

”انٹی کو ہوش کیوں نہیں آ رہا؟ کب سے بے ہوش ہے یہ۔“

”اس کو ہوش آ جائے گا لیکن تم اپنے ہوش ٹھکانے پر رکھنا ذرا بھی اس کو سن دینے کی سعی کی تو جان سے جاو گی۔“

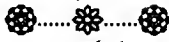
”کیا بتاؤں گی اس کو؟ میرے پاس بتانے کے لیے کیا ہے۔“ تم جودل چاہے کرتی ہو تمہارا ہی بے دام کنیزیں

ہیں جو چاہے ہمارے ساتھ سلوک کرو۔“ بالی بے بسی کے احساس سے روئے گئی۔

”آن آئندوں کا مجھ پر کوئی اثر ہونے والا نہیں..... بہت بڑی بھول کر دی میں نے تم دونوں کو سر چڑھا کر اس انٹیما تو مجھے پہلے دن سے ہی اس کی اوقات یاد دلانی تھی کہ اصل میں یہ ہے کیا چیز۔“ وہ غصے سے بے ہوش انشراح کو کھول کر ہوتی کھڑی تھیں۔

”اچھا تھا نہ پہلے سے ہی اس کو اپنے بارے میں معلوم ہوتا تو آج اس کی ایسی حالت نہ ہوتی۔ تم نے جھوٹ، جھوٹ کی دیواریں کھڑی کر کے اس میں اسے زندہ دفن کرو یا ہے۔“

”چپ ہو جاؤ یا دہ بک بک مت کرائی بڑی حمایتی بن کر۔“ جہاں آ رائے بولی کوڈانٹ کر چپ کر دیا۔
رات کی سیاہ جاویر دھیرے دھیرے سرک رہی تھی اندھیرے کی کوکھ سے ہولے ہولے سنہری شعاعیں نمودار ہو کر ماحول کو منور کرنے لگی تھیں۔ سورج ابھی پوری طرح نمودار نہیں ہوا تھا، سڑکوں پر معمولی شریفک رواں تھا، نیکوید کو جہاں آ رائے نے واپس بیٹنگ کی طرف گاڑی موڑنے کا حکم دیا تھا۔ خود گہری سوچوں میں آئندہ کے لائحہ عمل کے تانے بانے بننے میں مگن ہو گئی تھیں اپنی پلان کے آغاز میں ہی ناکامی نے ان کو پریشان کر ڈالا تھا۔



رات نہ معلوم کتنی بیت گئی تھی، کروٹیں بدل بدل کر بھی وہ بے زار ہو چکی تھی نیند تھی کہ بدستور غائب تھی۔ منور صاحب کچھ دنوں سے ہارٹ کی تکلیف میں مبتلا تھے ڈاکٹر نے انہیں سخت سے آرام کرنے کی تلقین کی تھی۔ زید آفس کی مصروفیات کے باوجود ان کو ناظم دے دیا تھا بھرپور طریقے سے خیال رکھ رہا تھا۔ ان دنوں عمرانہ بیگم کا موڈ سخت خراب تھا انہوں نے ماندہ کے لاہور جانے کا زید کو بتایا تھا اور اس نے سختی سے سے بھیجنے سے منع کر دیا تھا اور عمرانہ اس سے خفا ہو گئی تھیں اور بل اس کے کہ وہ اپنے غصے کا عملی مظاہرہ کرتیں اچانک منور صاحب کی خرابی طبیعت نے ان کو پروگرام ملتوی کرنے پر مجبور کر دیا تھا اور آج جب منور صاحب کی طبیعت بہتر ہوئے دونوں ہی گزرے تھے وہ زید سے ٹکرا رہے تھے۔
جھگڑنے لگیں کہ وہ ان سے دور ہو گیا ہے۔ ماں بہن کو انکو روک کر لگا ہے وہ ان سے بے زار ہو گیا ہے وغیرہ وغیرہ اس نے ان کا ہر الزام ہر طعنہ ہر بدگمانی بہت ختمہ پیشانی صبر و تحمل سے برداشت کی لیکن اس کی نہ ہاں میں نہ بدلی تھی۔

خالہ اور ان کی دونوں بیٹیوں کی طرف سے وہ مطمئن نہ تھا، خصوصی طور پر عرہ اور عفر اس کو شک تھا کہ وہ ماندہ کو مس گاؤں کر رہی ہیں۔ یہ بات عمرانہ کی طور ماننے کو تیار نہ تھیں اور وہ اس سے خفا ہو کر اپنے بستر پر دراز ہو چکی تھیں سر تا پاؤں رضائی اوڑھ کر اور وہ ان کے بخواب ہونے تک قریب ہی بیٹھا رہا تھا نہ اس نے کھانا کھایا تھا اور نہ ہی کافی یا دودھ پی یا پھر بھی کسی بھی جبکہ عمرانہ بیگم لاہور ماندہ کھانا کھا چکی تھیں اس بد مزگی اور ٹکراؤ نے سووہ کو مضطرب کر دیا تھا۔

مگر زید سے اس کے تعلقات کبھی بھی اچھے نہ رہے تھے اب جب سے اس کی معافی کا شوشہ اٹھا تھا وہ کچھ زیادہ ہی اس کا دشمن بن گیا تھا مگر ایک وہ بھی جوانی حساس طبیعت و گداز دل کی بدولت خود سے ہی تنگ تھی اب بھی اس کو یہی خیال ستر رہا تھا کہ زید نے سارے دن سے کچھ نہیں کھایا اس طرح بھوکا رہنا قطعی مناسب نہ تھا اس طرح وہ کمزور ہو کر بیمار ہو سکتا تھا اور اس کے بیمار ہونے پر منور ماموں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ یہ خیال آتے ہی اس نے بنارس بوا کو چگانے کا ارادہ کیا کہ وہ اپنی چچنی چڑی باتوں میں بہلا کر اس کو کھانے پر مجبور کر سکتی تھیں۔ وہ دوپٹہ درست کرتی انھی اور ماندہ کی طرف دیکھا وہ بے خبر سو رہی تھی اس نے بھی بھائی کی بھوک ہڑتال کا ذرا نوٹس نہ لیا تھا، وہ خود غرض و بے حس بہن ثابت ہو رہی تھی کہ اصل فساد کی جڑ وہ ہی تھی لاہور جانے کی اجازت نہ ملنے پر اس نے ہی ماں کو بھائی کے خلاف بھڑکایا تھا۔

وہ کمرے سے نکلی تو بار خاصا اندھیرا تھا صرف کوریڈر میں روشنی نائٹ بلب کی ناتواں روشنی ماحول کو پر اسراریت بخش رہی تھی۔ سارا دن اس کا مختلف شغلوں میں گزرتا تھا بھانسی خوف و دہشت کے مگردات کے اس پہر ایک عجیب سی اداسی و دہشت نے لے لی تھی تیز تیز بڑھتے قدم سے ہونگے تھے پھر اس کو پاؤں بالاؤں میں عموماً صوفیہ اور زمر و تچہ کی نماز ادا کرتی ہیں یقیناً وہ ہاں نماز ادا کر رہی ہوں گی۔ قدموں میں پھر پھرتی آئی تھی لاؤنج کا دروازہ کھولا تو وہاں کوئی نہ تھا، نیم اندھیرا خاموشی بھری شغف کی دھیرے دھیرے لاؤنج دیکھ رہی تھی اندر ہر سائے کی ساکت تھی لیکن پھر اس کو باہر کچھا دانا آئی اس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا کچھ نہیں تھا ہر شے ایسی ہی ساکت و خاموش۔

”کیسی آواز تھی وہ..... آواز تھی یا میرا وہ؟“ وہ ابھی خود کو دلا سہہ رہی تھی کہ وہ آواز پھر گونجی اور وہ خوف و ڈر کے مارے لرز اٹھی تھی یہ سوچ کر کمرے سے نکلی تھی کہ لاؤنج میں امی یا ممانی نماز پڑھ رہی ہوں گی تو وہ اطمینان سے جا کر بوا کو جگا دے گی لیکن وہاں کی آف ٹینس بتا رہی تھیں کہ گھر کا کوئی فرد ابھی بیدار نہیں ہوا اور جب کوئی فرد جاگ نہیں رہا تو پھر وہ عجیب سی آواز کیس کی تھیں کہاں سے آ رہی تھیں؟ وہ جس پر سکون حالت میں یہاں آئی تھی اب اس سے کئی گنا خوف میں وہ مبتلا ہوئی تھی۔ یہ گھر جہاں دن کی روشنی میں وہ آنکھیں بند کر کے ہر مقدمہ پر پہنچ سکتی تھی۔ رات کے اس وقت گھر بالکل اجنبی و ڈراؤنا لگ رہا تھا بیاری بوا کی زبانی سننے کے تمام ڈراؤنے قصے ایک دم یا یاد کے آئینہ میں عکس بن کر ابھرنے لگے اور وہاں کا پردہ چاک کر کے حقیقت کی دنیا میں ادھم چلانے لگے تھے۔ کمرہ چرے والے بد صورت روپ والے اس کو اپنے ترے میں لے چکے تھے اس نے بھاگنا چاہا قدم پھر ہو گئے چنچنا چاہا آواز نے ساتھ نہ دیا اور وہ پر اسرار آواز اس تک آن پہنچی تھی۔

عاکفہ جب سے انشراح سے مل کر آئی تھی اس کی حالت اور اس کی نانی کے تیور اور بداخلاقی نے اس کو دہرے عذاب میں مبتلا کر دیا تھا کہ ایک طرف اس کی بگڑی ذہنی حالت نے اس کو متوش کر دیا تھا تو دوسری طرف اس کی نانی کی مشکوک ہٹ دھرمی بتا دے رہی تھی کہ وہ نے ضمیر و ضمیر پر ایمان عورت جس کی نگاہوں میں نشتروں کا نقشہ تھا نہ دوستی کا احترام ملحوظ تھا نہ روئے کی ہوس میں کچھ بھی گزر رہے کو برا سمجھنے والی نہ تھی۔ اس کے لالچ نے ہی انشراح کو اس حال تک پہنچا دیا کہ وہ شوخ و پھل کسی سے نہ ڈرنے والی لڑکی شدید ذہنی سرریض بن کر رہ گئی تھی۔

”عاکفہ..... اس طرح رونے سے مسائل کا حل نہیں نکلتا جب سے اشی کے پاس سے آئی ہو روئے جاری ہو آفسو کبھی مسئلہ کا حل ثابت نہیں ہوتے۔“ حور بانو نے قریب بیٹھتے ہوئے پیار سے کہا۔

”مہی..... آپ اشی کی حالت دیکھیں پھر آفسو آپ بھی ضبط نہ کر سکیں گی وہ بالکل ہی بدل گئی ہے۔ بہت عجیب ہے حد اجنبی ہو گئی ہے۔“ عاکفہ ماں کے سینے سے لگ کر کہنے لگی۔

”میں بتاؤں کبھی ہی اس کی حالت محسوس کر رہی ہوں بلندی پر پرواز کرنے والے پرندے کے پر کاٹ کر جب اسے کچھڑ میں پھینک دیا جائے تو اس کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے نہ وہ اڑ سکتا ہے نہ چل سکتا ہے صرف سسک کر رہی رہ جاتا ہے پھر اشی تو انسان ہے بہت اعلیٰ اور مضبوط کردار کی معصوم لڑکی۔ اس پر جو قیامت ٹوٹی ہے وہ اس کی اناد عزت نفس کو ریزہ ریزہ کر چکی ہے۔“

”وہ اندر سے مر گئی ہے اور اس کی موت کی ذمہ دار صرف اس کی نانی ہی نہیں۔ نونل بھائی بھی ہیں ماعلم کیوں ان کے اندر عورتوں سے نفرت بھری ہوئی ہے؟ اور اشی سے وہ پہلے دن سے ہی نفص دل میں لیے بیٹھے تھے اب یہ قدرت کا مذاق سمجھیں یا اشی کی بد قسمتی کے اس کی نانی نے پیسوں کی ڈیمانڈ بھی کی تو ایسے شخص سے جو اس کا سب سے بڑا دشمن

ہے اور انہوں نے سوچے سمجھے بغیر ہی اپنے دل کی بھڑاس نکال کر پاگل کر دیا ہے اس کو..... ماعلم کس عورت کا بدلہ میری بے قصور بہن سے بڑے بھیا ایک انداز میں لیا ہے۔“

”آپ کے بابا ایک ہفتہ بعد واپس آئیں گے قافلے سے پھر وہ کوئی حل نکالیں گے ان کی غیر موجودگی میں ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں۔“ وہ بھی انشراح کی طرف سے فکر مند و مضطرب تھیں۔

”ایک ہفتہ بہت ہوتا ہے مہی..... اس عرصے میں اشی کی نانی نہ جانے کیا کر گزرے؟“ وہ بکھرے بال سینتی ہوئی گویا ہوئی۔

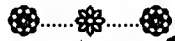
”اللہ کے سپرد کر دو بیٹا۔“ حور بانو نے تسلی دی۔

”بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے مہی..... لیکن ہمیں کوشش تو کرنی چاہیے راستے پر چل کر ہی منزل ملتی ہے اللہ بھی ان کا ساتھ دیتا ہے جو محنت کرتے ہیں۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والوں کی مدد اللہ بھی نہیں کرتا ہے ہمیں اشی کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہے۔“

”کس طرح بیٹا..... جبکہ وہ خود تعاون کرنے کو تیار نہیں اور ایسے میں جہاں آرائیگم ہماری راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ بنیں گی۔“

”کچھ بھی ہو میں اشی کو اس ظالم ولاچلپلی عورت کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتی، خواہ میں بھی جادوں تو پروا نہیں.....“

”اللہ سب اچھا کرے گا میری بیٹی..... تمہارا جذبہ تمہاری محبت رائیگاں نہیں جائے گی۔“ انہوں نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ بھیرا تھا۔



زرقا اور یوسف چند دنوں میں عمرہ کی ادائیگی کے بعد وطن واپس آ رہے تھے ان کی آمد کی خبر نے نونل کو ہشاش بشاش کر دیا تھا کہ ان کے جانے کے بعد وہ خود کو بہت تنہا محسوس کر رہا تھا ان کی واپسی کی خوشی میں اس نے گریڈ پارٹی کا اہتمام کر رکھا تھا۔ جب وہ انوشین کا رڈ بائو کو دینے گیا تو خلاف معمول وہ بے حد پریشان و فکر مند ملا اس کے اصرار پر وہ عاکفہ کی زبانی سننے والی ساری کہانی سنا تا چل گیا جو کچھ پر قبل ہی عاکفہ نے نونل پر سنائی تھی۔

”بہت عجیب بات ہے اور تکلیف دہ بھی، جس کو سن کر تم مسکرا رہے ہو یا..... ایک لڑکی کی لائف تمہاری وجہ سے تباہ ہو گئی..... وہ زندگی سے بھرپور لڑکی کتنی بہادر و غیور تھی جو تمہاری اناد خود غرضی کی بحیثیت جڑھ کر کیا سے کیا ہو گئی اور تم مسکرا رہے ہو؟“ اس کے وجہ چہرے پر تسخرانہ مسکراہٹ تھی گویا اس کا کوئی لفظ اس کو متاثر نہ کر سکا ہو یادہ کوئی جوک سن رہا ہو۔

”تم کیا چاہ رہے ہو یہاں بیٹھ کر روڈ کی یا جا کر اس کے آفسو پوچھو اور کہو امیم سوری..... مجھے تمہیں آئینہ نہیں دکھانا چاہیے تھا تمہاری اوقات نہیں بتانی چاہیے مہی وغیرہ وغیرہ۔“

”تم پھر وہی بات کر رہے ہو تم کو اپنے عمل پر کوئی پچھتاوا نہیں؟ اس کی تعلیم کا خرچ ہو رہا پڑھائی تقریباً ختم ہوتی جا رہی ہے زندگی کی خوب صورتی سے دور ہو گئی ہے وہ۔“

”وہ کسی نے مثال دی ہے کہ ایک مچھلی پورے تالاب کو گندہ کرتی ہے تو اس مناسبت سے اس کا جامعہ میں نہ ہونا ہی اچھا ہے مگر نہ.....“

”شٹ یار..... تم اتنے مسئلہ تو کبھی نہیں تھے تم نے عورت ذات کا احترام نہیں کیا تو بے عزتی بھی کبھی نہیں کی“

”عورت عورت کی بات ہوتی ہے ہر کوئی عزت کے لائق کہاں ہوتی ہے۔“ وہ کوئلڈ ٹرنک کے سپ لیتا ہوا بے

انتہائی سے بولا۔

”یار اس میں انشراح کا کیا تصور کرو وہ غلط گھر میں پیدا ہوئی اور اس بڑھیا نے جوتہا رے ساتھ فراڈ کیا تھا وہ اس سے بھی قطعی طور پر ناواقف تھی۔ یہ بات تو عاکفہ کو بالی نے بتائی جو اتفاقاً اس بڑھیا کی بات سن چکی تھی جو وہ اپنے پائزر سے کر رہی تھی۔“ باہر کی ساعتوں میں اب بھی عاکفہ کی سسکیاں گونج رہی تھیں۔

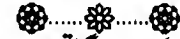
انشراح کے متعلق بتاتے ہوئے اس کے ہر لفظ سے سچائی و درود بھر رہا تھا اور انشراح جیسی پُر اعتماد و خوش و چنچل لڑکی کی ایسی حالت کا تصور ہی باہر کے حساس دل کو مضطرب کر گیا تھا۔

”پہلے اس کو یقین نہیں آیا کہ اس کی ناناویا اس کے ساتھ کر سکتی ہیں پھر بالی کے مشورہ پر اس نے تم سے تصدیق کرنی چاہی تھی اور تم نے ایسی تصدیق کی کہ اس کی انا و قار اور اس کی خود داری و نسوانیت کچھ بھر میں راکھ کر دی۔“ جذبات سے اس کی آواز بھرا گئی تھی پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔

”جانور کو بھی ذبح کرنے سے قبل ایک نگاہ ترحم ڈال لیتے ہیں۔“

”تم کچھ زیادہ ہی ایسٹوٹل ہو رہے ہو شاید تمہارے دل میں اس کے لیے کوئی عزت موجود ہو لیکن میرے دل میں ایسا کچھ نہیں..... میں ایسی لڑکیوں کی عزت نہیں کرتا جن کو نوٹوں کے عوض کوئی بھی حاصل کر سکتا ہو کیونکہ نام میں کوئی آرگومنٹ نہیں چاہتا۔“

”تم سے کچھ کہنا پھر سے سر پھوڑنے کے مترادف ہے۔“ وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اس کے سرنگ عاکفہ کی طرف کاڑھ دینے جانا تھا۔



”بھوت..... بھوت..... بھوت.....“ وہ اس کو دیکھ کر چیخنے لگی تھی معاذ اللہ نے لمبی جست بھری اور دوسرے لمحے اس کے کھلمنہ پر اپنا ہاتھ جمادیا وہ ایک ہاتھ منہ پر جمائے دوسرے ہاتھ سے اس کا بازو جکڑے گھسیٹا ہوا کچن میں لے آیا اور غصے سے کرسی پر بٹخا دیا۔

”کس نے کہا تھا اس وقت روم سے نکلو؟“ وہ غرایا۔

”سارا دن پورے گھر میں مارچ پاست کرتی پھرتی ہو رات کی ان ساعتوں میں زمین کو اپنے وجود سے پاک رکھا کرو۔“ وہ ابھی تک کم صم تھی حواس کشیدہ تھے کہ اصل بھوت نہ سہی زید اس کے لیے کسی بھوت سے کم بھی نہ تھا پورا جسم دھڑکن بن گیا تھا اور وہ جوں کی کڑوی کیسی باتیں سرجیکائے خندہ پیشانی کے ساتھ سنتا رہا تھا دل کی بھڑاس وہ اس پر نکال رہا تھا بے بھاد و سنا رہا تھا۔ وہ نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی اس کے موٹی رخساروں پر لرزاں سیاہ کھٹی پلکوں کا جنگل اور اس جنگل میں اٹھنے والی اس کی اچانک برہم نگاہیں بھٹکنے لگی تھیں لمحے بھر کو وہ دم بخود سارہ گیا تھا۔ نشتر چلاتی زبان رک گئی تھی دل عجیب سوز سے کروٹوں بدلنے لگا تھا۔ کیا سحر تھا ان سیاہ کھٹی پلکوں کے جنگل میں؟ نگاہیں جب بھی اٹھتی ہیں پھر واپسی کا سفر بڑا ٹھنڈا دھورا ہوتا تھا۔

”گیت آؤٹ.....“ لمحے میں برہمی کی شدت کم تھی وہ جو بے حس و حرکت بیٹھی تھی تیزی سے اٹھی اور اس تیزی سے اٹھنے کے نتیجے میں کرسی زور سے ٹھک گئی تھی۔

”ریلیکس.....“ تاپا جان کے خیال سے ہی میں خاموشی سے کافی بنا رہا تھا مگر نہ معلوم تم کیسی شارپ سماعتیں لے کر آئی ہو کہ معمولی آواز پر بھی روم سے باہر آ گئی اور اگر تمہیں اتنا ہی گھر کی نگرانی کا شوق ہے پھر خود کو بہادر بھی بناؤ۔ انسان تم کو بھوت دکھائی دیتے ہیں اگر تمہارا منہ نہ بند کرتا تو تم نے رات کے اس وقت میرے لیے مزید پرالہم کری ایٹ

کر دیتی تھی ہونہ۔“ وہ اس کی طرف پشت کیے کافی کے ساتھ دل کی بھڑاس بھی نکال رہا تھا۔ بلوینٹ پر لیسن کلری شرت کہیں تک سلو ز فوڈ تھیں براؤن بال بے ترتیب تھے۔ کئی دنوں سے اس نے شیو بھی نہ کی تھی اس کی ٹھنری بکھری حالت بے سکون ذہن کی غماز تھی۔ اس نے آج سارا دن کچھ نہیں کھا یا تھا اور شاید کئی راتوں سے پوری نیند سے محروم تھا۔ وہ سب کا خیال رکھتا تھا ہر لمحہ ہر ایک کی خدمت کے لیے کوشاں اگر دشمنی تھی تو صرف اس سے تھی وہ ہی ایک ناپسندیدہ ہستی تھی وہ کافی لے کر نکل گیا تھا اس کی طرف دیکھے بنائے۔

سودہ کا دل نہیں مانا وہ سمجھ گئی اس کو بھوک لگ رہی ہے تب ہی وہ کافی بنائے آیا تھا اور صرف کافی بھوک کا مداوا کبھی نہیں ہوتی ہے۔ اس نے جلدی سے فریزر سے شامی کباب نکال کر فریج کیے بڑے کو گرم کر کے دیگر لوازمات کے ساتھ ٹرے میں سیٹ کر کے وہ کچن سے نکل آئی تھی کہ اس کے کمرے میں جانے سے قبل وہ یہی اہتمام کر سکتی تھی اور وہ سیزر حیاں چڑھ ہی رہا تھا جب اس نے ٹرے اس کی طرف بڑھائی تھی جو اس نے خاموشی سے تمام لی تھی۔ شامی کباب اس کی فیورٹ ڈش تھی اور رات کے اس پہر لگنے والی شدید بھوک کو کبابوں کی خوشبو نے اور بڑھادیا تھا۔

”اوہ..... یہ کیا میں سوچ رہا ہوں ایک ناممکن بات تمہیں شرم آئی چاہیے۔“ جذبات کے منہ پر طمانچہ مارتے ہوئے اس نے کہا۔



طوفان آیا تھا تباہی و بربادی دل و دماغ کے ہر گوشے میں پھیلی تھی اس کی ذات اور ہستی تنکوں کی طرح بکھر کر رہ گئی تھی۔ عرش سے فرش اور فرش سے پاتال کے سفر نے اس کو توڑ کر رکھ دیا تھا کئی دنوں تک وہ یقین و بے یقینی استعجاب و ملال کے بھنور میں ڈوبتی ابھرتی رہی تھی۔ کتنا مشکل تھا خود کو اس سچ پر راضی کرنا کہ اس کی ماں کوئی شریف زادی نہیں طوائف زادی تھی۔ وہ کسی نیک عورت کی نہیں ایک طوائف کی بیٹی ہے۔ دل و دماغ نے اس اذیت ناک حقیقت کو ماننے سے انکار کر دیا تھا وہ خود سے نگاہ نہ ملا رہی تھی۔ آئینہ دیکھنا چھوڑ دیا تھا روشنی سے نفرت ہوئی تھی خود سے گھن آنے لگی تھی زندگی کا خاتمہ کرنا چاہا لیکن کسی صورت کا مایاب نہ ہوئی کہ بالی اس کا سایہ بن کر رہ گئی تھی وہ سوتے میں بھی معمولی سی جیش برا بھلا کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔ کئی ہفتے اس نے ہوش و حواس سے عاری گزارے تھے پھر بالی کی محبت اس کو حواسوں میں لانے لگی تھی اور حواس جیسے جیسے بیدار ہونے لگے تھے اس کا یہاں دم گھٹنے لگا تھا ہر جگہ وحشت و اجنبیت محسوس ہونے لگی تھی۔

”دیکھو میری بات سنو کئی ہفتوں سے تم دنیا سے ناپلوڑے بیٹھی ہو۔ سوگ منار ہی ہوڈاویلا کر رہی ہو اب مجھے بتاؤ تم کو کیا فائدہ ہوا یہ سب کرنے کا؟ تمہاری تقدیر بدل گئی؟ ولدیت کے خانے میں کسی باپ کا نام آ گیا؟ تمہیں جائز اولاد ہونے کا سرٹیفکیٹ مل گیا؟“ جہاں آئے ایک عرصے سے اس کو اس کے حال پر چھوڑا ہوا تھا خاموشی سے اس کو اپنی اصلیت کو قبول کرنے کا موقع دیا تھا وہ زیرک نگاہ و معاملہ فہم تھیں۔ اس دشت کی ساجی میں ہی ان کے سیاہ بال سفید ہوئے تھے بخوبی جانتی تھیں جب مچھلی جل سے نکلتی ہے خوب چلتی ہے تڑپتی ہے اور آخر کار ساکت ہو جاتی ہے وہ بھی اب چپ تھی کسی ایسی جھیل کی مانند جس کی تہہ میں لاکھ طوفان چل رہے ہوں مگر گہر سکون و آرام دکھائی دیتی ہے۔ آج کئی ہفتوں بعد وہ لان میں بیٹھی شام کی چائے پی رہی تھی معاذ اللہ نے لاڈ بھرے لمحے میں اس کو سمجھانے کی ٹھانی تھی۔

”میری ماں طوائف تھی وہ ایک عورت بن کر گھر بھی بسا سکتی تھی اگر عورت بن کر گھر بسانے کی کسی ایک مرد کی وفادار رہنے کی اہلیت نہیں تھی پھر وہ ماں کیوں بنی؟ میری پیدائش سے پہلے ہی دنیا میں آنے کے میرے راستے مسدود

کردیتی اور ایسا ممکن نہ تھا تو پھر پیدا ہوتے ہی میرا گلا کیوں نہیں دیا؟ کسی گندے نالے میں ڈال دیتی؟ کچرے پر پھینک آتی وہاں کتے بلی کھا کر اس دنیا کو میرے ناپاک وجود سے پاک کر چکے ہوتے، میں یہاں پل پل مرنے کے لیے زندہ نہ رہتی۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑی چائے کی پیالی رکھ دی تھی۔

”تمہارے سب سوالوں کا صرف ایک ہی جواب ہے اُنٹی..... عورت طوائف بن کر ہر معتبر رشتہ کھودیتی ہے۔ عورت طوائف تو بن سکتی ہے طوائف بن کر عورت نہیں۔“

”یہ صرف آپ کی ذہنی اختراع ہے اگر کوئی خود کو بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے، برائی سے اچھائی کی طرف سفر کھن و دشوار ضرور ہے ناممکن نہیں۔ آپ نے اور اس عورت نے کبھی گندگی سے نکلنے کی سعی کی ہی نہیں ہوگی کہ جس طرح آپ کا دین و ایمان دولت ہے اسی طرح وہ عورت بھی دولت کی پوجا کرتی ہوگی۔“ وہ ہذیبانی انداز میں بول رہی تھی اور جہاں آراء کے تئیر بکڑنے لگے تھے۔



وہ دیواروں سے جالے صاف کر کے فارغ ہوئی تھی نہ معلوم کس سمت سے پٹ سے کوئی شے اس کے سر پر آ گری تھی اس نے سر پر ہاتھ پھرا تو کوئی ٹکٹکی سی شے اس کے ہاتھ میں سمٹ آئی تھی جس پر نگاہ پڑتے ہی اس نے اسے دور اچھالا اور ساتھ ہی اس کی چیخوں سے ماحول گونج اٹھا تھا اور ساتھ ہی اندر داخل ہونے والے شاہ زیب کے تھپتھپ بھی صوفیہ درز مرد گھبرا کر وہاں آئی اور ان کے پیچھے زید بھی جو سامنے کا منظر دیکھ کر وہیں مقہم گیا تھا۔ بلو کا پرٹ پر زرد رنگ کی سوئی ربڑ کی چھپکلی پڑی دکھائی دے رہی تھی اور وہ کچھ فاصلے پر اس کا بازو تھا مے خوفزدہ کھڑی تھی۔

”تو بہ ہے بھی دم نکال کر رکھ دیا ایسے چیخے سے کہ چھپکلی نہ ہوئی کوئی ہیر شیر آ گیا ہوا نہا کی ڈر پوک لڑی ہے۔“ صوفیہ نے سر ہلاتے ہوئے ننگی سے کہا۔ زمر دسکرا کر وہ بھی شاہ زیب کی شرارت پر۔

”ایم سوسوری سسٹر..... مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنا ڈرتی ہو۔“ اس کے لبوں پر ہنسی اور آنکھوں میں شرارت تھی۔

”ارے یہ کس سے نہیں ڈرتی؟ چھپکلی کا کروچ، مینڈک، اندھیرا تنہائی، بادل کی گرج، بجلی کی چمک سے۔“ صوفیہ ادھوری نماز چھوڑ کر آئی تھیں تیز تیز چلنے کے باعث ان کا نفس بے قابو ہو رہا تھا۔

”یہ آپ کی شرارت تھی میری بیٹی کو خوفزدہ کر دیا۔“ وہ سودہ کا ہاتھ پکڑ کر شاہ زیب سے گویا ہوئیں جو اندر آتے زید کو دیکھ کر جھینپ گیا تھا۔

”تمنا کی جان..... میں دیکھ رہا تھا یہ کتنی بہادر ہے! خرکار زندگی اس کو ایک مگر مجھ نما انسان کے ہمراہ گزارنی ہے مگر یہ ربڑ کی چھپکلی سے بھی ڈرتی ہے پھر اس مگر مجھ کے ساتھ زندگی کس طرح گزارے گی؟“

”مگر مجھ نہیں رہے وہ میں اس سے سودہ کی شادی کرنے والی نہیں ہوں بھائی صاحب نے خواہ مخواہ ان ماں بیٹے کو تسلی دی ہوئی ہے ورنہ مجھے معلوم ہے پیارے مہاں اپنی ماں سے بھی دو ہاتھ آگے ہی ہوں گے۔“ صوفیہ کہتی ہوئی چلی گئیں زید کو وہاں دیکھ کر سودہ بھی ماں کے پیچھے چلی گئی تھی جبکہ وہ تینوں وہاں رہ گئے تھے۔

”تمنا کی جان! یہ کس طرح ممکن ہوگا پھوپھو بالکل بھی پیارے میاں کو پسند نہیں کرتی اور وہ کسی طور بھی سود کی شادی وہاں کرنے پر راضی نہیں ہیں اور ادھر پیارے میاں سوتے جاگتے سودہ کو اپنانے کے سنے دیکھ رہے ہیں۔“ وہ زید کے ساتھ صوفیہ پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

”صوفیہ نے ہمیشہ جذبات سے کام لیا ہے اس دور میں اچھے رشتے ملتے ہی کہاں ہیں پھر وہ لڑکا کچھ فرہہ ضرور ہے

مگر قبول صورت ہے اعلیٰ اخلاق و باشعور ہے سودہ سے جو اس نے باہر ملاقات کرنے کی بات کی تھی اس پر وہ معذرت کر چکا ہے اور جو انہی غلطی تسلیم کر کے معافی مانگ لے میری نگاہ میں وہ معتبر انسان ہے۔“ زمرہ دیکھنے نے مطمئن انداز میں کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

”لیکن پھوپھو اس کو اپنے داماد کے روپ میں دیکھنا پسند ہی نہیں کرتی ہیں اور سچ پوچھیں تو مجھے بھی وہ شخص سودہ کے ساتھ سوٹ نہیں کرتا اس کے ساتھ تو..... کوئی اور ہی جچتا و جچتا ہے۔“ وہ ہنسنے سے زید کی طرف دیکھتا ہوا گویا ہوا۔

”گراپ کی اور تاپا کی مرضی ہے پھر دیکھ بات کی ابھی گفتگو کر دیں اور ایگزائم کے بعد شادی کر کے معاملہ ایک طرف کریں۔“ اس نے شاہ زیب کی نگاہوں کو انور کے سنجیدہ لہجے میں کہا۔



یوسف اور زرقا کی آمد اس کے لیے بہاروں کی واپسی تھی ایک مدت بعد اس کو سب نے مسکراتے بلکے ہنستے ہوئے بھی دیکھا تھا ورنہ ہنسنا درکنار وہ مسکراتا ہی شاذ و نادر تھا لیکن یوسف صاحب کے بعد وہ زرقا کے ساتھ کسی چھوٹے بچے کی طرح ہی رہا تھا اور وہ بھی کسی کم سن بچے کی مانند اس کو سینے سے لگا کر رکھی ہوئی تھیں۔ برابر پیشانی پر بوسے دے رہی تھیں۔

”ماما..... سنا تھا گھر ماں کے بغیر قبرستان کی مانند ہوتا ہے یہ بالکل سچ ہے آپ کے بنایا یہ گھر ہی کیا میرا دل بھی قبرستان بن گیا تھا جہاں ہر سوسنا تھا ویرانی تھی خاموشی تھی۔“ یوسف صاحب کسی دوست سے ملنے ڈرائنگ روم میں گئے تو وہ ان کے نرم و ملائم ہاتھوں کو تھامتا ہوا عقیدت مند لہجے میں بولا۔

”بہت ہی بد قسمت عورت تھی شعوانہ جو نوفل جیسے بیٹے کی قدر نہ کر سکی جس کی محبت و چاہت کی کوئی لٹ نہ ہی نہیں ہے۔“ وہاں آتی سامعہ مسکراتی ہوئی گویا ہوئیں۔

”اس خوشی کے موقع پر آپ اس عورت کا ذکر کیوں کر رہی ہیں آنٹی؟“ خوشی و طمانیت گویا ایک سینڈ میں اس کے چہرے سے نوجلی گئی تھی۔

”جہاں آپ ہوں گے وہاں شعوانہ کا ذکر بھی ہوگا“ آفرآل آپ نے جنم اسی عورت کی کوکھ سے لیا ہے جس کا آپ نام سننا بھی گوارا نہیں کرتے بی کوڑنگی ماں وہ ہی عورت ہے آپ کی۔“ یہ وہ کڑی سچائی تھی جو عکس بن کر اس کے ساتھ رہتی تھی۔

”جنم دینے والی سے زیادہ حق پالنے والی کا ہوتا ہے میں نے نوفل کو اولاد سے بڑھ کر محبت دی اب لوگ یہ یاد رکھتے ہیں کہ نوفل میرا بیٹا ہے۔ بانی داوے لوگ آئینہ دیکھتے ہیں آئینہ کے عقب میں کیا ہے اس سے کسی کو بھی دلچسپی نہیں ہوتی اور شعوانہ کون تھی؟ ماضی کی گرد نے اس کو سب کی نگاہوں سے اوچل کر دیا ہے رواں وقت میں سب کو یہ ازبر ہے کہ میں نوفل کی ماما ہوں۔“ زرقا نے اپنے ہاتھوں پر نوفل کی ڈھیلی پڑتی گرفت کو مضبوطی سے تھام لیا تھا اس کی خوشی سے چمکتی آنکھوں میں ایک دم اترتی سرخی ان کو اپنی ممتاز پر ضربیں لگاتی محسوس ہوئی تھی وہ متانت سے کہتی ہوئی اس کی ڈھال بن گئیں۔

”آپ واقع بہت لکی ہیں بھابی جو نوفل جیسا خوب رو اور فرماں بردار بیٹا آپ کو ملا ایک لاریب ہیں جن کا بچپن ہی ختم نہیں ہو رہا۔“ وہ سازشی سنبھالتی ہوئی سنگل صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”یہ محض تمہاری سوچ ہے ورنہ تم بھی جانتی ہو بچپن کی حدود دو قیود سے وہ ایک عرصہ ہوا آزاد ہو چکا ہے اب بہتر ہے اس کی شادی کی سعی کرو سب کے لیے اور اس گھر کی خوشیوں کے لیے بہت دعائیں کی ہیں میں نے۔“ وہ پیار بھری نگاہ

کسی گہری سوچ میں گم فوٹل برڈالتی ہوئی گویا ہوں۔

”دیکھتے ہیں کب قبولیت کی منزلیں عبور کر کے ہم تک پہنچتی ہیں؟“

”آج آپ لوگ آئیں ہیں اور کل ہی آپ نے پارٹی رکھ دی ہے کم از کم ایک ہفتے تو ریٹ کرنا چاہیے تھا پھر آپ تو جانتی ہیں ہماری پارٹی میں بن بلائے لوگوں کا بھی ایک ہجوم ہوتا ہے آپ ملنے ملانے کی فارملٹیٹی میں تھک جائیں گی۔“ وہ تراسیدہ بالوں کو انگلیوں سے سنوار رہی تھیں۔ وہاں پر اب خالصتاً عورتوں والی گفتگو شروع ہوئی تھی وہ رقا سے رات میں ملنے کا کہہ کر اٹھ گیا تھا۔

چند لمحوں قبل دل جس مسرت و انبساط سے دھڑک رہا تھا اب وہاں ایک نام نے گویا صف ماتم بچھا دی تھی یہی ہوتا تھا جہاں وہ سب بھلا کر زندگی سے خوشیاں کشید کرنا چاہتا..... وہیں مسعود نام کا بے رحم خنجر نواسیدہ خوشی کو ٹل کر دیا کرتا اور اس کے اندر اترتی بے زاری غصہ و رنج گہری سنجیدگی بن کر اس کے روم روم میں سرایت کرتا چلا جاتا اس وقت بھی ایسا ہی ہوا تھا وہ دل میں اترنے والی دشتوں سے گھبرا کر کار لے کر نکلا تھا معاہدہ بابر کی کال آگئی وہ اطلاع دے رہا تھا کہ عاکفہ نے اس کی دعوت قبول کرنے سے معذرت کر لی ہے اس کو ایک اور دھچکا لگا تھا۔

”عاکفہ کو تم نے بتایا نہیں کہ میں کارڈ دینے اس کے گھر گیا تھا وہ لوگ کہیں گئے ہوئے تھے اس لیے کارڈ میں نے تم کو دیا تھا؟“

”ہاں میں نے ساری بات بتائی تھی اس کو۔“

”پھر کارڈ نہ لینے کا مقصد؟“

”یہ تم اس سے ہی پوچھو۔“

”کمال کی تھی وہ ریسپونڈ نہیں کر رہی۔“

”میں کیا کہہ سکتا ہوں؟ یتیم بہن اور بھائی کا معاملہ ہے۔“ دوسری طرف بابر کے لہجے میں بے پروائی تھی۔

”امپا بل ہے کہ تم کو وجہ معلوم نہ ہو مگر فضول قسم کا سسپنس کری ایٹ کرنے کی پرانی گھٹیا عادت ہے تمہاری اپنی دیر میں خود جا کر معلوم کرتا ہوں عاکفہ سے غرے کسی اور کو دکھاؤ۔“ اس کی کارڈز بدل چکا تھا۔



ہم لوگ

وائروں میں چلتے ہیں

وائروں میں چلتے سے

وائرے تو بڑھتے ہیں

فاصلے نہیں گھٹتے

آزادئیں جلتی ہیں

جس طرف کو جاتے ہیں

منزلیں تننا کی

ساتھ ساتھ جلتی ہیں

گردا گردی رات ہی ہے

ویر بڑھتا رہتا ہے

راتے نہیں گھٹتے

صدہ کہتا ہی گہرا ہوا سے ایک دن گہرائی سے سطح زندگی پر ابھرتا ہی پڑتا ہے خواہ دل میں لوحہ سر پختار ہیں۔ زندگی کا پتہ سانسوں کے زیر و بم سے ملتا رہے اسی کا نام زندگی ہے تو وہ بھی زندہ تھی اور حال میں واپس لانے میں عاکفہ جیسی مفلس و شقیق دوست اور پالی کی بے لوث محبت اور حد درجہ دیکھ بھال نے اس کو ان اندھیروں کی ہیبت ناک سے نکال لیا تھا جو اس کو زندہ ہی لنگھنے کی سعی میں تھے۔

جہاں آرا بھی اس معاملے میں تعاون کر رہی تھیں وہ بھی انشراح کی بگڑتی دماغی حالت سے خائف ہوئی تھیں کہ انہوں نے اسے سونے کی چڑیا جانا تھا اور اس کو اپنے من پسند طریقے سے کشش بھی نہ کروا پائی تھیں اور وہ رنگ و بو کی دنیا سے ناطہ توڑنے لگی تھی ان کے سہانے سپنوں کو آگ لگنے لگی تھی جب نیند نہ ہوگی پھر خواب کیونکر نظر آئیں گے؟ خواب آنکھوں سے جدا ہو جائیں گے تو تعبیر کی بستی سے دل کس طرح آباد ہوگا۔ وہ پیشہ و عورت تھی عیش و طرب کی دلدادہ بد اعمالیوں و بے نیامی کی مسکن جس کی ذات بھی بڑھاپے کا سہارا جس نے انشراح کی صورت میں ہی محفوظ کیا تھا۔ ان دنوں روشن بھی تبلیغی جماعت کے ہمراہ افریقہ کے کسی دور دراز علاقے میں گئی ہوئی تھی اور وہ شکر ادا کر رہی تھیں کہ وہ طویل عرصے کے لیے گئی ہے ورنہ وہ ان کا جینا دشوار کر دیتی ان حرکتوں پر جب سے وہ گناہ کی زندگی سے تاب ہوئی تھی تب سے وہ ان کو بھی راہ راست پر لانے کی تلقین کا بے یگانہ رہتی تھی لیکن ہدایت بھی اس کو ہی ملتی ہے جو اس کا طلب گار ہوتا ہے وہ دنیا دار عورت تھیں دولت جس کی طلب بھی جس طلب کو پانے کے لیے ایک عرصہ قبل وہ انشراح کا انتخاب کر چکی تھیں۔

”ماسی..... چائے پیو گی؟“ پالی کی آواز پر بڑھ سوچ نگاہوں سے انہوں نے دیکھا۔

”ہلا دو گی تو پی لوں گی مگر چائے انشرا نگ ہونی چاہیے۔“

”ٹھیک ہے لاتی ہوں۔“ ان کو مسکراتا دیکھ کر وہ بھی مسکرا کر بولی۔

”اٹنی یونیورسٹی کب سے جانا شروع کرے گی؟“

”اٹنی پچھتاہیں ہے وہ خاموشی کے خول سے تو باہر آئے جہاں چھپ کر بیٹھ گئی ہے عاکفہ ہر روز فون کر کے اس کا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہے سمجھاتی بھی ہے سچ سچ کیلکلی ہو تو عاکفہ جیسی جس نے دوستی کی مثال قائم کر دی۔ تمہاری دھمکیوں و دھکوں کے باوجود وہ ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹی اور اٹنی کو حال میں لانے کی تاب تو زکوششوں میں لگی رہی اور اس کی حالت میں جو بہتری آتی ہے اس کا سہرا عاکفہ کے سر جاتا ہے۔“

”ہاں..... تم یہ بالکل درست کہہ رہی ہے واقعی میں اس لڑکی کے حوصلوں کو داد دیتی ہوں میری تمام کڑی کیلکی باتوں کو اس نے ذرا بھی اپنی اتنا کا مسئلہ نہیں بنایا اور اٹنی کو کالز کرتی رہی ہے۔ چلو میں اس سے کسی دن معذرت کر لوں گی بلکہ کسی دن کیوں ابھی فون ملا کر دو میں معافی مانگ کر کہوں گی میری اٹنی وہاں اتنا بدلا ہے وہاں اتنی امہر مانی کر وڑھنی طور پر بھی حالات سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش ضرور کرے۔“ وہ کھلے دل سے عاکفہ کی تعریف کر رہی تھیں جوان کی سخت مزاح کی وجہ سے گھر نہیں آ رہی تھی مگر فون پر وہ راپٹے میں رہتی تھی۔

”بہت اچھی لڑکی ہے وہ اور یہی چاہتی ہے کہ وہ پہلے والی اٹنی بن جائے ہنسی مسکراتی، لڑتی جھگڑتی کسی کو خاطر میں نہ لانے والی۔“

”ہوں چائے بھی پلاؤ گی یا باتیں ہی بناتی رہو گی؟“ وہ جو چائے پکانے جانے کی بجائے وہیں بیٹھ گئی تھی جہاں آرا اس کو تیز نگاہوں سے دیکھتی ہوئی بولیں۔

”جاری ہوں“ تم نے ہی پہلے باتیں کرنی شروع کی تھیں اگر نہ سنتی تو پھر الزام لگاتیں کہ بدتر ہو گئی ہوں۔“ وہ کھسیا کر بولی۔



مدر صاحب کی صحت تیزی سے گر رہی تھی ہرقت کے ذہنی تناؤ و اعصابی بوجھ نے ان کو مضحل و پژمردہ کر دیا تھا۔ عمران سے ان کی شادی پسند کی گئی، خوب صورت و نک چڑی سی ماموں زاد اکرن اس کے دل کو اس وقت بھاگتی تھی جب دل نے کسی شریک سفر کی تمنا کی تھی پھر یہاں معاملہ یک طرفہ نہیں تھا۔ عمران کے بھی سپنوں کا شہزادہ وہ ہی تھا آگ دونوں طرف برابر کی ہوتی تھی۔ عمران کو اپنانے کی خواہش کا اظہار گھر میں کیا تو زمر واد صوفیہ نے ان کے فیصلے کو سراہا تھا اور صوفی کی وہ گہری دوست تھی عمران بھابی بن کر گھر آئے گی یہ سن کر ہی وہ خوشی سے جھوم اٹھی تھی۔

”ای۔۔۔۔۔ آپ بالکل خاموش ہیں کیا آپ خوش نہیں ہیں؟“ بھابی اور بہن کی خوشی پر ماں کا خمیہ چہرہ ان کو چونکا گیا تھا۔

”بات تو خوشی کی ہے کہ تمہیں کوئی لڑکی شادی کے لیے پسند تو آئی مگر۔۔۔۔۔“

”مگر کیا ای۔۔۔۔۔ آپ کو عمران پسند نہیں ہے؟“ وہ مضطرب ہونے لگا تھا۔

”میرا خون ہے وہ میرے بھائی کی بیٹی ہے مگر بھابی اور بھائی کے بے جالاؤ و پیار کے باعث اس کے مزاج بگڑ گئے ہیں چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں رہی ہے۔ ابھی رضوان کی شادی کو ایک سال ہی ہوا ہے وہ ایک دن بھی سسرال میں سکون سے نہ رہ سکی ہر روز کا جھگڑا ہے سسرالیوں سے اب سنا ہے اس کا میاں دینی لے کر جانے والا ہے پھر بھی میکے میں ہی ہے وہ۔“ ان کی آواز میں دوسو سے پنہاں تھے کیونکہ زمر نے گھر میں بہو بن کر قدم نہ رکھا تھا اور ہمیشہ بیٹی کی طرح رویہ رکھا تھا۔ عمران اخلاق و مزاج میں زمر کے پاؤں کی دھول بھی نہ تھی۔

”ای۔۔۔۔۔ آپ عجیب باتیں کرتی ہیں رضوان آئی اپنے سسرال میں کچھ بھی کریں ہمیں کیا غرض؟ عمران میری بھابی بن کر ضرور اس گھر میں آئے گی اگر آپ کو اس کے مزاج سے شکایت ہے تو وہ بھابی کے ساتھ رہ کر بدل جائے گی اور ابھی تو یہی کہوں گی۔۔۔۔۔ خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آئی جاتی ہے۔“ عمران بہت جلد ان کی بیوی بن کر گھر آگئی تھی۔

شروع شروع میں سب اچھا رہا تھا سب خوش تھے پھر چند ماہ بعد اس کا رویہ بدلنے لگا وہ باہر سے جتنی خوب صورت تھی اندر اس کے اتنی ہی بد صورتی بھری ہوئی تھی۔ سب سے پہلے اس کا ہدف صوفیہ بنی تھی شادی سے پہلے کی دوتی دشمنی میں بدل گئی تھی وہ گھر کے کسی بھی فرد کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار ہی نہیں تھی جب وہ بلاوجہ امی اور زمر سے بدتمیزی کرنی تو صوفیہ نے پہلے پہل اس کو پیار سے سمجھانے کی سعی کی اور جواباً وہ جب ہر لحاظ و مروت بالائے طاق رکھ کر اس کی بھی بے عزتی کرنی تو پھر ان کے درمیان محاذ آرائی شروع ہو جاتی تھی۔

اسی دوران وہ بیٹے کی ماں بن گئی تھی اور بیٹا پیدا کر کے گویا وہ ہواؤں میں اڑنے لگی تھی کیونکہ زید اس خاندان کی پہلی اولاد تھا۔ منور اور زمر کو شادی کے چھ سال بعد بھی اللہ نے اولاد سے نہ نوازا تھا۔ اس کی آمد پر گھر و خاندان میں بے تحاشہ خوشیاں منائی گئی تھیں وہ سب کی آنکھ کا تارا تھا زید کی پیدائش نے عمران کو حکمرانی عطا کر دی تھی وہ پہلے ہی کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھی اب بھی کسی کی نہ سنتی تھی مدر کو شدت سے احساس ہونے لگا تھا اسے غلط انتخاب پر ماں کی بات نہ مان کر کہ انہوں نے پہلے ہی اس کی فطرت کے مطابق بتا دیا تھا وہ ان کی کوئی بات ماننے کو تیار نہ تھی اتنا اپنے حکم پر ان کو بھی غلام بنانا چاہتی تھی جو بننے کے لیے وہ قطعی تیار نہ تھے۔

زید تین سال کا ہوا تو صوفیہ کی شادی کر دی گئی اور وہ ڈیڑھ سال بعد چند ماہ کی ستیم بچی گود میں لیے واپس گھر آ گئی اس دوران کی تبدیلیاں آگئی تھیں وہ بھی ایک بچی کے باپ بن گئے تھے۔ ماندہ اور سودہ میں ایک ہفتے کا فرق تھا عمران کے ماں و باپ دنیا میں نہ رہے لیکن عمران کے مزاج و اکثر برکوں کی فرق نہ پڑا تھا بلکہ صوفیہ اور سودہ کا آنا اس کو ذرا نہ بھایا تھا اور وہ آئے دن گھر میں ایک ہنگامہ لگائے رکھتی اس کا کہنا تھا سودہ اس کے بچوں کا حق کھانے آتی ہے۔ ہر وقت کی چیخ چیخ نے گھر کے ماحول کو خراب کر دیا تھا امی واپائے آخر کی تھی کہ علیحدہ گھر لے کر رہو مگر عمر ان کو یہ بھی گوار نہ تھا کہ یہاں وہ پانی بھی اٹھ کر پینا گوار نہ کرتی تھی علیحدہ گھر میں نوکروں کی فوج کے باوجود بھی ایسا آرام کہاں ملتا؟ ان دونوں کے درمیان سرد تعلقات تھے نہ وہ اس کے رنگ میں رکتی تھی نہ وہ اس کے حکم پر چلتا تھا۔

ای اور اپا یکے بعد دیگرے ان کا دکھ لے کر اللہ کو پیارے ہو گئے تھے اور وہ ایک شام تھی جب ان کے پاس ان کے استاد کے گھر سے کال آئی تھی کسی لڑکی نے گہرائے لہجے میں پروفیسر محبت اللہ کی خرابی طبیعت کی اطلاع دی تھی روتے ہوئے وہ پریشان سے اٹھ کر چلے گئے تھے عمران نے چونک کر ان کو جاتے ہوئے دیکھا تھا۔



نیل پر لوازمات و دیگر برتنوں کے ہمراہ ترتیب سے رکھے ہوئے تھے ان دونوں کے ہاتھوں میں کافی کے گگ تھے اور بھاپ نکل رہی تھی اس نے انویشن کا ڈو عاکہ کی کمی حور بانو کو دیا اور پھر زبانی دعوت کے رکی جملے بھی ادا کیے تھے حور بانو نے دعوت قبول کرتے ہوئے شرکت کی پھر پور یقین و ہانی بھی کرائی تھی۔ لیکن جس کی خاطر وہ آیا تھا وہ کسی صورت دعوت قبول کرنے کو تیار نہ تھی بلکہ بہت شدید ناراض تھی اور وہ ابھی بھی خود کو خطا وار ماننے کو تیار نہ تھا۔ انشراح کے ذکر پر اس کی آنکھوں میں وہ ہی حقیر و حقارت آ جاتی تھی جو انشراح کے لیے گویا وقف ہو کر رہ گئی تھی۔

”پھر تمہارا یہ آخری فیصلہ ہے تم باری میں نہیں آؤ گی؟“ کافی کا خالی گگ وہ نیل پر رکھتا ہوا نرم و دھیسے لہجے میں گویا ہوا۔

”آپ کا بھی آخری فیصلہ ہے کہ آپ کسی صورت انٹی سے معذرت نہیں کریں گے؟ آپ نے بہت بے عزتی کی ہے اس کی۔“

”معذرت۔۔۔۔۔ مائی فٹ بے عزتی کی کیا بات کرتی ہو وہ جس ٹائپ کی لڑکی ہے اس کے لیے عزت و بے عزتی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“

”نفل بھابی۔۔۔۔۔ آپ پر یہ باتیں سوٹ نہیں کر رہیں۔“

”تم کو بھی یہ سوٹ نہیں کرنا کہ تم کسی چپ لڑکی کے لیے مجھ کو نورس کرو اور خود کو اس کا پابند بنالو تو بچ عاکہ تم اس سے نہ ملو تو بہتر ہے بی کو زہر مارو دوست ہی ہماری شناخت ہوتے ہیں۔“ وہ حسب عادت بے حد دھیسے لہجے میں اس کو قائل کرنے کی سعی کر رہا تھا۔

”آپ مجھے برابر ہرٹ کر رہے ہیں ایک لڑکی ہونے کے ناطے سے آپ کی باتیں اور آپ کی نفرت و حقارت جو انشراح کے حوالے سے ہیں وہ یہ میرے لیے بھی ہیں سمجھ رہے ہیں آپ نفل بھابی۔“ وہ روہاسی ہوئی۔

”آپ کو ساری پوچھشن باہر بتا چکے ہیں ایک ایک بات جو بھابی نے مجھے بتائی وہ میں نے باہر کو اور باہر نے آپ کو پھر بھی آپ کہہ رہے ہیں وہ غلط ٹائپ کی لڑکی ہے؟ انسان خود پیدا نہیں ہوتا اور نہ وہ اپنے لیے خاندان منتخب کر سکتا ہے اور نہ ہی لوگ یہ سب پیدا کرنے والی کی مرضی ہوتی ہے۔ میں اور آپ نیک و اچھے خاندان میں پیدا ہوئے ہیں یہ رب کی مرضی ہے ہمارا کوئی کمال نہیں ہے اسی طرح انشراح بھی بے قصور ہے کہ وہ خراب لوگوں میں پیدا ہو گئی ہے نفل بھابی“

آپ کی باتوں میں پنہاں تیروں نے جو اس کی حالت کی ہے وہ میں نے دیکھی ہے اور اس کو دیوانگی کی حدوں کو چھوٹے دیکھ کر جو حالت میری ہوئی ہے..... فرط جذبات سے اس کی آواز کا بگڑا ہوا گھٹیا آئندہ سو سے بھر گئی تھی، نفل بہت غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر ابھرنے والے دردِ دماغ نے اس کو مضطرب سا کر ڈالا تھا۔

”وہ میں کبھی بھول ہی نہیں سکتی، میں نے ہمیشہ اس کو چنان کی طرح مضبوط و محفوظ دیکھا تھا، کبھی وہ کسی بڑے سے بڑے شخص کو خاطر میں نہیں لاتی تھی، مسکراتا شرارتیں کرتا اس کی ہانپ تھی۔ کبھی آنکھوں میں آنسو میں نے دیکھے نہ تھے بلکہ..... بلکہ میں تصور ہی نہیں کر سکتی تھی کہ وہ کبھی رو بھی سکتی ہے؟ اب اس کو روتے دیکھا تو میرا دل سہم گیا، مجھے لگا میں مر گئی ہوں یا دنیا ختم ہو گئی ہے۔“

”پلیز عاکفہ..... بی بی پر یوکل جو ہنستا ہے وہ روتا بھی ہے ہنستا اور رونا انسانی فطرت ہے تم اتنی جذباتی کیوں ہو رہی ہو؟“ عاکفہ کا دروازہ عاکفہ کی تڑپ اس کے ضمیر کے کسی گوشے کو مضطرب کرنے لگی تھی۔ اس کے آنسو اس کے دل میں اترنے لگے تھے۔

”لوگوں کا میرے بارے میں خیال ہے میں خواتین کی عزت نہیں کرتا، مجھے صنفِ نازک سے کوئی بغض ہے، چڑ ہے لیکن ایسا نہیں ہے میری بھی ماں ہے، چچی، پھوپھی، کزنز یہ سب عورتیں ہیں اور خود ساختہ دل سے میں ان کا احترام کرتا ہوں۔ عزت و پیار کرتا ہوں کیونکہ جو شے عزت و احترام کے حجاب میں مدفون ہوتے ہیں ان کی ہی میں عزت کرتا ہوں۔“ وہ دھیمے سچے میں بولا۔

”تمہاری دوست کی بے باکی پہلے دن سے اس کی اصلیت مجھے دکھا گئی تھی اور میں سمجھ گیا تھا وہ کس ناپ کی لڑکی ہے یہی وجہ تھی کہ میری اس سے ایک دن بھی نہ بن سکی تھی پھر تم بھی تو ہونا۔ تمہیں دیکھ کر کوئی نفرت و حقارت کا جذبہ اجاگر کیوں نہیں ہوتا؟ تم نے خود کو منایا ہے ایک با حیا و با کردار لڑکی کی حیثیت سے، ایک بہن کی حیثیت سے تب ہی آج میں یہاں بیٹھا تمہیں منارہا ہوں وگرنہ مجھ جیسا بے حس بندہ کسی کی پروا کرنے والا نہیں ہے۔“ اس نے رسٹ واضح دیکھتے ہوئے بحث کو سینا۔

”میں آپ کی نگاہوں میں اس لیے معتبر و با عزت ہوں کہ حجاب کرتی ہوں انہی کی طرح شرٹ و جینز نہیں پہنتی۔ اگر آپ حجاب اور بے حجابی پر کردار کو پر نہیں گئے تو یہ فطری غیر دانش مندی ہوگی کیونکہ بعض اوقات سر سے پیر تک حجاب میں لپٹی عورت کا باطن سرا سر بے حجاب ہوتا ہے اور ایک ماڈرن و بے حجاب لڑکی کسی غیر مرد کا غلط کسی سے چھوٹا بھی برداشت نہیں کر پاتی..... سیآپ اچھی طرح جانتے ہیں ناں؟“ غیر ارادی طور پر اس کے لہجے میں طنز و آہ تھا۔

”میں اپنی بہن کے پاس آیا تھا مگر یہاں تو کسی کی دوست محاذ کھولے بیٹھی ہے۔“ وہ اس کی چوٹ پر مسکرا کر گویا ہوا۔

”آپ کی بہن بعد میں بنی ہوں پہلے کسی کی دوست تھی۔“

”عاکفہ..... بس اب ختم کر ڈھکھڑائے مہمان کے ساتھ ایسا سلوک کرنے کا حق میں تم کو نہیں دوں گی۔ انشراح کے ساتھ جو ہوا اس کا دکھ مجھے بھی ہے وہ ایک اچھی اور مصوم لڑکی ہے اس کو لوگ بے شک برے لے ہیں مگر وہ خود نیک ہے اور جو لوگ دل کے صاف ہوتے ہیں ان کی مدد خود باری تعالیٰ کی ذات کرتی ہے۔ تم نفل بیٹے کو پریشان مت کرو، خود بانو کو بلا خرد اخلاعت کرنی پڑی تھی۔“

صالحہ کے ہمراہ رہا کرتے تھے ان کی طبیعت خرابی پر صالحہ کو سمجھ نہیں آیا کیا کرے؟ اور پھر ان کے موبائل لسٹ میں پہلا نام ان کا ہی تھا پھر وہ اکثر وہاں آتے بھی رہتے تھے اس نے گھبرا کر ان کو ہی فون کر دیا تھا وہ ڈاکٹر کو لے آئے تھے۔ ڈاکٹر کی ٹریٹمنٹ کے بعد ان کی تکلیف میں کچھ افادہ ہوا تو وہ کمزور لہجے میں سر جھکائے بیٹھی صالحہ سے مدد کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔

”آپ نے اتنی رات کو مدد کر کو پریشان کر دیا بیٹی۔“

”کیوں غیر سمجھ رہے ہیں سر..... یہ میرے لیے سعادت ہے جو میں آپ کے کام آیا۔“ وہ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر گویا ہوئے تھے۔

گھر آنے پر عمرانہ نے پہلا سوال یہی پوچھا تھا کہ کہاں گئے تھے بھاگے بھاگے؟ وہ کوئی نیا بنگا نہیں چاہتے تھے سو اس کو بچ بات بتادی تھی وہ کئی لمحے ان کو گھوری رہی تھی پھر بولی تھی۔

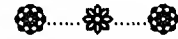
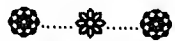
”کوئی اور نہیں ملا تھا؟ آپ کے علاوہ دوسرے اسٹوڈنٹس نہیں ہیں؟“ انہوں نے چپ چاپ کروٹ بدل لی تھی فضول بات کا کیا جواب دیتے۔

پروفیسر محبت اللہ کی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی وہ جو کبھی کبھی ان کے پاس حاضری دیا کرتا تھا اب باقاعدگی سے چکر لگانے لگا تھا صالحہ نیک اور بارہ لڑکی تھی روز آنے جانے کے باوجود بھی وہ یہی تکلفی سے پیش نہیں آتی تھی اور زیادہ تر دوسرے کمرے میں ہی رہتی تھی۔ آج کل اس کے رشتے کی بات چل رہی تھی چند دن میں لڑکے کے گھر والے رسم کرنے آنے والے تھے پروفیسر صاحب کی نازک حالت کے پیش نظر فوراً ہی نکاح اور وصیتی کا پروگرام تھا انہوں نے تیاری کی ذمہ داری اس کو سونپی تھی یہ کہہ کر۔

”مدثر..... آپ صالحہ کے سگے بھائی بے شک نہیں ہیں مگر منہ بولے بھائی تو ہیں اس بیماری میں کسی نے بھی میرا ساتھ نہیں دیا سوائے آپ کے میری دعا ہے آپ سدا خوش رہیں۔“ عمرانہ ایک ایسی عورت تھی جس نے مدثر کو والدین اور بہن بھائی کے ساتھ بھی بیٹھنے نہ دیا تھا وہ اس کی پوری روئین سے واقف تھی اور اب جو مدثر اپنے استاد کی تیارواری میں لگا ہوا تھا۔ وہ بددینیت و بد فطرت عورت اپنی شکی نگاہوں سے ان معاملات کو دیکھنے لگی تھی۔ مدثر کو گمان بھی نہ تھا کہ وہ اس کی گمرانی کر رہی ہے کئی بار وہ اس کا چچا کر چکی تھی پھر ایسا ہی ایک دن تھا جب ان کی مدثر کو رگٹے ہاتھوں پکڑنے کی آرزو پوری ہوئی تھی۔ مدثر دانش روم میں تھے معائنہ کے سیل پر آنے والی کال نے چند لمحے ان کو بے حس و حرکت کر دیا تھا ان کو احساس تھا مدثر کو وہ صرف نیچا دیکھنا چاہتی تھیں۔ یہ ان کی فطرت تھی جو بھی ان سے وابستہ ہو جاتا تھا خواہ وہ انسان ہو یا کوئی بے جان شے وہ اس کو بلا غیر شرکت اپنی ملکیت تصور کیا کرتی تھیں یہی وجہ تھی کہ مدثر اس کی باتوں میں نہیں آئے تھے اور گھر کا ماحول سناٹوں اور وحشتوں کی نذر ہوتا چلا گیا تھا۔

ساس سر کی ڈنچہ کے بعد ان کے لیے میدان تقریباً صاف ہو گیا تھا کہ منور گھر کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرتے تھے ان کی بیگم بھی ان کی طرح درگزر کرنے والی اور مفاہمت پسند تھیں اب صوفیہ اور اس کی بیٹی سووہ رہ گئی تھی جن دونوں کو وہ نکالنے کی پلاننگ کر رہی تھی۔ پروفیسر صاحب کی کال نے ان کے اندر حشر برپا کر دیا تھا جو بہت غلٹ میں کہہ رہے تھے۔

”مدثر بیٹا..... جلدی آ جائیں قاضی صاحب کو دیہوری ہے۔“ کہہ کر رابطہ منقطع ہو چکا تھا وہ تاگن کی مانند بل کھا رہی تھی۔



کچھ جہد مسلسل سے تھکاوٹ نہیں لازم
انسان کو تھکا دیتا ہے سوچوں کا سفر بھی

زندگی کی حقیقتیں بڑے بھیا تک انداز میں اس کے سامنے اٹھنا پڑتی تھیں اور نہ کرتے ہوئے بھی اس کو تسلیم
ختم کرنا پڑتا تھا اور اپنی ہستی کی نفی یا مافی کی نفی اور جس کا ماننا ایسا ہی تھا گویا ہر کا پیالہ پینے کے بعد بھی اذیت بھری زندگی
سے نجات حاصل نہ ہو جان کنی کی کیفیت طاری تھی لیکن پھر بھی مسکراتا تھا۔ رات ثانی سے اس نے ایک ایک بات پوچھی
اور خود سے عہد کیا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں کو بھی معاف نہیں کرے گی انتقامی جذبے نے بیدار ہو کر اس کے اندر جینے کی نئی
انگ پیدا کر دی تھی۔ کئی ہفتوں بعد وہ آج یونیورسٹی جانے کے لیے تیار ہوئی تھی۔

”ماشاء اللہ..... آج کتنے عرصے بعد تم کو مسکراتے دیکھ کر زندگی اچھی لگ رہی ہوگی بس اب تاحیات اسی طرح
مسکراتی رہنا تمہیں خوش دیکھ کر ہی میں خوش رہتی ہوں میری ساری خوشیاں ہی تمہارے لیے ہیں آئی۔“ فرط جذبات
سے ہالی کی آواز بھرا گئی تھی انشراح اس سے پٹ کر بولی۔

”میں جانتی ہوں ہالی..... تمہاری محبت دے دیے لوٹ غلوں کو اگر تم اور عاکفہ میرا ساتھ نہ دیتیں تو میں آج
اپنے دشمنوں سے بدلہ لینے کے قابل نہ ہوتی تم لوگوں کی محبت و دوستی نے میری حیات کی ڈوبتی کشتی کو
ساحل سے لگا دیا ہے۔“

”یہ انتقام و بدلہ لینے کی باتیں چھوڑ دو میری جان..... تم اتنا کچھ ہونے پر بھی ماسی کی باتوں کا یقین کرتی ہو؟ تعجب
ہے ان کی بھی کوئی بات سچ نکلی ہے؟ کبھی کبھار ہر بات کو نینا موڑ دینا ان کی عادت میں شمار ہے۔“ ہالی نے اس کو ان
کی باتوں سے اتفاق کرنے سے باز رکھنا چاہا تھا۔

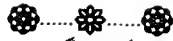
”زیادہ نہیں معمولی سا بچہ جھوٹ میں امتیاز کرنا میں بھی محسوس کرنے لگی ہوں بلاشبہ تانی تو جھوٹ میں اپنا کوئی ثانی
نہیں رکھتی ہیں مگر ان کے جھوٹ میں کہیں نہ کہیں سچ کی آمیزش لازمی ہوتی ہے۔“

”میں پھر بھی یہی کہتی ہوں چھوڑو ان باتوں کو دشمنی میں کچھ نہیں رکھا اور کہاں ڈھونڈتی پھر وہی اسے دشمنوں کو؟“
”ہالی پلیز..... اگر تم میرا ساتھ دینا نہیں چاہتی تو تمہاری مرضی میں تمہیں فورس ہرگز نہیں کروں گی مگر مجھے بزدلی کی
باتیں کر کے کمزور کرنے کی سعی ہرگز مت کرو۔ اذیت و کرب بھرے دن جس طرح میں نے گزارے ہیں ایسی ہی
اذیت و عذاب میں ایک نہ ایک دن ان کو مبتلا نہ کروں، تب تک خوشیاں مجھ پر حرام ہیں۔“ وہ فضا میں گھورتی ہوئی
مضبوط انداز میں گویا ہوئی تھی۔

”میں ابھی بھی یہی مشورہ دوں گی کہ تم ماسی کی باتوں میں نہ آؤ آئی۔“

”اوکے جو ہو گا دیکھا جائے گا تم خود بھی ڈرتی رہو اور مجھے بھی ڈراتی رہو ابھی یونیورسٹی جانے میں دیر ہو رہی ہے۔“
وہ ناشتے کی ٹیبل پر نگاہ ڈالتی چیر گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ خاصے دنوں بعد یونیورسٹی جاری تھی دل کی حالت عجیب تھی لاکھ
وہ ہالی کے سامنے بہاؤ و دھڑپ کا مظاہرہ کر رہی تھی لیکن دل میں انجانگی سی گھبراہٹ دے چینی بھی تھی۔ خوف و خجالت
تھی کہ کس طرح اس سنگ دل دے پر جم شخص کا سامنا کرے گی؟ جس سے آخری ملاقات بے حد تکلیف دہ و ناقابل
فراموش تھی اس نے لفظوں کی مار مار کر مڑ کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

اس کے لفظ و لہجہ اس کا انداز کسی بھی ڈی فیم و حساس انسان کو ذہنی طور پر مارنے کے لیے کافی تھا عموماً ایسا ہوتا
ہے لوگ اپنے جارحانہ ردیوں زہریلے لفظوں سے حساس لوگوں کو قتل کر دیتے ہیں اور ان کو اپنے اس گناہ کا
احساس تک نہیں ہوتا۔



موسم نے ایک دم ہی تیور بدلے تھے سارے دن کی جس وگرمی نے شام ہوتے ہی بارش کی صورت اختیار کر لی تھی
مہلت رفتہ رفتہ چلی گئی اور پوری گمن گرج کے ساتھ برس رہی تھی۔ حسب معمول ہر طرف ملازمین کی چہل پہل موجود
تھی کہ یہاں کینوں سے زیادہ ملازم و ملازماؤں کی تعداد بھی جو اندر باہر پورے بیٹنگے میں دکھائی دیتے تھے اور کل ہونے
والی بارش کی وجہ سے سب ہی تحریک دکھائی دے رہے تھے۔ ماما کے کمرے کا دروازہ لاک تھا جس کا مطلب تھا وہ آرام
کر رہی ہیں۔

”امینہ بی..... ماما کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ سامنے سے آتی ملازمہ کو دیکھ کر وہ فکر مند لہجے میں استفسار کرنے لگا تھا۔
”جی..... جی بالکل طبیعت ٹھیک ہے بڑی بیگم صاحبہ کی۔“ اس نے قریب آ کر نرمی و اعتماد بھرے لہجے
میں جواب دیا۔

”پھر ڈور لاکڈ کیوں ہے؟ ماما بوقت ریست نہیں کرتیں۔“ امینہ کی بات پر بھی اس کو تسلی نہیں ہوئی۔
”سارا دن مہمانوں کی آمد و رفت رہتی ہے عمرہ سے واپسی کے بعد سے بیگم صاحبہ کو آرام کہاں مل رہا ہے روز
ہی ڈیروں مہمان چلے آتے ہیں۔ آج بیگم صاحبہ تھک کر آرام کرنے لیٹ گئی ہیں اب کوئی مہمان آئے گا بھی تو
میں باہر کے باہر ہی نمٹا دوں گی مجھ سے بیگم صاحبہ کی بے آراہی نہیں دیکھی جاتی ہے۔“ امینہ کی بات پر وہ دھیمے
انداز میں مسکرا کر بولا۔

”ارے ایسا نہیں کیجیے گا امینہ بی مہمان تو رحمت ہوتے ہیں اور خوش نصیبوں کے گھروں میں ہی آتے ہیں آپ اللہ
کو ناراض مت کیجیے گا۔“
”آپ ٹھیک کہتے ہیں چھوٹے صاحب، بس مجھے تو بیگم صاحبہ کی صحت کی فکر رہتی ہے وہ اپنا بالکل خیال نہیں رکھتی
اور کمزوری بھی بہت ہو گئی ہے۔“

”آپ بے فکر ہیں میں ان کی اچھی طرح سے کیئر کرتا ہوں۔“

”آپ کے لیے چائے لاؤں؟“ امینہ نے ان کو دعا دینے کے بعد پوچھا۔

”کچھ دیر بعد لائیے گا۔“ وہ کہہ کر اپنے روم میں آ گیا جہاں گہری خاموشی اور اس کی پسندیدہ ایئر فریشر نے
استقبال کیا تھا۔ اپنے پاؤں کو جوتوں و موزوں سے آزاد کر کے وہ بیڈ پر بیٹھ گیا تھا آج طویل غیر حاضری کے بعد اس کو
دیکھا تھا۔

زردہ چہرہ

کمزور و لاغر وجود

بے اعتمادی سے اٹھتے ڈگمگاتے قدیم

یہ لڑکی اس لڑکی سے بے حد مختلف تھی جو بہت اعتماد بڑے کدو فر سے مقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زیر کر
دیا کرتی تھی اور اب وہ ہرن کی مانند ڈری سہی اپنی پرچھائی سے بھی خوفزدہ لڑکی تھی۔ جو مقابل کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر
ہات کرنا تو درکنار نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی بھی جرأت نہ رکھتی تھی۔ وہ بہت پہلے یہ تہیہ کر چکا تھا کہ انشراح کی طرف نظر بھی نہ
لائے گا لیکن باہر اور عاکفہ نے جس طرح سے اس کی مظلومیت و پارسائی کا ڈھنڈورا پیٹا تھا اس کے حال زار کی لفظ بہ
لفظ کہانی باری بار اور درو رو کر سنائی تھی عاکفہ نے جس کوسن کر پہلے پہل تو یقیناً دل نہ مٹا تھا وہ اس کو بھی اس کی کوئی چال
سمجھتا رہا تھا لیکن آج باہر نے اس کو درد سے دیکھ کر کہا تھا۔

”وہ دیکھو اس لڑکی کی جو حالت ہے وہ تمہاری وجہ سے ہے تم ہی سراسر اس کی اس بے اعتمادی و بدخواہی کے ذمہ دار ہو۔“ پھر اتفاقاً اس کی نگاہ بھی اس پر پڑی تھی اور وہ بری طرح گھبرا کر عاکفہ کے پیچھے ہو گئی تھی اور اس کی وہ گھبراہٹ و سہمی حالت اس کے حساس دل کو شاکر کر گیا تھا پھر وہ اس راستے سے ہی ہٹ گیا تھا دشمن برابر کے وار کرے تو لڑنے میں مزہ آتا ہے اور پسپائی اختیار کرے تو سب ختم ہو جاتا ہے یہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔ انشراح کا لاغرو جو ڈھیرے کی زردی اور خوب صورت آنکھوں کا خوف اس کو نا فہم احساس سے نبڑا کر ماریا گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ بیٹھا بے ربط سوچوں میں الجھا رہا اور جب دل کا بو بھل پن حد سے سوا ہوا تو وہ کھڑکی کھول کر برقی بارش دیکھنے لگا۔ شام ابھی پوری طرح جو بن پر نہ آئی تھی کہ موسلا دھار بارش نے ہر سوا جی رات کی مانند اندھیرا پھیلادیا تھا نیچے لان میں لائٹس آن تھیں اس شدت سے برقی بارش میں ان روشنیوں کے سائے بڑے پراسرار لگ رہے تھے۔ گیمبر خاموشی میں بارش کے پانی کی آواز آرہی تھی وہ اس اندھیرے اجالے میں گم سم کھڑا معلوم کیا دیکھ رہا تھا معاً اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔

”ایمنہ بی..... آپ جائیں میں چائے کچھ دیر میں خود بنا لوں گا۔“ وہ الجھے ذہن سے باہر ہی دیکھ رہا تھا جب کوئی بے قدموں سے اس کی طرف بڑھا اور دوسرے لمحے مہکتا بازوؤں کا ہار پشت کی طرف سے ڈال گیا تھا۔



آج صالحہ کی نکاح ورخصتی تھی محبت اللہ کی طبیعت نازک تھی ڈاکٹر ز کا خیال تھا وہ کسی بھی لمحے کومہ میں جاسکتے ہیں اس خیال سے انہوں نے فوری طور پر نکاح ورخصتی کی تیاری کی تھی۔ اصغیان پائلٹ تھا اچھے خاندان سے تعلق رکھتا تھا محبت اللہ کی حالت کے پیش نظر سادگی سے شادی پر تیار ہو گیا تھا اس سادہ تقریب کا سارا انتظام مدرٹھ نے سنبھالا ہوا تھا صالحہ کی طرف سے ایک گواہ وہ بھی تھے۔ صبح سے بھاگ دوڑ میں لگنے کے باعث وہ چیخ کرنے لگا آگئے تھے اور ان کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی تھی۔ عمرانہ نے وہ کال ریسیو کرنے کے بعد ڈیٹ کر دی تھی شوخی قسمت ان دنوں رضوانہ بھی دینی سنا آئی ہوئی تھیں وہ دونوں بہنیں نکاح سے چند منٹ قبل ہی وہاں جا پہنچی تھیں۔

”یہ نکاح نہیں ہو سکتا۔“ انہوں نے جاتے ہی یہ فلمی جملہ حقیقی لہجے میں کہا تھا وہ ایک ہال روم تھا جہاں صوفوں پر مرد اور دو تین خواتین براجمان تھیں مہمانوں کی تعداد سات نفوس پر مشتمل تھی۔

مولوی صاحب نے ابھی خطبہ شروع ہی کیا تھا کہ عمرانہ کی بلند و بالا آواز نے ان کو چونک کر خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہاں بیٹھے لوگوں میں کھلبلی مچ گئی تھی نا قابل فہم صورت حال تھی۔

”محترمہ..... آپ کون ہیں اور کیا مقصد ہے آپ کا؟“ مہمانوں میں سے ایک معمر شخص نے کھڑے ہو کر ان سے شائستہ لہجے میں پوچھا۔

”میں اس آدمی کی بیوی ہوں دو بچوں کا باپ ہے یہ.....“ عمرانہ نے آگے بڑھتے ہوئے صوفے پر نگاہ ڈالی اور چونک گئی تھی کہ جس کو وہ مدرٹھ سمجھ رہی تھیں وہ کوئی دوسرا شخص تھا جو تعجب سے آنکھیں پھاڑے ان کو یہی دیکھ رہا تھا۔ دوسرے لوگوں کی حالت بھی ایسی ہی تھی دوسرے کمرے سے اندر آتے مدرٹھ نے سب سنا تھا عمرانہ اور رضوانہ کو وہاں دیکھ کر اور عمرانہ کے الفاظ سن کر وہ حیرت و صدمے سے ساکت رہ گئے تھے۔

”اچھا یہ چال چالی ہے تم نے پہلے صالحہ کے ساتھ وقت گزرا.....“
 ”عمرانہ.....“ وہ صدمے سے بے قابو ہو کر آگے بڑھے تو رضوانہ ان دونوں کے درمیان آتے ہوئے تیز لہجے میں گویا ہوئیں۔

”خبردار جو تم نے میری بہن پر گرم نگاہ بھی ڈالنی چاہی۔“

”آپ دیکھ رہی ہیں وہ کیا بکواس کر رہی ہے؟“ غم و غصے سے وہ پاگل ہو رہے تھے سب لوگ وہاں جمع ہو گئے تھے۔ اندر کمرے میں بیٹھی سبز سوٹ میں سادہ سی دلہن بنی صالحہ کی حالت انتہائی باہر کی تمام آوازیں واضح طور پر اٹھ سنائی دے رہی تھیں۔ محبت اللہ جو پہلے ہی تکلیف دہ بیماری میں مبتلا تھے اندر آئی آوازوں نے ان کو بالکل کم صم کروا دیا اور شدید تکلیف چہرہ سے عیاں تھی۔

”بکواس عمر نہ نہیں تم کر رہے ہو روز فون کرتی تھی عمر اندر دیتی تھی، بلکہ تھی تمہاری بے وفائی، تمہاری عیاشیوں کا بتاتی تھی جو تم یہاں پروفیسر کی بیٹی کے ساتھ کیا کرتے تھے اور تم نے بھی خوب صلو دیا اپنے استاد کو دل بھر کر اس آواز لڑکی کے ساتھ وقت گزارا اور اب اپنی اترن کی شریف آدمی کے سرھو پ رہے ہو۔“ رضوانہ کی آواز بھی یقیناً قیامت کا نقارہ پھر کچھ باقی نہ تھا نہ لفظوں کا وزن نہ زبان پر تاخیر سب کچھ حروف غلط کی مانند خٹا چلا گیا تھا لوگ ظاہر پرست ہوتے ہیں جو سننے ہیں اس پر یقین کر کے صداقت کی مہر لگا دیتے ہیں بات واپس چلی گئی تھی۔

وہ کسی کو بھی قائل نہ کر سکے تھے یہ ان کی زندگی کا عجیب موڑ تھا وہ سچ سچ کراچی اور صالحہ کی بے گناہی کا یقین دلاہ چاہ رہے تھے۔ وہ حق پر تھے سچ کہہ رہے تھے کوئی جھوٹ سمجھ کر لفظوں کی نگاہوں کی سنگ باری کر رہے تھے اور جس نے جھوٹ بولا تھا بہتان لگایا تھا وہ لوگوں کی نگاہوں میں سچی و مظلوم بن گئی تھی۔

کس طرح سے کھایا ہے دھوکا کیسے بتاؤں میں

اپنوں کے مشورے تھے سازشوں کے ساتھ ساتھ

جن کو ہم اپنا کہتے تھے بڑے مان سے

صف بہ صف کھڑے تھے دشمنوں کے ساتھ ساتھ

صالحہ چند گھنٹے دلہن کے روپ میں رہی تھی اور یہ روپ اس کو اس نہیں آیا تھا پھر کسی بیوہ کی طرح اس کو اجڑنے میں بھی ناہم نہ لگا تھا۔ محبت اللہ جو بیٹی کی خوشی دیکھنے کے منتہی تھے بسنے سے قبل ہی بیٹی کو اجڑا دیکھ کر وہ دونوں موت و زیست کی کیفیت میں رہنے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ صالحہ اب بالکل تنہا تھی محض بڑوں کے لوگ جو بارات واپس جانے کے قصے سن چکے تھے اس سے ہمدردی کرنے کے قائل نہ تھے بلکہ کچھ بے خمیر لوگ اس کو لوٹ کا مال سمجھ کر لوٹنے کی تنگ دو میں لگ گئے تھے مدثر کو گھوکی حالت میں تھے رسوائی جھوٹ ہو یا سچ..... رسوائی ہوتی ہے انہوں نے بہت چاہا وہ پھر پلٹ کر وہاں قدم نہ رکھیں مگر محبت اللہ کی طبیعت اور پھر رحلت نے ان کے ارادے کو زور دے دیے تھے اور اب صالحہ کی ڈری کبھی کاٹا نہ لگی تھیں کہ کوئی پراسرار نقل و حرکت وہ مسلسل دروازہ دھکے دیکھ کر محسوس کرنے لگی ہے یہاں پر انہوں نے منور بھائی کو راز دار بنایا اور ان کی اجازت لے کر صالحہ سے شادی کر لی تھی دوسرے کے لیے کھودنے والے گڑھے میں عمر انہ خود ہی گر گئی تھی۔ مدثر کی دوسری شادی پر عمر انہ جو تماشا کرنا تھا وہ اس نے بڑھ چڑھ کر کیا اس کی دھوکے و دھمکیوں کے باوجود انہوں نے صالحہ کو طلاق نہ دی تھی البتہ یہ بات ضرور مانی تھی کہ صالحہ کو لے کر علیحدہ جگہ میں شفٹ ہو گئے تھے جنہیں سے ان کے درمیان جدائی و بگاڑ کا آغاز ہو گیا تھا۔

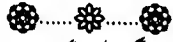
عمر انہ نے ان کے ساتھ گھر والوں پر بھی کئی شرائط عائد کر دی تھیں کہ صالحہ کبھی بھی اس گھر میں قدم نہ رکھے گی۔ گھر کا کوئی فرد صالحہ سے نہیں ملے گا وغیرہ وغیرہ اور ان کی پہلی والی کچھ شرائط مان لی تھی کہ وہ آج تک وہاں نہ لگے تھیں اور نہ ہی کسی نے یہاں قدم رکھنے کی کوشش کی تھی۔ ان کے بعد کوئی یہاں سے گیا تو وہ شاہ زیب تھا اور شاہ زیب کو بھی وہاں پر داخلے کی اجازت زید نے ہی دی تھی ماں کو سمجھا بچا کر دتوں کے بعد۔

”مدثر! آپ سوئے نہیں؟ میں سمجھی آپ سو رہے ہیں ڈسٹرب نہ ہو جائیں اس خیال سے میں اوجھڑائی نہیں تھی کافی لاؤں آپ کے لیے۔“ صالحہ وائٹ وبلو پر عذسوتی ساڑھی میں ملبوس تھیں ان کی آواز مدثر کو ماضی کے سراپوں سے واپس لے آئی تھی انہوں نے پُر سوچ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔ سائو لی رنگت عام نقوش و بلا تپلا سراپا سادہ جوڑے میں سیاہ بالوں کی تعداد سفید بالوں سے قدرے کم تھی آنکھوں پر نظر کی عینک لگائے وہ ایک بہت عام صورت عورت تھی۔

وہ ان کے ساتھ باہر جاتے تو لوگ رشک کی نگاہ سے صالحہ کو دیکھتے تھے کہ ایک خوب رو و وقار عاب مرد کے ساتھ چلتی وہ اچھی نہیں لگتی تھی۔

”آج آپ پھر ماضی کی خاک چھاننے لگ گئے ہیں؟ معلوم بھی ہے اس ریت میں سوائے نوکیلے کانٹوں و پتھروں کے کچھ اور نہیں ملے گا۔“ وہ ان کی نگاہ شناس تھیں۔

”ڈاکٹر نے آپ کو سوچنے سے منع کیا ہے پھر بھی آپ بے معنی سوچوں کے صحراؤں میں بھٹکتے رہتے ہیں ریٹ کریں میں کافی بنا کر لاتی ہوں۔“



لوہ گزرنے سے قبل ہی اس نے اپنے گلے کے گرد لپیٹے گئے بازوؤں کو اس طرح خود سے دور کیا تھا گویا وہ بازو نہ ہوں سانپ بچھو ہوں۔

”میں ایندھنی نہیں ہلایا..... ساریہ تو پر ہوں۔“ مڑ کر دیکھا تو شوخ لباس میں ساریہ کھڑی ہنس رہی تھی اس کا انداز بے تکلف و جھجک سے عاری تھا۔ وہ پیار لٹائی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”کیسا ہا میرا سر براز؟ اچھا لگانہ.....“ وہ ہلکھلارہی تھی۔

”شٹ اپ! مجھے قطعاً پسند نہیں ہیں ایسی حرکتیں! آئندہ ایسا سوچنا بھی نہیں۔“ اس کا لہجہ ہی نہیں وجیہ چہرے کے ہر عضو سے درخشی و ناگواری عیاں تھی۔

”کیا کیا ہے میں نے ایسا جواب آپ آگ بگولہ ہو رہے ہیں؟ صرف چھوٹے آپ کو پیار کرتی ہوں کیا اتنا بھی حق حاصل نہیں ہے کہ آپ کو چھو سکوں؟“ ایک دم ہی اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تھے۔

”کیسا حق؟ کس نے حق دیا ہے تمہیں مجھ سے پیار کرنے کا میں کسی پیار محبت کو نہیں مانتا میری زندگی ان خرافات کے بغیر بھی کامیاب ہے۔“

”پلیز پلیز نوفل..... اس طرح دل مت تو ڈرنا آئی سے ملنے کا محض بہانہ ہے ملنے میں تم سے آئی ہوں، تمہیں کیا معلوم میں تم سے کتنی.....“

”میں نے کہا ناں دور رہو ہا تھا تو زردوں کا تمہارے مجھے یہ سب پسند نہیں ہے۔ ماما کے پاس ہی وقت گزارو تو تمہارے لیے بہتر ہے گیٹ آؤٹ اب کبھی بھول کر بھی یہاں قدم نہیں رکھنا۔“ ساریہ نے روتے ہوئے اس کے بازو سے لگنا چاہا لیکن اس بار وہ بے خبر نہیں تھا اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے وہ دور ہو کر گویا ہوا۔

”میں نے کہا ناں..... میں ماما سے نہیں تم سے ملنے آئی ہوں۔“

”پھر واپس چلی جاؤ میں تم سے ملنا نہیں چاہتا۔“ اس کی ڈھٹائی دھڑ دھڑ نوفل کو اس کی طرف سے برگشتہ کر رہی تھی ہر بے باک و بے حیا لڑکی کے چہرے میں اس کو اپنی ماں کا چہرہ دکھائی دیتا تھا ہر جانی و بے وفائی کا متفقین پیکر لگا کرتا تھا۔



کھیتی ام ایمان قاضی

آدمی کو خاک نے پیدا کیا
خاک کے ساتھ آدمی نے کیا کیا
ایک دنیا مجھ سے تھی روٹھی ہوئی
تو نے بھی ٹھکرا دیا اچھا کیا

”اور جب کہیں ان کو کفرانِ ذوالولہک میں کہیں گے
ہمارا کام تو سنوار ہے سن رکھو وہی ہیں بگاڑنے والے پر
نہیں سمجھتے۔ (القرآن)“
شکلا یا کو گھر کی دلیز پار کرتا دیکھ کر نفسیہ بیگم کا ہاتھ ٹٹکا
تھا۔ دل خواہ وہی دھڑک اٹھا۔ ان کی آمد تو عام سی ہوتی
تھی پر اس آمد کے اسباب و نتائج ہرگز عام نہ ہوتے تھے۔
خیر خود کو سنبھالتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہا۔ عرفان
صاحب گھر پر نہ تھے ورنہ ہر بار بہن کی ایسی آؤ بھگت
کرتے جیسے دور پردیس سے سالہا سال بعد آئی ہوں
ایسے میں نفسیہ بیگم کا بس جی ہی چلتا۔
”آپا آری تھیں تو آمنہ کو بھی لے آئیں۔ تین ماہ
ہو گئے اس کی شکل دیکھے ہوئے کل اس کے ابو بھی یاد
کر رہے تھے۔“ ابتدائی خاطر تواضع کے بعد نفسیہ بیگم نے
ڈرتے ہوئے منڈکا موڈ ٹھیک دیکھ کر بیٹی کی بابت دریافت
کیا جو بد قسمتی سے شکلا یا کی بہو تھی۔
”اے لو..... بھالی بیگم کمال کرتی ہیں آپ بھی آمنہ کو
بھلا میں نے روک یا باندھ رکھا ہے باپ کے گھر آنے
سے جب مرضی آئے جائے میرا تو سب کو پتہ ہی ہے کہ

”میں کیوں جاؤں؟ نہیں جاؤں گی، تم مجھ سے محبت نہیں کرتے نہ سہی میں تم سے محبت کرتی ہوں میرے لیے یہ
احساس ہی کافی ہے۔“

”اوہ شش آپ مجھے تمہاری اس بکواس سے کوئی دلچسپی نہیں۔“ ذہنی خلفشار نے پہلے ہی اس کو پریشان کیا ہوا تھا اس
پر ساریہ کی آمد اور اظہارِ محبت نے اس کے ذہن کے سلسلے گوشوں کو مزید بھڑکا دیا تھا۔ تب ہی امینہ بی ٹرائی لے کر کمرہ
ٹانگ کرٹی ہوئی اندر آئی تھی۔

”آپ چائے نہ بنائیں، میں خود بنالوں گا آپ ان محترمہ کو ساتھ لے جائیں۔“ چائے بنانے کے لیے کپ
وسا سر سیدھی کرتی امینہ سے وہ ساریہ کی طرف اشارہ کر کے گویا ہوا تھا جو بھیکا چہرہ نشو سے صاف کر رہی تھی۔
”آئیے بی بی صاحبہ۔“ امینہ نے حکم کی فوری تعمیل کی تھی۔

”کیا..... ایک ملازمہ کی یہ جرأت کہ مجھ پر حکم چلائے۔“ غصہ و اہانت کے احساس سے اس کا حسین چہرہ سرخ ہو گیا
تھا، وہ امینہ کی نگہباز تہے ہوئے گویا ہوئی تھی جو مستعدی سے اس کی طرف بڑھی تھی۔
”تم ان کو ملازمہ سمجھ سکتی ہو میرے لیے یہ گھر کی فرد کی حیثیت رکھتی ہیں اور یہ وہ ہی کریں گی جو ان کو کرنے کا کہا
جائے گا۔“

”اوہ..... غیروں پر اتنا کرم اور اپنوں کے لیے ستم ہی ستم یہ دوغلی بات نہیں ہے سبز نفل احمد، گھر آئے مہمان سے
بدترین سلوک اور گھر کے نوکروں کو عزت دیتے ہو، بہت عجیب پالیسی ہے تمہاری۔“ نفل نے جواب دینے کے بجائے
امینہ کو اس کو لے جانے کا اشارہ کیا تھا۔

”ہاتھ نہیں لگاؤ مجھے۔“ ساریہ امینہ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر چیختی۔ ”آج مجھے اپنے بیڈروم سے نکال رہے ہو یاد
رکھنا کل ہاتھ جوڑ کر مجھے یہاں لے کر آؤ گے یہ چیلنج ہے میرا۔“ نفل کی کھلی بے عزتی نے اس کی عزت نفس کو بری طرح
یامال کر دیا تھا۔ اس نے اس کی بات کا جواب دینا گوارا نہ کیا، ان کے کمرے سے نکلتے ہی زوردار آواز کے ساتھ دروازہ
لاٹکھ کر لیا تھا۔

”ہونہہ سمجھتا کیا ہے خود کو کتنی محبت سے آئی تھی میں سر پرانز دیا تھا کہ شاید سر پرانز ہو کر غصے کا اظہار نہ کرے جو اس
کی پہچان ہے۔“

”کیوں پتھر سے سر پھوڑتی ہیں بی بی صاحبہ؟ نفل میاں کے سینے میں جودل ہے وہ لڑکیوں کے لیے بنایا نہیں
ہے۔ ایک سے ایک خود شامل لڑکی ان کا دل نہیں بھاسکی آپ کیوں خود کو دکھ دے رہی ہیں۔“ راہداری سے سبز جھوں کی
طرف بڑھتے ہوئے امینہ نے سمجھانا چاہا۔

”تمہارا مقصد ہے میں حسین و خوب صورت نہیں ہوں؟ جو ان نہیں ہوں؟“ وہ جو پہلے ہی نفل کے سر دروپیے کے
زیر اثر تھی پلٹ کر غرائی اور اس دوران پاؤں کا رپٹ میں الجھا تھا ورنہ وہ جیتنی ہوئی اوپر سے نیچے گرنے لگی تھی۔
(ان شاء اللہ باقی شمارے میں)



سب راج پاٹ بہو کے حوالے کر کے خود اللہ اللہ میں وقت گزرتا ہے۔ ہم نے اس سے پہلے ہی سب کچھ ان کے حوالے کر دیا کہ ہمیں دنیا دستور کے مطابق کرنے سے نہ لگا دیں یہ تو آج اس محلے میں سعیدہ آبا کی طبیعت کا پتہ کرنے چلی آئی تو دل کیا کہ بھائی کو دیکھ کر آکھیں ٹھنڈی کرتی جاؤں۔“ اور یہ تو نفیسہ بیگم جانتی تھیں کہ کیسا راج پاٹ انہوں نے بہو کے حوالے کر رکھا تھا سونند کی کن ترانیوں پر ٹھنڈی سانس بھر کر چپ ہو رہیں ان سے بہتر بھلا کون جانتا ہوگا شگوا پا کی نفسیات عادات اور کردار کو۔

”عائشہ نظر نہیں آ رہی بھائی بیگم؟“ ان کی کھوجی نظروں نے سارے گھر کا زہرہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”یونیورسٹی گئی ہے آئی ہی ہوگی۔ آپ سنا نہیں گھر میں سب کیسے ہیں؟ بچیاں کیسی ہیں؟ عبدالمنان تو ٹھیک ہے ناں۔“ نواسے کے نام پر ایک مدمم سی مسکراہٹ نے نفیسہ بیگم کے چہرے کا گھیراؤ کر لیا۔

”سب ٹھیک ہیں تم سناؤ عائشہ کا کوئی رشتہ وشتہ دیکھا؟“ جواب دیتے ہوئے ذرا سا آگے جھک کر سوال کیا۔

”ابھی کہاں؟ آپ ایک دو لوگوں نے کہا تھا پھر کہیں بات نہیں بنی جب قسمت میں ہوگا ہو جائے گی۔“ اسی دوران شگوا بیگم بھائی کے انتظار میں لمبی تان کر وہیں لاؤنچ میں صوفے پر لیٹ گئیں۔ نفیسہ بیگم ویسے تو سائن کے ساتھ ہی سلازرائیہ اور تازہ روٹیاں پکالیا کرتی تھیں لیکن آج معاملہ جدا تھا تو بریانی کے ساتھ تورمہ بھی پکا لیا۔ شکر ہے رات کا عائشہ کے ہاتھ سے تیار کیا ہوا اثر نقل فرج میں تھا۔ سوسلا کے لیے سبزیاں کاٹ رہی تھیں جب عرفان صاحب بھی آ گئے۔ شگوا بیگم جاگ گئی تھیں اور اب ابتدائی گلوں شگواؤں کے بعد دونوں بہن بھائی شیر و شکر ہوتے ہوئے بات چیت میں مصروف تھے۔ برا ہوا عائشہ کی قسمت کا کہ آج ہی یونیورسٹی میں ہنگامے کے باعث ہڑتال ہو گئی تو جنید اسے گھر تک چھوڑنے چلا آیا اور چونکہ دلوں میں کوئی میل نہ تھا سوا عائشہ نے اسے اندر بھی بلالیا۔ جنید نفیسہ بیگم کی دور پرے کی کنز کا بیٹا تھا اور عائشہ کا

یونیورسٹی فیلو بھی۔ ایک آدھ بار پہلے ہی ایسی ہی کسی صورت حال میں عائشہ کو گھر تک چھوڑ کر گیا تھا۔

”کیوں شگوا پا پچھانا اپنے جنید کو رضیہ بہن کا بیٹا ہے۔“ وہ اس کا مختلف حوالوں سے تعارف کراتے ہوئے خوشدلی سے بولے اور بصد اصرار جنید کو کھانے پر بھی روک لیا۔ عائشہ چھو پوسے مل کر فریٹش ہونے کے بعد کچن میں امی کی مدد کرانے لگی اور کچھ ہی دیر بعد کھانے کی ٹیبل سیٹ کر کے سب کو کھانے کے لیے بلالیا اس بات سے قطع نظر کہ شگوا آبا کا سازشی ذہن پتہ نہیں کون کون سے تانے بانے بننے میں لگ گیا تھا۔



”آپ تو کامران بھائی سگر رشتہ دار ہیں ہمارے پھر بھی نچانے کیوں اتنا تکلف کرتے ہیں۔“ رخشی نے اپنی مسکراہٹ کی آنکھوں کو کچھ زیادہ ہی پٹپٹایا تو سیدھے سادھے کامران میاں ان اوادوں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہیں ڈھیر ہو گئے۔ وہ آفس سے گھر واپس آ رہے تھے جب رخشی سڑک کے کنارے کسی سواری کے انتظار میں گرمی سے بے حال دکھائی دے گئی۔ گشہدہ محبت کے الجھے تار جڑتے دیکھتے تو کامران میاں نے فوراً بایک اس کے پاس جا روکی۔ اس نے بھی دالہانہ استقبال کیا گویا درمیان کا نا تو شگوا عرصہ پہلے ہی ان کے مابین آبا ہی نہ تھا۔ اب ڈرائنگ روم میں جی سنوری خوشبوؤں سے چھٹی رخشی کھانے کی ٹیبل پر انواع و اقسام کے کھانے دلپسند شخصیت کے ناز وادان کے ہوش اڑائے دے رہے تھے ایسے میں گھر میں عام شکل و صورت کی وہ معمولی عورت جسے بیوی کہا جاتا ہے انتظار کی سولی پر لٹتی یہاں سے وہاں وہاں سے یہاں کرنی بے چین ہو گئی کسے پروا تھی؟ کچن کے کاموں میں مصروف آمنہ نے مطمئن ہو کر سب کچھ دیکھا سائن پلاؤ رائیہ روٹیاں سب کچھ تیار تھا پسینے سے ٹھنڈی جسم پر چپک گئی تھی کچر اتار کر سارے بالوں کو ایک بار پھر سمیٹ کر لگا یا اور اپنے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئی نگاہ ڈرائنگ روم کے کھلے دروازے پر ٹکی ایک دم عود کرانے والی حیرت انگیز

پہل گئی۔ اگر یہ پرانے تعلقات کی تجدید تو تھی تو پھر زہرہ خالہ..... پھر پتہ نہیں کیا سوچ کر اس نے دوپٹہ سر پر لٹا دیا اور فود اندر آ گئی۔ اس کے سلام پر رخشی کے ہاتھ کی لکیریں صاف گئی جانے لگیں جبکہ کامران میاں گھبرا کر بنگلیں مہمانکنے لگے تھے۔

”زہرہ خالہ کو کبھی لاتے کامران بھائی۔“

”ہاں..... وہ..... وہ اصل میں آمنہ میں گھر سے نہیں آیا راستے میں یہ کنویں کے لیے پریشان تھیں تو ان کو چھوڑنے چلا آیا۔ بہت دیر ہو گئی چلا ہوں اب۔“ ساتھ ہی وہ اٹھ کھڑے ہوئے زمانہ و نظر شناس شگوا خالہ نے دروازے میں کھڑے ہو کر ایک ہی نظر میں ساری صورت حال کو دیکھ کر کھاروا جانچ لیا تھا۔

”ارے کامی بیٹا آیا ہے؟ بیٹھو بھئی ایسی بھی کیا جلدی کھانا کھا کے جانا..... جاؤ آمنہ کھانا لگا دو۔“ ان کے حکم بھرے حکم پر وہ کچھ تفکرات لیے کچن میں پلٹ آئی۔ اپنے کمرے میں جا کر فریٹش ہونے اور عبدالمنان کو ایک نظر دیکھنے کی خواہش ادھوری رہ گئی تھی۔ کھستے ہوئے اس نے میز پر برتن لگائے کھانا لار کھا اٹشین اور زرین بھی کالج سے لوٹ آئی تھیں سو شگوا خالہ کو گوارا نہ ہوا کہ وہ بھی وہاں موجود رہے سو عبدالمنان کا بہانہ کر کے اسے کمرے میں کھانے سمیت بھیج دیا گیا۔ اسے بھی کون سا یہاں خوشی مل رہی تھی سو فوراً ہی چلی آئی۔ شکر ہے عبدالمنان ابھی تک سو رہا تھا۔ اس نے آ کر اس کی پیشانی چومی کھانے کو ڈھک کر رکھا اور خود فریٹش ہونے والی روم میں آ گئی۔ نہانے سے جسم و داغ کو کچھ ٹھنڈک پہنچی۔ کھانے کے دوران بھی پتہ نہیں کیا کیا سوچیں آتی رہیں۔ کچھ سوچ کر وہ اٹھی دروازہ کھینچ کر باہر کی صورت حال کا اندازہ کیا وہی بھی پہنچ چکے تھے جو ان کے بلند بانگ تہمتوں میں کامران کی جھینپی جھینپی ہنسی بھی شامل تھی اسے وہی پر ایک بار پھر غصہ آیا پتہ نہیں کس قسم کا مال تھا اس گھر کا سب کچھ جانتے ہو جیسے گھر کے مرد خاموش تھے بلکہ کسی حد تک ان کا رویہ ماں بہنوں کو بڑھاوا دینے والا ہوتا تھا وہ چاہے تین سال

پہلے رخشی کے کامران سے تعلقات تھے اس کے ساتھ آتا جاتا مہینے مہینے تحائف لیتا پھر رخشی کو ایک اور دولت مند ٹکرا گیا تو اس نے کامران میاں کو ہری جھنڈی دکھادی۔ دہلیاں سے مایوس ہو کر کامران میاں نے زہرہ سے شادی کر لی تھی کچھ عرصہ خوش باش بھی گزرا لیکن جب سنا کہ وہ امیر زادہ رخشی کو چھوڑ کر چلا گیا تو وہ دل مسوں کر رہ گئے کچھ عرصہ انتظار کر لیتے تب ہی زہرہ کی طرف سے ٹھوڑا سا بچ گئے تھے۔ ماں باپ تو تھے نہیں وہ دوتے ہوئے نفیسہ بیگم کی طرف آ جاتی۔ وہ اللہ پر توکل رکھتے ہوئے اسے صبر سے کام لینے کو کہتیں دوسری طرف بیٹی کا سر سال تھا وہاں بھی کھل کر کچھ نہیں کہہ سکتی تھیں۔ آج بھی آمنہ کے آنے والے فون نے نئی فکریں لگا دیں جب اس نے زہرہ کے میاں کا حال کہہ سنایا ساتھ ہی کامران کے اپنے گھر آنے کا ذکر اپنی ساس نندوں کا اس کا بد جوش استقبال سب کچھ..... نفیسہ بیگم کیا کرتیں ٹھنڈی سانس لے کر چپ ہو رہیں۔ ماں باپ کے گزر جانے کے بعد زہرہ کو وہ اپنے ہاں لے آئی تھیں اپنی بیٹیوں کی طرح پالا تھا اگرچہ اس پر بھی شگوا پا کی وسوسا تھیں ان کے کانوں تک پہنچی تھیں جو وہ اڑھار کر رہی تھیں کہ ہاں بھئی ہیں تو بھائی بیگم نے دودھ میں سے کھٹی کی طرح نکال پھینکا ہے نہ صلاح نہ مشورہ بھائی کی حلال کمائی کو پر لایا دھن سمجھ کر سب کچھ پہلے مکے پر لٹائی رہیں اب جب ماں باپ گزر گئے تو میکہ ہی گھر اٹھالے تھیں۔ بھائی عرفان کی آنکھوں پر گویا بیٹی بندھ گئی ہے بیوی کی محبت میں لٹائے جا رہے ہیں بس۔ وہ تو شکر ہے کہ عرفان ان کی ہر بات خاموشی سے سن ضرور دیتے تھے۔ ادب بھی کرتے تھے پر کرتے وہی تھے جو ان کا دل کرتا تھا۔ زہرہ کو وہ بھی بیٹیوں کی طرح چاہتے تھے۔ کامران میاں کی وہی روشن شروع ہو گئی جو شادی سے پہلے کے دنوں میں تھی۔ ان کا سارا سارا دن اب شگوا پا کے گھر گزرتا۔ کچے پکائے کھانے لے آتے، رخشی سمیت سب لوگوں کو آؤٹنگ پر لے جاتے اب انہوں نے گاڑی بھی لے لی تھی۔ وہی دفتر میں ہوتے آمنہ گھر پر ہوتی اور یہ

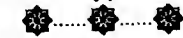
سب کچھ دیکھ کر جلتی کھستی رہتی۔ زہرہ الگ روتی ہوئی نفیسہ بیگم کے پاس آئی تھی کہ کامران میاں کا رویہ اس کے ساتھ بالکل بدل گیا تھا۔ صبح کے گئے رات کو گھر آتے اس پر بھی زہرہ کو ڈانٹنے اور غصہ دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے وہ سخت پریشان تھی اور ابھی نفیسہ بیگم اسی پریشانی میں تھیں کہ ایک دن عائشہ یونیورسٹی سے متورم چہرے اور روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ لوٹی اور آتے ہی سیدھی کمرے میں صس گئی تھی۔ کھانا کھائے اور کپڑے تبدیل کیے بغیر..... نفیسہ بیگم بہت پریشان ہو کر اس کے پیچھے گئی تھیں ان کے استفسار پر پہلے تو وہ کچھ نہیں بولی پھر اصرار کرنے پر جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔

”آپ کی نند اور ان کی بیٹیاں جب تک زندہ ہیں نہ تو آپ کی بہن بس سکتی ہے نہ آپ کی بیٹیوں کی زندگیوں میں خوشیاں بھی آسکتیں ہیں۔ وہ حامد عورت اور اس کی بیٹیاں کب دیکھ سکتی ہیں کسی کو ہنسنے۔“ وہ روتے ہوئے بولی نفیسہ بیگم کے اصرار پر اس نے بتایا کہ جنید پھلے سال سے اپنا پروپوزل بھیجنے کا کہہ رہا تھا لیکن وہ خود ہی ابھی اس قسم کا کوئی سلسلہ نہیں چاہتی تھی کہ دوران تعلیم ایک تو وہ دونوں ڈسٹرب ہوں گے دوسرے لوگوں کو بھی بائیں بنانے کا موقع نہ ملے اب جبکہ وہ فاضل امتحانات سے فارغ ہونے والے تھے اور اس کی امی بھی کچھ دنوں تک آنے کا ارادہ رکھتی تھیں۔ شوگیو بیگم نے جس دن جنید کو یہاں دیکھا تھا صرف دو تین باری جنید کے گھر چکر لگایا تھا نتیجتاً دن رات نفیسہ بیگم کی بچیوں کے اخلاق اور تربیت کے گن گانے والی رضیہ خاتون کے خیالات آفاقانہ تبدیل ہو گئے تھے۔ جنید خود پریشان تھا کہ کہاں تو اس کی ماں فوراً ہی ان کے گھر آنے کو تیار تھیں کہاں اب اس کے ڈاکٹر پھیڑتے ہی مشغول ہو جاتیں۔

”اے ابھی ہمیں تو معاف کر نفیسہ کی بیٹی کو بیاہ کر میں نے گھر سے باہر نہیں ہونا، شگوا پتیجاری نے ساری عمر بیوگی کے ساتھ گزاری، یتیم بچوں کو کن مشکلات میں پالا پوسا پر نفیسہ بیگم کی پڑھائی پتی میں عرفان بھی اندھے

ہو گئے کبھی پلٹ کر بیوہ بہن کی خبر نہ لی پھر بھی ان کی اچھائی دیکھو ای مطلب پرست بھائی کی بیٹی کو بہو بنالیا صرف اتنا خیال کرتے ہوئے کہ بھائی کا بوجھ بہن نہیں ہلکا کرے گی تو کون کرے گا مگر بہو بیگم نے وہ ناکوں پنے چپوائے ہوئے ہیں کہ شگوا پتیجاری خون کے تسرونی ہیں۔ بظاہر مبینی نظر آنے والی وہ آدمی کی چالاک اور گھنی نفی نند کے لیے آنے والے رشتے پر ایسا جادو چلایا کہ تیار شادی ختم کر کے خالہ کو لایا اس گھر میں۔ پورے گھر پر اسی کی حکومت ہے، میاں کو کاٹھ کا لونیا ہوا ہے، ساس نندوں کو نوکزنہ بلانا نہیں بیوہ عورت میرا ایک ہی سہارا ہوں، میں تو دیکھ بھال کر ہی رشتہ کروں گی اب بھول کر بھی اس خاندان میں رشتہ کی بات مت کرنا۔“ جنید ششدر بیٹھا بس ماں کے نادر خیالات سننے لگا پھر اس نے ہر جملہ آزمایا مگر رضیہ خاتون کا انکار ہاں میں نہ بدلا اور آخر کار انہوں نے دودھ نہ بخشنے کی جذباتی بلیک میلنگ کر کے جنید کو ہی ہار ماننے پر مجبور کر دیا تھا۔ بہت دن سے عائشہ سے کئی کتر اتنا جنید آخر کار ایک دن ٹوٹا ٹوٹا سا اس کے پاس آیا اور اپنی مجبوری بتا کر عائشہ سے معافی کی درخواست کی تھی۔ وہ تو دھواں دھواں چہرہ لیے بس ایک ٹک اسے دے دیتی رہ گئی تھی۔ آمنہ کو بھی جب اس ساری صورت حال کا پتہ چلا وہ بھی جھلس کر رہ گئی لیکن کیا کر سکتی تھی پھر اسی نے مزید کامران کا بتایا۔

”کیا کروں امی دیکھ دیکھ کر دل کڑھتا ہے سارا سارا دن کامران بھائی رشتہ بی بی کو لیے لیے پھرتے ہیں، کبھی ہوٹل، کبھی پارک، کبھی شاپنگ رات گئے واپسی ہوتی ہے وہاں ایک دو بار وہ صی سے دب لفظوں میں ڈکریا لٹا انہوں نے مجھے ہی ڈانٹ دیا کہ میری بہن کے حق پر ڈاکا ڈالنے والی پہلے زہرہ تھی اب اس کے ساتھ ایسا ہو رہا ہے تو اس کا کیا دھرا ہے۔“ وہ بات کرتے کرتے رو ہاںسی ہو گئی۔



نفیسہ بیگم گہری سانس لے کر چپ ہو رہی۔ انہی دنوں جب آمنہ ایک بار پھر امید سے ہوئی اور چند پیچیدگیوں کی بنا پر ڈاکٹر نے اسے مکمل آرام کا مشورہ دیا۔

”میں بیمار بوڑھی عورت، بچیاں پیجاری کام سے تھکی ہار آتی ہیں اتنے بڑے گھر کے سو جھیلے کون دیکھے گا بہو بیگم تم جو ماں کے گھر کا بوریا بستر باندھے کھڑی ہو پھر جاتی بھی ہو اگلے جتنے سو سو یہ زریں آ رہی ہے۔“ شگوا بیگم نے تیوریاں چڑھا کر ایک اس کی طبیعت اور حالت کے سوا سب اہم اور ضروری کام گنوائے تو آمنہ نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کو مجازی خدا کی طرف سے کوئی مدد نہیں ملنے والی، صی کو دیکھا لیکن وہ چائے پیتے ہوئے کندھے پر کھڑے رہ گیا تو ایسا تیار کا تم ہی جانو۔ اب تک تو جیسے تیسے کر کے وہ گزرا کرتی آئی تھی لیکن کل سے جسم میں ہلکا ہلکا ہونے والا درد جب شدید ٹیسس اختیار کر گیا تو وہ عبدالمناں کی انگلی پکڑ کر رکتے رکتے ڈاکٹر کے پاس پہنچی تھی۔ وہ بھی خوب بکڑی کہ جب ہیڈریسٹ کا کہا ہے تو وہ کہنا کیوں نہیں مان رہی آئندہ ایسی کسی صورت حال میں وہ اس کے پاس مت آئے پھر اس نے بے شمار ہدایات کے ساتھ ایک لمبا چوڑا نسخہ پکڑا کر اسے روانہ کیا۔ واپس آ کر اسے شوگیو بیگم کے تیوروں کا الگ سامنا کرنا پڑا کہ ساری دنیا کی عورتیں بچے پیدا کرتی ہیں خود انہوں نے کتنا بڑا لکبہ بھی سنبھالا ساتھ ساتھ بچوں کا سلسلہ بھی چلا اور ان دنوں تو بات بات پڈرانے والے یہ موئے ڈاکٹر بھی نہیں تھے نہ ہی ہاتھ میں دو پیسے ہوتے تھے جوان عیاشیوں پہ جھونک آتے، پھر چوچہ نچلے کر کے بیٹھ جاتے ایک لمبی تقریر کے بعد وہ گویا ہوئی تھیں کہ بچیاں آنے والی ہیں اور ابھی تک کھانے کا کوئی بندوبست نہیں سوچن کی راہ لے شام تک آمنہ کی حالت جب غیر ہو گئی تب اس نے امی کے گھر جانے کی ٹھانی لیکن ابھی تک شنوائی نہ ہو سکی تھی۔ انفس تو اسے صی پر ہوتا جو اس کی حالت دیکھتا بھی تھا پھر بھی ماں بہنوں کے سامنے ایک لفظ کہنے کو تیار نہ ہوتا۔ اگلے ہی دن وہ صی سے بڑی نند زریں اپنے خاندان اور دو بچوں کے ساتھ آ گئی۔ رہی سہی کسر اس کی آمد نے پوری کر دی تھی۔ پورا خاندان ہی اس سے ملنے کے لیے اٹھ پڑا تھا۔ کبھی ساس، کبھی پورا کا خاندان، کبھی جیٹھ کے گھر والے

اور کبھی نندیں زریں کی ایک نند جو کہ دوسرے شہر سے آئی تھیں ان کا قیام تو گھر میں تین چار دن تک رہا آمنہ کی کچن میں تھکتی شام تک مصروف رہتی، عبدالمناں کو صی صبح نانی کے گھر چھوڑا جاتا واپسی پر لے آتا شگوا بانیے اتنی مہربانی کی تھی کہ کچھ دنوں کے لیے اوپر کی صفائی اور سودا سلف کے لیے جڑتی ملازمہ کا بندوبست کر دیا تھا۔ نندوں کی وہی روٹیں تھیں، گھر میں ہوتیں تو آپس میں ہنسی مذاق چلتا رہتا، کھانے کی تیاریاں پھر نظر آتیں کامران میاں کے شب و روز آج کل رشتہ کی سنگت میں گزر رہے تھے۔ رات گئے وہ اسے گھر چھوڑ جاتے آخر کار انہوں دن آمنہ کھڑے کھڑے کچن میں ہی دھڑام سے گری وہ تو شکر تھا کہ وہی گھر پر ہی تھا، بیگم بھاگ اسے لے کر ہسپتال پہنچا لیکن بہت دیر ہو چکی تھی۔ ان لوگوں کی بے حسی سے دنیا میں آنے سے پہلے ہی ایک معصوم روح ماں کے پیٹ میں دم توڑ گئی تھی۔ ساس نندوں کا تو نہیں پتہ، صی البتہ چپ ضرور ہو گیا تھا، نفیسہ بیگم عرفان اور عائشہ بھی ہسپتال پہنچ چکے تھے۔ آمنہ کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر نفیسہ بیگم اسے گھر لے آئی تھیں۔ صی رات تک وہیں رہا تھا۔ شگوا پا اور ان کی بیٹیوں نے آتا تو دونوں تک کرنا گوارا نہیں کیا تھا۔ اگلے آنے والے کئی دن ایسے ہی گزر گئے۔ عرفان صاحب بھی حیران تھے کہ ان کی بیٹی نے اتنا بڑا صدمہ جھیلنا تھا اور ان کی بہن ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے ابھی تک حزانہ پرسی کو نہا سکی تھیں۔ صی نے شرمندہ سے لہجے میں بتایا تھا کہ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور بیٹنیں اس لیے نہ آسکتیں کہ زریں آپا سے ملنے آنے والے مہمانوں میں بری طرح مصروف ہیں۔ آمنہ کو تب سے ہی ایک چپ لاق تھی۔ صی آکر بیٹھ کر چلا جاتا وہ غلاؤں میں کچھ چھٹی نظر آتی۔ زہرہ آتی تھی اس کے پاس اور رو رو کر بہن کو بتایا تھا کہ اب تو کامران نے رات کو بھی گھر آنا چھوڑ دیا ہے اور آخر کار کچھ ہی دنوں میں شوگیو بیگم کی بیماری اور اس کی بیٹیوں کی مصروفیت کا پاول کل گیا جب کسی رشتہ دار نے آ کر خبر دی کہ ایک دن پہلے ہی شوگیو بیگم کے گھر میں دو نکاح

کی تقریب تھیں۔ کامران کا رشتی کے ساتھ اور جنید کا ان کی بیٹی افسین کے ساتھ اسی لیے اس دن وحی بھی حسب معمول نہ آسکا تھا۔ عرفان صاحب نے بہت رنجیدگی سے بہن کو فون کیا تھا۔

”ساری دنیا مجھ سے آپ کے بارے میں کیا کیا نہ کہتی رہی آپا میں نے سب کچھ بھٹایا حتیٰ کہ نفیسہ کو بھی اپنی بچیوں کو بھی کہ میری بہن کہے اتنی خود غرض ہو سکتی ہے کہ اپنے بھائی کی بچیوں کے گھروں میں ہی آگ لگا دے..... پر جو میں نے ان دنوں میں دکھا سوچا جانچا اور پرکھا تو پتہ چلا میں ہی غلط تھا۔ شگوا پا آپ شروع سے اتنی ہی خود غرض تھیں۔“ ان کے ٹوٹے ہوئے لہجے میں ایک بھائی کے مان کے ٹوٹنے کی کرچیاں بکھری ہوئی تھیں۔ آج دیتا وہ لہجہ اڑھتا کرتا اگر جو لگا زندہ ضمیر شخص ہوتا۔ شگوا آپا اتنی دیر ان کی تیغ باتوں کے آئینے میں اپنی شکل نہ دیکھ پائیں اور بیچ پڑیں۔

”بس کرو عرفان ایسا کیا ظلم کر ڈالا تمہارے ساتھ جو یوں حساب کتاب لینے کھڑے ہو گئے ہو۔ یاد کرو تو کامران پر میری رشتی کا حق تھا اور پہل تمہاری طرف سے ہوئی تھی۔ زہرہ نے ڈاکا ڈالا تھا میری بیٹی کے حق پر اور اپنا حق واپس لینا کوئی گناہ نہیں..... تم جو یوں اچھل اچھل کر اپنی بیٹیوں کی مظلومیت کے قصے رو رہے ہو تو اتنا بھی نہیں پتا کہ بغیر وجہ کے بیٹی کو چندہ دن سے گھر بٹھایا ہوا ہے تو ایسے تو گھر نہیں بننے میں عورتوں کے ساتھ سو طرح کے مسائل اور لوٹ بچ چلتی رہتی ہے عمر بھر یہ کیا کہ گھر چھوڑ کر ماں باپ کے گھر ڈیرے بجالیے جائیں۔ ہاں میاں جب ماں باپ کاٹھ کے الو ہوں تمہاری طرح تو ایسے ہی انگلیوں پر نچانی ہے اولاد دوسری آئے گا آج آخری دفعہ تمہاری بیٹی کو لینے نہ آئی تو پھر نتیجے کے لیے خود ہی تیار رہنا۔ میرے بیٹے کے لیے اب بھی رشتوں کی کمی نہیں ہے وہ مجھے ہی بھائی کی محبت کی ہڑک اٹھی تھی جو بیٹی کو بہو بنا کر لے آئی وہی بھائی جو آج ماں جیسی بہن کی خوشی میں غم شریک ہونے کی بجائے بیوہ بہن پر انگلی اٹھا کے خود ہی کھڑا ہو گیا ہے تو باقی دنیا کا تو کیا

ہی کہنا۔“ شگوا بیگم کے الفاظ نہیں تھے کوئی سننا تے تیر تھے جو عرفان صاحب کی سماعتوں سے گزر کر دل و دماغ کو خاکستر کر گئے تھے۔ شگوا باپ بھی تیز خیر کچھ بول رہی تھیں پر انہوں نے ڈھیلے ہاتھوں سے ریسور کریڈل پڑا دیا اور ہوا وہی جیسا شگوا پاچا ہوتی تھیں۔ شام کو جب نظریں چرائے وہی ان کے ہاں آیا تو اس کے ساتھ آمنت نہیں گئی اپنی اتنا خود داری عزت نفس پر پاؤں رکھ کر ایک ایسی لاش گئی تھی جس کی ایک بیاہی بہن (زہرہ) ماں باپ کی دلیز پر بیٹھی تھی دنیا اسباب نہیں دیکھتی پس منظر نہیں کھنگالتی بس وہی دیکھتی ہے جو نظر آ رہا ہوتا ہے ان دنوں میں ماں باپ کے مرجھائے ہوئے چہرے دیکھے تھے عائشہ کا بے رونق اور سست انداز نوٹ کیا تھا جس کے ایک دورشتے اگر آئے بھی تھے تو شگوا پا کی پھیلائی گئی من گھڑت کہانیوں کی بدولت انہوں نے دوبارہ آنے کی زحمت نہیں کی تھی۔ سب کچھ ٹھیک کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی لیکن صرف اتنا اور عزت نفس کو پل کر وہ کچھ تو ٹھیک کر ہی سکتی تھی پھر اس کے ماں باپ نے یہی سکھایا تھا کہ نندو رشتی سب کے لیے ہوتی ہے نہ اندھیرے سب کے لیے۔ وہ مقدر بنانے والا بہترین منصف ہے۔ اسی ایک سہارے کی بدولت وہ اس دوزخ میں دوبارہ لوٹ آئی تھی اس کلبوہ کے نیل کی طرح جو ساری زندگی چکر ہی لگا رہتا ہے وہ بھی جت گئی تھی اپنے مدار کے گرد۔ کامران بھائی کا قیام اب مستقل اس کے گھر ہی تھا۔ اس کی ساس بھی شاید اسی کے انتظار میں تھی کہ وہ بے دام باندی آئے تو گھر میں شادی کی تاریخ رکھ دی جائے جنید کے ساتھ افسین کی شادی کا سارا بھجیرا بھی آمنت کے سر تھا جنید نہ جانے کیوں فنکشنز میں اس سے لگا ہوا تھا یا ہاں ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر دم توڑ جاتی۔ عرفان صاحب کے گھرانے سے البتہ صرف نفیسہ بیگم بارات کے فنکشنز میں شریک ہوئی تھیں کچھ بھی تھا بیٹی کا سرال تھا اور بیٹیوں کے والدین کو اپنی بچیوں کی خوشی کے لیے بہت ستان چاہے قدم اٹھانے پڑتے ہیں۔

زہرہ ابھی تک نفیسہ بیگم کے ہاں تھی اور اللہ نے اسے

ولاد کی خوش خبری سے نوازا تھا۔ گھپ اندھروں میں ننھی لالشی کی کرن ٹٹمائی تھی۔ زہرہ نے کامران کی سب باتیں بھلا کر اسے فون پر یہ خوش خبری سنائی تھی لیکن دوسری طرف سپاٹ سا انداز محسوس کر کے ساری خوشی اندر لپیٹ کر رکھ لی تھی۔ وہ سادہ لڑکی نہیں جانتی تھی کہ خوشیوں کا لعل بھی دل سے وابستہ افراد کے ساتھ ہوتا ہے جن سے دل کی وابستگی ہوان کی طرف سے ملنے والی ہر خوشی بھی اگلی لگتی ہے اپنی لگتی ہے جب کہ اس کے خاندانے اسے بھی اپنا سمجھا ہی نہیں تھا۔ مرد عورت کے ناز ادا نہیں لڑے اور بے جا فرمائشیں صرف تب تک برداشت کرتا ہے جب تک عورت محبوبہ ہوتی ہے بیوی بنتے ہی وہ اپنی مردانگی کا خول پھر سے خود پر چڑھ جاتا ہے صرف تین ماہ میں ہی کامران رشتی کے یہ طور طریقے برداشت کر سکا تھا پھر اسے یہ سب کچھ کھلنے لگا تھا۔ ان تین ماہ میں رشتی نے صرف ناز ہی اٹھوائے تھے۔ ہر روز وہ شاپنگ اور ہوٹلنگ کے لیے تیار ہوتی، کھانا بھی زیادہ تر بازار سے منگوا لیا جاتا کہ گھر کا پکا ہوا کھانا وہ کم ہی پسند کرتی تھی۔ آئے روز کی شاپنگ سے کامران پر دن بدن قرضہ چڑھتا جا رہا تھا۔ کامران جب چاہے گھر میں پھر کی طرح پھر کر آمنت کو جو کبھی کسی کام میں مصروف ہوتی تو بھی کسی کام میں دیکھتا تو نجانبہاں سے ایک سادہ سی لڑکی کا سر اپنا پیچم سے آنکھوں کے سامنے آ جاتا جو روز طرح طرح کے لذیذ پکوان تیار کیے اسے اپنے پڑ سکون اور صاف ستھرے گھر میں منتظر لگتی تھی۔ اس کی بے رخی کبھی بھی اس کی محبت پر اثر انداز نہ ہوتی تھی۔ روز رات کو اس کے پاؤں دبا کر سونے سے بقول اس کے اسے سکون ملتا اور اپنے اٹھنے پر وہ اسے ہمیشہ بیدار ہی ملتی تھی۔ وہی گھر وہی لوگ اور ان کے طور طریقے جو کبھی اس کے آئینہ میل تھے اسے بے طرح کھلنے لگے۔ بہت اصرار اور زبرد کر کے وہ رشتی کو اسی گھر میں لے آیا جہاں پہلے زہرہ رہتی تھی لیکن وہ بھول گیا کہ اس کا مکان تو وہی تھا پر چین بدل چکا تھا۔ رشتی اپنی عادتوں سے چھٹکارا پانے کو تیار ہی نہ تھی اسے خود ہی ناشتا کر کے آفس جانا پڑتا

کہ اس نام نہاد سوئی ہوئی ہوتی، واپسی پر وہ خود تو اچھی طرح سے تیار ملتی جبکہ گھر کا دو ہفتوں میں براشر ہو گیا تھا وہ گھر جہاں گرد کا ایک ذرہ بھی نہ ملتا تھا اب مٹی اور مچھل سے اٹا ہوا تھا۔ آخر کار مصنوعی محبت کا یہ چولا محض تین ماہ میں ہی اپنی خوب صورتی کھو بیٹھا۔ کامران فطرتاً صلح جو آدمی تھا۔ اس نے بہت دفعہ رشتی کو آرام سے پیار سے اس ڈگر پہ لانے کی کوشش کی جو کہ ایک گڑھن کا طرہ امتیاز ہوتا ہے۔ آئے دن کی جھج جھج سے تنگ آ کر وہ پہلی دفعہ روٹھ کر سینے چلی گئی، کامران کو اسے پھر دھیروں پیسے خرچ کر کے شاپنگ کی مدد میں ایک اچھے ہوٹل میں کھانا کھلا کے اور شگوا بیگم کی بری بھلی سن کر مرنے لگا۔ اتنا پڑا دوسری بار صرف منتوں سے اور تیسری بار اس نے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ سات دن ہو گئے تھے ان کے تازہ ترین جھگڑے کو وہ روز فون کرتا تنجیدگی سے یہ پوچھنے کے لیے کہ آخر وہ کیا چاہتی ہے، لیکن اول تو وہ موبائل ہی بند کر دیتی لینڈ لائن پر کال کرتا تو پتہ چلتا کہ سوئی ہوئی ہے یا بارگرن ہوئی ہے غصے اور بے چارگی سے کھولنا اب اس کا مقدر بن چکا تھا۔

”بس اماں بہت ہو گیا میں بھی فیصلہ کر کے آئی ہوں اب اس جہنم میں پھر نہیں جانا جس میں پتہ نہیں کیا سوچ کر مجھے آپ نے جھوک دیا ہے غضب خدا کا وہ مکار بوڑھی عورت جو میرے جاتے ہی بیمار پڑی ہے تو بستر سے اٹھنے کا نام نہیں لے رہی کم بخت..... بیٹا ہے تو کاٹھ کا الو ماں کا دیوانہ کچھ ہوں تو کہتا ہے کہ تمہارا فرض ہے میری ماں کی خدمت اور کس لیے بیاہ کر لائے ہیں تمہیں۔ تمہاری ماں تو کھٹکی نہیں تھی تم بہنوں کے کھٹراپے کی کہانیاں سننا نہ کہ مجھے تو ان تین ماہ میں سلیقہ نام کا دکھائی نہیں دیا۔“ یہ شگوا پا کی تیسرے نمبر والی بیٹی تھی افسین تھی جس کو بڑے چاؤ سے اس کی ساس بیاہ کر لے گئی تھیں پر اب وہی ساس اس سے بے حد تنگ تھیں۔ ابھی وہ اپنی ساس اور شوہر کے قصیدے پڑھ ہی رہی تھی کہ آمنت لوازمات کی ٹرے کے ہمراہ اندر آئی تھی۔ افسین کو ایک بار

پھر بڑی زور کا غصہ آیا۔

”پتہ نہیں کیا یہ سبیاں جادو کرتی ہیں کہ ساس تو ساس جنید تک مجھے سنا چکے ہیں کہ عائشہ جیسا میرا چھوڑ کر مجھے اپنا لیا۔ تو یہ ان کے گناہوں کی سزا ان کو مل رہی ہے۔“ وہ کیونٹو نظروں سے اس کو دیکھ کر غصے سے بولی۔

وہ کہینے پر دوبارہ جاسد نہیں بھی پرچجانے اس کی یہ بات سن کر نجانے کیوں سکون کی ایک لہر آ منہ کے اندر تک اتر کر اسے سرشار کر گئی تھی۔ اسے اپنے ابا کے الفاظ یاد آئے تھے جو انہوں نے اسے جب وہ بے حد ملول ورنجیدہ اس گھر میں واپس آتی تھی کہے تھے۔

”بیٹا! ہمیشہ یاد رکھنا کہ اللہ ظالم کی رسی دراز ضرور کرتا ہے پر جس پل کھینچتا ہے پھر ایسے لوگوں کو نہ تو آسمان پہنچا دیتا ہے نہ زمین! اس اللہ کے انصاف کا انتظار کرنا میری پچی دوسروں کی بیٹیوں کی تاج جلا کر جو لوگ نئے رشتے بناتے ہیں وہی رشتے ایک دن انہی لوگوں کے لیے ناسور بن جاتے ہیں! میں اپنی آپا کو بددعا نہیں دیتا لیکن اتنا یقین ضرور ہے کہ ایک دن میری بچیوں کو بھی ان کے حصے کی خوشیاں ضرور ملیں گی۔“ اس پل جھکے کندھوں اور آنسو بھری آنکھوں والے باپ کو دیکھ کر وہ تینوں رو دی تھیں۔ زہرہ عاشرہ اور وہ۔

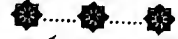
”ارے تمہاری ماں ابھی زندہ ہے میری جان! مت پریشان ہو دیکھنا وہ بھی رضیہ ناک رگڑے گی پھر بھیجوں گی تمہیں واپس! کیسے بیٹھی زبان بولتی تھی شادی سے پہلے میرے گھر کا اجالا میرے آگن کا چاند! کم بخت نہیں جانتی کہ شگو سے پالا پڑا ہے اس بار تو کھڑی کیا کن سوئیاں لے کر خوش ہو رہی ہے نامراد جادو ہو یہاں سے۔“ آ منہ کے خیالات کا سلسلہ شگوا یا کی تیز آواز نے توڑ ڈالا وہ تیزی سے دوبارہ کچن کی سمت آ گئی۔ شگوا آپا کی قسمت اچھی تھی کہ ساری زندگی ماں کے گھر جب تک رہی بھائی کو کتنی کا تاج نچائے رکھا پھر سرال میں میاں بیچا سے شریف ملے تو ساس کو دن میں تارے دکھائے وہ بیچاری اپنی قسمت کو روئے گزر گئیں! اپنی ناعاقبت اندیشی بدستگیری اور دوسروں کا

گھر بر باد کرنے کے لیے کن سوئیاں لینے کی اور آگے ایک کی چار لگانے کی جس ڈگر پر خود چلیں اپنی ساری اولاد کو چلا دیا میاں کے گزر جانے کے بعد اور شیر ہو گئیں کہ جوان اولاد کا ساتھ تھا۔ پر نہیں جانتی تھیں کہ ہر انسان کے صبر اور ضبط کی ایک حد ہوتی ہے جب وہ توڑ دی جائے تو کچھ نہیں باقی بچتا۔ نہ سنا تر اہن نہ مان نہ جنتیں اور نہ ہی رشتے۔

انہی دنوں آ منہ کو میکہ کی طرف سے جو خوش خبری سننے کو ملی اس نے اسے سرشار ہی کر ڈالا تھا۔ زہرہ کو اللہ نے ایک صحت مند بیٹے سے نوازا تھا اور خوشی کے ہٹ دھرم رویے سے بیزار کامران تک یہ خبر جب پہنچی تو وہ رہ نہ سکا اور فوراً ہی عرفان صاحب کے ہاں جا پہنچا اور اپنی تمام غلطیوں کی زہرہ اور ان میاں بیوی سے معافی طلب کر کے اپنے جگر کے ٹکڑے کو سینے سے لگا لیا تھا۔ اندر دور تک ٹھنڈک پھیل گئی تھی۔ اس دن اس چھوٹے سے گھر میں خوشیاں بہت دن بعد مہمان بنی تھیں اور وہ مہمان نواز لوگ تھے۔ رخصتی تک یہ خبر جب پہنچی کہ کامران زہرہ اور اپنے بچے کو گھر لے آیا ہے تو گویا انگاروں پر ہی لوٹ گئی تھی اس نے خود ہی کامران کو فون کیا تھا کہ وہ زہرہ کو اگر دوبارہ گھر سے نکال دے تو وہ واپس آئے کو تیار ہے ورنہ اسے فوراً طلاق چاہیے اور کامران جو حقیقت کو کب سے جانچ رہا تھا وہ مزید کسی بے فوٹی کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا سو اس نے رسان سے رخصتی کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ زہرہ کی موجودگی میں ہی اسے اس گھر میں رہنا ہے تو اس گھر کے ساتھ اس کے دل کے دروازے اس کے لیے کھلے ہیں پر شگوا بیگم جیسی مائیں ہی ہوتی ہیں جو اولاد کو غلط راستہ دکھا کر اور ان پر چلا کر ان کے گھروں کو بر باد کرنے کا سبب بنتی ہیں! سو مفاہمت کی ہر راہ بند ہو گئی تھی۔ عرفان نے بہن کی تمام کوتاہیاں بھلا کر ایک بار پھر بہن کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ وہ بیٹی کا گھر بسانے کی کوشش کرے نہ کہ بگاڑنے کی۔ ”میری بیٹی کھلی ہانپوں سے رخصتی بیٹی کے استقبال کے لیے تیار ہے! شگوا آپا اس کی طرف سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ملے گی میں وعدہ کرتا ہوں۔“ وہ بہن کو

سمجھانے کا تہیہ کر کے آئے تھے پر اللہ ہدایت انہیں دیتا ہے جو اس کی نعمت کے طلب گار ہوں۔

”اے جاؤ میاں سب کچھ کر کر کے اب معصوم بن گئے ہو تمہاری بیٹی میری بیٹی کے گھر عیش کرے اور میں تمہاری دوسری بیٹی کو آنکھوں کے سامنے راج کرتا دیکھوں! ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا! اس کو بھی ساتھ لے جاؤ اس کی اب اس گھر میں کوئی جگہ نہیں۔ ہاں ہمارا بچہ ہمارے پاس رہے گا۔“ شگوا آپا نے انتہائی تو کر ڈالی تھی پھر نہ آ منہ کی بیٹیں کامران نے عرفان صاحب کا ہاتھ جوڑ کر اپنی شگو آپا سے معافی طلب کرنا کاس میں آ منہ کا کوئی قصور نہیں ایسا ظلم مت کریں لیکن جب اپنا سکہ ہی کھونٹا اور کمزور ہو تو دفاعی مورچے پر زور پڑ جایا کرتے ہیں۔ وحشی بیٹے کو آ منہ سے چھین کر کمرے میں کم ہو گیا تھا اور وہ دونوں ایک بار پھر اسی دلیز سے لٹے پٹے نکلے تھے آ منہ بیٹے کے غم میں اور اس کا بیٹیاں کی جدائی میں بیمار ہو گیا تھا۔ ایسی پریشان کن صورت حال میں کامران نے رخصتی کو فون کر کے کہا تھا کہ وہ اسے الگ گھر میں رکھنے کو تیار ہے پر آ منہ کو واپس بلا لیا جائے لیکن ان لوگوں کی ہٹ دھرمی ہنوز قائم تھی کہ زہرہ کو طلاق دے تو پھر ہی کچھ سوچا جائے گا۔ آخر غصے میں آ کر کامران نے رخصتی کو طلاق کے کاغذات بھجوا دیئے تھے کہ اسے پتہ چلا تھا کہ رخصتی نے اسے تعلقات کی ڈور ایک نئے آنے والے ہمسائے میں اڑا لی تھی جو کہ دینی پلٹ اور ایک بیوی بھگتایا ہوا تھا اور بے تحاشا دولت مند بھی تھا۔ اس سے یہ سب کچھ برداشت نہ ہو سکا تھا۔



”بہن! آپ یقیناً جانیں کہ آپ کی تربیت اور آپ کی بیٹیوں کے حسن سلوک کی تو سارا خاندان مثال دیتا ہے میں بھی آخر خوش بیکم کی ڈی ہوئی ہوں جس نے زریں جیسی پھوہڑ اور زریں دراز زینی کو میرے بیٹے کا بنا کر میرا پورا بیٹا ہی ہتھ لیا! ان شقی القلب لوگوں میں جیسے آ منہ بیٹی نے گزرا کیا میں خود گواہ ہوں! اب زریں بیگم اپنی سب سے چھوٹی بہن کو میرے چھوٹے بیٹے کے سر منڈھنا چاہتی ہے! لیکن

میرا بیٹا ماشاء اللہ خود سمجھدار ہے کہتا ہے اماں بھالی کے خاندان کا کوئی پس لا کر میں نے اپنا گھر جہنم نہیں بنانا! آپ آ منہ بھالی کی بہن کا ہی رشتہ لے کر جائیں! مجھے اپنا گھر ویسا نہیں چاہیے جیسا بھالی کی ماں کا ہے! زریں بھالی کا ہے! یقیناً کریں میرے دل کی کلی ہی تو کھل گئی! کیا اصول! ہیرا جیسی لڑکی آنکھوں کے سامنے تھی اور میں یہاں وہاں پھر رہی تھی۔“ یہ شگوا آپا کی بڑی بیٹی زریں آپا کی ساس تھیں جو غصہ بیگم کی بیٹیوں کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔ پھر نصیب بنانے والا ایسے ایسے راستے کھولتا ہے کہ انسانی عقل دنگ ہی رہ جاتی ہے۔ عائشہ کی شادی جھٹ پٹ ملے پاگئی تھی زریں آپا کے بے حد لائق فائق انجینئر دپور سے جن پر وہ بہت عرصہ سے نگاہ رکھے ہوئے تھیں۔ شگوا آپا کے گھر سے کوئی شریک نہیں ہوا تھا۔ ایک آ منہ ہی تھی جو دن بدن کھلتی جا رہی تھی آخر جب اس کے بیٹے کی جان کے لالے پڑے تو وحشی اقبال وغیرہ اسے لے گیا۔ جب بچے کو ہسپتال داخل کرنا پڑا تھا۔ شگوا آپا نے انتقام میں بچے کو روکھ لیا تھا لیکن بچے کو رکھنے کی ذمہ داری نہ نبھاسکی تھیں۔ ان کی اپنی مصروفیات تھیں پھر بیٹیاں بھی اپنی روش پر قائم تھیں وہ کب اتنے چھوٹے بچے کی ذمہ داری سنبھال سکتی تھیں سو جلد ہی بچہ مر جھا گیا تھا اور اس کی پوری ذمہ داری وحشی پر آ گئی تھی۔ آ منہ زراو قطار روتے ہوئے اسے سینے سے لگائے بیٹھی تھی۔ ماں کو دیکھتے ہی اس کے چہرے پر رونق آ گئی تھی۔ زندگی میں پہلی بار آ منہ نے وحشی کو پشیمان دیکھا تھا! یہ تھا کہ وحشی نے بچے کو آ منہ کے پاس ہی رہنے دیا تھا۔ بنیادی طور پر ایک کمزور مرد تھا شروع سے اس کی زندگی اپنی ماں اور بہنوں کی اجارہ داری میں گزری تھی سو بیوی کے حقوق سے اتنا ہی واقف تھا جتنا اس کی ماں! ہمیں چاہتی تھیں۔

”لومیاں!..... یہ خوب تماشا لگا دیتا ہے ہماری عزت کا بچ چورا ہے وہ عرفان اور اس کی بیٹی جس کا اپنی دلیز پر ماتھا رکڑوانے کے کتنے ہی سہانے سنے جوڑے بیٹھی ہوں سارے چکنا چکر کر ڈالے۔ میں کتنی ہوں مرد کا بچہ ہے تو جا

اور لے آئے وہاں۔“ شگوا پا کے تو اوسان خطا ہو گئے جب وہی نے آہستہ سے بتایا کہ بچا آمنہ کے ساتھ اپنی نانی کے گھر ہے۔

”اماں میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن اپنے بچے کو جیسے میں نے ہلکتے دیکھا ہے پھر اس کی حالت جس طرح میری بس ہوئی تھی خدا خواستہ کچھ ہو جاتا میرے بچے کو تو میں خود کبھی معاف نہ کرتا۔“

”بس کریں اماں..... اللہ کے لیے بس کریں یہ نہ ہو میں آپ کا احترام بھول جاؤں آج اپنی اولاد کی بربادی کی ساری ذمہ داری مجھے آپ نظر آ رہی ہیں ابھی بھی فیصلہ کر لیں بہت کچھ بگڑنے سے بچ سکتا ہے۔“ اپنے بیٹے کے مرنے کی بات سن کر وہ جڑ پھٹی ہو گیا اور منہ سے وہ سب کچھ نکل گیا جو دل میں کچھ عرصے سے چنپ رہا تھا۔ انتہائی فرماں بردار بیٹے کے منہ سے یہ بات سن کر وہ ساکت ہی تو رہ گئیں۔ رشی کا نکاح اس کی عدت پوری ہوتے ہی اسی امیر زادے سے شگوا پانے خاموشی سے کر دیا تھا۔ انہیں وہی کے تہہ ہولارہ تھے جو بہت کم گو ہوتا جا رہا تھا اب نہ تو ان کی محفلوں میں شریک ہوتا نہ ہی آفس سے واپسی پر ان کے پاس حاضری لکھواتا بس گھر آ کر چپ چاپ اپنے کمرے میں پڑا رہتا۔ رشی کا میاں ایسے لے کر دئی چلا گیا تھا۔ انہیں ابھی تک ان کے گھر تھے۔ اس کی ساس ایک بار آئی تھیں اسے منانے پر ان ماں بیٹی کی شرطن کر انہی قدموں واپس لوٹ گئی تھیں۔ جب یہ سنا تھا کہ انہیں کوالنگ گھر چاہیے۔ جاتے جاتے ایک بار وہ انہیں کے پاس کی تھیں۔

”بیٹی میں تمہاری ماں کی طرح ہوں جنید میرا جیسے کا واحد سہارا ہے ایک بات ضرور سوچنا کہ جیسا تقاضا تمہاری ماں نے میرے سامنے رکھا ہے کہ میری بیٹی کا گزرا تمہارے ساتھ ممکن نہیں ہے اپنے بیٹے سے کوالنگ گھر لے لے اور اسے کر لے جائے ایسا ہی تقاضا اگر تمہاری بھابی تمہارے اکلوتے بھائی کے سامنے رکھے تو کیا کرو گی تم؟

کیا اس کی فرمائش پوری کرو گی؟“ اس کے بعد وہ رکی نہیں تھیں فوراً ہی پیر دنی دروازہ پار کر گئی تھیں۔

”اسے کم بخت رکتی تو کبھی میں اسے بتاتی کہ میری شہزادی بیٹی کو اس جہنم جلی آمنہ سے ملانے کی جرأت کیسے ہوئی اس کی پھر میرا بیٹا جس نے بیوی کو نکالا ہے تو اس کے منوں کی وجہ سے..... ہونہ۔“ شگوا اپنے دل کی تسلی کو بول رہی تھیں یا دل میں گئی اس آگ کو کم کرنے کو جو مضہ بیگم (انہیں کی ساس) کی بات نے ان کی دل میں لگائی تھی۔ کوئی نہ جان سکا ہاں انہیں ضرور خاموش ہو کر ماں کی شکل دیکھتی رہ گئی۔ اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑے وہی نے یہ سب سنا تھا ماں کے اس پروٹل پر ایک تلخ مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر دم توڑ گئی تھی۔ وہ ناہم انداز میں سر کو جھٹکتا پھر سے اندر چلا گیا تھا۔

رشی نے جیسے جیسے جنت جی جنت اپنی نانی وہ اپنے خوابوں کا شہزادہ ملنے پر اپنے خوابوں کی جنت زمین پر حقیقت بنے دیکھ کر بے حد خوش تھی۔ کامران سے جان چھڑنے اور اس سے طلاق لینے کا فیصلہ اس کے حق میں اتنا اچھا ثابت ہوگا یہ احساس اسے اب ہو رہا تھا۔ کاشف ایک خوب صورت کھلے اور فرشتہ پارمنٹ کا مالک تھا جو کہ ہر طرح کی آسائش سے مزین تھا ان چند دنوں میں کاشف نے اسے دئی شار جیکا چنچہ دکھا ڈالا تھا اس کا وہاں بہت بڑا بزنس تھا آج بھی کاشف آفس کے کسی ضروری کام سے اسے چھوڑ کر روانہ ہوا تھا اور کہہ کر گیا تھا کہ وہ شام کو تیار رہے آج ایک دوست اور بزنس پارٹنر نے ان کے اعزاز میں دعوت دی تھی ہے۔ بہت دنوں بعد رشی گھر پر تھی تو پہلے پہل اٹھ کر ناشتا کرنے کے بعد اب ماکانہ حقوق کے احساس کے ساتھ گھوم کر پورے پارمنٹ کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد اس نے پاکستان اماں سے کال ملا کر ملی بات کی اور انہیں اپنی خوشیوں میں شریک کرنے کے ساتھ وہی کے بدلتے رویے پر تشویش کا اظہار بھی کیا تھا۔

”یہ کیا بے وقوفی کر ڈالی اس نے؟ اس گھٹی آمنہ کو اپنا بچہ

مل گیا ہے اب بھلا کب آئے گی وہ اس گھر میں۔ میں تو کہتی ہوں کہ وہی مکمل ڈال لیں یہ نہ ہو ہم منہ نہ نکلتے رہ جائیں اور وہ بیوی سے چوری چھپے رابطہ بھی رکھ رہا ہو۔ اتنا بھی خیال نہ آیا اس کو کہ اسی سسٹی کی خالہ نے اس کی بہن کا گھر اجاڑا اور اب عیش کر رہی ہے۔“ حسد کی چنگاری بھڑک کر آگ بنی اور اس نے اماں کو وہی کو قاتل کرنے کے اور آمنہ اور زہرہ وغیرہ کو سبق سکھانے کے کئی سبق سکھا ڈالے۔ ”انہیں سے کہنا پریشان نہ ہو دیکھنا چند ہی دنوں میں کیسے سر کے تل آئے گا اس کا میاں۔“ انہیں چونکہ سو رہی تھی سو اس نے انہیں کے لیے بھی کچھ ہدایات جاری کیں پھر ایک لمبی سی بات کے بعد مطمئن ہو کر فون بند کیا شام تک کا وقت اس نے ایسے ہی گزارا۔ نئی دی ویکہ کڑ رسال کا جائزہ لے کر کھانا کھا پھر شام کی دعوت کے لیے کپڑوں کی سلیکشن کر کے لمبی تان کر گئی۔

آمنہ اگرچہ مطمئن تھی پر خوش ابھی بھی نہیں تھی وہی جتنا بھی نے جس اور اپنا وہی اس کا شوہر تھا۔ اس گھر میں اس پر جتنے بھی کلم کیے گئے ہوں پھر بھی وہ گھر اسے عزیز تھا۔ زہرہ اور عائشہ اپنے اپنے گھروں میں بے حد خوش تھیں۔ کامران اور زہرہ ہر دوسرے تیسرے روز ان کے گھر چکر لگاتے اسی طرح عائشہ بھی اپنے میاں کے ساتھ جاتی ایسے میں آمنہ کے سسرال کی بے حسی اور ڈھٹائی پر وہ سب کڑھ کر رہ جاتے۔ وہی اگرچہ بچے کا آمنہ کے حوالے کر رہی چکا تھا لیکن اس کے بعد اس نے پھر رابطہ نہیں کیا تھا۔ پھر عام ملوں جیسا ہی ایک دن تھا جب آمنہ بچے کو تھیک کر سلا رہی تھی کہ عرفان بے حد پریشان سے گھر میں داخل ہوئے۔

”آمنہ بیٹا..... ماں کو بلا ڈال اپنی اور تم بھی تیار ہو جاؤ ہسپتال جانا ہے۔“ آمنہ ان کے پریشان لہجے پر گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

”الہی خیر.....! کیا ہوا ابو کون ہے ہسپتال میں؟“ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

”آپا فوج کا ایک ہوا ہے صبح وہی کا فون آیا ہے

ابھی میرے پاس۔“ وہ بے حد رنجیدہ سے بولے۔ کچھ بھی تھا وہ ماں کی طرح ہی محبت کرتے تھے شگوا پا سے اور اتنا کچھ ہو جانے کے بعد بھی ایک ہلکی سی وارز جوں میں آئی تھی وہ ان کی بیماری کی خبر سن کر خود ہی بھگ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں اسپتال کی طرف روانہ تھے۔

”اللہ گواہ ہے ابوان کے رویے پر بہت خار کھانے کے باوجود میں نے ان کے لیے ایسی بدعا بھی نہیں کی۔“ آمنہ نے راستے میں آہستگی سے باپ کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے ہتا ہے بیٹا اپنی اولاد کو مجھ سے بہتر بھلا کون جانتا ہوگا۔“ انہوں نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ رکھا۔ فوج نے شگوا بیگم کی ٹانگیں بالکل بیکار کر دی تھیں۔ جسم کے باقی حصے البتہ تھوڑے بہت متاثر ہوئے تھے۔ ان کے پاس وہی کے علاوہ انہیں اور چھوٹی بیٹی شہین تھی جو کہ فرسٹ لیئر کی طالبہ تھی۔ پندرہ دن بعد شگوا پا کو ڈاکٹرز نے ڈسچارج کیا تو ہدایات کی ایک لمبی لسٹ بھی ساتھ تھی کہ ان کا علاج ممکن تھا لیکن اس کے لیے بہت وقت اور احتیاط درکار تھی۔ زریں آپا بھی پہنچ چکی تھیں ہاں رشی سے بہت کوشش کے باوجود رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ عرفان نے سب کے سامنے ہسپتال میں آمنہ کو سٹیم کیا تھا کہ وہ بھی اپنے گھر جائے اس کی ساس کو اس کی ضرورت ہے۔ یوں آمنہ ایک بار پھر ان سب کے ساتھ اسی وٹیز پر چلی آئی تھی۔ جہاں سے بری طرح دھتکاری گئی تھی۔ اس نے جی جان سے شگوا پا کی خدمت کا بیڑہ اٹھالیا تھا۔ زریں آپا واپس لوٹ گئی تھیں۔ انہی دنوں جنید کی طرف سے ملنے والے طلاق کے کاغذات نے انہیں کو پاگل ہی کر ڈالا تھا۔ وہ جوالنگ گھر کے خیالوں میں تھی اور ان کی خواب سجا کے بیٹھی تھی بری طرح چیخ چیخ کر روتی بستر پر پڑی ماں کو بھی بھر کر کونسنے دیئے۔

”آپ کی وجہ سے ہوا ہے یہ سب آپ ایک اچھی گز ستن ہوتیں تو ہمیں بھی گھر بنانے کے گن دیتی ناں۔ ارے آپ نے تو بس دوسروں کو برا کرنا سکھایا ساری عمر اور دیکھا اللہ نے کیا کیا آپ کے ساتھ۔“ اپنی ساس سے

کیا جائے اتنا اچھا ہے۔ زہرہ سے شادی کے بعد کامران پر دوبارہ اپنی اداؤں کے جال پھینک کر کسی دوسری عورت کا گھر برباد کرنا بھی تو گناہ ہی تھا۔ جب وہ دونوں ماں بیٹیاں ڈٹ گئیں کہ کامران زہرہ کو طلاق دے جب آئندہ کو گھر سے پار بار نکال دیا گیا وہ اپنے چہرے اور سر پر ہاتھ مار مار کر رونی رہی اور اپنے حصے میں لکھے خسارے یاد کر کے تڑپتی رہی کوئی ایک نیکی کسی ایک اچھے عمل اور زادراہ کا اس کی زندگی میں کہیں بھی تو گزر نہیں تھا جس کی سفارش پر وہ اللہ سے معافی طلب کر سکتی ہر بار اپنے جسم کی تذلیل پر وہ خود کو مارتی اذیت دیتی کہ اچھا ہوا تم جیسی عورت کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔



افشین کو اب آہستہ آہستہ قرار آتا جا رہا تھا اس نے ایک مدرسہ میں قرآن کی تفسیر کی کلاسز لینی شروع کر دی تھیں۔ اس کی نمازوں میں باقاعدگی آگئی تھی۔ اس کی بے قراری کو سکون مل گیا تھا۔ اب وہ ماں کو قصور وار نہیں ٹھہراتی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ اپنی زندگی کی ناکامی میں وہ بھی اتنی ذمہ دار ہے جتنی اس کی ماں آخروہ باشعور تھی اور اللہ نے نیکی اور برائی کے راستوں کی واضح پہچان کرا دی تھی پھر بھی وہ حقوق العباد کو بھول گئی تھی۔

”بچیاں پھولوں کی طرح ہوتی ہیں ان کی تربیت ماؤں پر بہت بڑی ذمہ داری ہے جس طرح پودے کی کانٹ چھانٹ نہ کی جائے اسے گرمی سردی کی شدت سے نہ بچایا جائے مناسب دیکھ بھال نہ کی جائے تو وہ خود ہو کر کسی بھی سمت پروان چڑھ جاتے ہیں اسی طرح اولاد کی تربیت بھی ایسی ہی ہے ذرا سی غفلت اور لاپرواہی نسلوں کو نقصان کی فصل دے جاتی ہے“ عالمہ کا بچپن کو دیا جانے والا سبق سن کر اس کی آنکھیں بھر آئیں ان کی ماں کی غفلت نے بھی تو بربادی کی فصل ہی تھائی تھی اس کے ہاتھ میں۔ شگوا پالا خزان کی مسلسل خدمت اور دیکھ بھال سے آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہی تھیں اور جس دن انہوں نے کانپتے ہاتھوں کو آپس میں جوڑ کر بے معنی الفاظ منہ



سے نکالتے ہوئے آمنہ سے معافی مانگنے کی کوشش کی وہ ان کے ہاتھوں کو تھام کر رو دی۔
”نہیں..... نہیں ایسا کر کے مجھے گناہ گار مت کریں پھوپھو آپ کا منصب نہیں ہے خاصی میں اگر کچھ ہوا بھی تو وہ میں بھلا چلی ہوں۔ اللہ گواہ ہے کہ میں نے بھی آپ کو بدو عا نہیں دی اللہ آپ کے لیے آسانی پیدا کرے گا ان شاء اللہ“ وہ صابر لڑکی روتے ہوئے ان سے بس اتنا ہی کہہ پائی۔ افشین نے بے ساختہ ایک طویل سانس لی تھی۔ اب ان بہنوں کے آمنہ سے مثالی تعلقات تھے۔ وہی بھی کئی بار آمنہ سے معافی مانگ چکا تھا بس ان سب کو رشتی کی فکر تھی جو اگرچہ کال تو کرتی تھی لیکن کبھی بھی خوشی کا وہ احساس ان سب کو محسوس نہیں ہوا تھا جو شادی کے شروع دنوں میں تھا۔
واپسی کی سوال پر ایک طویل خاموشی ان کو سننے کو ملتی یا وہ لائن کاٹ دیتی تھی۔ کچھ ہی دنوں بعد پاکستان کے ایک شام کے کثیر الاشاعتی اخبار میں سب سے آخری صفحے پر ایک چھوٹی سی خبر تھی کہ ”دہلی میں ایک گیارہ منزلہ ہوٹل کی چھٹی منزل سے چھلانگ لگا کر ایک لڑکی نے خودکشی کر لی تھی۔ بہت تفتیش کے بعد اتنا پتہ چلا تھا کہ وہ رات گیارہ بجے اپنے باوردی ڈرائیور کے ساتھ گاڑی میں سے اتر کر چھٹی منزل کے کمرہ نمبر ۲۲۲ میں گئی تھی جہاں مسٹر اکرام نے بکنگ کرا رکھی تھی۔ مسٹر اکرام کون تھے اور وہ لڑکی کون تھی اور اس کا ان سے کیا رشتہ تھا کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا۔ بہت ڈھونڈنے پر بھی اس کا اتنا پتہ نہ ملنے پر لاش کو لاوارثوں کے قبرستان میں دفن دیا گیا تھا۔ رشتی نے ذلت کی زندگی پر موت کو ترجیح دی تھی اور زندگی کا وہ باب ختم ہو گیا تھا جس کا آغاز شگوا پانے کیا تھا۔ شگوا بیکم اور اس کے گھر والے آج کل تشویش کا شکار ہیں کہ دو ماہ سے رشتی سے ان کا کوئی رابطہ نہیں ہے لیکن انہیں کہیں یہ طمینان بھی ہے وہ ایسی ہی ہے موڈی بعض دفعہ دنوں رابطہ نہیں کرتی۔

عمہ عرف
رائعہ ملک

لوگ کیوں بس کے اجڑ جاتے ہیں کبھی سوچا ہے
کس لیے جاں سے گزر جاتے ہیں کبھی سوچا ہے
جو نظر آتے ہیں آئینہ سی پوشاکوں میں
وہ بھی مٹی میں اتر جاتے ہیں کبھی سوچا ہے

شام کے سائے تیزی سے پھیل رہے تھے۔ دن بھر پوری آب و تاب سے چمکتا سورج مغرب کی گود میں آہستہ آہستہ غروب ہوتا جا رہا تھا۔ تھکے ہارے پرندے اپنے آشیانے کی جانب نحو پرواز تھے۔ وہ چھت پر بنی چار دیواری پر پہنی نکائے شام کے اس منظر کو انہماک سے دیکھ رہی تھی۔ مؤذن کی صدا ”اللہ اکبر“ بلند ہوئی تو اس کا انہماک ٹوٹا۔ یونہی اس نے چہرے پر ہاتھ پھیرا تو نمی کا احساس ہوا۔ اس کا اضطراب مزید بڑھ گیا تھا۔ اس نے چہرہ صاف کیا اور آہستہ قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھی پھر نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی اک آزدہ مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو بھٹو آساتھ ہی دعا تسو پلکوں کی باز توڑ کر رخسار پر لکیر بناتے ہوئے اس کے دوپٹے میں جذب ہو گئے۔ اس نے ہاتھ کی پشت سے چہرہ صاف کیا اور تیزی سے سیڑھیاں اترنے لگی۔ صحن میں بیٹھے لوگوں سے نظریں چراپی غسل خانہ کی طرف بڑھ گئی اور وضو کر کے نماز پڑھی اور جیسے ہی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو جیسے سارے لفظ کہیں کھو گئے تھے۔ بس آنسو تو اتر سے چہرہ بھگونے لگے تھے۔

”دعا جلدی کرو یا۔۔۔۔۔ ٹرین نکل جائے گی۔ پہلے ہی تم اتنی لین کلاس سے نکلے ہو۔“
”ہاں یا۔۔۔۔۔ آج سایہ کالو جی کا ٹیٹ تھا دیر ہو گئی۔“
”باتی سب چلی گئیں کیا؟“
”جی نیم صاحبہ! بس ہم ہی آپ کے انتظار میں رہ

کبھی محبت نہیں ہوگی مجھے محبت کرنی ہی نہیں اور تم آئندہ ایسی فضول دعا میں مجھے مت دینا۔“ اس نے مضبوط لہجے میں کہا اور رابی خاموش رہ گئی۔



شام کا وقت اسے پسند تھا۔ ڈوبتا سورج اور پرندوں کو اپنے گھروں کی طرف لوٹنے دیکھنا پھر رات کئی گئی کھنے آسمان کی وضو میں کچھ تلاش کرتے ہوئے اپنا در خود سے کہنا۔ کیا کہتی وہ کسی دوسرے فرد کو جب اس نے ہی نہیں سمجھا جسے سمجھنا چاہیے تھا۔ آج بھی اس کی ساری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ مؤذن نے اذان شروع کی تو وہ اپنے خیالوں سے چونگی۔ رات تو گزر چکی تھی وہ بہت آہستگی سے اٹھ بیٹھی اور اذان سننے لگی پھر نماز کی تیاری کی۔ نماز کے لیے کھڑی ہوئی، نیت کی پھر رک کی اور پھر اس نے آسمان کی طرف دیکھا اور رونے لگی۔ کافی دیر رونے کے بعد دوبارہ نماز پڑھی دعا مانگی اور پھر وہیں بیٹھ گئی آہستہ آہستہ آوازیں آنا شروع ہوئیں تو اس نے جاہ نماز تہہ کر کے رکھی اور چپن کی طرف بڑھ گئی۔ امی کے ساتھ ناشتا بنانے میں مدد کی اور پھر اسکول جانے کی تیاری کرنے لگی۔ پور پور اتنی تھکن اور اداسی کو اپنے اندر سمیٹ کر بمشکل خود کو مصروف اور خوش ظاہر کر رہی تھی۔



کائنات کی ہر چیز کو تغیر ہے۔ سوائے اللہ کی ذات کے تو پھر دعا اس تغیر کی زد میں کیسے نہیں آتی۔ ان دنوں بی اے کے ایگزامز ہونے والے تھے اور وہ سب کالج سے فارغ تھیں۔ یونہی وقت گزاری کے لیے دعا الیف ایم سننے لگی تھی۔ الیف ایم پر ریڈیٹر حمدان سید انتہائی خوب صورت لب دلیچ کا ناکا اس کی خوب صورت آواز کے سحر میں دعا کھو جاتی۔ دعا کو پتا ہی نہ چلا اور محبت اپنا دار کر بھی گئی۔ وہ جو دعویٰ کرتی تھی کہ اسے کبھی محبت نہیں ہو سکتی۔ اب اسی محبت نے اسے اپنا اسیر کر لیا تھا۔ ساری بے چینی اس کی روح کو سونپ کر محبت مسکرا رہی تھی۔

”کیوں دعا فاطمہ۔ تمہیں میرے وجود سے انکار تھا

ناں اب ڈھونڈ دینے وجود کو۔۔۔۔۔“ محبت مسکرا رہی تھی اور دعا جیران تھی۔ وہ محبت جس سے ہمیشہ خائف رہی تھی اس نے اسے سختی سے جکڑ لیا تھا۔ گویا اس کی روح میں سرائیت کر گئی تھی۔ بہت انحراف کے بعد دعا محبت کے آگے ہار گئی تھی بلکہ خراپی شکست کے اعتراف کے بعد وہ کچھ پراسکون ہو گئی تھی اور اب خاموشی سے حمدان سید کو سنتی رہتی۔



آج رابی بہت دنوں بعد اس کے گھر آئی تھی اور اسے دیکھ کر جیران رہ گئی۔ وہ بہت کمزور ہو گئی تھی۔ سفید رنگت پر آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے واضح ہو رہے تھے۔

”رابی۔۔۔۔۔ ایسے کیا دیکھ رہی ہو؟“ وہ رابی کے یک ٹک دیکھنے پر گھبرائی۔

”تم یہ بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے؟ پندرہ بیس دنوں میں تم اتنی بدل گئی ہو۔“

”ارے کچھ نہیں ہوا رابی! بس تمہیں وہم ہو گیا ہے۔“ وہ رابی سے آنکھیں چرا کر بولی۔

”ارے بیٹا۔۔۔۔۔ میں بھی پوچھ پوچھ کے تھک گئی۔ تم ہی پوچھو نہ کچھ کہتا ہے نہ پتی ہے۔“ دعا کی امی اس کے لیے لوازمات سمیت جائے لائی تھیں۔

”آپ فکر مت پیچھے آئی! میں ہوں ناں یہ محترمہ بس یونہی پریشان کر رہی ہیں۔ آپ لائیے یہ سوسے چائے وغیرہ مجھے دیجئے دیکھیے کیسے دیکھ رہی ہے میرے سوسوں کو۔“

”لو بیٹا۔۔۔۔۔ میں ذرا مارکیٹ سے کچھ سامان لے آؤں۔“ وہ مسکرا کر چلی گئیں۔

”چلیے محترمہ۔ اب بتائیے کیا حادثہ ہو چکا ہے آپ کے ساتھ۔“ دعا نے رابی کو دیکھا اور آنسو دعا کی آنکھوں میں جھلکانے لگے۔ ”دعا پلینز یا۔۔۔۔۔ بتاؤ ہوا کیا ہے؟“ دعا اسے حمدان سید کے بارے میں بتانے لگی۔ سب سننے کے بعد رابی مسکرائے لگی۔

”دعا! دعا! مار۔۔۔۔۔ مجھے تو پتا ہی نہیں تھا کہ میری دعا اتنی روح کو سونپ کر محبت مسکرا رہی تھی۔“

مسکرائے لگی۔



آج بارش خوب زور دھو رہی تھی۔ ویسی ہی بارش اس کے اندر بھی ہو رہی تھی۔ اس کی مضطرب روح اب ٹھکنے لگی تھی۔ وہ ماضی میں کھونے لگی تھی۔ تین سال پہلے جب محبت نے اسے بدلا تھا۔ اس نے اپنے وجود کو منوالا تھا۔ پچھلے الفاظ اس کی سماعتوں میں پھر سے زندہ ہو گئے تھے۔ کسی نے اپنی محبت کا اقرار کیا تھا۔ اس کی محبت کو قبولیت کا مان بخشا تھا۔ تو آج بھی ان ہی لفظوں کی قید میں تھی اب بھی اسی موڑ پر کھڑی تھی۔

”آپ میری روح میں محبت بن کر کرب اتر گئیں پتا ہی نہیں چلا۔ آپ سب سے مختلف ہیں میرے لیے بہت اہم ہیں آپ..... میں آپ کو کبھی کھانا نہیں چاہوں گا۔“ لفظوں کا جال اس کے ارد گرد پھر سے تنگ ہونے لگا تھا۔ وہ جیسے ایک بار پھر بھر لگی تھی۔

وہ حمان سید کے شو میں کال نہیں کرتی تھی پر موضوع پر اپنے خیالات خط کے ذریعہ سے ضرور پہنچاتی تھی۔ آج بھی حمان سید کا شو شروع ہو چکا تھا اور اس کی خوب صورت آواز دعا کو جکڑ رہی تھی۔ وہ اس کے ایک ایک لفظ کو امرت کی طرح اپنے اندر اتارتی تھی۔

”پیارے سامعین..... السلام علیکم! شب غزل میں میں ہوں آپ کے ساتھ حمان سید۔ ہمارا آج کا موضوع ہے محبت۔ آپ اپنے خوب صورت خیالات کا اظہار ہمیشہ کی طرح فون کال کے ذریعے کر سکتے ہیں۔“ وہ اپنے مخصوص دھیمے انداز میں کہہ رہا تھا۔ شونے کے بعد دعا اپنے خیالات کو کاغذ پر اتارنے لگی۔

محبت اٹل حقیقت ہے۔ یہ ایسا احساس ہے جس میں صرف محبوب کی خوشی اہم ہوتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز محبت ہے۔ اس کائنات کی بنیاد ہی محبت ہے۔ یہ محبت ہی ہے جس نے ہر چیز میں زندگی کو زندہ رکھا ہے۔ محبت کی نہیں جانی ہو جانی ہے۔ ایک بے بس کر دینے والا جذبہ جو انسان کو اپنے سامنے سرنگوں کر لیتا ہے۔ محبت دینے کا

نام ہے۔ محبوب، محبت سے پانے کی یا چاہے جانے کی توقع نہیں رکھتا۔

”شاہ جی..... آپ نے اپنے شو میں پوچھا تھا نا کہ محبت میں کیا اہم ہوتا ہے؟ محبت کیوں ہوتی ہے..... محبت کیا ہے..... تو میں کہتی ہوں محبت دھڑکن ہے۔ محبت روح ہے۔ محبت رگوں میں گردش کرتا ہوا ہے۔ محبت محبت کو سوچ کر عقیدت سے آنکھوں سے بہنے والا آنسو ہے۔ کسی کو اپنے نام کر لینا محبت نہیں کسی کے نام ہو جانا محبت ہے۔ محبت سانس ہے، محبت آس ہے، محبت مان ہے۔ محبت اپنی ہار ہے، محبت کسی کو عزت دینا ہے، محبت عقیدت ہے۔“ وہ بے خودی لکھتی چلی گئی۔



اگلی رات شب غزل تھوڑی دیر سے شروع ہوا تھا۔ بارش کی وجہ سے ڈی جے حمان سید تھوڑے لیٹ ہو گئے تھے اور دعا نے ان کی آواز سننے بنا خود کو اگھورا لیا تھا۔ وہ بہت مضطرب میں تھی مگر جب شو میں شاہ جی کی آواز سنی تو جیسے پُر سکون ہو گئی تھی۔ آج شو کا موضوع سادہ تھا مگر اس نے لکھنے کی بجائے نمبر ملایا تھا مگر دل کی دھڑکن اتنی بڑھ گئی کہ اس نے کال ڈراپ کر دی۔ وہ خیالوں میں ان سے ڈھیروں باتیں کرتی تھی مگر حقیقت بات کرنا مشکل تھا۔ شونے کے بعد وہ نہیں سوچتے ہوئے سو گئی تھی۔

موسم تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے بیسی رتوں میں گھر کے در پیچے سے لگے ہم افسردہ سو گوار تمہیں سوچتے رہے

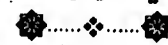


لگے دن رابی آئی۔
”دعا..... تمہارے لیے ایک اچھی خبر ہے۔“
”وہ کیا؟“ رابی نے دعا کو محبت سے دیکھا۔
”میری بات ہوئی تھی حمان بھائی سے ان کے شو میں..... دعا نے مضطرب ہو کر رابی کو دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو پھر..... رابی نے اس کی نظروں کا سوال اور اضطراب

بھانپ لیا تھا۔“ میں نے ان سے کہا کہ میں ان کی بہت بڑی یقین ہوں اور انہیں اپنا بھائی مانتی ہوں۔ سو مجھے وہ اپنا پرستل نمبر دیں کیونکہ مجھے ان سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ تب تو انہوں نے کچھ نہیں کہا اور کال ڈراپ کر دی مگر تین دن پہلے مارکیٹ میں میں ان سے مل گئی تھی اور ان سے گزارش کی کہ وہ تھوڑا سا ٹائم مجھے دیں۔ تم یقین کرو گی دعا..... تمہارا ذکر سننے ہی وہ چونک گئے۔ میں نے ان کے چہرے پر اضطراب دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے پوچھا تھا کیا تم وہی دعا ہو جو انہیں خط بھیجتی ہو۔ جب میں نے کہا ہاں تو وہ بہت خوش ہوئے تھے اور میں نے انہیں تمہارا سیل نمبر بھی دیا تھا۔ اگر وہ کال کریں تو بات ضرور کرنا۔“ دعا کے دل کی دھڑکن بتدریج بڑھتی چلی گئی۔ وہ بے یقینی سے رابی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے کٹا خری جملے پر چونکی۔

”مم..... میں..... میں کیسے کروں گی بات؟ مجھ سے نہیں ہوگی۔“

”اوہ..... تم باگل ہو کیا بے وقوف نہ بنو میں چلتی ہوں۔“ رابی چلی گئی اور دعا پریشانی کے عالم میں سوچنے لگی تھی کہ وہ کرے گی کیا اگر کال آئی تو۔



محبت نے اسے بہت خاموشی سے اپنا اسیر کیا تھا۔ محبت تو وہ پہلے بھی کرتی تھی ماں باپ بھائیوں، اپنے ملک، اپنے لوگوں سے پرہیز محبت ہی تھی۔ وہ اسے اتنا سوچتی تھی کہ اسے اپنے پاس پانی تھی پھر اس کے احساس سے گھٹنوں باتیں کرتی..... جیسے اس محبت نے اس کے اندر زندگی کو زندہ کر دیا تھا۔ پہلی بار حمان سید سے اس کی بات ہوئی تو وہ کچھ بول ہی نہیں پڑی تھی اور دوسری طرف اسے سننے کا اشتیاق تھا۔ حمان سید..... جن کی لڑکیاں دیوانی تھیں ان کی کال اس کے لیے..... کتنی دیر وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں رہی تھی۔ وہ اس کی سوچ کی تعریف کر رہے تھے کہ وہ عام لڑکیوں سے مختلف ہے بروہ تو عامی لڑکی تھی وہی عامی لڑکی جو اور بہت سی لڑکیوں کی طرح حمان سید سے محبت کرتی تھی۔ وہ اس کی رگوں میں لہو کی طرح

گردش کرتا تھا۔ جیسے یہ نام اس کے لیے آکسیجن کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ عالم لڑکی تھی بہت عام..... اچھی توکل آسانی سے اپنی محبت کے سامنے شکست تسلیم کر گئی تھی۔ فاصلے بہت تیزی سے سمت گئے تھے۔ اکثر ان کی میسجز پر بات ہوتی۔ اس نے شاہ جی کے پوچھنے پر خود ہی تو بتایا تھا وہ کسی کو بہت چاہتی ہے اور جب اس نے میسج کر کے پوچھا تھا کہ کیا ابھی انہوں نے کسی سے محبت کی تو حمان سید نے کہا تھا کہ نہیں اور ہوگی بھی نہیں تب اس نے فوراً میسج ٹائپ کیا تھا۔

”میری دعا ہے کہ آپ کو کبھی محبت ہو بھی نا.....“ دوسری طرف خاموشی چھا گئی تھی۔

وہ ہمیشہ یہی دعا کرتی تھی کہ شاہ جی کو کبھی محبت نہ ہو پھر ایک دن شاہ جی نے پوچھا تھا کہ وہ کون ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے تب اس نے ٹال دیا تھا۔

”بس ہے کوئی.....“

”نام تو بتائیں۔“ میسج پڑھ کر وہ مسکرا دی۔
”آپ کا ہم نام بھی ہو سکتا ہے۔“ ایک دلفریب مسکراہٹ نے حمان شاہ کے لبوں کو بکھوڑا تھا۔

”مطلب..... وہ میں بھی ہو سکتا ہوں؟“ میسج پڑھ کر اس نے فوراً رپٹا لیا۔

”ایسا تو میں نے نہیں کہا۔“

”وہ جانتا ہے؟“ انہوں نے پوچھا تھا۔
”نہیں“ وہ نہیں جانتے۔ نہ کبھی مجھے دیکھا اور نہ ملے ہیں۔“

”تو پھر اسے بتا دیجیے کہ آپ اس سے کتنی محبت کرتی ہیں۔“

”محبت جی ہے تو وہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔“
”ارے ایسے کیسے سمجھے گا۔ مجھے بتا دیجیے میں اسے بتا دوں گا۔“

”آپ ہی تو نہیں بتانا شاہ جی کہ وہ آپ ہی ہیں۔“
میسج پڑھ کر اس نے خود کھائی کی تھی۔
”کیا ہوا؟“ موبائل کی بپ ہوئی۔ شاہ جی کا میسج تھا

اس نے رہنمائی کیا۔
”کچھ نہیں۔“ جواب فوراً آیا۔

”تو پھر؟“

”پھر یہ وہی سمجھ جائیں گے۔“

”ہو سکتا ہے پتا ہو اور وہ آپ سے سننا چاہتا ہو۔“
”اچھا جی۔“ اس نے رہنمائی کیا۔

”ہاں جی۔“

”وہ آپ ہیں۔“

”مجھے پتا تھا پہلے سے ہی کہ آپ مجھ سے محبت کرتی ہیں۔“

”ہاں پر آپ کو تو مجھ سے محبت نہیں ہے۔ ہونی بھی نہیں چاہیے۔“

”کیوں مس دعا فاطمہ؟“

”بس ایسے ہی شاہ جی۔۔۔۔۔“

”لیکن اگر مجھے آپ سے محبت ہو تو۔۔۔۔۔“ وعائے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

یونہی دن گزر رہے تھے۔ محبت اپنا آپ ہو کر سکون ہو گئی تھی۔ اس دن شاہ جی سے بات کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

”مجھے نہیں پتا شاہ جی۔۔۔۔۔ محبت میری زندگی میں دعا کی صورت داخل ہوئی ہے یا بد دعا کی صورت۔۔۔۔۔ تب انہوں نے کہا۔

”دعا۔۔۔۔۔ حمان خود تو بد دعا بن سکتا ہے مگر اپنی محبت کو بد دعا نہیں بنے دے گا۔“ پھر اک روز بات کرتے کرتے یونہی حمان سید نے پوچھا تھا۔

”دعا۔۔۔۔۔ تم نے مجھ سے محبت کیوں کی؟“

”میں نے محبت کہاں کی یہ تو خود ہی ہو گئی شاہ جی۔“

دعا نے تیج سینڈ کیا تھا۔

”پھر بھی دعا۔۔۔۔۔ کوئی وجہ تو ہوگی ناں۔“

”نہیں شاہ جی۔۔۔۔۔ کوئی وجہ نہیں میں آپ کو ٹھیک سے جانتی تک نہیں سوائے اس کے کہ آپ ڈی جے ہیں۔ کبھی دیکھا تک نہیں اور دیے بھی محبت کے لیے

دجہ کا ہونا ضروری نہیں۔“ اس نے تیج سینڈ کیا اور پھر تیج ٹائپ کرنے لگی۔

”شاہ جی۔۔۔۔۔ ایک ماں اپنی اولاد سے بے پناہ محبت کرتی ہے تو اس لیے نہیں کہ وہ بدلے میں اس سے کچھ چاہتی ہے۔ یہ محبت تو اس کی فطرت ہے۔ اولاد صلہ نہ بھی دے تو بھی وہ محبت کم نہیں ہوگی۔“

”ہاں پر دعا۔۔۔۔۔ وہ ماں ہے اولاد سے اس کا تعلق خون کا ہے اس نے تو اسے اپنے بطن سے جنم دیا۔ مگر تم مجھ سے محبت کیوں کرتی ہو۔ مجھ سے کیا چاہتی ہو؟“ تیج پڑھ کر جیسے اس کدل کو کسی نے ٹھکی میں مسل ڈالا تھا۔

”مجھے آپ سے محبت کیوں ہے یہ مجھے بھی نہیں پتا مگر میں آپ سے کچھ بھی نہیں چاہتی سوائے ایک بات کے۔۔۔۔۔“

”وہ بات کیا ہے دعا۔“

میرے ساتھ

میری بددعا

میرے جسم سے پرواز کر جائے

تو لوٹ آتا

سکتے شہر میں تم بھی

ذرا سی دیر کو کرنا

میرے بنو رہو ہڈوں کی دعاؤں پر

اپنی سر پیشانی کا پتھر رکھ کے رو دینا!

بس اتنی بات کہہ دینا

مجھے تم سے محبت ہے

دعا نے تیج سینڈ کیا اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔

”دعا۔۔۔۔۔ تم آئندہ مرنے کی بات مت کرنا۔ تم تو میری زندگی ہو۔“

”شاہ جی۔۔۔۔۔ آپ کو پتا ہے میں آپ سے کیسی محبت کرتی ہوں؟“

”کیسی۔۔۔۔۔؟“ ان کا جواب آیا تھا۔ جس کے جواب میں دعا نے پھر لفظ بھیجی۔

جب ہاتھ دعا کو اٹھتے ہیں

الفاظ کہیں کھو جاتے ہیں

بس دھیان تمہارا رہتا ہے

اور آسو بہتے رہتے ہیں

ہر خواب تمہارا پورا ہو

اس رب کی منت کرتے ہیں

ہم ایسی محبت کرتے ہیں

تم کیسی محبت کرتے ہو

ہمیں بھندک راس نہیں آتی

ہمیں بارش سے خوف آتا ہے

پر جس دن سے معلوم ہوا

یہ موسم تم کو بھاتا ہے

اب جب بھی سادیاں آتا ہے

بارش میں بھٹکتے رہتے ہیں

ہم ایسی محبت کرتے

تم کیسی محبت کرتے ہو



ڈیڑھ مہینہ بہت جلدی بیتا تھا۔ حمان سید مصروف رہنے لگے تھے اور دعا مضطرب بالکل اچانک اور غیر متوقع طور پر رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔ وہ تیج کرتی تو نور رہنمائی کا ل

کرتی تو ریسونہ ہوتی۔ پھر یہ عقدہ بھی جلدی ہی کھل گیا تھا۔ جب الف ایف پر حمان سید کو شادی کی مبارک باد دی گئی تھی۔ سچ کیا تھا وہ جو سب کے ساتھ اس نے بھی سنا تھا

یا کچھ اور۔۔۔۔۔ کیا وہ اتنی بے خبر تھی۔۔۔۔۔؟ اک بے یقینی نے دل درماں غ کو جکڑ لیا تھا۔

”شاید کوئی دجہ ہوگی درندہ مجھ سے کبھی نہیں چھپا سکتے تھے۔ پر اب میں کیسے ان سے پوچھ سکتی ہوں اب تو وہ کسی اور کے ہو چکے ہیں مجھے ان سے رابطہ نہیں رکھنا چاہیے۔“

تب اس نے بڑی ذوق سے ایس ایف ایف ٹائپ کیا تھا اور شادی کے لیے بیسٹ ڈنر لکھ کے اللہ حافظ کہہ دیا تھا۔

بہت سے سوال تھے جو شاہ جی سے کرنا محبت کی تو بہن تھی۔ وہ سوال وہ خود سے کرتی تھی۔ وہ شاہ جی سے تصور میں ڈھیر دن باتیں کرتی تھی۔ بار بار پوچھتی تھی کہ انہوں نے

ایسا کیوں کیا جب کہ اسے تو بدلے میں محبت بھی نہیں چاہیے تھی مگر۔۔۔۔۔!

ڈیٹ شیٹ آگئی تھی، پیپر عنقریب تھے اور دعا کی حالت عجیب تھی۔ حمان سید سے تمام راجے ٹوٹ گئے تھے۔ اسے جیسے چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا۔

پڑھائی میں بھی دل نہ لگتا۔ جیسے تیسے پیپر تو ہو گئے۔ آخری پیپر دے کر وہ وہاں ہی پڑیں کا انتظار کر رہی تھی اضطراب حد سے بڑھا تو اس نے سانس دیکھنا شروع کر دیا۔ ریل کی پٹری کی دوسری طرف کچھ بنگالوں نے اپنے ٹھکانے بنائے ہوئے تھے۔ پچھلی طرف سڑک تھی اور سڑک کے پار انتہائی خوب صورت کے مکان تھے۔ وہ ایک بار پھر انہیں اپنے آس پاس محسوس کرنے لگی۔ اسے لگا وہ اس کے قریب بچ پر بیٹھے ہیں۔ وہ خیال قوی تھا وہ خیال سے باتیں کرنے لگی۔

”شاہ جی۔۔۔۔۔ آپ سانسے بنی بلندو بالا عمارتوں کی طرح ہیں اور میں کچی مٹی۔۔۔۔۔ وہ مٹی جو خشک ہو کر اگر ہوا کے ساتھ اڑے تو چیزوں کو گرڈا لوڈ کرتی اور انکھوں میں نمی لاسکتی ہے اور وہی مٹی کسی غریب کے کھارے کے کام بھی آسکتی ہے۔ شاہ جی۔۔۔۔۔ محبت تو کچی ہوتی ہے ناں

آپ کی بھی کوئی مجبوری رہی ہوگی میں وہ مٹی بنوں گی جو دکھ نہیں سکھ دیتی ہے۔ آپ میرے دل میں تھے ہیں اور رہیں گے آپ تو ہمیشہ سے میرے ساتھ تھے۔ ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ہمارے راستے جدا ہماری منزلیں بھی جدا مگر محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ محبت کو پانا ہی تو سب کچھ نہیں۔“ یہ اس کا فیصلہ تھا۔

دہ پاس ہو گئی تھی اور ایک مقامی اسکول میں جاب کر رہی تھی خود کو ہر بل مصروف رکھنے کے لیے اس نے بی ایڈ میں داخلہ بھی لے لیا تھا پر ضروری تو نہیں کہ خود کو مصروف کر لینے سے یادوں سے بھی چھڑا لیا جائے۔ یاد تو مصروفیت بھی نہ دہکتی نہ ہی یاد کو بلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

آپ سانسے بنی بلندو بالا عمارتوں کی طرح ہیں اور میں کچی مٹی۔۔۔۔۔ وہ مٹی جو خشک ہو کر اگر ہوا کے ساتھ اڑے تو چیزوں کو گرڈا لوڈ کرتی اور انکھوں میں نمی لاسکتی ہے اور وہی مٹی کسی غریب کے کھارے کے کام بھی آسکتی ہے۔ شاہ جی۔۔۔۔۔ محبت تو کچی ہوتی ہے ناں

آپ کی بھی کوئی مجبوری رہی ہوگی میں وہ مٹی بنوں گی جو دکھ نہیں سکھ دیتی ہے۔ آپ میرے دل میں تھے ہیں اور رہیں گے آپ تو ہمیشہ سے میرے ساتھ تھے۔ ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ہمارے راستے جدا ہماری منزلیں بھی جدا مگر محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ محبت کو پانا ہی تو سب کچھ نہیں۔“ یہ اس کا فیصلہ تھا۔

دہ پاس ہو گئی تھی اور ایک مقامی اسکول میں جاب کر رہی تھی خود کو ہر بل مصروف رکھنے کے لیے اس نے بی ایڈ میں داخلہ بھی لے لیا تھا پر ضروری تو نہیں کہ خود کو مصروف کر لینے سے یادوں سے بھی چھڑا لیا جائے۔ یاد تو مصروفیت بھی نہ دہکتی نہ ہی یاد کو بلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

آپ سانسے بنی بلندو بالا عمارتوں کی طرح ہیں اور میں کچی مٹی۔۔۔۔۔ وہ مٹی جو خشک ہو کر اگر ہوا کے ساتھ اڑے تو چیزوں کو گرڈا لوڈ کرتی اور انکھوں میں نمی لاسکتی ہے اور وہی مٹی کسی غریب کے کھارے کے کام بھی آسکتی ہے۔ شاہ جی۔۔۔۔۔ محبت تو کچی ہوتی ہے ناں

آپ کی بھی کوئی مجبوری رہی ہوگی میں وہ مٹی بنوں گی جو دکھ نہیں سکھ دیتی ہے۔ آپ میرے دل میں تھے ہیں اور رہیں گے آپ تو ہمیشہ سے میرے ساتھ تھے۔ ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ہمارے راستے جدا ہماری منزلیں بھی جدا مگر محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ محبت کو پانا ہی تو سب کچھ نہیں۔“ یہ اس کا فیصلہ تھا۔

دہ پاس ہو گئی تھی اور ایک مقامی اسکول میں جاب کر رہی تھی خود کو ہر بل مصروف رکھنے کے لیے اس نے بی ایڈ میں داخلہ بھی لے لیا تھا پر ضروری تو نہیں کہ خود کو مصروف کر لینے سے یادوں سے بھی چھڑا لیا جائے۔ یاد تو مصروفیت بھی نہ دہکتی نہ ہی یاد کو بلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

آپ سانسے بنی بلندو بالا عمارتوں کی طرح ہیں اور میں کچی مٹی۔۔۔۔۔ وہ مٹی جو خشک ہو کر اگر ہوا کے ساتھ اڑے تو چیزوں کو گرڈا لوڈ کرتی اور انکھوں میں نمی لاسکتی ہے اور وہی مٹی کسی غریب کے کھارے کے کام بھی آسکتی ہے۔ شاہ جی۔۔۔۔۔ محبت تو کچی ہوتی ہے ناں

آپ کی بھی کوئی مجبوری رہی ہوگی میں وہ مٹی بنوں گی جو دکھ نہیں سکھ دیتی ہے۔ آپ میرے دل میں تھے ہیں اور رہیں گے آپ تو ہمیشہ سے میرے ساتھ تھے۔ ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ہمارے راستے جدا ہماری منزلیں بھی جدا مگر محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ محبت کو پانا ہی تو سب کچھ نہیں۔“ یہ اس کا فیصلہ تھا۔

دہ پاس ہو گئی تھی اور ایک مقامی اسکول میں جاب کر رہی تھی خود کو ہر بل مصروف رکھنے کے لیے اس نے بی ایڈ میں داخلہ بھی لے لیا تھا پر ضروری تو نہیں کہ خود کو مصروف کر لینے سے یادوں سے بھی چھڑا لیا جائے۔ یاد تو مصروفیت بھی نہ دہکتی نہ ہی یاد کو بلانے کی ضرورت ہوتی ہے۔

کیا۔ اس نے غصہ سے اجنبی کو دیکھا اور جواب دیا۔
”جی..... سرکمپ لگا ہے۔“ ساتھ ہی کپ اٹھا کر
اندروں کی طرف بڑھ گئی۔

”کیسے بھول جاؤں دعا..... میں تمہیں نہیں بھول
سکتا۔ جو بھی ہوا اس میں میری غلطی نہیں تھی سب اچانک
ہو گیا۔“

”جو اچانک ہو گیا اسے آپ نے اپنایا۔ اب ایمان
داری سے اس رشتے کو نبھانا بھی آپ پر فرض ہے، جو اللہ
نے آپ کو عطا کر دیا وہ آپ کی منزل ہے۔“ اس نے
جواب میں دیا۔

”اور آپ کیا ہو دعا..... میری منزل تو آپ ہو۔“
”میں آپ کی منزل نہیں حمدان سید..... میں تو صرف
راستہ تھی جو بس کچھ وقت کے لیے آپ کے نصیب میں
لکھا تھا، آپ اسے بھول جائیے۔“ اس نے بیچ میں دیا
کیا اور پھر بیچ ٹاپ کیا۔ ”میں آپ کے راستے میں آنے
والا وہ پتھر ہوں شاہ جی..... جس نے کچھ پلوں کے لیے
آپ کے پاؤں میں چھہ کر آپ کو منزل سے غافل کیا۔
راستے روکنے والے پتھروں کو راستے سے ہٹاتے ہیں شاہ
جی۔“ اس نے بیچ بھیجا اور چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے
لگی۔ تھوڑی ہی دیر میں جواب آ گیا۔

”کچھ پتھر ہیرا ہوتے ہیں دعا۔“ ایک او اس سی مکان
نے اس کے لبوں کو چھوا۔
”ہیرا جتنا بھی خوب صورت ہو جتنا بھی قیمتی ہو شاہ جی
وہ ہر ہوتا ہے۔“

”یہ ہر بھی میرے لیے امرت ہے دعا.....“ دعا نے
کوئی جواب نہیں دیا۔
حمدان کے میز پر کاجو اب دینا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ دن
بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ وہ اسکول، کپڑوں کی سلائی
اور رات کے کھانے کی ذمہ داریوں میں مصروف رہتی اور
ساتھ میں کسی کی یادوں اور خوشیوں بھری زندگی کی دعاؤں
میں بھی۔

”یہ ہر ہوتا ہے۔“
”یہ ہر بھی میرے لیے امرت ہے دعا.....“ دعا نے
کوئی جواب نہیں دیا۔
حمدان کے میز پر کاجو اب دینا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ دن
بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ وہ اسکول، کپڑوں کی سلائی
اور رات کے کھانے کی ذمہ داریوں میں مصروف رہتی اور
ساتھ میں کسی کی یادوں اور خوشیوں بھری زندگی کی دعاؤں
میں بھی۔

”یہ ہر ہوتا ہے۔“
”یہ ہر بھی میرے لیے امرت ہے دعا.....“ دعا نے
کوئی جواب نہیں دیا۔
حمدان کے میز پر کاجو اب دینا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ دن
بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ وہ اسکول، کپڑوں کی سلائی
اور رات کے کھانے کی ذمہ داریوں میں مصروف رہتی اور
ساتھ میں کسی کی یادوں اور خوشیوں بھری زندگی کی دعاؤں
میں بھی۔

”یہ ہر ہوتا ہے۔“
”یہ ہر بھی میرے لیے امرت ہے دعا.....“ دعا نے
کوئی جواب نہیں دیا۔
حمدان کے میز پر کاجو اب دینا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ دن
بہت تیزی سے گزر رہے تھے۔ وہ اسکول، کپڑوں کی سلائی
اور رات کے کھانے کی ذمہ داریوں میں مصروف رہتی اور
ساتھ میں کسی کی یادوں اور خوشیوں بھری زندگی کی دعاؤں
میں بھی۔

وہ رات کو چھت پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر
آنکھیں موندے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے حمدان
سید کو سوچ رہی تھی۔ اس کی چائے بالکل ٹھنڈی ہو چکی
تھی۔ اس کی کزن جتنی اس کے پاس بیٹھ کر رہو کر جا چکی
تھی تب کوئی پاس ہی کھنکرا تھا۔ اس نے آنکھیں
کھولیں۔ سامنے کیپٹن علی اس کے چھوٹے بھائی حمزہ کے
ساتھ کھڑا تھا۔

”کیا ہم یہاں بیٹھ سکتے ہیں؟“ وہ انہیں دیکھ کر جلدی
سے سیدھی ہوئی جیسی کیپٹن علی نے پوچھا۔ اس سے پہلے
کہ وہ کچھ بولتی حمزہ نے فوراً کہا۔

”ارے علی بھائی..... ہماری آپنی سے کیا پوچھ رہے
ہیں آپ نے بہت کم بولتی ہیں۔ وراصل ہماری آپنی کو لگتا ہے
کہ حکومت کہیں بولنے پر تکیس نہ لگا دے تو یہ پہلے ہی ذرا
خاموش رہنے کی مشق کر رہی ہیں۔ بے ناں آپنی.....“ اس
نے بولتے ہوئے اس سے بھی تصدیق چاہی۔ وہ پھر بھی
کچھ نہیں بولی۔ حمزہ پھر شروع ہو گیا تھا وہ خاموشی سے
وہاں سے اٹھ گئی۔

وہ اس روز کھانے سے فارغ ہو کر بیٹھی ہی تھی کہ الیس
ایم ایس ٹون بجی۔ اس نے بیچ دیکھا جو حمدان کا تھا۔ اس
نے خیریت پوچھی تھی۔ دعا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ
دیر بعد پھر بیچ آیا تھا۔

”دعا چلیز..... بات تو کریں۔ کچھ تو پوچھیں کہ
میں نے ایسا کیوں کیا؟“ اس نے بیچ پر چا اور جواب
ٹاپ کیا۔

”شاہ جی..... وقت گزر چکا ہے مجھے اب کسی قسم کی
وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اب ہمارا کوئی تعلق نہیں آپ
بھول جائیے سب۔“ کچھ ہی دیر میں جواب آ گیا۔

کیپٹن علی نے کہا۔
”میں..... کچھ لوگ زندگی سے بھی پیارے کیوں
ہو جاتے ہیں جیسے آپ مجھے.....“ وہ تیزی سے کہہ کر چلا
گیا مگر وہ پریشان ہوئی رہی۔

مہینہ گزرنے کے بعد بھی سکون تھا۔ علی کا پتا نہ تھا تو وہ
پر سکون ہو گئی۔ چند دن مزید گزرے۔ اس دن ذہن پر چاچو
اور ماموں کی ٹیلیفون کا تھا گھر میں بہت مصروف تھی۔ جتنی
نے تو کال کر کے کہا تھا کہ سندھی بریانی اور کچے قہیے کے
کباب تم لازمی لکنا۔ وہ امی کی ساتھ کچن میں مصروف
تھی۔ کل رات ہی بھائی بھائی بھی لاہور سے آ گئے تھے۔

کام دوپہر سے شروع ہوئے اور بمشکل شام تک تیاری
کمل ہو پائی۔ وہ بھی جتنی اور ماموں کی بیٹی جمانے بہت
مدد کی تب۔ سب نے ل کر بڑے کمرے میں کھانا لگایا
رات دو تیک کھانے کے بعد بھی محفل جھی رہی۔ رات
تقریباً ڈیڑھ بجے وہ فارغ ہوئی سب کے اپنے گھروں کو
جانے کے بعد۔

اپنی چار پائی پر لیٹی کچھ دیر آسمان کو دیکھتی رہی اور پھر
آنکھیں بند کر لیں۔ وہ سونا چاہتی تھی مگر نیند آج بھی
ناراض تھی۔ کافی دیر وہ کروش بدلتی رہی مگر پھر ناکام ہو کر
اٹھ بیٹھی۔ سب سو رہے تھے۔ اسے ڈائری لکھنے کی عادت
پڑ گئی تھی۔ رابی تو شادی کر کے اپنے شوہر کے ساتھ وہی
چلی گئی تھی دوبارہ کبھی رابطہ بھی نہ ہوا تو وہ جب بہت بے
چین ہو جاتی بہت دھمی ہوئی تو ڈائری لکھتی۔ اللہ اپنے
بندوں کو دوست رکھتا ہے۔ وہ ڈائری میں اپنے اللہ کو
مخاطب کر کے ہر بات کہتی تھی۔ اب بھی اس نے ڈائری
لکائی اور لکھنے بیٹھ گئی۔

”پیارے اللہ جی یہ محبت اتنا اضطراب کیوں دیتی
ہے؟ مجھے پتا ہے اب شاہ جی میرے نہیں۔ مجھے یہ بھی پتا
ہے کہ انہیں مجھ سے کوئی محبت نہ تھی اور نہ ہے۔ بس وہ یہ
نہیں چاہتے کہ میں جوان سے اتنی محبت کرتی ہوں اس
محبت میں کسی اور کو حصہ دار نہیں آؤں۔ پیارے دوست
آپ تو جانتے ہوتا کہ اب اس دل میں اور کوئی نہیں آئے

”پیارے اللہ جی یہ محبت اتنا اضطراب کیوں دیتی
ہے؟ مجھے پتا ہے اب شاہ جی میرے نہیں۔ مجھے یہ بھی پتا
ہے کہ انہیں مجھ سے کوئی محبت نہ تھی اور نہ ہے۔ بس وہ یہ
نہیں چاہتے کہ میں جوان سے اتنی محبت کرتی ہوں اس
محبت میں کسی اور کو حصہ دار نہیں آؤں۔ پیارے دوست
آپ تو جانتے ہوتا کہ اب اس دل میں اور کوئی نہیں آئے

گا۔ وہ کسی اور کے ہیں مگر ان کی محبت میری روح کی
گہرائیوں میں اتر چکی ہے اور مجھے لگتا ہے یہ محبت مجھے حق
کی طرح تولے کر جائے گی پر کسی اور کا نہیں ہونے دے
گی اور حق موت ہے۔ موت جو ج ہے۔ میرے مولا رحم
فرما وہ خوش رہیں اپنی زندگی میں اپنی جیون سامی کے
ساتھ آمین۔“

وقت ایک بار پھر اپنی ڈگر پر چلنے لگا تھا بھائی علیہ جو کہ
اس کے بڑے بھائی عمر کی پیاری بیوی اور ان کے پیارے
سے بیٹے گل شاد کی امی تھیں۔ اپنے بھائی کا رشتہ دعا کے
لیے لگائیں۔ بھائی کو بہن سے زیادہ بیوی کی خوشی عزیز
تھی۔ ان کی خاطر تو بھائی نے ماں باپ، بہن، بھائیوں کو
چھوڑ کر دوسرے شہر جا کے بسیرا کیا تھا۔ وہ ایڑی چوٹی کا زور
لگا رہے تھے اس رشتے کے لیے۔ انہیں یہ بھی نظر نہیں آ رہا
تھا کہ ان کا سالا دو جوان بچوں کا باپ ہے۔ دعا کے عمر کی تو
ان کی بیٹی ہے۔ خوب معرکہ کے بعد بھائی ناراض ہو کر
واپس لاہور جا چکے تھے کیونکہ ابو نے صاف لفظوں میں
انکار کر دیا تھا۔ امی دعا سے ناراض تھیں کیونکہ امی کی بدولت
ان کا بیٹا ان سے ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ بھائی نے بیچ چلا
کر اسے کتاب لے اٹھا کہا تھا کہ دعا بیٹی معصوم و ہمتی ہے اتنی
لگتی نہیں۔ دیکھ لینا جتنا ہماری ساس، سر پرکار کرتے ہیں
ہماری منہ صاحب اتنا ہی ان کی عزت کو داغ دار کر رہی گی۔
بھائی لفظوں کے تیر پھینک کر جا چکی تھیں۔ امی ناراض تھیں
اور ابو وہ تو عجیب و غریب جھاڑوں سا مزاج رکھتے تھے۔ پتا
نہیں وہ ناراض تھے یا نہیں مگر انہوں نے کچھ نہ کہا تھا۔ کوئی
دعا سے بھی تو اس کے دل کی حالت پوچھتا وہ تو انجانے
میں ہی مجرم بن گئی تھی۔ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گناہ گار
تھی۔ اس کی خاموشی مزید بڑھ گئی جب اپنے آنکھوں
کے سوال سمجھنے سے قاصر ہوں تو زبان کو کیا شرمندہ کرنا۔

وقت ایک بار پھر اپنی ڈگر پر چلنے لگا تھا بھائی علیہ جو کہ
اس کے بڑے بھائی عمر کی پیاری بیوی اور ان کے پیارے
سے بیٹے گل شاد کی امی تھیں۔ اپنے بھائی کا رشتہ دعا کے
لیے لگائیں۔ بھائی کو بہن سے زیادہ بیوی کی خوشی عزیز
تھی۔ ان کی خاطر تو بھائی نے ماں باپ، بہن، بھائیوں کو
چھوڑ کر دوسرے شہر جا کے بسیرا کیا تھا۔ وہ ایڑی چوٹی کا زور
لگا رہے تھے اس رشتے کے لیے۔ انہیں یہ بھی نظر نہیں آ رہا
تھا کہ ان کا سالا دو جوان بچوں کا باپ ہے۔ دعا کے عمر کی تو
ان کی بیٹی ہے۔ خوب معرکہ کے بعد بھائی ناراض ہو کر
واپس لاہور جا چکے تھے کیونکہ ابو نے صاف لفظوں میں
انکار کر دیا تھا۔ امی دعا سے ناراض تھیں کیونکہ امی کی بدولت
ان کا بیٹا ان سے ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ بھائی نے بیچ چلا
کر اسے کتاب لے اٹھا کہا تھا کہ دعا بیٹی معصوم و ہمتی ہے اتنی
لگتی نہیں۔ دیکھ لینا جتنا ہماری ساس، سر پرکار کرتے ہیں
ہماری منہ صاحب اتنا ہی ان کی عزت کو داغ دار کر رہی گی۔
بھائی لفظوں کے تیر پھینک کر جا چکی تھیں۔ امی ناراض تھیں
اور ابو وہ تو عجیب و غریب جھاڑوں سا مزاج رکھتے تھے۔ پتا
نہیں وہ ناراض تھے یا نہیں مگر انہوں نے کچھ نہ کہا تھا۔ کوئی
دعا سے بھی تو اس کے دل کی حالت پوچھتا وہ تو انجانے
میں ہی مجرم بن گئی تھی۔ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گناہ گار
تھی۔ اس کی خاموشی مزید بڑھ گئی جب اپنے آنکھوں
کے سوال سمجھنے سے قاصر ہوں تو زبان کو کیا شرمندہ کرنا۔

وقت ایک بار پھر اپنی ڈگر پر چلنے لگا تھا بھائی علیہ جو کہ
اس کے بڑے بھائی عمر کی پیاری بیوی اور ان کے پیارے
سے بیٹے گل شاد کی امی تھیں۔ اپنے بھائی کا رشتہ دعا کے
لیے لگائیں۔ بھائی کو بہن سے زیادہ بیوی کی خوشی عزیز
تھی۔ ان کی خاطر تو بھائی نے ماں باپ، بہن، بھائیوں کو
چھوڑ کر دوسرے شہر جا کے بسیرا کیا تھا۔ وہ ایڑی چوٹی کا زور
لگا رہے تھے اس رشتے کے لیے۔ انہیں یہ بھی نظر نہیں آ رہا
تھا کہ ان کا سالا دو جوان بچوں کا باپ ہے۔ دعا کے عمر کی تو
ان کی بیٹی ہے۔ خوب معرکہ کے بعد بھائی ناراض ہو کر
واپس لاہور جا چکے تھے کیونکہ ابو نے صاف لفظوں میں
انکار کر دیا تھا۔ امی دعا سے ناراض تھیں کیونکہ امی کی بدولت
ان کا بیٹا ان سے ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ بھائی نے بیچ چلا
کر اسے کتاب لے اٹھا کہا تھا کہ دعا بیٹی معصوم و ہمتی ہے اتنی
لگتی نہیں۔ دیکھ لینا جتنا ہماری ساس، سر پرکار کرتے ہیں
ہماری منہ صاحب اتنا ہی ان کی عزت کو داغ دار کر رہی گی۔
بھائی لفظوں کے تیر پھینک کر جا چکی تھیں۔ امی ناراض تھیں
اور ابو وہ تو عجیب و غریب جھاڑوں سا مزاج رکھتے تھے۔ پتا
نہیں وہ ناراض تھے یا نہیں مگر انہوں نے کچھ نہ کہا تھا۔ کوئی
دعا سے بھی تو اس کے دل کی حالت پوچھتا وہ تو انجانے
میں ہی مجرم بن گئی تھی۔ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گناہ گار
تھی۔ اس کی خاموشی مزید بڑھ گئی جب اپنے آنکھوں
کے سوال سمجھنے سے قاصر ہوں تو زبان کو کیا شرمندہ کرنا۔

وقت ایک بار پھر اپنی ڈگر پر چلنے لگا تھا بھائی علیہ جو کہ
اس کے بڑے بھائی عمر کی پیاری بیوی اور ان کے پیارے
سے بیٹے گل شاد کی امی تھیں۔ اپنے بھائی کا رشتہ دعا کے
لیے لگائیں۔ بھائی کو بہن سے زیادہ بیوی کی خوشی عزیز
تھی۔ ان کی خاطر تو بھائی نے ماں باپ، بہن، بھائیوں کو
چھوڑ کر دوسرے شہر جا کے بسیرا کیا تھا۔ وہ ایڑی چوٹی کا زور
لگا رہے تھے اس رشتے کے لیے۔ انہیں یہ بھی نظر نہیں آ رہا
تھا کہ ان کا سالا دو جوان بچوں کا باپ ہے۔ دعا کے عمر کی تو
ان کی بیٹی ہے۔ خوب معرکہ کے بعد بھائی ناراض ہو کر
واپس لاہور جا چکے تھے کیونکہ ابو نے صاف لفظوں میں
انکار کر دیا تھا۔ امی دعا سے ناراض تھیں کیونکہ امی کی بدولت
ان کا بیٹا ان سے ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ بھائی نے بیچ چلا
کر اسے کتاب لے اٹھا کہا تھا کہ دعا بیٹی معصوم و ہمتی ہے اتنی
لگتی نہیں۔ دیکھ لینا جتنا ہماری ساس، سر پرکار کرتے ہیں
ہماری منہ صاحب اتنا ہی ان کی عزت کو داغ دار کر رہی گی۔
بھائی لفظوں کے تیر پھینک کر جا چکی تھیں۔ امی ناراض تھیں
اور ابو وہ تو عجیب و غریب جھاڑوں سا مزاج رکھتے تھے۔ پتا
نہیں وہ ناراض تھے یا نہیں مگر انہوں نے کچھ نہ کہا تھا۔ کوئی
دعا سے بھی تو اس کے دل کی حالت پوچھتا وہ تو انجانے
میں ہی مجرم بن گئی تھی۔ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گناہ گار
تھی۔ اس کی خاموشی مزید بڑھ گئی جب اپنے آنکھوں
کے سوال سمجھنے سے قاصر ہوں تو زبان کو کیا شرمندہ کرنا۔

سے خفا تھیں۔ دعا نے بھائی کو فون کیا تھا مگر وہ اٹھ نہ کرتے تھے۔ کتنے دنوں سے وہ کوشش کر رہی تھی مگر ناکام تھی۔ اس دن وہ کچن میں امی کے لیے سوپ بنا رہی تھی اور ساتھ ابو کے لیے چائے۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم بھائی کے بارے میں سوچتے ہوئے چائے کو بھول چکی تھی جو ابل ابل کر ختم ہو رہی تھی کہ قریبی شیلف پر پڑا سیل فون بجا تھا۔ وہ ایک دم چونکی ہاتھ کیتلی سے لگا جو سیڈی پاؤں پر جا گری۔ چائے جو آدھے کپ سے بھی کم بچی تھی اس کا پاؤں چلا گئی۔ فون دوبارہ سے بج رہا تھا۔ اس نے جلدی سے کیتلی اٹھا کے سنک میں رکھی۔ چولہا بند کیا، ایک نظر موبائل فون کو دیکھا جو بند ہو چکا تھا۔ نمبر چیک کیا تو بھائی کا تھا۔ اس نے کال کی مگر بھائی نے ڈراپ کر دی۔ اس نے اک بے بس نگاہ ہاتھ میں پکڑے موبائل پر ڈالی پھر اپنے پاؤں پر جو سرخ ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں جھللا گئیں۔ اک انجانے درد سے آنکھیں بھیکی تھیں۔ اس نے جلدی سے دوبارہ چائے بنائی اور ٹرے میں سوپ کا پیالا اور چائے کا کپ رکھ کے امی ابو کو دینے چلی آئی۔ وہ کمرے میں گئی تبھی ابو کا موبائل بجنے لگا۔ ابو ہوں ہاں میں جواب دیتے رہے اور پھر اللہ حافظ کہہ کر فون بند کرویا۔ اس نے چائے پکڑائی تو ابو پوچھنے لگے۔

”تم نے بھائی کی کال کیوں نہیں لی؟“ وہ خاموش رہی تو ابو نے رات کھانے پر اچھا انتظام کرنے کو کہا۔ نہ ابو نے کچھ بتایا نہ اس نے پوچھا۔ باہر نکلتے ہوئے اتنا سنا کہ بھائی بھائی آ رہے تھے۔ وہ مسکراتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی اور بھائی کی پسندیدہ چیزیں پکانے کے بارے میں سوچنے لگی پھر مینو ترتیب دے کر کام میں جت گئی۔ شام تک بھائی بھائی کی آمد ہو گئی تھی۔

اس نے ہر چیز بھائی کی پسند کی ریکانی تھی مگر بھائی نے تو اس کی طرف نہ دیکھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف رہی۔ کھانے کے بعد کچن کی صفائی کی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر گل کو اٹھا لائی اور اس سے کھینے لگی۔ جب وہ اکتا کر رونے لگا تو اسے اٹھا کر بھائی

کے پاس لے گئی جو امی کے کمرے میں تھیں۔ ابو شاید کہیں باہر جا چکے تھے۔ بھائی بھی پاس ہی تھے۔ امی ان کے آنے سے بہت خوش تھیں۔ وہ گل کو دے کر جانے لگی تو بھائی نے بٹھالیا۔ وہ چپ ہو کر بیٹھ گئی کیونکہ بھائی اب امی سے باتیں کر رہی تھیں۔ دعا نے الجھ کر امی اور بھائی کو دیکھا۔ اسی وقت بھائی نے بھی اسے دیکھا تھا ایک تسخّر اڑائی مسکراہٹ ان کے لبوں پر کھیل گئی۔

”امی..... جب آپ لوگوں نے فون کیا تھا، ہم لوگ بھائی کے نکاح میں تھے۔ میرے بھائی کے لیے رشتوں کی کمی تو تھی نہیں۔ وہ تو میں نے بھائی کو دعا کے لیے کہا تھا ورنہ انہوں نے تو منع کیا تھا۔ معاف کیجیے گا امی..... پر بھائی کے خیال میں دعا آزاد خیال ہے اور پھر لڑکوں کے ساتھ بھی پڑھتی رہی ہے۔ وہ تو میری وجہ سے مان گئے تھے مگر اچھا ہوا آپ نے منع کر دیا پھر جب آپ لوگ مان گئے تھے اور خود کال کر کے دعا کے لیے بھائی کا کہا تو ہم نے بہت منایا مگر بھائی نے فوراً منع کر دیا اور جلدی نکاح بھی کروا لیا.....“ بھائی اور بھی بہت کچھ بول رہی تھیں مگر دعا کا وجود لڑلوں کی زد میں تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے اٹھی ایک نظر ماں اور بھائی کو دیکھا۔ وہ کتنے مطمئن تھے وہ مزید کچھ بھی سنے بغیر بھاگتی ہوئی باہر آ گئی۔

”کیا میں کچھ بھی نہیں مالک..... میری کوئی عزت نفس نہیں۔ جب اقرار کرنا ہی تھا تو ابو نے انکار ہی کیوں کیا؟ کاش امی آپ نے مجھے بھی تھوڑی اہمیت دی ہوتی۔“ صبح جو بھی آیا تھا بھائی نے امی کے سامنے اسے بتایا کہ اس لیے ان کے بھائی نے دعا کو رد کیا۔

”تو دعا بی بی..... اب آپ کا کردار بھی مشکوک ٹھہرا.....“ وہ خود پر مسکراتی۔ ایسی مسکراہٹ جیسے اپنی مسکراہٹ ہونے پر خود ہی شبہ تھا۔ اس مسکراہٹ میں بھی درد تھا۔ اسے امی کی خاموشی پر حیرت تھی۔



بھائی واپس جا چکی تھیں، اپنے دنوں کو خوش گوار اور اس کے کردار کو مشکوک بنا کر..... شاید ان کی آمد کا مقصد ہی

اس نے ہر چیز بھائی کی پسند کی ریکانی تھی مگر بھائی نے تو اس کی طرف نہ دیکھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنے کاموں میں مصروف رہی۔ کھانے کے بعد کچن کی صفائی کی۔ عشاء کی نماز پڑھ کر گل کو اٹھا لائی اور اس سے کھینے لگی۔ جب وہ اکتا کر رونے لگا تو اسے اٹھا کر بھائی

یہی تھا۔ اپنی بارگاہ انتقام لے کر اپنی فتح کا رجا کرنا..... دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں بدلنے لگے گویا سب کچھ بدل گیا تھا۔ دعا کی خاموشی گہری چپ میں بدل گئی۔ اس کے اندر قبرستان کے سے سنائے اتر چکے تھے۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ اس روز مغرب کے وقت اس کے سیل پر بیچ آیا پھر کال آتی رہی جو اس نے اینڈ نہیں کی کیونکہ حمدان سید کی کال تھی۔ دو دن بعد پھر میٹرز آئے۔ وہ کب تک نظر انداز کرتی آخر حمدان شاہ اس کا عشق تھا۔ اس نے بیچ پڑھا لکھا تھا۔

”دعا..... تم مجھ سے محبت کرتی ہو ناں؟“ وہ جیسے پتھر ہو گئی تھی۔ ساتھ ہی دوسرا بیچ آیا۔ ”دعا..... ایمان میری بیوی ضرور ہے مگر ہمارا تعلق صرف نام کا ہے..... صرف بس دکھا دو..... تم میری پہلی اور آخری محبت ہو دعا“ کچھ تو بولو پلیز.....“ وہ پھلکی تھی پر ایسا ممکن نہ تھا..... اس کی خاموشی دبیز ہو گئی۔ بیچ پھر آیا تھا۔ ”پلیز دعا کچھ تو بولو“ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو کال آ گئی۔ تیسری بار کال پر اس نے کال اینڈ کی مگر کچھ بھی نہیں بولی۔ دوسری طرف کچھ دیر خاموشی رہی پھر وہ بولا تھا ایسے الفاظ جن کے سحر میں وہ اپنا آپ کھو بیٹھی تھی۔ وہ لفظ جو اس کی ادھوری ذات کی تکمیل تھے۔

”دعا..... میں حمدان سید اپنے پورے حواس میں تمہیں دعا فاطمہ بنت احسان ملک کو سچ سے اپنا بنا کر تمہیں اپنا نام اور اپنا آپ سوچتا ہوں۔ تم صرف میری اور میری رہو گی۔“ مغرب کا وقت تھا ساتھ ہی اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی تھی۔ حمدان سید نے اپنے الفاظ پھر سے دہرائے تھے۔ ”دعا..... کچھ تو بولو کیا تمہیں میرا نام قبول نہیں؟“ حمدان نے ایک بار پھر پوچھا تھا۔ اک انجانی قوت نے جیسے دعا کے احساسات سلب کر لیے تھے کیسے نوکھے عہد کا پابند کر دیا تھا اسے حمدان سید نے..... جس کی مثال کہیں ڈھونڈنے سے نہ ملتی تھی۔

اذان ہو چکی تھی اس نے فون بند کیا اور وضو کر کے نماز پڑھنے لگی۔ اس کی حالت عجیب سی تھی نماز پڑھ کر دعا

مانگنے لگی تو حمدان سید کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔ وہ بے چین سی ہو کر رونے لگی۔

”مالک..... میں ایسا نہیں چاہتی تھی۔ مجھے نہیں پتا کیسے سب ہو گیا۔ اے پاک پروردگار کیا سچ ہے کیا غلط میں نہیں جانتی۔ میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ یہ رشتہ ایک ایسا عہد ہے جس کے گواہ آپ خود ہیں۔ میرے لیے یہ عہد ایسے ہی سچ ہے جیسے آپ سچ کیوں کہ یہ عہد حمدان سید نے آپ کا نام لے کر باندھا ہے۔ اے پاک پروردگار مجھے میرے ماں باپ اور میرے بھائیوں کے لیے امتحان نہ بنانا۔ مجھے اسی عہد کے ساتھ اپنے پاس بلانا۔ بے شک تو گواہ ہے میں نے شاہ جی سے عشق کیا پر کبھی انہیں پانے کی دعا نہیں کی۔ اب ان کا نام پلا تو بھی میری دعا ہے کہ وہ ایمان کے ساتھ مکمل اور خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کریں۔ رحم فرما مالک..... آمین ثم آمین۔“ اس نے چہرہ صاف کیا۔ جاہ نماز تہہ کر کے اپنی جگہ پر رکھی اور بچن کی طرف چلی گئی۔



بی اینڈ کے ایگزٹر ہونے والے تھے اور اس کی کوئی تیاری نہ تھی۔ دو کتابوں کا مسئلہ تھا۔ ایک اکیڈمی میں ریگولر کلاسز ہو رہی تھیں دعا اور اس کی کولیک ڈفون نے وہاں جانے کا سوچا۔ انہیں ٹرین سے جانے میں پون گھنٹہ لگتا تھا۔ کلاسز جمعہ کو دوسری شفٹ میں اور اتوار کو پورا دن ہوتی تھیں۔ ایک اور جگہ پورا ہفتہ کلاسز ہوتی تھیں مگر کیونکہ وہ جاب کرنی تھیں تو انہیں جمعہ اور اتوار مناسب لگا۔ گھر والوں سے اجازت لے کر انہوں نے جانا شروع کیا۔ آج پھر وہ اسی کے شہر میں تھی۔ اس نے ارد گرد ایک نظر دیکھا شاید اس نے ہر چہرے میں حمدان سید کو کھو جاتا پھر اکیڈمی کی طرف چل پڑی۔ انہوں نے صرف دو مہینہ کلاسز اینڈ کی تھیں۔ دن آئی تیزی سے گزرے کہ مہینہ گزرنے کا پتا بھی نہ چلا۔ حمدان سید جیسے صرف اسے نام کا پابند کرنا چاہتے تھے۔ وہ خود خیریت پوچھتی تو فائن کہہ کر بات ختم کر دیتے۔ وہ ہر بات شیر کرتی جس کا جواب وہ جی اچھا

لکھ ہے یا اوکے کہہ کر دیتے۔ کوئی خواب، کوئی امید نہ تھی پھر کیوں کبھی بھی دل جلتا تھا۔ کیوں کبھی بھی وہ بے سبب ہی رو پڑتی تھی۔ وہ سوچتی کیا حمدان سید سے اسے امیدیں ہیں؟ پر اندر جیسے خالی سا تھا۔ وہ اپنی کیفیت سمجھ نہ پاتی اور قلم سے لکھنے لگتی۔

”شاہ جی..... آپ تو کبھی نہیں پوچھتے دعا کیسی ہو..... اگر میں مر جاؤں تو آپ کو تو خبر بھی نہ ہوگی کیونکہ جب تک میں بیچ نہ کروں آپ تو کوئی بیچ بھی نہیں کرتے۔“

”کرتا تو ہوں ناں دعا..... بس تھوڑا مصروف رہتا ہوں۔“ وہ ان کا جواب پڑھ کر خاموش ہو جاتی پھر کہتی۔

”شاہ جی..... اگر میں مر جاؤں تو آپ ضرور آئیے گا۔“

یہی میری خواہش ہے۔“

”دعا..... کیوں اتنا فضول سوچتی ہو؟ آئندہ ایسی بات مت کرنا۔“ وہ خاموش رہ گئی۔ مگر اک عجیب سی ناقابل بیان کیفیت اس کے دل کو جکڑ گئی۔ حمدان سید نے اسے جس عہد کا پابند کیا تھا وہ کسی اور کے بارے میں سوچنے نہ رہتا اور حمدان سید کی جانب اسے کھینچتا۔ کبھی وہ عجیب سی کیفیات میں گھر جاتی۔ وہ جس کی پابند تھی۔ کبھی اسے ایک نظر دیکھا بھی نہ تھا تب اس نے کہا۔

”شاہ جی..... میں آپ کو دیکھنا چاہوں تو.....“ اس نے بیچ کیا۔

”کیا کرو گی دیکھ کر.....؟“ جواب فوراً آیا۔

”بس یونی دل کرتا ہے آپ نہیں چاہتے تو کوئی بات نہیں۔“ اس نے بیچ سینڈ کیا۔

”میں آؤں گا دعا..... میں نے منع تو نہیں کیا۔ بتاؤ کب اور کہاں؟“ حمدان نے پوچھا۔

”کل ریلوے اسٹیشن ٹھیک دو بجے۔“ اس نے وقت اور جگہ بتائی۔

”ٹھیک ہے میں آ جاؤں گا۔ پچھاؤ گی کیسے؟“

”پتا نہیں۔ میں سیاہ لباس میں ہوں گی۔“ اس نے بتایا۔

”ٹھیک ہے اب سوچاؤ اللہ حافظ۔“

اگلی صبح اس کے دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس کی کولیک نے پوچھا بھی بردہ ٹال گئی۔ داہنی پر اس کی کولیک اپنے منگھیر کے ساتھ کچھ شاپنگ کرنے چلی گئی اور وہ اسٹیشن پر آ گئی۔ مسافر خانے میں کوئی بھی نہ تھا سوائے ایک شخص کے وہ بھی سو رہا تھا۔ اس نے ٹرین کا پتا کیا وہ کچھ دیر پہلے جا چکی تھی اور دوسری کچھ دیر بعد آئی تھی۔ وہ بیچ پر بیٹھ گئی۔ دو سے اوپر ہو چکے تھے۔ اس نے پلٹ کر دیکھا سیاہ رنگ کی کارڈ کی بھی جس میں سے ایک آدمی ہر آیا اور مسافر خانہ کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ پہچان گئی تھی یہ حمدان سید تھا۔ اس نے نظر اپنے رجسٹر اور کتابوں پر جمائی تبھی دو خوب صورت اور سفید پاؤں سیاہ چپل میں اس سے کچھ فاصلے پر کے تھے۔ سلام کی آواز پر اس نے آہستہ سے سر اٹھایا اور دیر سے سلام کا جواب دیا۔ بس ایک پل وہ جوان بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں میں دیکھ پائی۔ وہ کچھ ہی قدموں کے فاصلے پر بنے بیچ پر جا کے بیٹھ گیا تھا۔ دعا نے سامنے دیکھا حمدان ادھر ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اشارے سے نقاب ہٹانے کو کہا تھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ دعا نے نقاب ہٹایا۔ حمدان نے دیکھا تھا اس کی طرف پھر حمدان کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اس نے کال ریسیو کی اور بات کرنے لگا تب دعا نے بغور اسے دیکھا تھا۔ خوب صورت کشادہ پیشانی پر سلکی بال بکھرے ہوئے تھے جنہیں بے دھیانی میں اس نے ہاتھ سے پیچھے کیا وہ پھر بکھر گئے تھے۔ اس نے آج تک اتنے خوب صورت ہاتھ کسی مرد کے نہیں دیکھے تھے۔ اس نے بات کرتے کرتے اسے دیکھا تھا اور مسکرا دیا۔ دعا نے شرمندہ سی ہو کر سر جھکا دیا۔ وہ بات ختم کر کے اس کے قریب رکا۔

”چلو دعا..... میں تمہیں اسٹاپ تک چھوڑ دوں ٹرین تو جا چکی ہے۔“ وہ اپنے ہاتھ مسنے لگی جیسے کشمکش میں ہو۔ حمدان نے پھر پکارا۔ ”دعا.....“ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑی۔ حمدان نے اس کے لیے کار کا اگلا دروازہ کھولا۔ وہ سمٹ کر بیٹھ گئی دروازہ بند کر کے وہ دوسری طرف ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے دعا سے

بلکی پھلکی باتیں کرنے لگا۔

”دعا.....“ اس نے اچانک پکارا۔

”ہوں.....“ کہہ کر دعا نے حمدان کی طرف دیکھا تبھی حمدان نے ایک نظر اس کو دیکھ کر سامنے سڑک پر دیکھنا شروع کر دیا تھا۔ دعا سوالیہ نظروں سے اس کی دیکھ رہی تھی۔ ”دعا..... تم بہت خوب صورت ہو لگتا ہے جیسے یہ رنگ صرف تمہارے لیے بنا ہے۔“ دعا نے جلدی سے نظروں کا زاویہ بدلا تھا۔ گاڑی میں خاموشی چھا گئی کچھ ہی منٹوں میں وہ اسٹاپ پر تھے۔ حمدان نے اسے وین میں بٹھایا اور اللہ حافظ کہہ کر چلا گیا۔ وہ وین میں بیٹھ کر سوچنے لگی محبت ہونے سے آج تک کے عرصہ میں یعنی دو سال میں وہ آج پہلی بار ملے تھے۔ اسٹیشن سے لے کر اسٹاپ تک ان کی ملاقات کا دورانیہ بیس منٹ کا تھا۔ پتا نہیں اس نے صحیح کیا تھا یا غلط پر وہ مطمئن تھی۔ اس دن گھر آ کر کافی دیر اس کی حمدان سے بات ہوئی تھی۔ وہ حمدان کو اچھی لگی تھی۔

”دعا..... تم بہت پیاری ہو بہت خوب صورت۔“ اور اگر میں خوب صورت نہ ہوں تو.....؟“ دعا نے پوچھا۔

”تو کیا دعا..... پھر بھی میری محبت میں کوئی کمی نہ آتی۔“ وہ مسکراتی تھی۔

ایڈی میں کلاسز ختم ہو گئی تھیں۔ اس کی کبھی کبھار حمدان سے بات ہوتی تھی مگر اس کی روح کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ اسے لگتا اس نے خود کو حمدان پر مسلط کیا ہوا ہے۔ ان کی مصروفیت بڑھتی جا رہی تھی جیسے بیکرا سے فراموش کر بیٹھے تھے۔ وہ ایس ایم ایس کرنی تو جواب نہ آتا۔ کال پر بھی وہ بد شکل مل پاتے۔ تب وہ شکوہ کرتی تھی۔ ”شاہ جی..... مجھے لگتا ہے جیسے میں آپ کو پریشان کرتی ہوں۔“ وہ حمدان سے کہتی تو وہ کہتے۔

”ایسی بات نہیں بس مصروفیت کی وجہ سے ناظم نہیں دے پاتا۔“ ہمیں درنہ تم تو میری زندگی ہو۔ تم بس ہر وقت

ناراض رہتی ہو۔“

”ناراض نہیں ہوتی شاہ جی..... جب میں آپ سے ناراض ہو جاؤں گی تو دیکھنا آپ کی ہزار کوششوں کے باوجود بھی نہیں مانوں گی۔ آج آپ کے پاس ناظم نہیں کل آپ کے پاس ناظم ہوگا تب بھی آپ مجھ سے بات نہیں کر پائیں گے۔“

”ایسا نہیں ہوگا دعا کہ میں تمہیں پکاروں اور تم میری پکار کا جواب نہ دو۔“

”ہونے کو کچھ بھی ہو سکتا ہے شاہ جی جو محبت میں روتے ہیں، کبھی کبھی رلا بھی دیا کرتے ہیں۔ دیکھنا شاہ جی ایک وقت ایسا آئے گا جب میں نہیں رہوں گی پر میری محبت کا احساس ہر بل آپ کے ساتھ ہوگا۔ ایسے ہی جیسے آج میں ہوں محبت ہے پر آپ کو احساس نہیں.....“ دعا کے کہنے پر حمدان نے کہا۔

”پاکل ہو تم دعا۔“ کہہ کر کال ہی ڈراپ کر دی تھی۔ دن پونہ گزرتے گئے۔ دعا کا اضطراب بڑھتا گیا۔ اس روز وہ اسکول سے واپس لوٹی تو گھر میں مہمان تھے۔ اس نے سب کو سلام کیا اور کمرے میں چلی گئی۔ چنچ کر کمرے کی پاس گئی جو کچن میں مصروف تھیں اور جمانہ جو اس کے ساموں کی بنی تھی وہ شاید امی کی مدد کی غرض سے آئی تھی۔ اس نے امی کو مہمانوں کے پاس بھیجا اور کچن میں مصروف ہو گئی۔ ساتھ ہی اپنے لیے چائے بھی بنانے لگی۔

”دعا..... کیا تمہیں پتا ہے یہ مہمان کون ہیں؟“ جمانہ نے پوچھا۔

”نہیں..... میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔“ ”اچھا۔“ جمانہ کو سن کر انہوں ہوا کیونکہ وہ اب اسے جاننے کی کوشش کر رہی تھی کمان مہمانوں کی آمد کا مقصد کیا ہے۔ ان دونوں نے مل کر کھانا تیار کیا اور امی سے پوچھ کر لگا دیا۔ دعا کمرے میں چلی گئی۔ کچھ ہی دیر میں جمانہ بھی حاضر تھی۔

”اے دعا..... اٹھو پتا ہے وہ لوگ اسلام آباد سے آئے ہیں۔ کیپٹن علی کی امی ابواور بھابی ہیں۔“ دعا کی ساری نیند

بھاگ گئی۔ جمانہ مزید کہہ رہی تھی کہ وہ علی کے لیے اس کے رشتے کی غرض سے آئے ہیں۔ جمانہ اس کے دھواں ہوتے چہرے کو دیکھے بغیر خوش ہو رہی تھی۔

تب ہی کوئی دستک دے کر اندر داخل ہوا۔ یہ علی کی بھابی تھیں۔ جو چہرے سے ہی کافی مغرور لگ رہی تھیں وہ پاس آ کر بیٹھ گئیں۔

”تو تم دعا ہو؟“ انہوں نے کافی نخوت سے دعا کو مخاطب کیا۔ دعا نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ ”شکل سے تو کافی معصوم لگتی ہو..... شاید اسی معصومیت پر علی فدا ہو گیا تھا۔ وہ ایک بل کے لیے بھی اپنے فیصلے سے نہیں ہٹا۔ تم نے ایسا کیا کیا جو وہ تمہارے لیے سب چھوڑنے کو تیار ہے؟“

”میں نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔“ آپ کے دیور کا ذاتی فیصلہ ہے۔“ کہہ کر دعا واش روم کی طرف بڑھ گئی اور جب تک نہیں نکلی جب تک وہ کمرے سے چلی نہیں گئیں۔ وہ لوگ چلے گئے مگر دعا کے اضطراب میں اضافہ کر گئے۔ اس نے امی سے انکار کیا تھا کہ وہ علی سے شادی نہیں کرنا چاہتی پر امی نے اتنے بڑے طریقے سے ڈانٹا کہ وہ خاموش ہو گئی۔ رات اس نے حمدان کو میسر کیے پر جواب نہ آیا وہ اللہ سے مدد طلب کرنے لگی۔

”میں اس عہد کو کیسے بھلا سکتی ہوں جس کے گواہ آپ خود ہو۔ اے مولانا رحم فرما..... مجھے میرے پیاروں کے لیے..... آزمائش مت دینا۔ میں کسی کو کچھ نہیں دے سکتی نہ حمدان کو اور نہ امی ابو کو۔“ ساری رات آنکھوں میں بس رہی۔ صبح اسے شدید بخار تھا۔ اسکول بھی نہیں گئی بس لیٹی رہی۔

اس نے حمدان کو کتنے میسر کیے کالز کیں پر کوئی جواب نہ تھا۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حمدان کا میسج آیا۔ وہ جانتا تھا دعا بہت کم اسے کال کرتی ہے اور ایک بار انیڈنڈ نہ ہونے پر دوبارہ نہیں کرتی مگر آج اس کی کئی مسد کالز میسر تھے۔ حمدان نے پھر میسج کیا تھا۔

”سوری دعا..... میں سورا تھا اور سیل سائلڈ تھا۔“

دعا نے فوراً میسج کیا۔

”کوئی بات نہیں شاہ جی..... مجھے آپ سے ضروری بات کرنی ہے۔ جب فارغ ہوں تو بتائے گا۔“ حمدان نے ”اوکے“ کہا تھا اور وہ انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد حمدان کا میسج آیا تھا۔

”ہاں دعا..... پولو کیا ہوا؟“ ”شاہ جی پلیز آپ کچھ پیچھے گھر والے میرا رشتہ طے کر رہے ہیں۔“

”میں کیا کروں دعا..... تمہارے گھر والے کیسے مانیں گے؟“

”مجھے نہیں پتا شاہ جی..... مگر آپ گھر والوں کے بنا تو کبھی بھی نہ مانیں گے جب کہ آپ شادی شدہ بھی ہیں۔“ ”اور یہاں میرے گھر والے کبھی نہیں مانیں گے دعا۔“ دعا کو حمدان کا میسج پڑھ کے بہت تکلیف پہنچی۔ اس پر اپنی حیثیت واضح ہو چکی تھی مگر وہ سچ جانتا چاہتی تھی۔ اس نے میسج کا ٹاپ کیا۔

”تو پھر میں کیا سمجھوں؟“ ”مجھے خود بخود پتا دعا..... مجھے نہیں لگتا میرے گھر والے کبھی مانیں گے۔“

”ٹھیک ہے شاہ جی۔“ جواب سینڈ کر کے وہ سوچ میں پڑ گئی۔ جو سفر اس نے شروع کیا تھا اس میں وہ بالکل تنہا تھی اور اس سفر کا انجام کیا تھا اسے نہیں معلوم تھا۔ اسے حمدان سید کے جواب سے تکلیف پہنچی تھی۔ وہ اگر اپنے گھر کی حالات سے واقف تھا تو اسے پابند کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ بڑی طرح بکھر گئی تھی۔

اس نے کہیں پڑھا تھا۔ سمندر کا وہ پانی جو سمندر سے باہر ہوا ہے دریا جھیل بادل آئسو شیفن کچھ بھی کہہ دیں پانی کا وہ حصہ جو سمندر میں شامل ہو جائے سمندر ہی کہلائے گا۔

”یا اللہ..... میں تو پانی ہوں جو سمندر سے باہر ہے میں سمندر کا حصہ نہیں حمدان سید سمندر ہیں اور ان کا حصہ

ایمان ہے۔ وہ ایمان جو ان کی شرعی بیوی ہے۔ جو ان کی ذات کا حصہ ہے۔ میں کہاں ہوں۔ کہیں بھی نہیں۔ نہ ان اپنوں کے وقت میں نہ احساس میں۔ وہ عہد جسے میں تیری ذات کی طرح سچ مانتی ہوں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ تو رحم فرما پاک پروردگار..... انہوں نے نہ سبکی پر میں نے محبت بھی کی ہے اور اس رشتے کو سچ بھی مانا ہے۔ تو مجھے اپنے پاس اسی رشتے کے ساتھ بلانا۔ مجھے پتا ہے معاشرے کے لیے میرا یہ رشتہ ناقابل قبول ہے کیونکہ میرے پاس نہ تو کوئی قانونی ثبوت ہے نہ کوئی انسانی گواہی جب کہ ساج میں رشتے کی عزت کے لیے یہ ضروری ہے۔ مجھے پتا ہے کہ آپ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے شرعی طریقہ بتایا ہے۔ میں جتنا بھی اس رشتے کو سچ مانوں یہ حقیقت سے انحراف ہے۔ مجھے انکار نہیں کہ یہ باقاعدہ رشتہ نہیں بس ایک عہد ہے۔ جس کے سبب یہ سچا اور پاکیزہ ہے کیونکہ میں نے سماجی تقاضوں کو نہیں نبھایا اور مجھے شاہ جی سے بھی کبھی کوئی سوال نہیں کرتا۔ تو رحم فرما مالک! مجھے اس عہد کی پاسداری کے قابل بنانا۔ بہت سے آنسو اس کی ڈائری کے صفحات بھگو گئے تھے۔ اس نے ڈائری بند کی اور کرسی کی پست سے سر نکال دیا۔

وہ چھت پر بیٹھی سوچ میں گم تھی۔ جبھی ایک آہٹ پر چونک کر دیکھا۔ سامنے لیپٹن علی تھے جنہیں گھر والے قبولیت کا درجہ دے چکے تھے۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے جو بہت کمزور اور مضطرب لگ رہی تھی۔

”دعا جی..... ایسے کیا دیکھ رہی ہیں مانا کہ مابدولت بہت خوب صورت لگ رہے ہیں پر.....“ دعا نے اس کی بات کاٹ دی۔

”آپ جتنے بھی خوب صورت ہوں مسٹر علی..... میری نظریں آپ پر نہیں رک سکتیں۔“ کافی غصہ سے کہہ کر وہ نیچے چلی گئی تھی۔ علی نے سوچا شاید دعا کو اس کا انداز اچھا نہیں لگا۔ چلو میں سوری کہہ دوں گا۔ یہ سوچتے ہوئے وہ

سیڑھیاں اترنے لگا۔ دعا سامنے کہیں نہ تھی۔ وہ دعا کی اسی سے باتیں کرنے لگا۔ کچھ دنوں کے بعد دعا کی اور اس کی منگنی بھی اسی وہ چاہتا تھا کہ دعا کو خود شاہجنگ کر دے اسی لیے وہ آیا تھا اور پھر اسے دعا کو بتانا بھی تو تھا کہ وہ اسے کتنی پیاری ہو گئی ہے۔ وہ کتنی محبت کرتا ہے اس سے اور اس نے کتنا سوچا ہے اسے مگر..... وہ محزہ کے ساتھ باہر چلا گیا۔ رات کے کھانے کے وقت واپس آئے دونوں۔ دعا نہیں نہ تھی کچھ دیر بعد کھانے کی میز پر وہ اسے نظر آ گئی تھی۔ دعا کو دیکھ کر کلی جتنا خوش ہوا تھا دعا اتنی ہی پریشان ہوئی تھی۔ وہ ابو کے ڈر سے کھانا کھانے تو آ گئی تھی مگر کھا نہیں رہی تھی۔ ابو اٹھ کر گئے تو وہ بھی جلدی سے وہاں سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ حمدان سید شاید کافی دیر سے میز کر رہے تھے اور موہا بل چونکہ کمرے میں تھا تو اس نے میسرور دیکھے نہیں ہیں۔ کال آئی تو اسے حیرانی ہوئی کیونکہ اس سارے عرصہ میں ان کی کال بس دو چار مرتبہ آئی تھی۔ اس نے کال ڈراپ کر دی۔ میسرور دیکھے۔ شاعری والے ایس ایم ایس تھے۔ ایک میں اسے مخاطب کیا گیا تھا بس دعا لکھا تھا اور ایک میں لکھا تھا۔

”ناراض ہو؟“ دوسرے میں کہا گیا۔ ”پلیز دعا جواب تو دو۔“ اس نے موہا بل فون اک طرف رکھا اور بیڈ کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ ایک بازو بیڈ پر رکھا اور اس میں منہ چھپا کر رو دی۔

سوتا آگن تنہا عورت لمبی عمر خالی آنکھیں بھگا آنچل سگیلے ہونٹ اتنا بولو گی تو کیا سوچیں گے لوگ رسم یہاں کی ہے لڑکی سی لے ہونٹ موہا بل فون پھر سے بجنے لگا اس نے آن کر کے کان سے لگا لیا اور استقامت علیکم کہہ روئے سے اس کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔ دوسری طرف حمدان تھا۔

”اتنے دنوں سے بات کیوں نہیں کر رہی تھیں کیا ناراض ہو؟“ ”نہیں شاہ جی ناراض ہو گئی تو آپ کی دسترس میں

سے لکل جاؤں گی۔“

”کیا مطلب دعا؟“

”کچھ نہیں شاہ جی کیسے ہیں آپ؟“

”ٹھیک ہوں یا زہتم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔“

”میں اللہ کے کرم سے بالکل ٹھیک ہوں شاہ جی“

خیریت آپ نے آج مجھے کیسے یاد کیا؟“

”تمہیں یاد کرنے کی مجھے ضرورت نہیں ہوتی دعا تم مجھے بھولتی کب ہو؟“

”ایمان کیسی ہیں شاہ جی؟“

”مجھے نہیں پتا وہ اپنے میکے میں ہے۔“

”مجھے نہیں پتا تھا شاہ جی کہ وہ گھر نہیں کیونکہ گروہ گھر ہوئیں تو آپ اس وقت مجھ سے بات نہ کر رہے ہوتے۔“

”دعا تم.....“ دعا نے ان کی بات کاٹ دی۔

”آج کہنے دیجیے شاہ جی آپ نے مجھے اپنے عہد کا پابند کیا مگر آپ میرے سامنے ایمان کا ذکر کرتے ہیں۔“

جانتے ہیں کیوں؟ کیونکہ وہ آپ کی شرعی بیوی ہیں۔ آپ نے ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں انہیں اپنا یا ہے مگر میرا ذکر آپ ان کے سامنے بھی نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارا رشتہ بس زبانی کلامی ہے۔“

”دعا میں اس رشتے کو بالکل سچ مانتا ہوں مگر تم یقین کرو کہ مجبور ہوں۔“

”ٹھیک ہے شاہ جی پر آپ کے رویے نے ہر پہل مجھے محسوس کروایا ہے کہ میری حیثیت آپ کی نظروں میں کیا ہے۔ یاد ہے شاہ جی ایک بار آپ سے میں نے پوچھا تھا کہ اگر کبھی مجھے آپ کے ساتھ کی ضرورت ہو تو کیا آپ میرا ساتھ دیں گے تو آپ نے صاف انکار کر دیا۔ کیونکہ آپ خوف زدہ تھے شاہ جی آپ مجھے پابند تو کر سکتے ہیں مگر ساتھ نہیں رکھ سکتے۔“

”دعا..... ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو۔ تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں.....؟“

”اعتبار مجھے آپ پر اپنی ذات سے بڑھ کر ہے شاہ جی یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ نے ایمان اور اپنے رشتے کے

متعلق مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔“

”کیسا جھوٹ دعا.....؟“ حمدان نے پوچھا۔

”کل میں نے آپ کو مارکیٹ میں دیکھا تھا آپ شاہجنگ کر رہے تھے اپنے بیٹے کے لیے..... یہ بات آپ نے خود اپنے منہ سے بتائی تھی کسی کو فون پر بیٹا بہت بہت مبارک ہو شاہ جی میں نہیں پوچھوں گی کہ آپ نے یہ جھوٹ کیوں بولا کہ ایمان سے آپ کا تعلق بس دکھانا ہے۔ مجھے یہ بھی نہیں جانا کہ میں نے ایسا کیا کیا جو آپ نے میرے ساتھ یہ سب کیا کیونکہ میں جانتی ہوں۔ محبت آپ کو کچھ کر بھی نہیں گزری.....“

”ایسے مت کہو دعا.....“ حمدان نے پھر بولنے کی کوشش کی تھی مگر آج دعا سننے کے موڈ میں نہ تھی۔

”آج آخری بات کہنے دیجیے شاہ جی..... آپ کو مجھ سے محبت نہیں ہے آپ کو اپنے لیے میری محبت متاثر کرنی ہے آپ نہیں چاہتے کہ میں کسی اور کی ہو جاؤں اس لیے آپ نے مجھے پابند کیا مگر اب آپ مجھے باقاعدہ اپنا نام نہیں دے سکتے کیونکہ ایسی صورت میں ایمان اور سب کی ناراضگی مول لینا آپ کے بس میں نہیں.....“

”دعا..... میں اپنی زندگی تمہارے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں مگر.....“ دعا نے حمدان کی بات کاٹ دی۔

”شاہ جی..... جب اگر مگر کیوں اور کیسے جیسے الفاظ درمیان میں آجائیں تو محبتیں نہیں ہوا کرتیں مجبوریاں بن جاتی ہیں اور محبت میں تو کسی کو مجبور کرنا یا باندھ کر رکھنا ہے ہی نہیں۔ میں نے آج تک اللہ سے آپ کو یا آپ کی محبت کو نہیں مانگا پر میری دعا ہے آپ کو مجھ سے محبت ہو جائے۔ وہ محبت جس میں دوسرے کی عزت کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ وہ محبت جو اپنی ذات کو بھلا دیتی ہے۔ یاد رہتا ہے تو بس محبوب..... آج کے بعد میں آپ سے بات نہیں کروں گی آپ کے پاس کچھ عرصہ ہے شاہ جی اور مجھے پتا ہے آپ فیصلہ میرے حق میں نہیں کر سکیں گے۔“

”کچھ عرصہ بعد کیا ہو گا دعا؟“ حمدان نے پوچھا۔

”آپ فیصلہ کر لیجئے گا۔“

”اگر تمہیں چناؤ کرنا پڑا دعا تو تم کیا کرو گی اپنے گھر والوں کو چٹو کی یا مجھے۔؟“

”میری زندگی میں صرف تین رشتے اہم ہیں۔ ایک ای ابو جو میرا دل ہیں دوسرے آپ۔۔۔۔۔ آپ میری روح ہیں تیسرے میرے بھائی جو میری دھڑکن ہیں۔ میں فرار اختیار کروں گی شاہ جی مجھے آپ سے عشق ہے آپ سے رشتہ بے لوث ہے آپ نے سنا ہوگا کچھ لمحے چاچو کی دھار کی طرح ہوتے ہیں ان میں اگر غلط فیصلہ ہو جائے تو جان بچتی ہے نہ ایمان۔۔۔۔۔ جب مجھ سے محبت ہو جائے گی تو آپ سمجھ جائیں گے کہ حدود و قیود سے نکل تو فنا شرط ہے۔ اپنا بہت خیال رکھیے گا شاہ جی زندگی رہی تو بھی رابطہ کروں گی۔“

”دعا۔۔۔۔۔ تم مجھ سے بات کرنا مت چھوڑنا۔“ حمان جیسے اس کے ہر لفظ کے قائل ہو گئے تھے ان کا لہجہ شکستہ تھا۔ ”میرے لیے خود بہت مشکل ہے مگر میں کسی بھی لمحے کمزور نہیں پڑنا چاہتی اور ویسے بھی آپ بہت مصروف ہوتے ہیں۔“

”نہیں دعا ایسے مت کہو۔“

”شاہ جی۔۔۔۔۔ اب آپ سو جائیے۔ فی امان اللہ۔“ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا تھا۔ جس سے بات کیے بنا وہ ایک پل نہ بے کسی تھی اسے خود ہی دور کر دیا تھا۔ ساری رات وہ خوب روئی تھی۔



پچھلے پانچ دنوں سے دعا نے اس سے بات نہ کی تھی۔ اس کے میسجرو کا کوئی جواب نہ دیا تھا اور اب تو نمبر بھی آف کر دیا تھا۔ آج تک بھی ایسا ہوا نہ تھا کہ وہ دعا کے لیے مضطرب ہوا ہو۔ اسے دعا سے محبت تھی وہ تو خود بہت خوب صورت تھا۔ کتنی لڑکیاں اس سے خود دوستی کا کہتیں۔ اس سے محبت کا اظہار کرتیں مگر وہ دیکھنا بھی گوارا نہ کرتا۔ وہ اپنی کرن ایمان میں انٹرنل تھا۔ اسے ایمان سے محبت تھی یا نہیں اس نے بھی سوچا نہیں۔ وہ خوب صورت تھی بلکہ

بہت خوب صورت تھی اور اس سے محبت بھی کرتی تھی اور اہم بات یہ کہ وہ اس کی بچپن کی میگیٹر تھی۔ پھر اسے دعا کے خط ملے جو اس کی سامع تھی۔ وہ ہفتہ میں اسے ایک خط ضرور لکھتی تھی۔ حمان کو اس کے لفظ اچھے لگتے۔ اسے لگتا جیسے دعا کا ہر لفظ بس اس کے لیے ہے۔ کبھی اگر دعا خط لکھنے میں دیر کرتی تو وہ بے چین ہو جاتا۔ اسے انتظار رہتا اس کے خط کا۔ پھر ایک دن جب مارکیٹ میں وہ اپنی دکان جو کہ ریڈی میڈ کارٹنٹس کی تھی پر تھا جب ایک لڑکی اس کے دوست کے ساتھ آئی۔ وہ اس کے دوست کی بہن رابی تھی۔ اسے جب پتا چلا کہ وہ ڈی جے حمان شاہ ہے تو وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ چونکہ وہ کافی لبرل لگ رہی تھی نمبر بھی لے لیا جو حمان نے دوست کی بہن ہونے کی وجہ سے دے دیا تھا۔ رات کال کر کے رابی نے اسے دعا کے بارے میں بتایا تھا۔ حمان کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ دعا اسے اتنی شدت سے چاہتی ہے۔ اس نے اس خوشی کا سبب سوچا چاہی نہ تھا۔ رابی نے اسے دعا کا نمبر بھی دیا تھا پھر اس کی دعا سے بات ہونے لگی۔ وہ اس سے اتنی محبت کرتی تھی کہ کبھی کبھی وہ حیران ہوتا۔ رابی نے کہا تھا کہ دعا کو محبت سے انکار تھا آج محبت اتنی ہی شدت سے دعا میں بس گئی تھی۔ وہ دعا کی محبت کی شدت جاننے کے لیے اکثر اسے میسجرو کا جواب نہ دیتا۔ وہ بھی پریشان ہو کر کال کرتی ”وہ اٹینڈ نہ کرتا“ جب وہ اپنی محبت کا اقرار کرتی تو اپنی اہمیت جان کر وہ خوش ہوتا۔ وہ کہتی۔

”شاہ جی۔۔۔۔۔ مجھے پتا ہے آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے اسی لیے ایسے کرتے ہیں۔“ تو وہ جھوٹ بول دیتا کہ ”تم میری زندگی ہو میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“ وہ ایسا کیوں کرتا تھا۔ کبھی اس نے سوچا نہیں پر وہ بھی عجیب تھی اقرار اسن کر بھی دھجی ہو جاتی اور کہتی۔

”نہیں شاہ جی۔۔۔۔۔ جھوٹ مت بولا کریں کیونکہ جب محبت ہوتی ہے تو اپنا آپ خود منوالیتی ہے۔ آپ محبت کا اقرار تو کرتے ہو برا بھی آپ کا محبت سے واسطہ نہیں پڑا۔ اضطراب محبت کا مقدر ہے شاہ جی۔۔۔۔۔ میں کب کہتی ہوں

کہ آپ مجھ سے محبت کریں۔ مت کریں محبت بس جھوٹ مت بولیں۔“

اتنے عرصے میں آج پہلی بار وہ جاگتا تھا۔ وہ بھی دعا کو سوچ کر۔۔۔۔۔ شاید اس نے ٹھیک ہی کہا تھا تاروں بھرے آسمان سے نظریں ہٹا کر اپنی ٹکائی پر بندھی کٹری کو دیکھا جو پونے تین ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔ وہ پچھلے اڑھائی گھنٹے سے کٹری کے پاس کھڑا تھا اور آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ کتنے لفظ اس کی سماعتوں میں گونج رہے تھے۔ اس کی خوب صورت آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے اضطرابی انداز میں اپنے بالوں میں ہاتھ بھیرا اور مڑ کر بیڈ کے قریب آیا اور جھک کر بیڈ سائڈ ٹیبل کے اوپر سے اپنی اور ایمان کی شادی کی تصویر اٹھائی اور دیکھنے لگا۔ یہ ان کے ولیمہ کی تصویر تھی۔ ایمان نے اس کی پسند پر نیلے رنگ کی کاندرا ساڑھی باندھی تھی۔ اس کے لیے گھنے خوب صورت بال اسی کے کہنے پر کھلے چھوڑے تھے۔ سب نے کہا تھا وہ ایک دوسرے کے لیے بنے ہیں۔ تصویر میں ایمان صوفہ پر بیٹھی ہوئی تھی اور حمان اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ تصویر کو دیکھتے ہوئے اچانک حمان کو لگا جیسے تصویر میں ایمان کی جگہ دعا ہو۔ اس نے تصویر اپنی جگہ پر اٹھی کر کے رکھ دی اور سامنے بنی الماری کی طرف بڑھا سیف میں سے ایک ڈبا نکال کر ایک طرف رکھے صوفوں کی طرف بڑھ گیا۔ صوفہ پر بیٹھ کر کچھ دیر ڈبا ہاتھ میں لیے کھوتا رہا۔ اس کے چہرے پر عجب بے بسی واضع تھا پھر اس نے وہ ڈبا میز پر رکھا اور صوفے کی پشت سے سرٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ بالوں میں ہاتھ بھیرا پھر اسی ہاتھ کی انگلیوں سے اپنا ماتھے دبانے لگا۔ اس کے کانوں میں پھر دعا کے لفظوں کی بازگشت ہوئی۔

”شاہ جی۔۔۔۔۔ آج تک میں نے رت سے کبھی آپ کو نہیں مانگا۔ کبھی آپ کی محبت بھی نہیں مانگی پر اب مانگتی ہوں۔ اللہ کرے آپ کو مجھ سے محبت ہو جائے۔“

وہ جلدی سے سیدھا ہو بیٹھا۔ ایک نظر میز پر پڑے چھوٹے سے ڈبے کو دیکھا پھر ہاتھ بڑھا کر اٹھا لیا۔ ڈبے کو

کھول کر دیکھا اور اس میں سے کچھ کاغذ نکالے۔ یہ وہ خط تھے جو دعا نے اسے لکھے تھے۔ اس نے ایک بار پڑھ کر یہ خط رکھ دیے تھے مگر آج وہ سارے خطوں کو ایک بار پھر سے پڑھ رہا تھا۔ آج سے پہلے کبھی اس نے سوچا نہ تھا کہ کسی نے کتنی محبت اور عقیدت سے یہ خطوط اس کو لکھے ہیں اس کے لیے یہ بس اس کی جوابی ستائش تھی۔ پتا نہیں کس احساس کے تحت اس نے یہ خطوط سنبھال کر رکھے تھے۔ وہ بارہ یا تیرہ خط تھے جو اس نے پڑھے پھر بڑی عقیدت سے انہیں تہہ کر کے ڈبے میں رکھ دیے اور ڈبے میں سے ایک تصویر نکالی۔ ساڑھی کے بازو پر گولڈن کام تھا۔ اس نے انتہائی سلیقے سے ساڑھی باندھ رکھی تھی چہرے کے نقوش میں جا بیزیت تھی۔ اس کے خوب صورت کٹاؤ دار ہونٹ لب سنک کے بغیر تھے۔ ٹھنکھڑ یا لے بالوں کی ایک لٹ ماتھے سے ہوتی ہوئی رخسار کو چھو رہی تھی گلے میں گولڈن کالا کٹ جس پر اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس کی خوب صورت لمبی گردن اور کاندھے کے درمیان ایک تیل تھا جو بہت واضح ہو رہا تھا۔ پھولوں کے پاس کھڑے ہونے کی وجہ سے سرخ پھول اس کے بازو کو چھو رہا تھا۔ تصویر کی عقبی جانب لکھا تھا۔

Dear dear n dearest
Hmdan Syed! my Soul,
my Love, my Life.
your Dua

اس نے پڑھا پھر اپنے ہونٹ اس نام پر رکھ دیے۔ اس کی آنکھوں سے دوا نسو پھسل کر تصویر پر گرے تھے۔ I Love you alote dua۔ اس نے تصویر دور کہیں اذان کی آواز سنا دی تھی۔ اس نے تصویر ڈبے میں رکھی اور ڈبا کو اپنی جگہ پر رکھ کر دوش روم کی طرف بڑھ گیا۔ وضو کرنے کے بعد وہ گاؤن والے حصے کے پاس آیا کچھ پل کیاری کے پاس کھڑے ہو کر پھولوں کو دیکھا اور کیٹ کھول کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔ اس کے قدم قریبی مسجد کی جانب تھے۔ باجماعت نماز ادا کرنے کے

معدودہ کتنی دیر دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے روتا رہا۔ وہ مرد اپنی اہل گھرانے خالق حقیقی کے سامنے اس عورت سے محبت کا اظہار نہ کر رہا تھا جسے اس نے اللہ کو گواہ بنا کر صرف اس لیے اپنے نام کا پابند کیا تھا تا کہ وہ کسی اور کی نہ ہو جائے اور وہ بالکل لڑکی تو محبت کے عہد میں اپنے ہر احساس اپنے ہر رشتے اپنی روح تک کو گروی رکھ کے بھی صبر ہوئی تھی۔ آج وہ اس عورت کی ڈھیروں عزت اپنے روم روم میں محسوس کر رہا تھا۔ محبت نے اسے تسخیر کر لیا تھا۔ وہ دعا کو مانگ رہا تھا اپنے رب سے پُر تقدیر مسکرا رہی تھی کیونکہ اس نے محبت کے ساتھ ساتھ بے سچ رب کی ذات کو ہمارا رکھ کے جو عہد باندھا تھا۔ اسے بس اپنے مفاد میں رکھنے کی کوشش کی تھی۔ جب صبح کی سپیدی ہر سو پھیلنے لگی تو وہ اٹھ کر گھر کو چل دیا۔ نماز جمعہ اور عیدین کے علاوہ وہ آج پہلی بار اپنے رب کے سامنے بہر وجود ہوا تھا۔



وہ ساری رات اپنے رب کے سامنے روتے روتے وہیں سجدے میں سوئی تھی۔ دروازہ پر دستک کی آواز پر اٹھی گھڑی پر نظر پڑی تو نو بج رہے تھے جلدی جلدی جاؤ نماز تہہ کر کے اپنے مقام پر رہی اور دروازہ کھول دیا۔ وہ جلدی میں بنا ویکھے دروازہ کھول کر پلٹ رہی تھی جب کیپٹن علی کی آواز اپنے کمرے میں سن کر ٹھٹھک کر رہی۔ جو تشویش سے پوچھ رہا تھا۔

”میم دعا..... آپ ٹھیک تو ہیں ناں؟“ وہ سوالیہ لگا ہیں لیے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دعا نے نہایت ترشی سے پوچھا۔

”مسٹر علی..... آپ میرے کمرے میں کیا رہے ہیں؟“

”دراصل آپ اتنی دیر سے باہر نہیں آئیں تو مجھے تشویش ہوئی۔ آپ مجھے کافی کمزور اور بیمار لگ رہی ہیں۔“ میں بالکل ٹھیک ہوں مسٹر علی اور آپ اب میرے کمرے سے جاسکتے ہیں۔“ وہ کچھ دیر ضبط سے لب بھینچے اسے دیکھتا رہا پھر خاموشی سے چلا گیا۔

وہ افریقہ ہو کر کمرے سے باہر نکلی تو گھر میں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ امی شاید نانوی کی طرف گئی تھیں۔ ڈرائنگ روم سے حمزہ کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے ڈرائنگ روم کی طرف قدم بڑھائے۔ حمزہ خون پر کسی سے بات کر رہا تھا۔ علی صوفہ پر بیٹھا تھا جب کہ اس کے دونوں چھوٹے بھائی شایان اور کاشان جو کہ جڑواں تھے اور دونوں میٹرک کے طالب علم تھے لڈو کھیلنے میں مصروف تھے۔ کاشان شایان سے کچھ منٹ چھوٹا تھا جس کا فائدہ شایان رعب جھار کے اٹھاتا تھا۔ اب بھی ان میں تکرار جاری تھی۔ وہ دروازے میں ہی کھڑے تھے بھی شایان کی نظر اس پر پڑی۔

”آپ..... آپ وہاں کیوں کھڑی ہیں اندر آجائیے۔“ علی نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر نیچے دیکھنے لگا۔ دعا خاموشی سے کچن کی طرف پلٹ گئی تھی۔ وہ اپنے لیے چائے بنا کر ڈرائنگ ٹیبل پر آ بیٹھی۔ وہ علی کی آنکھوں میں اپنے لیے محبت و عقیدت دیکھ چکی تھی پر اس کے دل میں اس کے لیے کچھ نہ تھا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک کوئٹا سالہ کا تھا اور اس کی آنکھوں میں چمک بڑھ گئی۔ علی جو حمزہ کے ساتھ اسی طرف آ رہا تھا اس نے پہلی بار دعا کو مسکراتے دیکھا تھا۔ وہ جیسے قسم سہا گیا۔

”یہ کتنی پیاری لگتی ہے مسکراتے ہوئے.....“ اس نے بے اختیار سوچا تھا۔ حمزہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

”ڈیئر آئی..... ہمیں بھی تو بتائیں آخر کس خوشی میں اکیلے کیسے مسکرا جا رہا تھا؟“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ حمزہ باہر کی جانب بڑھ گیا تو علی آگے بڑھا۔

”مس دعا..... مجھے کچھ کہنا ہے آپ سے.....“ دعا نے سوالیہ لگا ہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ علی نے ایک نظر اسے دیکھا اس چہرے پر اس وقت سختی کے تاثرات نہ تھے جو اکثر اسے دیکھتے ہی واضح ہونے لگتے تھے۔ ”مجھے بس اتنا ہی کہنا ہے دعا کہ اگر محبت کی کوئی حد ہوتی ہے تو میں اس آخری حد تک آپ کو چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے لگتا ہے آپ اس رشتے سے خوش نہیں ہیں۔ دعا..... کسی کو

اپنے نام کر لینا محبت نہیں بلکہ کسی کے نام ہو جانا محبت ہے۔ جس موڑ پر میں ہوں وہاں سے پیچھے ہٹنا میرے لیے ممکن نہیں مگر میں زبروتی آپ کو خود سے منسلک کرنا نہیں چاہوں گا۔“ دعا سر جھکائے سب سن رہی تھی پھر بہت خاموشی سے سر اٹھا کر سامنے کھڑے شخص کو جھلانی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ علی کو لگا جیسے اس کا دل کسی نے ٹھکی میں لے کر مل دیا ہے۔ وہ تو ان آنکھوں میں ڈھیروں خوشیاں رقصاں دیکھنا چاہتا تھا پھر یہ آنسو کیوں..... وہ مضطرب ہو گیا۔

”دعا..... کیا آپ خوش نہیں؟“ اس کی آنکھوں میں چمکنے والے آنسو رخساروں پر بہہ نکلے تھے۔ وہ بھاگ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی علی اور بھی مضطرب ہو گیا۔

حماں کتنے دنوں سے دعا کا نمبر فراموش کر رہا تھا مگر وہ سوچ آف جا رہا تھا۔ حماں بہت پریشان اور مضطرب تھا مگر دعا جو کبھی ضد نہ کرتی تھی اس بار وہ اپنی ضد پر قائم تھی کہ وہ اب اس سے رابطہ نہیں کرے گی۔ وہ کتنے دنوں سے شوٹ نہیں کر رہا تھا تا کہ وہ اس سے رابطہ کرے اور پوچھے ”کیوں شاہ جی..... آپ کیوں مجھے تنگ کرتے ہیں؟“ مگر وہ شاید پتھر ہو گئی تھی اور اسے پتھر بنانے والا بھی وہ خود تھا۔ پہلے وہ جان کر انجان بنا رہا تھا یہاں تک کہ اس نے جو عہد اس سے باندھا تھا وہ بھی پہلے اس کی نظر میں کچھ نہ تھا۔ وہ حماں جو دوستوں سے کیا عہد بھانے کے لیے جان تک دینے کو تیار ہو جاتا تھا وہی حماں اپنے رب کے نام پر باندھ لے گئے عہد کو اہم نہ سمجھا تھا اور جب سمجھا تو محبت اس کی روح میں سرایت کر گئی تھی تب وہ سننے کو تیار نہ تھی۔ وہ گھر بہت دیر سے لوٹا تھا۔ اپنے کمرے میں آیا تو ایمان جو آج ہی اپنے میکے سے لوٹی تھی اس پر نظر گئی وہ بیڈ پر بے خبر سو رہی تھی۔ اس کا پیارا سا معصوم بیٹا بے بی کاٹ میں سو رہا تھا۔ وہ وہ قد بدموں سے چلتا ہوا بیڈ کے قریب آیا اور ایمان کو دیکھنے لگا وہ بہت خوب صورت تھی دعا اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھی۔ اس نے اپنے دل پر ہاتھ

رکھا۔ یہاں تو دعا بس گئی تھی اور ایسی ہی تھی کہ اب اسے ہر طرف وہی دکھائی دیتی تھی۔ وہ آہستگی کے ساتھ وہاں سے ہٹا اور دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ باغیچے کے سامنے بنے برآمدے کی نشستوں پر وہ بیٹھ گیا۔ کچھ دیر اسان کو دیکھا اور پھر برآمدے کے ستون کے ساتھ ٹپک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ وہ اپنے ماضی میں کھونے لگا۔ اسے یاد آیا ایک بار دعا نے کہا تھا کہ اسے چاند دیکھنا بہت پسند ہے وہ بھی سرو راتوں میں۔ اس نے کہا تھا۔

”شاہ جی..... اگر ہماری شادی ہو گئی تو آپ چاندنی راتوں میں دیر تک میرے ساتھ بیٹھنا میں آپ کے کاندھے سے سر لگا کر چاند دیکھوں گی۔“ پھر وہ بولتے بولتے رچی کی اور کہنے لگی۔ ”اے تو آپ بور ہو جائیں گے آپ ایک کام کرنا بس مجھے دیکھنا۔“ وہ ہنس پڑا تھا۔ ”شاہ جی ایسے کیوں ہنس رہے ہو؟“ اس کے ہنسنے پر دعا نے پوچھا تھا۔

”کیوں تمہیں میرا ہنسنا بُرا لگتا ہے؟“ اس نے الٹا سوال کیا تھا۔ کچھ لمبے دعا کچھ نہ بولی پھر چند لمبے خاموش رہنے کے بعد وہ بولی تھی۔

”آپ کا ہنسنا مجھے بہت اچھا لگتا ہے شاہ جی چاہے آپ مجھ پر ہی کیوں نہ ہنسیں.....؟“

”اچھا.....“ اس نے بس اتنا ہی کہا تھا پھر بولا۔ ”دعا جب تم چاند دیکھو گی تو میں تمہارا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہوں گا دعا تمہیں بتا ہے تم حماں شاہ کی زندگی ہو۔“ حماں نے آنکھیں کھولیں۔ وہ آج وہیں بیٹھا تھا۔ چاندنی رات، کھلا آسان برآمدہ، تیس ستون سب کچھ تھا پر وہ نہیں تھی۔ اس رات جو آنسو دعا کی آنکھوں سے بہہ تھے ان کی نمی کو حماں شاہ کی آنکھوں نے محسوس کیا تھا۔ وہ شدید اضطراب کی حالت میں وہاں سے اٹھا اور سامنے باغیچے میں جا کر چکر لگانے لگا مگر اضطراب کم ہونے کی بجائے بڑھنے لگا تو وہ کمرے میں چلا گیا۔ وضو کیا اور چائے نماز اٹھا کر اسٹڈی روم کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے نوافل پڑھنے نماز تہجد پڑھی اور وہیں

بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں فجر کی اذان ہونے لگی۔ آج اس نے اذان کا ہر لفظ دل سے سنا اس پکار کا جواب اس کے لب دے رہے تھے اور اس کی آنکھیں اس کے رخساروں کو بھگوری تھیں اس پر عجب سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ اس کا اضطراب کم ہو رہا تھا۔ اندر جیسے سکون سا تارتا جا رہا تھا۔ اذان ختم ہوئی تو وہ ایک بار پھر قبلہ رو ہو کر کھڑا ہوا۔

لہذا کی نیت کی۔ اب اس کے ہونٹ بے آواز اللہ کی حمد و ثناء میں مشغول تھے۔ اس کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔ وہ عہدہ میں جھکا تو دو آنسو گر کر چائے نماز میں جذب ہو گئے۔ وہ ایک ندامت تھے جو بارگاہ الہی میں قبولیت کا درجہ پاتے جا رہے تھے۔ وہ تو رجن ہے وہ تو خالق ہے اور خالق کو اپنی ہر تخلیق پیاری ہوتی ہے وہ جیسی بھی ہو وہ رب تو معاف کرنے والا ہے اور معاف کر دینے والے کے سامنے گناہ اہمیت نہیں رکھتے۔ اس کے سامنے تو نیت اہم ہوتی ہے۔ وہ خالص نیت والے کو عطا کرتا ہے بنا خطا دیکھے کہ وہ تو رب ہے جو ستر ماؤں سے بھی زیادہ اپنے بندوں سے پیار کرتا ہے۔ اس نے نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

”اے پروردگار عالم..... اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں مجھے بخش دے۔ اے مولا پاک میں نے میرے بتائے طریقے سے روگردانی کرتے ہوئے کسی کو اپنے نام سے جوڑا اے مولا تو جانتا ہے کہ صرف عہد ہے ایک ایسا عہد جس میں اسے ہمیشہ اپنا رکھنا چاہتا تھا۔ مجھے پتا تھا وہ آپ سے اتنی محبت کرتی ہے کہ آپ کے نام سے جوڑے گئے تعلق کتاب کی طرح حقیقت ماننے کی اسی میں جیے گی۔ میں نے شرعی حدود کو پھلانگنے کی کوشش نہیں کی تو جانتا ہے۔ پر میں نے اس کی مجبوریوں کو سمجھ بغیر اس کو اپنے ساتھ جوڑ کر رکھنا چاہا۔ اس بندہ جس کی ساج میں کوئی حیثیت نہیں۔ اے مولا میرا عہد سچا ہے۔ میں اسے نام بھی دوں گا اور مقام بھی۔ تو مدد فرما مجھے بخش دینا۔ میرا اور اس کا رشتہ ایک سچا عہد ہے وفا کا عہد..... جس کا گواہ تو ہے۔ ایک ایسا عہد جس میں میرے ساتھ کے

باد جو دمیری قبولیت کے باوجود پہلے وہ اکیلے تھے پر اب میں اس کے ساتھ ہوں۔ تو سب کے حق میں رحم فرمانا ہمیں بخش دے مولا.....“ اس نے دعا مانگ کر چہرے پر ہاتھ پھیرے آنسوؤں سے تر چہرے کو صاف کیا اور چائے نماز تہہ کر کے وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ فیصلے پر پہنچ کر کافی پڑ سکون تھا۔ اب اسے دعا کو ماننا تھا۔

واش بیسن پر لگائے اپنے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے تل کھولا اور ہاتھوں کے پیالے میں پانی لے کر منہ پر چھینٹے مارنے لگی۔ اس نے سامنے لگائے اپنے میں دیکھا کیلے چہرے پر آنسو اب بھی بہہ رہے تھے فرق بس اتنا تھا کہ اب وہ پانی میں تل کر صرف آنسو نہ تھے۔ اس نے خود کو سنبھالا اور منہ پر پھر پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ وہ جیسے ہی واش روم سے باہر نکلی سامنے علی مضطرب انداز میں کھڑا تھا۔ اس نے چہرہ صاف کیا اور علی کو نظر انداز کرتی ڈیرنگ ٹیبل کی دروازہ کلاک کھولنے لگی، سرخ رنگ کی ڈائری نکالی۔ ایک نظر علی کو دیکھا پھر ڈائری اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

”یہ ایسے راز ہیں جن کا گواہ میرے علاوہ میرا رب ہے۔ امید کرتی ہوں آپ اچھے راز والے ثابت ہوں گے کہ محبتیں تو بہت معتبر ہوا کرتی ہیں۔“ علی نے ڈائری لے کر بہت الجھتے ہوئے اس کی باتیں سنی تھیں۔ ”مسٹر علی اس میں آپ کے ہر سوال کا جواب ہے۔ اب آپ جائیے پلیز۔“ علی خاموشی سے مڑ گیا تھا۔

بتاؤ کیسا لگتا ہے کسی کو پا کے کھو دینا کسی کے ساتھ تو چلنا مگر اس کا نہ ہونا خود ہی کو کو سے رہنا مگر اس کو نہ کچھ کہنا خود ہی مگر نہ سنبھلنا ہنسنا اور رو دینا

بتاؤ کیسا لگتا ہے؟

خزائن کی سخت سردی میں

ہجر کی لمبی راتوں میں

کسی کی یاد میں دونا

کسی کو سوچتے سوچتے اپنی آنکھیں بند کرتا

اور اندھیروں میں چلے جاتا

بتاؤ کیسا لگتا ہے؟

وہ گھٹنوں کے گرد بازو لیے جھٹ پر آنکھیں

موندے بیٹھی تھی۔ شایان اور کاشان جھٹ پر کمرے

کے سامنے بنے برآمدے میں کتابیں کھولے بیٹھے

تھے۔ سچی علی اس کے قریب آیا، کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔

شدت ضبط سے اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں پھر

وجہ سے اس نے دعا کو پکارا۔

”دعا.....“ اپنا نام سن کر اس نے آنکھیں کھول کر

سامنے دیکھا پھر کھڑی ہو کر سامنے رکھی کرسیوں کی جانب

بڑھ گئی۔ وہ جانتی تھی علی کی متوقع ہر بات ہر سوال کو۔ علی

آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کی جانب آیا اور ایک کرسی

پر بیٹھ کر اسے کوڈ کیسے لگا۔

”دعا.....“ آپ کو پتا ہے وہ کتنا جھوٹا ہے جس کی محبت

میں آپ سب بھول بیٹھی ہیں؟“

”وہ کتنا جھوٹا ہے میں نہیں جانتی“ میں تو بس اتنا جانتی

ہوں کہ میں کہاں تک بچی ہوں۔“

”دعا.....“ وہ آپ سے دھوکا کر رہا ہے۔“ علی

نے پھر کہا۔

”میں مسٹر علی وہ دھوکا نہیں کر رہا وہ تو میری محبت کی

گہرائی ناپ رہا ہے۔ دھوکا تو میں کھا رہی ہوں۔“

”آپ جانتی ہیں وہ رشتہ بے مٹی ہے۔“

”میں نے کب کہا کہ وہ رشتہ باہمی ہے؟ وہ تو عہد

ہے عہد وفا۔“

”دعا عہد ایسے نہیں ہوتے.....؟“

”تو کیسے ہوتے ہیں مسٹر علی؟“ پھر خود ہی کہنے لگی۔

”مسٹر علی“ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں بقول آپ

کے.....“ اس نے علی کو دیکھا۔ علی نے اثبات میں گردن

ہلائی۔ ”میں کیسے مانوں؟“ اس نے پھر سوال کیا۔

”میں سب کے سامنے آپ کو اپنا رشتہ ہوں۔“

”پر سب کے سامنے بتایا گیا ہر رشتہ سچا اور پائیدار نہیں

ہوتا۔“ دعا نے کہا۔

”میں قسم کھانے کو تیار ہوں دعا اور میرا وعدہ ہے کہ

یہ رشتہ پائیدار ہوگا۔“ دعا کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا

پھر وہ بولی۔

”میں اس وعدے کو کیونکر مانوں کل آپ مگر بھی

سکتے ہیں۔“

”وعدے بھانے کے لیے ہوتے ہیں دعا.....“

”بالکل.....“ سچی تو میں کہتی ہوں.....“ اس نے علی کی

بات کاٹی۔ ”وعدے بھانے کے لیے ہوتے ہیں۔ جب

ایک انسان کسی انسان سے وعدہ کر لیتا ہے تو دوسرا اس پر

اعتبار کرتا ہے کہ وعدہ ضرور پورا ہوگا پھر میرے وعدے کے

تو گواہ بھی معتبر ہیں۔ مجھے پتا ہے میرے کھدینے سے اور

حمدان سید کے مان لینے سے ہم ایک دوسرے کے نہیں

ہو گئے۔ میں کیونکہ ان سے محبت کرتی ہوں تو یہ میری محبت

کا عہد ہے۔ میں حدود و قیود سے واقف ہوں۔ مجھے

میرے ماں باپ کی عزت کا بھی احساس ہے۔ مجھے پتا

ہے مجھے خود پر لگائے الزامات کی تردید کرتا ہے۔ مجھے پتا

ہے وعدہ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ میں بس ان کے نام سے

مرنا چاہتی ہوں کیونکہ اگر میری شادی ہو گئی تو آخرت میں

ابدی زندگی میں وہ مجھے نہیں ملیں گے۔ جب کہ مجھے انہیں

اس دنیا میں نہیں ہمیشہ قائم رہنے والی زندگی میں پانا ہے

اپنے رب کے حکم سے.....“ اس نے اپنی بات ختم کر کے

علی کو دیکھا پھر بولی۔

”آپ اس رشتے سے انکار کر دیجیے آپ کو آپ کی

محبت کا واسطہ.....“ انتہائی بے بسی سے اس نے علی کے

سامنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔ ”میں سب کے سامنے بے

بس ہوں اپنی سچائی اپنا عہد ثابت نہیں کر سکتی۔ آپ نے

مجھے میرے عہد کو پورا کرنے میں مدد

کریں پلیز.....“ علی نے ایک نظر روتی ہوئی دعا پر ڈالی اور

بڑھیاں اتر گیا۔



اگلی صبح علی واپس اسلام آباد جا چکا تھا۔ اسے لگا تھا وہ

انکار کر دے گا رشتے سے پرہیز اس کی غلط فہمی تھی۔ آج علی کو

گئے تیسرا دن تھا جب اک دن اس کی امی نے اسے بتایا کہ

آج شام علی کے ساتھ اس کی منگنی ہے۔ بس چند قریبی

لوگ ہی ہوں گے اس کے ماموں پھوپھا جو وغیرہ اور علی

کی فیملی..... وہ تو کچھ سن ہی نہیں رہی تھی۔ اس کے

اعصاب جیسی شل ہو چکے تھے۔ وہ خاموشی سے وہاں سے

اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ کمرے میں جا کر

کھڑکی کے قریب بڑی کرسی پر بیٹھی اور سامنے دیوار پر لگی

خانہ کعبہ کی تصویر کو دیکھنے لگی۔

”میرا عہد امت ٹوٹنے دینا مولادہ عہد مجھے بہت پیارا

ہے۔ میری محبت اور میرا عہد میں کیا کروں مولادہ؟“ الفاظ

لوٹ لوٹ کر اس کے لبوں سے ادا ہو رہے تھے۔ ”میں

تھک گئی مولادہ فرما۔ آپ ہی تو کہتے ہیں کہ مومن عہد

نہیں توڑتے۔ میری مدد فرما کہ یہ عہد ٹوٹے۔ میں سب

آپ پر چھوڑتی ہوں۔“ وہ چہرے پر اپنے دنوں کا تھک کر

پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ باہر سے ہلکی آوازیں آ رہی

تھیں پھر کوئی اس کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ اس کی کزن

زروئی تھی جس نے اسے جلدی باہر آنے کو کہا کیونکہ اسلام

آباد سے مہمان آچکے تھے۔ اس نے جواب میں صرف

ہوں کہا اور زروئی جلدی سے باہر نکل گئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ

چیخ کر چکی تھی بھی دروازے پر ہلکی سی دستک کے بعد کوئی

اندرا آیا تھا مگر وہ ہر احساس سے عاری سامنے دیکھنے میں

گمن تھی۔ اس نے بالکل سادہ سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ اس

کے گیلے ہتھکڑیاں بال بال بھرے ہوئے اور کچھ تھکے سے

چپکے ہوئے تھے۔ دو ہڈیاں آدھا صوفے سے نیچے تھا اور آدھا

اس کے گھٹنوں پر اندر آنے والی جھانڈ زروئی اور اس کی باقی

کزنز تھیں۔ زروئی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ہندی لگانے

لگی۔ اس نے کوئی مزاحمت نہ کی۔ اس کی کزنز باتوں میں

مصرف تھیں کہ دعا خوش نصیب ہے۔ علی بہت ہنڈم اور

بال دار گھرانے سے ہے۔ کچھ علی کی فیملی پر تبصرہ کر رہی

تھیں مگر دعا جیسے یہاں تھی ہی نہیں۔ یہاں تک کہ زروئی

نے ہندی بھی لگا دی مگر وہ ابھی تک اسی حالت میں بیٹھی

تھی۔ وہ جوں کی توں بیٹھی رہی۔ کمرے کا دروازہ کھلنے اور

پھر بند ہونے کی آواز نہ سن سکی۔ علی آہستہ قدموں سے

چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا پھر دروازہ کھول کر دعا کے سامنے

زمین پر بیٹھ گیا۔ وہ پتھر کے مجسمے کی طرح ابھی تک ساکت

تھی علی نے اسے پکارا مگر جواب نہ دیا لگتا تھا جیسے وہ یہاں

تھی ہی نہیں۔ علی نے دعا کا دو ہڈیاں اٹھا کر اس کے سر پر ڈالا۔

تو وہ ایک دم سے بڑ بڑائی۔ سامنے بیٹھے علی کو دیکھا جو سر

اٹھائے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا

جہاں ہندی لگی تھی پھر دیران آنکھوں سے علی کو دیکھا اور

سر جھکا گئی۔

”میرا وعدہ سچا تھا۔ آپ سمجھے نہیں.....“ وہ جیسے

خود کلامی کے سے انداز میں بولی مگر علی نے اس کا ہر

لفظ بغور سنا۔

”دعا.....“ علی نے پکارا۔ ”آپ کا عہد ضرور سچا

رہے گا۔ میں آپ کی کینیت سمجھ سکتا ہوں برا آپ میری

بات نہیں.....“ دعا نے علی کو دیکھا، ان آنکھوں میں

دیرانی سی تھی۔ ”دعا“ آپ جانتی ہیں شریعت میں منگنی کا

کوئی تصور نہیں۔ اگر میں رشتے سے انکار کرتا تو بھی آپ

کی شادی کہیں نہ کہیں ضرور ہوتی۔ منگنی ہونے کے بعد

بھی ہمارا رشتہ صرف دوستی کا رہے گا۔ میں آپ سے

شادی نہیں کروں گا۔ یہ منگنی صرف آپ کا ساتھ دینے

کے لیے ہے۔ میں نے آپ کو چاہا ہے اسی لیے مجھے

آپ کی خوشی عزیز ہے دعا..... آپ مجھ رہی ہیں ناں۔“

دعا ایک دم چوٹ گئی۔

”آپ مجھ سے محبت مت کریں علی..... آپ بہت

اچھے ہیں۔“

”کیا محبت کرنا نہ کرنا ہے بس میں ہوتا ہے؟“ اس کی

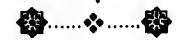
بات سن کر علی نے پوچھا اور دعا سر جھکا گئی۔



ہلکے گلابی رنگ کے کامدار چوڑی دار پا جاے اور پشتوار میں دعا بہت پیاری لگ رہی تھی۔ علی نے دیکھا تو جیسے ہلک جھپکتا بھول گیا۔ دعا کو لاکر اس کے ساتھ بٹھایا گیا تو وہ چونکا اور جلدی سے تھوڑا فاصلے پر ہو گیا۔ اسے اپنا عہد یاد آ گیا۔ کچھ دیر میں منگنی کی رسم ہوئی دعا نے اسے اور اس نے دعا کو انگوٹھی پہنائی۔ سب اسے مبارک باد دے رہے تھے۔ ہر طرف شور مچا تھا مگر اس کے اندر گہری جامد خاموشی تھی۔ اسے دعا سے محبت ہوئی۔ وہ پاس لگتا تھا اسے اس لیے سب سے لڑکر اسے پانے کی کوشش کی مگر دعا ہوا کی طرح تھی اسے وہ اپنے گرو محسوس تو کر سکتا تھا مگر اسے پکڑنا اسے مٹھو نا اس کے بس میں نہ تھا۔ وہ دعا کا ساتھ ضرور دے گا۔ یہ عہد اس نے خود سے کیا تھا کہ محبت صرف دعا نے ہی نہیں علی نے بھی کی تھی۔ ویسی ہی محبت جیسی دعا نے حمدان سے کی تھی بالکل ویسی ہی محبت علی نے دعا سے کی تھی۔



وقت تھوڑا سا آگے سرکا۔ دعا کے ایگزامز بھی ہو گئے اور وہ پاس بھی ہو گئی بی ایڈ میں۔ کبھی بہت مضطرب ہوتی تو زیادہ سے زیادہ وقت رت کے سامنے گزار کر اپنے عہد کو وفا کرنے میں اپنے رت کی مدد کو پکارتی تھی۔ وہ اللہ کی مدد کے بنا کچھ نہ کر سکتی تھی اسی نے تو اسے اتنا پیارا دوست دیا تھا۔ وہ اکثر علی سے اصرار کرتی تھی کہ شادی کر لو اور وہ کہتا پھر آپ کا کیا ہوگا۔ تب وہ کہتی اچھا ابھی رہنے دو میرے جانے کے بعد کر لینا۔ وہ جواب میں کچھ نہیں کہتا تھا۔ میں اس کو بھولنا چاہوں تو کس طرح عادل جو میری ذات میں زندہ ہے خود میری ذات ہونے تک



وقت کا کام گزرتا ہوتا ہے۔ دعا نے اسے کچھ عرصہ کا کہا تھا مگر آج دو سال گزرنے کے باوجود نہ حمدان نے خود رابطہ کیا تھا اور نہ ہی اس کی رابطے کی کوئی کوشش کامیاب ہوئی تھی۔ حمدان کے دل تو بہت مصروفیت بھرے گزر جاتے مگر اکثر باتیں وہ دعا کی یادوں میں اسے سوچ سوچ

کر گزرتا۔ شروع میں ایمان نے اس کے رویہ کی وجہ سے کئی بار جھگڑا کیا مگر پھر حمدان کی خاموشی سے سمجھتا کر لیا۔ ایمان حمدان کی تنہائیوں کی سہمی تھی۔ وہ اسے شروع سے جانتی تھی۔ شادی سے پہلے اور بعد میں بھی حمدان اس کا بہت خیال رکھتا تھا، بہت محبت سے پیش آتا۔ ایمان حمدان سے محبت کرتی تھی۔ اسے پالیا تو خود کو دنیا کی خوش نصیب عورت تصور کرنے لگی۔ وہ خوش تھی ہر کام حمدان کی پسند کا کرتی لباس تک اس کی پسند سے پہنچتی اور حمدان بھی بہت تعریف کرتا۔ مگر پھر اچانک کچھ ایسا ہوا کہ حمدان بدل گیا کچھ تھا جو پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ حمدان کا ایمان کے ساتھ آج بھی رویہ بہت نرمی لیے ہوتا مگر ایمان جتنی بھی پیاری لگ رہی ہوئی حمدان کی نظروں میں وہ رنگ نہیں اترتے جو شادی کے شروع دنوں میں دیکھ کر وہ نہال رہتی تھی۔ کچھ ایسا ہوا تھا جس نے حمدان کے اندر اضطراب بھردیا تھا۔ حمدان ایمان کے ساتھ ہو کر بھی وہاں نہیں ہوتا تھا۔ ایمان کو لگتا وہ جیسے خود کو کہیں رکھ کے بھول گیا ہو۔ اکثر وہ ساری ساری رات گھر سے غائب رہتا اور اگر گھر میں ہوتا تو بہت بے چین پھرتا یا گاڑوں میں اسٹنڈی روم یا پھر برآمدے کی نشستوں پر..... یوں لگتا تھا جیسے گرمی سردی کی اسے کوئی پروا نہ تھی۔ ایمان عورت تھی اس کی بیوی اس کی شریک سفر۔ جب حمدان اس کے ساتھ ہو کر بھی ساتھ نہ ہوتا تو وہ بے چین ہو جاتی۔ اسے کھون رہنے لگی کہ کہاں پر اور کیا بدلا ہے۔ سال بھر پہلے جب حمدان رات کو بے چین ہو کر وضو کر کے اسٹنڈی روم میں گیا تو اس کے جانے کے کچھ دیر بعد ایمان بھی اس کے پیچھے گئی۔ اسٹنڈی روم ہلکا سا کھلا تھا۔ حمدان سلام پھیر رہا تھا پھر اس نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ ایمان نے دیکھا وہ رو رہا تھا۔ اس کا حمدان اس کا محبوب شوہر رو رہا تھا۔ اس نے اپنی ساری ساتتیں حمدان کے لبوں سے پھسلے لفظوں پر لگا دیں۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”اے پروردگار عالم میرے گناہوں کو بخش دے۔ میں نے تیرے نام سے دعا سے جو عہد باندھا اس کو پورا کرنا چاہتا ہوں پر اس کی کوئی خبر نہیں۔ آج دعا سے مجھے

عشق ہے پر وہ اب مجھ سے بات ہی نہیں کرتی۔ اپنی ساری بے چینیوں اس نے مجھے سوپ دی ہیں۔ کل میرے جھوٹ پر اسے یقین تھا آج میرا ج وہ کیوں سننا نہیں چاہتی۔“

ایمان اس سے آگے سن ہی نہیں پائی اور اپنے بے جان ہوتے وجود کو شکل گھینٹے ہوئے اپنے بند کٹا آئی۔ اس کی حالت لٹے ہوئے مسافر کی سی تھی۔ اس کا محبوب شوہر اس کا ہو کر بھی اس کا نہ تھا۔ اس کے پاس تو حمدان کا خالی وجود تھا روح تو دعا کے پاس تھی۔

”تو حمدان سید..... آپ کی ساری بے چینیوں ساری دفتیں ساری جھنجھیں اس عورت کی ہیں جس سے آپ نے کوئی عہد باندھا تھا۔ میری مجبوری یہ ہے حمدان سید کہ میں آپ کو چھوڑ بھی نہیں سکتی۔ پتا نہیں مجھے دعا سے نفرت کرنی چاہیے یا نہیں۔ وہ عورت ہو کر بھی عورت کا دکھ نہیں سمجھتی یا محبت نے سمجھنے نہ دیا۔ میرے دل میں اس کے لیے پتا نہیں کیوں کہیں کوئی نفرت نہیں شاید اس لیے کہ وہ آپ کی محبت ہے اور آپ میری محبت میرے شوہر ہیں اور مایاں بیوی تو لباس کی طرح ہوتے ہیں جس طرح لباس وجود کی تمام خوب صورتیوں اور بد صورتیوں کو چھپاتا ہے اور تحفظ فراہم کرتا ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ بھی ویسا ہی ہے۔ میری آپ سے محبت پہلے سے بھی بڑھ کر ہے پر میں شاید بھی آپ کو پتا نہیں پاؤں گی کہ میں آپ کے راز سے واقف ہوں مگر پھر بھی آپ سے محبت کرتی ہوں کہ میرے بس میں صرف چاہنا ہے چاہے جانا میرے بس میں کہاں.....“ ایمان کی سوچوں کا تسلسل ریان کے رونے کی آواز سے ٹوٹا تھا۔ وہ بے بی کاٹ کے پاس آئی جہاں اس کا بڑا بڑا سالہ بیٹا بھوک سے رو رہا تھا۔ اس نے جھک کر اسے مٹنے کو اٹھایا اور اپنی ہاتھوں میں بھر لیا۔ ماں کے وجود کی گرمی کو محسوس کرتے ہی ریان خاموش ہو گیا۔ ایمان کو لگا اس کی کل کا نکات تو اس کی ہاتھوں میں ہے۔ اس سوچ نے اس کی رہی سہی بے چینی کو بھی ختم کر دیا تھا۔



وہ کچن میں رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی جب اسی کی پکار پر پلٹ کر دیکھا۔

”جی امی۔“ دعا نے کہا۔

”بیٹا تمہارے بھائی کا فون تھا۔ انہوں نے تمہیں اپنے پاس لاہور بلایا ہے تمہاری بھالی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔“ دعا نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ”تم فارغ ہو کر اپنی پیکنگ کر لو۔ علی شام کو آئے گا کل تم اسی کے ساتھ چلی جانا۔“ علی آج کل لاہور میں ہی تعینات تھا۔

”جی امی۔“ دعا نے کہا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

آج کل گھر میں دعا اور علی کی شادی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ دونوں گھروں کو ہی جلدی تھی جب کہ دعا مضطرب تھی مگر وہ حمدان سے رابطہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اس نے پیکنگ کرنے کے بعد ٹائم دیکھا۔ سواؤس بج چکے تھے اس نے سیل فون آن کیا۔ ہینڈ زفری لگائے اور کھڑکی کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ کر سننے لگی۔ آج پتا نہیں کیوں حالت عجیب سی تھی۔ شو شروع ہو چکا تھا حمدان ایک نظم پڑھ رہا تھا۔

چلو اک اور دنیا میں

تمہارے ساتھ چلتے ہیں

جہاں حالات کچھ بھی ہوں

مگر ہم ساتھ رہتے ہیں

جہاں موسم کوئی بھی ہو

جدائی کا نہ ہو لیکن

جہاں یہ چاند بھی تم ہو

جہاں سورج ہو آرونی

خوش ہو کارنگ تم سے ہو

جہاں ہر دل دھڑکنے کا

ہر ایک احساس تم سے ہو

جہاں پر میرے جیسے کی

ساری آس تم سے ہو

چلو اک اور دنیا میں

تہمارے ساتھ چلتے ہیں

حمان کا ہر لفظ اب دعا کے لیے ہوتا تھا مگر دعا اب اس کے لفظوں میں خود کو نہیں ڈھونڈتی تھی کہ جب اس نے حمان کے لفظوں میں خود کو ڈھونڈا تو سوائے دکھ کے کچھ نہ ملا تھا۔ اس نے سارا شوشا اور پھر رات بھر گاتی رہی۔ آج اس کے ساتھ عجیب سا ہورہا تھا۔ جو بھی دیکھتی یا سنتی ہوں لگتا آخری بار دیکھ یا سن رہی ہو۔ وہ سوئی نہیں بس بھی کبھی کبھار گھبرا جاتی تھی۔ اس نے ڈائری لکھی اور لکھنے لگی۔

”اے پروردگار..... تو شاہ جی کو ہمیشہ خوش رکھنا۔ پتا نہیں کیوں آج میرا ان سے بات کرنے کو بہت دل کر رہا ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے میں ہر کام آخری بار کر رہی ہوں پھر کبھی نہ کر پاؤں گی۔ یا اللہ پاک..... شاہ جی کو مطمئن کرو دینا۔ وہ ایک مکمل خوش گوار ازدواجی زندگی بسر کریں۔ میں نے انہیں معاف کیا تو بھی معاف فرما، ہم سب پر رحم فرما آمین۔“

.....

ان کی گاڑی پنڈی بھٹیاں انٹر چینج سے لگی تھی۔ رات تقریباً پونے دس کا ٹائم تھا جب اس نے اپنے پنڈ بیگ سے ڈائری نکال کر علی کی جانب بڑھائی اور بولی۔

”علی..... آپ اسے اپنے پاس رکھ لو اگر میں نہ ہوں تو آپ یہ حمان کو دینا۔ اس میں ان کا نمبر ایڈریس اور تصویر بھی ہے۔“ علی نے ڈائری پکڑتے ہوئے اسے دیکھا اور بولا۔

”دعا..... بہت فضول باتیں کرتی ہو تم.....“ اس نے علی روز بعد ایک نظم حمان کو سینڈ کی۔

انا ہو کر پلندہ وفا ہو کر
م بیٹھ گئے آخر راضی بہ رضا ہو کر
ن رت میں وہ چمچڑا تھا اس رت کے تعاقب میں
ا ہے کہ بھٹکتا ہے راہوں کی ہوا ہو کر
نہم کے زلفوں میں اک عمر سے قیدی ہیں
ہا میں گئے ہم آخر اک روز رہا ہو کر

اس درجہ حوادث سے خائف ہے میری ہستی
ہر لفظ لکھتا ہے ہونٹوں سے دعا ہو کر
Always be happy dearest
فی امان اللہ۔

حمان نے ایس ایم ایس پڑھتے ہی کال کی تھی پر دعا نے ریسپونڈ نہیں کی اور سیٹ کی پشت سے سر دکھایا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ڈیش بورڈ پر رکھا اس کا موبائل فون پھر بج رہا تھا۔ علی نے اسے دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر سیل فون اٹھایا۔ آن کر کے کان سے لگایا دوسری طرف کوئی بہت بے قراری سے بولا تھا۔

”پلیز دعا..... میری بات سن لو۔ مجھے تم سے تمہارے عشق سے بھی زیادہ عشق ہے۔ میں تمہیں تمام رسوں اور شریعت کے مطابق اپناؤں گا۔“ وہ بول رہا تھا اور علی دعا کو دیکھ رہا تھا جس کی بند پلکوں سے آنسو گر رہے تھے۔ علی کی نظریں دعا پر اور سماعتیں حمان شاہ کے لفظوں کی طرف تھیں۔ پیچھے سے ایک ٹرک ڈرائیور نے اور ٹیک کرنے کی کوشش میں گاڑی کو ٹکر ماری تھی۔ علی نے کار سنبھالنے کی کوشش کی مگر گاڑی دوڑ تک ٹرک کے ساتھ ٹکرائی ہوئی گئی تھی۔ ٹرک ڈرائیور فرار ہو گیا۔ ان کی کار الٹ گئی تھی۔ علی نے بمشکل تمام وہاں سے خود کو نکالا اسے کافی چوٹیں آئی تھیں۔ دعا ابھی تک انی کار میں بے ہوش پڑی تھی وہ شدید زخمی تھی۔ سوڑے پرگشت پر ماسور پولیس فوراً وہاں پہنچی اور علی کی مدد سے دعا کو نکالا اور دونوں کو قریبی اسپتال لے گئے۔ علی کو یوں تو کافی چوٹیں آئی تھیں مگر کوئی بھی چوٹ خطرناک نہ تھی۔ وہ ٹھیک تھا اسے ماتھے اور ہاتھ پر بے نیچ کر دی گئی تھی۔ اتنے خطرناک حادثے سے اس کا بچ جانا معجزہ تھا مگر دعا کی حالت سیریس تھی وہ آئی سی یو میں تھی۔ علی کا ریڈر وہاں بیٹھارٹ سے دعا کے بچنے کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

.....

وہ کل سے شدید اضطراب میں تھا۔ احساسات عجیب سے ہورہے تھے۔ لگتا تھا جیسے اس کا کچھ کھو گیا ہو کچھ

بہت قیمتی۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔ سامنے ٹی وی چل رہا تھا مگر اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ وہ بے چین تھا بھی اس کے موبائل فون کی بپ ہوئی اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی سیل اٹھا کر آج بھی اس امید سے چپک کیا کہ شاید دعا کا میج ہو اور آج اس کی امید بچ ثابت ہوگی۔ ایس ایم ایس دعا کا ہی تھا۔ اس نے میج پڑھتے ہی کال کی مگر دعا نے ریسپونڈ نہیں کی۔ اس نے جب بار بار کال کی تو ریسپونڈ نہ کی مگر وہ بولی نہ تھی۔ وہ بہت کچھ کہہ رہا تھا بھی عجیب سا کچھ ہوا تھا شاید کوئی حادثہ ہوا تھا وہ کافی دیر لوٹا رہا مگر کوئی جواب نہیں آیا اس کی بے چینی حد سے سوا ہو گئی تھی پھر ایک مردانہ آواز ابھری تھی۔

”حمان..... میں علی بول رہا ہوں۔ پنڈی بھٹیاں انٹر چینج سے ٹھوڑے فاصلے پر ایک ہیڈنٹ ہوا ہے۔ دعا کی حالت ٹھیک نہیں اسے اسپتال لے جا رہے ہیں۔“ اتنا کہہ کر کال ڈراپ کر دی گئی تھی۔ حمان فوراً اپنی کار لے کر گھر سے نکلا تھا۔ تقریباً رات بارہ بجے کے قریب پنڈی بھٹیاں پہنچ کر اس نے دعا کے نمبر پر کال کی جو کچھ دیر بعد ریسپونڈ کر لی تھی۔ علی سے پتا چڑھ کر وہ اسپتال پہنچا۔ وہاں پہنچ کر پھر علی کو فون کیا علی اسے ایمرجنسی وارڈ میں لے گیا تھا۔ وہ دعا کو دیکھنے کے لیے بے چین تھا مگر دعا کے پاس جانے کی اجازت کسی کو نہ تھی۔ علی نے گھردلوں کو بھی مطلع کر دیا تھا۔ حمان کی حالت عجیب ہو رہی تھی۔ علی نے پتا نہیں کیا کہا کہ ڈاکٹر ز حمان کو دعا کے پاس جانے کی اجازت دے دی۔ حمان آہستہ قدموں سے چلتا ہوا دعا کے قریب پہنچا۔ دعا کے سر پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں اس کی گردن پر گہرا زخم کا نشان تھا۔ اسے کار کا شیشہ ٹوٹ کر لگا تھا۔ دعا کی آنکھ کے پاس بھی تقریباً ڈیڑھ انچ زخم کا نشان تھا۔ اس کی سفید رنگت زرد ہو گئی تھی۔ حمان کو اس کی بند آنکھوں سے وحشت ہونے لگی۔ وہ اس کے پاس ہی بیٹھ پر بیٹھ گیا اور اس کا ہاتھ اپنے دلوں ہاتھوں میں لے کر غور سے دعا کو دیکھا۔

”دعا..... انٹوجھے تم سے بہت سے باتیں کرنی ہیں۔“

ان دو سالوں کی ہر بات بتاتی ہے جو تمہارے بعد مجھ پر گزری..... تم اب مجھ سے دور نہیں جا سکتیں۔“ اس نے علی کو دیکھا اور بولا۔ ”علی پلیز..... آپ اس سے کہیں نا کہ یہ اٹھے اور مجھ سے بات کرے۔“ وہ پھر دعا کو دیکھنے لگا اور خود کلائی کے سے انداز میں بولا۔ ”دعا..... تم نے کہا تھا شاہ جی میں آپ سے عشق کرتی ہوں تو تمہیں اس کا واسطہ اٹھو..... میرے دل کی دھڑکن بند ہو جائے گی۔ ایسے چپ مت رہو۔ میں نے تمہیں بہت تنگ کیا تم مجھے تنگ مت کر دو پلیز دعا۔“

علی نے حمان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا حمان نے اک نظر دیکھا اور پھر دعا پر جھکا اس کے پنجوں میں جکڑے ماتھے پر اپنے لب رکھ دیئے پھر سیدھا ہوا دعا کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگایا اور بے بسی سے دعا کو دیکھنے لگا۔ علی بمشکل حمان کو باہر لایا تھا کیوں کہ دعا اور علی کے گھر والے کسی بھی وقت آ سکتے تھے۔

.....

دعا کا چھوٹا بھائی حمزہ اور ابا آ گئے تھے۔ دعا کی امی کوئی الجال حادثے کا نہیں بتایا گیا۔ علی کے گھر والے بھی آ گئے تھے۔ وہ لوگ دعا کے کمرے کی طرف بڑھے تو علی اور حمان رک گئے تھے۔

”حمان پلیز..... آپ خود کو سنبھالیے اس موڑ پر آ کر آپ کی محبت بدنام ہو یقیناً آپ نہیں چاہیں گے۔ آپ کی ایسی حالت دیکھ کر سب سوال ضرور کریں گے۔ سو پلیز.....“ علی نے حمان سے کہا ابھی وہ کچھ اور بھی کہتا کہ حمزہ تیزی سے ان کی طرف بڑھا۔

”علی بھائی..... آپ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی ہے۔“ یہ سنتے ہی علی تیزی سے ڈاکٹر کو بلا لایا۔ ڈاکٹر نے سب کو دعا کے پاس بٹا دیا تھا۔ کارڈیور کے پرفرش پر دعا کے ابو جگہ ریڈ ہو کر مالک حقیقی سے اپنی بیٹی کی سلامتی کی دعا مانگ رہے تھے مگر شاید دعاؤں کی قبولت کا وقت گزر چکا تھا۔ بھی ڈاکٹر ان کے قریب آ رکھا سب نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا تھا۔ ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز

میں کہا تھا۔

”آئی ایم سوری..... شی از نو مور.....“ ڈاکٹر کہہ کر جا چکا تھا۔ دعا کے ابو مگر نے کے سے انداز میں بیٹھ گئے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ کر بکھر رہے تھے۔ انہیں اپنی بیٹی سے بہت محبت تھی، بس کبھی کہا نہیں آج وہ محبت سامنے بھی مگر اس سے دیکھنے والی تھک ہار کر اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند کر چکی تھی۔ تمام کارروائیاں پوری کرنے کے بعد دعا کی میت لے کر وہ سب تقریباً صبح سات بجے کے قریب گھر پہنچے۔ دعا کے بڑے بھائی عمر بھی ابھی پہنچے تھے اور قریبی عزیز گھر میں جمع تھے۔ دعا کی امی کو کچھ دیر پہلے ان کی بیٹی کی موت کی خبر سنائی گئی تھیں وہ تب سے بے ہوش تھیں۔ دعا کی نانوجسموں زندہ چہرے پر بے شمار آنسو لیے اپنی بوڑھی آنکھوں سے اپنی سب سے پیاری نواسی کے بے جان وجود کو دیکھ رہی تھیں۔ وہ اکثر کہتی تھیں۔

”نانو..... امی مجھ سے پیار نہیں کرتی ناں پتا ہے ناؤ آپ کے وجود میں ان سب کی محبت کی گرمی کو محسوس کرتی ہوں۔ بس آپ وہ واحد ہستی ہیں جو مجھ سے پیار کرتی ہیں۔ ناؤ آپ دیکھنا ایک دن سب مجھ سے کہیں گے کہ وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں پر تب میں نہیں سنوں گی۔ ناراض ہو جاؤں گی سب سے.....“ تب انہوں نے مسکراتے ہوئے دعا کے بالوں میں ہاتھ پھیرا اور بولیں تھیں۔

”میری بیٹی..... تو بہت پیاری ہے بھی ناراض نہیں ہوتی۔“

”پرو دیکھنا آپ ناؤ..... میں ہو جاؤں گی ناراض.....“ دعا نے کہا تھا اور آج وہ ناراض تھی سب اس کے لیے ایشک بار تھے پروہ نہیں سن رہی تھی۔ اس کی امی کو ہوش آ گیا تھا وہ اپنی بیٹی کے بے جان وجود کو چومتے ہوئے اپنی ممتا کا یقین دلا رہی تھیں۔

”دعا..... تم جب جا رہی تھیں تو میں نے تمہیں بھائی بھائی گل سب کا خیال رکھنے کو کہا۔ تمہارا خیال رکھنے کو نہیں کہا تو تم نے رکھا بھی نہیں۔ کیوں دعا کیا تم نے اپنی ماں

کے دل کی آواز کو نہیں سنا تھا؟ اٹھو ناں دعا تمہاری ماں پوری کائنات میں سب سے زیادہ تم سے پیار کرتی ہے۔“ ان کی آنکھوں سے آنسو دعا کے بے جان وجود پر گر رہے تھے پر اب دعا ہر احساس سے دور جا چکی تھی۔ سفید نق میں لپٹے اس کے معصوم وجود کو دیکھ کر ہر آنکھ اشک بار تھی۔ نماز جنازہ کے بعد اسے اس کے آخری ٹھکانے پر لے گئے تو عمر کو یاد آیا دعا کو قبرستان سے بہت ڈر لگتا تھا۔ عمر دعا سے پانچ سال بڑا تھا۔ دعا جب چھ سال کی تھی تو ایک بار وہ قبرستان آئی تھی اور قبرستان میں داخل ہوتے ہی وہ عمر کی ٹانگوں سے چپک گئی تھی اور اب وہ اس کے وجود کو قبر میں اتار رہے تھے۔ تب بھی وہ چپ چاپ تھی عمر کو لگا وہ اٹھے گی اور کہے گی۔

”بھائی..... مجھے یہاں ڈر لگتا ہے مجھے گھر لے چلو۔“

پرو دعا نے کچھ نہیں کہا تھا۔ اس کے سب پیاروں نے اس پر مٹی ڈالی تھی۔ وہ مٹی مٹی میں مل گئی۔ ہر چیز کو فنا ہے سوائے رب کی ذات کے۔ وہ مر گئی مگر سب کے دلوں میں اپنی محبت چھوڑ گئی تھی۔ وجود مٹ گیا تھا۔ اخلاق و محبت زندہ تھے کئی دلوں میں اس کے پیارے اسے دفنانے کے بعد شکستہ قدموں سے واپسی کی جانب محو سفر تھے۔

زندگی کی بساط بس اتنی ہی ہے۔



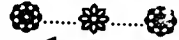
حمان گھر پہنچ کر اسٹڈی روم میں بند ہو گیا تھا۔ وہ کل رات گھر سے نکلا تھا اور آج شام لوٹا تھا۔ ایمان کئی بار اسے فون کرنے کی کوشش کر چکی تھی مگر اس کا نمبر بند تھا۔ وہ پریشان تھی اور جب وہ لوٹا تو بتا دیکھے اسٹڈی روم کی جانب بڑھ گیا تھا۔ پیچھے سے اسے پکارا بھی تھا اس نے ایک پل رک کر دیکھا اور دوسرے ہی لمحے دروازہ بند کر لیا تھا۔ ایمان کو اس کی آنکھیں اور چہرہ دیکھ کر لگا تھا جیسے وہ سب کچھ ہار گیا ہے۔ اس کی سرخ آنکھیں مکمل اجنبیت لیے ہوئے تھیں۔ ایمان کو لگا وہ اپنے حواسوں میں نہیں۔ حمان دروازہ بند کر کے میز کے قریب پڑی کرسی پر بیٹھا ہاتھ میں پکڑی ڈائری پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔



رہ طلب کے تقاضوں سے آشنا ہی نہ تھے
نماز عشق و گرنہ نہ ہم قضا کرتے
میرے تکلم میں گر ٹھہرتا تو
بیاں ہم بھی اس سے دل کا مدعا کرتے

محل سے دیتی کہ وہ کیتھولک انگریز ہے جن کی روایات مشرق جیسی ہوتی ہیں۔
”نیتا تم نے آج پھر ساری کلاسز مس کر دیں۔“ اس نے انتہائی شستہ انگریزی لہجے میں بات کی جبکہ میں ہمیشہ بگڑے ہوئے امریکیوں کی تباہ شدہ انگریزی میں بڑے فخر سے لوگوں کو متاثر کرتی تھی۔ ہم میں کچھ بھی ایک جیسا نہ تھا پھر بھی کوئی تعلق کی ڈور ایسی ضرور تھی جس نے ہمیں ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا۔
”مارتا تم مجھے کیچر مت دیا کرو ایک تو پہلے ہی میرا موڈ آف ہے۔“ ڈیوڈ نے آج ضرورت سے زیادہ دیر کر دی تھی اور اسے آج ڈیوڈ کے ساتھ ڈیٹ پر جانا بھی اور مارٹھا کی مداخلت بری لگ رہی تھی، ابھی میں مارٹھا سے جان چھڑانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ مارٹھا میری ناگواری بھانپ گئی کہ میرا موڈ ڈیوڈ کے نائنے سے خراب ہے۔
”مارٹھا..... ڈیوڈ تمہارے لیے اچھا نہیں ہے اور.....“
”مارٹھا پلیز تم پرسل ہو رہی ہو۔“ میں نے اس بار

گھڑی کی ٹنگ ٹنگ میرے اعصاب پر ہتھوڑے برسا رہی تھی مجھے اپنے اعصاب سے جنگ کرتے ہوئے پہلے ہی بہت دن بیت چکے تھے۔ خالی کمرہ اداس لمبی راتیں تنہائی اور لا چاری نے مجھے خود ترسی میں مبتلا کر دیا ہے۔ بے بسی کی انتہا پر پہنچ کر میں نے اپنے بال نوچے اور دہلی دہلی سسکیوں نے چیخوں کی شکل اختیار کر لی اور ان چیخوں نے ایک لفظ کی تکرار کی شکل اختیار کر لی اور پھر مجھے خود بھی پتا نہ چلا کہ میری زبان اللہ کا درد کرنے لگی اور اس لفظ نے میرے اعصاب کو پڑ سکون کر دیا تھا۔ کیا ہے اس ایک لفظ اللہ میں۔



”ہیلو نیتا۔“ مارٹھا کی آواز پر ناگواری نے میرے وجود کا گھبراؤ کر لیا تھا، اس کی جانب دیکھے بغیر مجھے یقین تھا کہ اس نے گاؤں نما میسی پہن رکھی ہوگی اور ہمیشہ کی طرح اسے میرے ٹاپ سیلیس بلاڈز اور منی اسکرٹ پر اعتراض ہوگا لیکن وہ بھی مجھے میرے لباس پر نوکتی نہ تھی مگر میں ہمیشہ اس کا مذاق اڑاتی جس کا جواب وہ ہمیشہ

”تو دعا..... تم کیج مجھ سے ناراض ہو گئیں؟ ایک بار میرا اعتراف تو سن لیتیں۔ تم نے کہا تھا تم فرار اختیار کرو گی۔ تم کسی کو تو چنٹیں..... اپنے گھر والوں کو ہی پٹن لیتیں پر زندہ رہیں۔“ اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ ان ہاتھوں میں اس دعا کا چہرہ تھا تھا۔ انہی ہاتھوں میں اس نے کئی گھنٹے دعا کا ہاتھ تھا میرے رکھا تھا پھر انہی ہاتھوں نے اس پر مٹی بھی ڈالی تھی اور مغفرت کی دعا کے لیے بھی یہی ہاتھ اٹھائے تھے۔ اس نے سامنے رکھی ڈائری کو کھولا اس کا ہر لفظ محبت میں ڈوبا تھا اور وہ محبت اس کے لیے اس کے اپنوں کے لیے تھی وہ کہتی تھی۔

”حمدان! آپ کو مجھ سے محبت نہیں اگر ہوتی تو میرے اپنوں کو آپ اپنا سمجھتے ان کی عزت کرتے۔ جیسے میں آپ سے وابستہ ہر چیز سے محبت کرتی ہوں چاہے وہ جان مار ہو یا بے جان۔ آپ کے گھر والے ہوں آپ کا گھر آپ کا شہر یا کچھ بھی جو آپ سے وابستہ ہو۔“

”دعا..... مجھے محبت ہے تم سے..... اور تم سے وابستہ ہر چیز سے.....“ وہ بول رہا تھا مگر جو سننا چاہتی تھی وہ منوں مٹی تلے جاسوئی تھی۔ اس کے اعترافات اب اسے واپس نہیں لاسکتے تھے۔



آج دعا کو اس دنیا سے گئے کئی سال ہو گئے تھے۔ اس کی محبت میں اس کے بھائی عمر نے اپنی بیٹی کا نام دعا رکھا تھا جو اپنی دادو کے پاس رہتی تھی اور سب کی جان تھی۔ حمدان نے اپنی بیٹی کا نام دعا رکھا تھا کہ وہ دعا کی بے پناہ عزت کرتا تھا۔ ایک دعا علی کی بیٹی تھی۔ سب اپنی اپنی زندگی میں مصروف تھے مگر آج بھی ہر پختہ حمدان کی گاڑی شہر خوشاں کی جانب آتی تھی جہاں دعا سوار تھی دعا کی قبر پر تازہ سرخ پھول رکھتا۔ بہت سی باتیں شیئر کرتا کچھ خاموش آنسو دعا کی قبر کی مٹی کی نذر کرتا اور تھکے قدموں سے لوٹ جاتا کہ سننے والی اب خاموش تھی۔ محبوبوں کا اقرار کر دینا چاہیے کہ زندگی کا کیا بھر دسہ جو آپ کی زندگی میں اہم ہیں انہیں ضرور ان کی اہمیت کا یقین دلانا چاہیے کہ



اسے غصے سے دیکھتے ہوئے بات کائی۔

”میں جانتی ہوں کہ کسی کی پرائیویسی میں مداخلت کرنا بری بات ہے مگر میں تمہیں اپنی دوست سمجھتی ہوں۔“

”تم اپنی سمجھا اپنے پاس رکھو میں کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہوں۔“ میں انہی شاید اس کو اور بھی کچھ سنائی مگر ڈیوڈ کو دور سے تادیکھ کر میں نے اپنے موڈ کو خوشگوار بنایا اور ڈیوڈ کی جانب بڑھ گئی۔ مارٹھانے تاسف سے اس کی پشت کو دیکھا اور پھر سر جھٹک کر کالج کی عمارت کی طرف چل دی۔

.....

”زہبی ڈارلنگ کہاں ہو تم؟“ سکندر باہر سے لاک کھول کے اپنی بیوی کو آوازیں دیتا اندر آیا۔ زہبی اس وقت ایک سرساز کر کے فارغ ہوئی تھی اور جوس نے کڑ صوفے پر نیم دراز بلا مقصد فی وی کے چمٹل بدل رہی تھی۔ سکندر کی آواز پر اس کی پوزیشن میں کوئی فرق نہ آیا لبتہ اس نے وہیں سے اس کو جواب دیا۔

”ہنئی میں لاؤنج میں ہوں یوں آتے ہی چلایا مت کڑ پڑوسی بھی شکایت کرتے ہیں۔“ سکندر نے پیک شدہ کھانا ٹیبل پر رکھا اور خود بھی صوفے پر نیم دراز ہو گیا۔ آج اتوار تھا اور دونوں ہی گھر پر آرام کر رہے تھے سکندر گروسری اور کھانا لینے مارکیٹ گیا ہوا تھا۔

”زہبی ڈارلنگ..... کل سے رمضان شروع ہونے والے ہیں۔“ زہبی نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور حیرت سے پوچھا۔

”تمہیں کیسے پتا چلا؟ کیا پاکستان میں کسی سے رابطہ ہوا؟“

”نو ہنئی..... اسٹور پر مسلمانوں کے لیے خاصی ڈسکاؤنٹ سیل لگی ہوئی تھی مجھے اچھے خاصے ستے دامنوں سب سامان مل گیا۔“

”تو پھر کیا کیا جائے میرا تو بی بی بہت لوہور ہا ہے ان دنوں تو کیا تم روزہ رکھو گے؟“ وہ طنزیہ ہنسی۔ سکندر

نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اٹھ کر پیک شدہ کھانا نکالنے لگا لیکن اس کی خاموشی میں کچھ خاص تھا جس کو زہبی محسوس نہ کر پائی۔

.....

”اٹھ جاؤ پتر بخت! پھر سحری کا وقت گزر جائے گا۔“ اماں سارے بچوں کو اٹھا چکی تھیں سراج اور معراج تو سحری کھا کے مسجد چلے گئے تھے حالانکہ بابا جان جب سختو کو اٹھانے آئے تھے تو اس کے کان بھی کیچھے تھے وہ اٹھ کر بیٹھا تھا مگر بابا جان کے جانے کے بعد پھر سو گیا تھا۔

”شادش پتر اٹھ جا اللہ دی نعمت داشکر کر اور رحمت نال تسکین پا! شاکری نہیں آزمائش میں نہ ڈال دے۔“ سختو آنکھیں سسلے ہوئے اماں کے پیچھے باورچی خانے کی چوکی پر بیٹھا اماں نے اس کی چٹگری میں پڑا پھر کھا اور کٹوری میں دی ڈالا سختو تیزی سے کھانے لگا۔

.....

”تم آخر چلی کیوں نہیں جاتی روز کیوں آ جاتی ہو۔ مجھے میری مجبوری لا چاری کا احساس دلانے یا میری بدصورتی کا مذاق اڑانے مت آیا کرو۔ مر جانے دو مجھے اسی تنہائی میں تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے آپ سے گھن آنے لگتی ہے۔ میں جانتی ہوں تم مجھ سے جلتی ہو یہ تمہاری ہی بری نظر ہے جو آج میں ایسی ہوں آج تم اپنی برتری مجھ پر جتانے آئی ہو۔ دغ ہو جاؤ یہاں سے گیٹ لاسٹ.....“

لیکن وہ تو جیسے کوگی بہری بنی ہوئی تھی میری کوئی بھی بات اس کو مشتعل نہ کر رہی تھی بلکہ وہ اور بھی تیزی سے ہاتھ چلاتی ہوئی کمرے کو صاف کر رہی تھی۔ صفائی سے فارغ ہو کر اس نے کھانا پکایا اور پھر جب میرے کپڑے تبدیل کرنے وہ پاس آئی تو میں نے اس کو ہاتھوں سے پرے دھکیلا چاہا۔

”تمہارے دھکے دینے سے میں نہ تو یہاں سے جاؤں گی اور نہ ہی تمہارے کپڑے تبدیل کیے بغیر چھوڑوں گی۔ تم جانتی ہو کہ میں بازنیں آؤں گی پھر کیوں

اتنا جتنی ہو خاموش رہو اور مجھے اپنا کام کرنے دو۔“ اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش کروایا اور اپنا کام تیزی سے کرتی رہی۔

.....

”اگر مارٹینا ڈیوڈ کی پہلی گرل فرینڈ نہ تھی تو ڈیوڈ بھی کوئی مارٹینا کا پہلا بوائے فرینڈ نہ تھا لیکن ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ ڈیوڈ کے ساتھ شرم و حیا کی تمام حدود پھلانگ گئی تھی۔ مغربی معاشرے میں یہ کوئی انوکھی بات نہ تھی اب وہ دونوں بر ملا ایک ہی فلیٹ میں رہتے ہلا گلا پارٹیز مخلوط گیرنگز اور شراب پینا ان کی معاشرت کا معمول تھا۔ مارٹینا نے تعلیم ادھوری چھوڑ دی تھی والدین کو تو وہ ویسے بھی بہت پہلے چھوڑ چکی تھی پر وہ ان سے ملنے کے لیے تھوڑا وقت نکالتی تھی تو اس وقت جب اسے پیسوں کی کمی کا سامنا ہوتا۔

.....

”زہبی میں سوچ رہا ہوں کہ ہم واپس پاکستان شفٹ ہو جائیں۔“ سکندر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اوہ مائی گاڈ!..... سکندر تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے آخر تم نے یہ سوچ بھی کیسے لیا؟ وہاں کے لوگ امریکا میں آنے کے لیے ترستے ہیں اور تم نیویارک سٹی میں رہتے ہوئے پاکستان جانے کا سوچ رہے ہو اور وہ بھی گاؤں میں! میں تب نہ رہ سکی اور اب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ وہ ناگواری سے بولی۔

”میں گاؤں جانے کی بات نہیں کر رہا..... گاؤں میں اب ہے ہی کون میرا انتظار کرنے والا۔ میں تو کراچی یا اسلام آباد کے کسی شاندار علاقے میں رہنا کس اختیار کرنا چاہتا ہوں۔“ سکندر کے لہجے میں اداسی رچی ہوئی تھی۔ ”کبھی نہیں..... کسی بھی قیمت پر نہیں کیا تم نیوز نہیں دیکھتے کہ وہاں کے لوگ کس طرح کی خوف زدہ زندگی گزار رہے ہیں۔ آئے دن کی دہشت گردی سے لوگوں کا جینا مشکل ہو جاتا ہے۔ جانے کب کس طرف سے آتی گولی کس کی جان لے لے کچھ پتا نہیں چلتا۔ ہم

مغربی اور شرقی ادب کی منتخب کہانیاں کا مجموعہ



ادبیات کا سب سے بڑا مجموعہ ہے
اس میں 100 سے زائد کہانیاں ہیں

شائع ہو گیا ہے

مغربی ادب سے انتخاب
ہر مضمون کے موضوع پر ہر مضمون کا ناول
مختلف سماجی مسئلوں والی آزاد خیالی کی تحریکوں کے پس منظر میں
معروف ادیبز رسل فسر کے قلم سے نکل ناول
ہر مضمون خوب صورت تراجم دیس دیس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

وہاں ایسے سرواویہ کر سکتے ہیں اور اصل حقیقت تو یہ بھی ہے کہ ہم نے کچھ جمع بھی خاص نہیں کیا۔ وہ کہہ کر رکی اور پھر قدرے جھجکتے ہوئے اس نے بات مکمل کی۔ ”اور اگر یہ سب ہم نظر انداز کر بھی دیں تو تم نے اپنی اولاد کا سوچا کیا وہ ہمارے کہنے سے پاکستان جائے گی۔“ زمی کے آخری جیلے نے سکندر کو پھر ادا اور اس نے سوچا کہ کاش وہ ان کی بیٹی نہ ہوتی۔

عید کے پڑے جانے ماں نے کب سی کے تیار کر لیے تھے، ہم تینوں لڑکے تھے اور ہماری کوئی بہن نہ تھی اور اماں اکیلی جان کب سارے کام کر لیتی تھی یہ ہم کو پتا ہی نہیں چلتا اور صرف عید کے پڑے تھے جن کو دیکھ کر بختو کو عید کے چاند کا سب سے زیادہ انتظار رہتا تھا۔

”میرا پتر..... تجھ بڑھا کر اللہ اس وقت بندے دے کو لے آ جاتا ہے بہت گول۔“ اماں بختو کو سینے سے لگائے سمجھا رہی تھیں۔

سینے میں شرابور سکندر کی آنکھ کھلی تو اس نے پانی کے جگ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو نظر ناٹم پیس پر پڑی۔ ڈھائی بجے تھے رات کے وہ کچھ سوچ کر اٹھا اور پھر واپس بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

مولوی سعید احمد کے دونوں بیٹے عملاً مسلمان تھے اپنے اماں اور ابا کی طرح، بختو کی طبیعت میں بدلاؤ تھا جانے کیوں اس کی فطرت الگ تھی بلا کاؤجین تھا مگر کچھ تھا جو اس میں قناعت نہ تھی اور نافرمانی تو اس نے پندرہ سال کی عمر میں ہی کر ڈالی تھی جب پہلی بار چھپ کے وہ شہر گیا اور فلم دیکھ کر آیا۔ یہ تو اس کے دوستوں نے معراج (اس کے بڑے بھائی) کو بتا دیا تو اماں کو غم ہو گیا۔

”بختو یہ جو چلتی پھرتی تصویریں ہیں ناں یہاں دی کا ایمان تباہ کر دیتی ہیں۔ تیری عمر ابھی بہت گئی جتنی اے میرے پتر مجھے سے وعدہ کر آئندہ تو ایسا کچھ نہیں کرے گا۔ بس رک جا گناہ ابھی تمہارے جسم کی منڈیر پر بیٹھا ہے اس کو دل کے اندر ڈیرے نہ ڈالنے دینا۔ اس کو برا

مہمان سمجھ کے باہر کے دروازے بند کر دو پھر اگر یہ میزبان بن گیا تو بڑی مشکل کر ڈالے گا۔“ بختو نے اماں سے وعدہ تو کر لیا لیکن دل سے نہیں آنکھیں چرا کے کیے ہوئے وعدے پر سادہ دل مائیں یوں ہی اعتماد کر لیتی ہیں شیطان اس کی روح کا میزبان بن چکا تھا اس سے تو بخت بھی بے خبر تھا۔

عبداللہ نے چند ہی دنوں میں یونیورسٹی میں ثابت کروا دیا تھا کہ وہ کسی بھی انگریز کو چیلنج دے سکتا ہے۔ اس کی ذہانت بے مثال تھی اور ہاتھ کو اس کی جس چیز نے سب سے پہلے متاثر کیا تھا وہ یہی ذہانت تھی۔ وہ بے انتہا جیہٹ بہت مہذب اور ریزورڈ بھی رہتا تھا یہ اس کی اضافی صفات تھیں۔

”یو ایڈیٹ تم نے جرأت کیسے کی مجھ پر ہاتھ اٹھانے کی؟“ مارٹینا زور سے چلائی ڈیوڈ کے لیے وہ پہلا دن تھا جب اس نے ٹینا پر ہاتھ اٹھایا اور مارٹینا جو ایک تری یافتہ ملک کی شہری تھی وہ اس سے ہنسی لیکن اس کو چھوڑنے کو تیار نہ ہوئی کیونکہ ایک تو پچھلے دروازے وہ اس دن خود پر بند کر چکی تھی جب اس کے ڈیوڈ نے اس کو ڈیوڈ کے ساتھ رہنے سے روکا تھا اس کی بڑی وجہ وہ ڈرگز بھی تھی جو ڈیوڈ اس کو دیتا رہا تھا۔ وہ اپنی تعلیم بھی مکمل نہ کر سکی تھی اور ڈرگز اور ابارشن پر ابارشن نے جہاں اس کا حسن تباہ کیا وہ کسی بھی کام کے قابل نہ رہی تھی۔

مولوی صاحب سر جھکائے محن میں بیٹھے تھے سراج اور معراج دونوں ابا کی خاموشی میں حصہ دار بنے ہوئے تھے اس خاموش ماحول کو اماں کی آواز نے توڑا۔

”مولوی صاحب سراج اور معراج کی واپس ہمارے گاؤں اور رشتہ داروں میں سے ہیں۔ ہمارا بڑا چاہا ان کے ساتھ گزر جائے گا آپ بسم اللہ کریں اور بخت کی مرضی جہاں ہے وہاں اس کی شادی کر دیں۔“ بخت بہت ذہین تھا پڑھائی میں سراج اور معراج نے کوئی

خاصی دلچسپی نہ لی انہوں نے کبھی باڑی سنبھال لی اور جلد ہی ان کی شاویاں بھی اماں نے میچوں سے کر دیں البتہ سکندر پڑھائی میں جھنڈے گاڑتا رہا تھا یہاں تک کہ اب وہ پنجاب یونیورسٹی کا ہونہار طالب علم تھا اور وہیں اس کی ملاقات زیب النساء سے ہوئی اور شروع شروع کی پسند بیاہ میں بدل گئی۔ زیب النساء بھی ایک متوسط طبقے سے تعلق رکھتی تھی اور اپنے والدین کی انگوٹی اولاد تھی دونوں کی سوچیں ایک جیسی تھیں دونوں ہی زندگی میں بہت آگے جانا چاہتے تھے اور ذہانت ان کے لیے راستے کھول بھی رہی تھی۔

یوں دونوں کی تعلیم مکمل ہوتے ہی سکندر بخت اور زیب النساء کی شادی ہو گئی۔ ابھی تو شادی کو کچھ ہی ماہ ہوئے تھے دونوں کو کیلی فورنیا کی پرکلی یونیورسٹی کی اسکا لرشپ مل گئی اس بار اماں بھی متشکر تھیں۔

”بابا جان مجھے باہر جانا ہے پاکستان میں کچھ نہیں رکھا ہم تری کرنا چاہتے ہیں۔“ ”تمہیں عرس نعمت کی کمی ہے بخت..... اللہ نے ہر نعمت تو دے رکھی ہے۔ تم میں یہ نا شکرا پن کہاں سے آ گیا؟“ بابا جان نے آزرگی سے کہا۔

”بابا جان نعمت روٹی مل جانا سونے کو بستر ہونا ایک کچا پکا گھر یہ کافی نہیں جینے کو اور بھی بہت کچھ چاہیے ہوتا ہے۔“ اپنی طرف سے بخت نے مضبوط دلیل دی۔ بابا جان لحظہ بھر کو چپ ہوئے اور پھر مسلسل بولنے چلے گئے۔

”نعمت کا مطلب سمجھتے ہو ہاتھ کو وائیں سے بائیں گھمانا اور اپنے پاؤں میں خود جوتا پہن لینا اور جب چاہنا جہاں چاہنا چلے جانا۔ دنیا میں یہ کتنی بڑی نعمت ہے یہ تم اس شخص سے جو چھو جس کی ٹانگیں مفلوج ہوں اور دنیا میں ایک تولہ ٹھوک کی کیا قیمت ہے۔ یہ تمہیں صرف وہ بتا سکتا ہے جس کا منہ ہر وقت خشک رہتا ہے اور اسے زبان کو حرکت دینے کے لیے ہر پانچ منٹ کے بعد کیمیکل کا گھونٹ بھرا پڑتا ہے چنانچہ تم سب سے

ساترہ محمد ایس

السلام علیکم! بیچنا ہمیں ہم پہلی بار آئے ہیں اپنا تعارف کرواتے ہیں۔ میں ساڑھ 122 اپریل 2000ء میں ٹوبہ ٹیک سنگھ کے پیارے سے گاؤں ناگرہ میں تشریف لائی۔ ہم تین بہن بھائی ہیں سب سے بڑی بہن سوینی مدیحہ ہے۔ اس سے چھوٹا بھائی ہے جو اس وقت شارجہ میں ہے میری بیسٹ ماسٹرز نازیہ کنول نازیہ سمیرا شریف طوڑا فراء صغیر احمد عیسرہ احمد ہیں اور بیسٹ ناول ”اک محبت اور کبھی جنت کے تپے“ خیر کمال، یہ چاہتیں یہ شدتیں ہیں۔ کھانے میں پسندشورما بریانی۔ گھر بلیک پنک پسند ہے اچھا اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

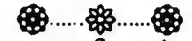
مسکان علی

تمام نچل قارئین کو میرا پیار بھر اسلام۔ تمام قارئین کیسے ہیں آپ سب؟ میں 6 جون 2001ء کو کڑتی دھوپ میں پیدا ہوئی تو سب جل کے رہ گئے (گرمی میں)۔ اچھا میں ہم چار بہنیں اور ایک بھائی ہے ٹپے بابا جانی سے بہت محبت ہے تو جناب اب آئے ہیں خوبیاں اور خامیوں کی طرف۔ خامی میری یہ ہے کہ غصے کی بہت تیز ہوں اور میری دوست کرن کبھی ہے کہ تم بہت مطلبی ہو حالانکہ یہ سب غلط ہے۔ پسندیدہ مشغلہ شاعری کرنا ہے۔ کلرز میں پنک اور پرل بہت پسند ہے کالج کی چوڑیاں جنون کی حد تک پسند ہیں۔ ویل بننے کا شوق حد سے زیادہ ہے دوستوں میں کرن رملز روٹی روماننا دیوار خنساء ہیں۔ فرسٹ ایئر سائیکالوجی کی طلبہ ہوں کھانے میں گول گپے اور بریانی پسند ہے۔ گانے بہت شوق سے سنتی ہوں ہمیشہ خوش رہو اللہ حافظ۔

پہلے اللہ کی ان نعمتوں کو تسلیم کرو اور اس کے بعد صدق دل سے پوری دنیا کو بتا دو تم پر اللہ کا کتنا بڑا کرم ہے اور تم اللہ کے اس کرم پر اس کے بہت مشکور ہو۔ یہ کہہ کر مولوی صاحب رکے نہیں باہر چل دیئے جاتے ہوئے اماں کو کہہ گئے۔

”جانے والوں کو جانا ہے زبردستی نہ روکنا بھلی لوک کچھ بچوں کو وقت سمجھاتا ہے ہم نہیں۔“ یہ کہہ کر وہ باہر چل دیے۔

”دیکھ سکندر بخت آج تک مولوی صاحب نے تیری کوئی بات نہ سوزی میں تیرے جانے پر خوش نہیں ہوں پر دل تے پتھر کھڑے کے اجازت دے رہی ہوں مگر تم اپنا آپ نہ بھولنا اللہ کے آگے ماتھا ٹیکنا نہ چھوڑنا۔ اللہ کی یاد کا دیا دل میں ہمیشہ جلا رکھنا۔“ سکندر بخت نے آنکھیں کھولیں تو ماں کی آواز بھی کہیں گم ہو گئی تھی اور اماں تو کیا اب بھی اب کہیں نہ تھے وہ تو بخت کا انتظار سینے سے لگائے دنیا سے رخصت ہو گئے تھے۔



بارتھا اور عبداللہ کی اب اچھی اندر اسٹینڈنگ ہو گئی تھی کبھی کبھی عبداللہ کو لگتا تھا کہ مارتھا اس میں کوئی غیر معمولی دلچسپی لے رہی ہے لیکن پھر مارتھا کا سادہ انداز اور صرف اسٹنڈیز پر ڈسکس اسے مغالطے سے نکال دیتے۔ مارتھا اس سے گاہے بگاہے اسلام کے بارے میں ضرور معلومات لیتی رہتی اور پھر کچھ دن سے وہ اس کے فلیٹ پر بھی آنے لگی جو وہ اپنے فرینڈز کو لائڈ سے شیئر کرتا تھا۔ مارتھا بھی اس کو نماز پڑھتے دیکھتی تو بہت اچھا محسوس کرتی، آج بھی اتوار تھا اور وہ صبح ہی آگئی تھی۔ آج عبداللہ روزہ سے تھا تو مارتھا نے اس سے اس کے روزے کے بارے میں معلومات حاصل کیں اس کو حیرت ہوئی تھی کہ عبداللہ جب بھی اس سے بات کرتا تھا تو اپنی فکر بہت کم اور پرکرتا ایک ایسا ملک جہاں جگہ جگہ ترغیبات نہیں حسن جابجا بکھرا ہوا وہاں ایک حسین نوجوان کی طرح اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا اس کی پہنی نگاہیں ضرور تار اور پراٹھی تھیں لیکن وہ کسی کو تبلیغ نہیں کرتا تھا تو کسی پر تنقید بھی نہیں کرتا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو روک نہ سکی اور پوچھ ہی نہ سکی۔

”عبداللہ تمہارے مذہب میں عورتوں کو تو پردے کا حکم ہے تم تو مرد ہو پھر تم اپنے اوپر پابندی کیوں لگائے

ہوئے ہو؟“ عبداللہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ”مارتھا ہماری کتاب قرآن پاک میں جس آیت میں عورت کو پردہ کا حکم ہوا اس سے ایک آیت پہلے مرد کو اپنی نگاہ نہ بچنی رکھنے کا حکم ملا۔ جانتی ہو مارتھا مذہب تو ہمیں اس بات کی اجازت بھی نہیں دیتا کہ ہم کسی غیر عورت کے ساتھ کیلے کہیں پر بیٹھیں جیسے کہ اس وقت ہم دونوں اکیلے ہیں یہ بھی گناہ ہے ترغیب ہے۔“ مارتھا اس کی بات پوری طور سمجھ نہ سکی کہ عبداللہ کا اخلاق اس کو اجازت نہیں دیتا تھا کہ وہ اس کو اپنے فلیٹ پر آنے سے منع کرے مگر اس نے مذہب طریقت سے مذہب کے حوالے اس کو بخیر کر دیا تھا۔

”آئی ایم سوری عبداللہ..... مجھے تمہارے مذہب نے بہت شرم دیا ہے اس لیے میں تمہارے پاس آئی تھی مگر اب احتیاط کروں گی۔“ وہ مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ عبداللہ نے دروازے تک اس کو رخصت کیا لیکن اس کو ایسا لگا جیسے کچھ کوٹھنٹا ہو۔



سکندر بخت کا دل بالکل نہیں چاہ رہا تھا کہ وہ اس اتوار کو فلیٹ کی دی ہوئی بے ہودہ پارٹی پر جائے لیکن زہبی تو آراستہ ہو کر جانے کو تیار بیٹھی تھی۔ کوئی چوٹی بارہ سکندر بخت کو تیار ہونے کا کہنے آئی تو سکندر نے اس کو بھی پارٹی پر جانے سے منع کیا تو وہ غصے میں بھگ گئی۔

”میں محسوس کر رہی ہوں تم دن بدن بہت پورے ہو رہے ہو جانے کن خیالوں میں کم رہتے ہو۔“ سکندر نے چڑ کر اس کو کھوڑا اور اسے اکیلے جانے کو کہہ دیا۔ ”یا زہبی بڑبڑاتی ہوئی طرف بڑی اور دروازہ بند کر کے نکل گئی۔ سکندر نے کوفت سے آنکھیں بند کر لیں۔

”تو کمال سکندر تم نے اتنے سالوں میں اور کیا کھوڑا ہو کر مساب کرنے لگا تھا۔“

”نماز سے رشتہ تو عرصہ ہوا چھوڑ بیٹھے ہو ترقی کی دودھ

میں یہ جوتا سائیش تم نے اسے آس پاس جج کر رکھی ہیں ان کو تم نعمت کہتے تھے ناں لگتی ہیں تو خوش کیوں نہیں ہو۔ اس پر اولاد لائی وہ بھی نعمت نہیں رحمت ہی بنتی دوزخ کا ایسا ایندھن بنی کہ اس کے اعمال کا بوجھ بھی تمہارے کندھوں پر لاد گیا۔ بیوی ملی تو اس پر اڑام کیا دھڑکے کیا جانتے نہ تھے اللہ کا وعدہ ”مومن عورتیں سونے مردوں کے لیے“ تو سکندر بخت تم کہاں رہے مومن؟ کون سا گناہ تھا جس کو تم نے اپنی زندگی آلودہ کرنے کے لیے نہ کیا ہو۔“ کچھ گناہوں کا قرض تو اولاد بھی چکاتی ہے اور وہ قرض اس کی بیٹی اس کی عائشہ چکا رہی تھی اور عائشہ کی غلطیوں کا بوجھ وہ وحشر اس کو ڈھونڈتا تھا۔

”یا اللہ میری نعمت کب میری آزمائش میں بدل گئی میں نے اپنے ہاتھوں خود کوتاہ کر لیا۔“

”مولوی احمد کی پوتی اگر گناہوں کی پوٹ بنی تو صرف اور صرف سکندر بخت تمہارے گناہوں کے بوجھ کی وجہ سے کاش ٹو بختو سکندر بخت کبھی بھی نہ بنتا۔“ اس کا سانس لینا دشوار ہو رہا تھا اور ذہن غنودگی میں جا رہا تھا۔

”بختو پتر..... اٹھ دیر نہ کر اذان ہو گئی اے دیکھ اللہ دی پکار بڑی سو ہنری اے اٹھ جا میرے پتر۔“ اماں کی آواز سکندر نے آنکھیں کھولیں اماں آس پاس کہیں نہ تھیں لیکن دیوار گیر کھڑکی پر نظر ڈالی تو اماں کی پکار سمجھ میں آ گئی۔ عشاء کا وقت بانی تھا اس نے وضو کیا اور جاء نماز پر کھڑا ہو گیا۔ کتنے سال بعد اس نے شیطان کو دل سے نکالا تھا کچھ احساس نہ تھا۔ نماز کے دوران اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا آخری سجدے میں گیا تو یوں لگا جیسے سکون کا دریا اس کی رگوں میں اترے لگا ہوا اس کے ماں باپ کی دعاؤں نے اس کو صراطِ مستقیم کی طرف لوٹا دیا تھا اس نے نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اس کی دعاؤں میں صرف ایک فرد کے لیے التجا تھی۔

”میری اولاد کو صراطِ مستقیم دکھا میرے مالک اور اسے بخش دے۔“ دعا کر کے وہ سجدہ میں گیا اور کس کو معلوم تھا کہ یہ سجدہ سکندر بخت کا آخری سجدہ ہوگا سجدہ

بھلا کوئی رسالت کا قد دان نہیں ہے؟ کفار نے چھاپے ہیں میرے نبی ﷺ کے خاکے بھلا کوئی رسالت کا قدر دان نہیں ہے؟ پھر سے اس ظالم کو ہوئی کیسے یہ جرأت کیوں بنایا اسے عبرت کا نشان نہیں ہے پوچھتے ہو میرے آقا ﷺ کی عظمت کیا ہے کیا تم میں پڑھا کسی نے قرآن نہیں ہے؟ وہ خیر البشر اللہ کے محبوب پیارے کیا میرا نبی ﷺ رحمت جہان نہیں ہے وہ محمد ﷺ وہ احمد وہ قوموں کا ہادی کوئی یاد تمہیں ان کا احسان نہیں ہے؟ وہ کامل وہ اکمل وہ رحیم وہ عادل کچھ تو بولو منہ میں تمہارے زبان نہیں ہے کوئی تو ہو جو آنکھیں دکھا کر پوچھے کیا کوئی عقل مند حکمران نہیں ہے؟ تاج فہم اسلام گرہم میں آجائے پھر دیکھنا کیسے بھانکتا شیطان نہیں ہے نورین لطیف..... ٹوبہ دیک سنگھ

میں ہی وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

زہبی بڑبڑاتی ہوئی لفٹ سے نکل کر تیزی سے گاڑی نکال کر لے گئی وہ بڑبڑاتے ہوئے ڈرائیو کر رہی تھی۔

”جانے سکندر کو کیا ہو گیا؟ خیر دفع کرو.....“ وہ پارٹی میں پہنچی تو سب کچھ بھول گئی برہنہ باز دوں والا بے ہودہ لباس پہنے ہوئے وہ کہیں سے بھی مسلمان نہیں لگ رہی تھی۔

غصہ اور خوشی میں وہ ڈرنک بھی کرنے لگی۔ پارٹی ختم ہونے پر وہ لڑکھرائی ہوئی گاڑی تک آئی اور گاڑی اشارت کی اس وقت وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ جو پاکستان موت کے خوف سے جانے سے انکاری تھی اس کو امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں بھی ہولناک موت سے کوئی نہیں

بچا پائے گا۔ راستے میں ہونے والے خوفناک حادثے میں وہ جاں بحق ہوگئی اور اب انجینی لوگوں کے مجرم میں اس کا نام برہنہ وجود مناشہ نہ ہوا تھا۔

میری آنکھ کسی آواز سے کھلی تھی یا آواز کچھ دور سے آ رہی تھی میرے لیے یا آواز انجان نہیں تھی مگر جو کچھ بولا جا رہا تھا اس کا تصور میں اپنے فلیٹ کے اندر اس آواز سے کم از کم توقع نہیں کر سکتی تھی۔ میرے لاشعور میں یہ اجنبی سی آواز یا یوں کہہ لیں کہ یہ اجنبی زبان موجود تھی۔ کہیں بچپن میں یہ زبان میں نے پڑھی بھی تھی لیکن سب سے حیران کن بات یہ تھی کہ یہ آواز مارٹھا کی تھی اور مارٹھا اور قرآن پاک کو خوب صورت لہجے میں پڑھ رہی تھی اور پھر انگلش میں اس کا ترجمہ دہرا رہی تھی میں نے اپنے کان اس طرف لگا دیئے۔

”بھلا کون ہے جو ہمیں جنگل اور دریا کے اندھیروں میں راستہ بتاتا ہے اور اپنی رحمت سے پہلے کون خوش خبری کی ہوائیں چلاتا ہے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور موجود ہے؟ اللہ ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔“ مارٹھا کی آواز آتا بند ہوگئی تھی اور میں جو ایک سرور کے عالم میں چلی گئی تھی مجھے اس کا خاموش ہو جانا ناگوار گزرا لیکن میرے اندر کچھ تھا جو میرا دل ہولے ہولے پھل رہا تھا۔

عبداللہ اور مارٹھا کی ملاقات تقریباً نہ ہونے کے برابر رہی تھی لیکن جب بھی مارٹھا عبداللہ کو نظر آتی تو ہر بار اس میں کوئی حیرت انگیز تبدیلی محسوس ہوتی۔ آج بھی اس نے مارٹھا کو دیکھا تو اس نے گاؤں نامیسی پہنی ہوئی تھی اور سرخ رنگ کے رومال سے بالوں کو پوری طرح لپیٹا ہوا تھا۔ زہی اور سکندر کی وفات کے بعد ان کی بیٹی تلاش کے باوجود پولیس کو دستياب نہ ہو سکی کاغذات میں اس کا نام عائشہ سکندر بخت تھا لیکن اس نام کی کوئی لڑکی مل نہ پائی۔ تفتیش کے دوران پتا چلا کہ عائشہ بہت پہلے اپنا گھر چھوڑ گئی تھی اور شاید اپنا نام اور مذہب بھی تبدیل

کر چکی تھی۔

گندگی کے ڈبیر سے بدلو کے بجکے اٹھ رہے تھے مگر بھوک ایسی عالم چیز ہے کہ جو ہر احساس پر جاوی ہو جاتی ہے۔ وہ تیزی سے ڈسٹ بن کھٹکال رہی تھی یہ ہوٹل کا ڈسٹ بن تھا اور اس میں سے مارٹھا کو کچھ نہ کچھ کھانے کو مل جاتا تھا۔ ڈیوڈ کے لیے اب وہ ایک بے کار چیز تھی ڈیوڈ کی وجہ سے اس کے پیانے اس پر گھر کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند کر دیے تھے اور قدرت کے معجزوں میں سے یہ بھی ایک معجزہ تھا کہ وہ اس کو کال گرل بنانا چاہتا تھا اس نے ڈیوڈ کی بات ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ ڈیوڈ نے غصے میں اس کے چہرے پر تیزاب ڈال دیا تھا وہ کوئی قانونی چارہ جوئی بھی نہ کر سکی۔ مہینوں وہ ہسپتال میں رہی ہسپتال میں جہاں اس کے چہرے کے زخموں کا علاج ہوتا رہا، وہیں اس کو ڈرگز چھڑوانے کے لیے بھی اقدامات کیے گئے۔ جب وہ ہسپتال سے ڈسچارج ہوئی تو اس کے پاس رہنے کا ٹھکانہ بھی نہیں تھا نہ کھانے کو پیسہ بھوک سے بے حال وہ ڈسٹ بن کھٹکاتی لیکن اس کی بے حال ہستی کے سامنے کوئی بھیک کا سکہ بھی نہ پھینکتا کیونکہ وہ امریکا تھا جہاں بہت کم لوگ دوسروں پر ترس کی نگاہ ڈالتے ہیں۔

آج بھی جب وہ ڈسٹ بن میں سے برگر نکالنے میں کامیاب ہوئی تو اتنے میں ہوٹل کے باہر فائرنگ ہونے لگی شاید گورے کالے کے نسلی تعصب پر دو گروہوں میں لڑائی ہوگئی تھی۔ ابھی وہ پوری طرح کچھ سمجھ نہ پائی تھی کہ ایک گولی سنسناتی ہوئی آئی اور اس کی ٹانگ میں گویا آگ لگ گئی اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا کہ وہ ہاتھوں نے اس کو سنبھال لیا تھا۔

آج کیونٹی سینٹر میں عبداللہ اور مارٹھا جو کہ اب زینب تھی ان کا سادگی سے نکاح تھا مارٹھا نے عبداللہ کو قبول اسلام کے بعد بتایا تھا۔

”عبداللہ میں آپ سے نہیں اسلام سے متاثر ہوئی تھی اسلام وہ مذہب جو مکمل ترین مذہب ہے بلاشبہ پیدائش سے لے کر موت تک کے ہر مرحلے کا حل قرآن پاک اور اسلام میں موجود ہے بلاشبہ قرآن پاک میں نایاب ترین انجمنوں کا حل موجود ہے۔ الحمد للہ اب میں مسلمان ہوں اور مذہب اسلام مجھے اس بات کا حق دیتا ہے کہ میں جس کو اپنا شریک سفر جن لوں اس کو نکاح کا پیغام بھی دوں تو میں آپ کو اپنے لیے منتخب کرتی ہوں۔“ عبداللہ نے مارٹھا یعنی زینب کے پیغام کو اپنے والدین کی رضامندی سے قبول کر لیا۔

مارٹھا انتہائی پریشان حالت میں ہسپتال میں عائشہ یعنی مارٹھا کے ساتھ موجود تھی، گولی نکال دی گئی تھی اور کچھ دن تک مارٹھا کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا جاتا تھا اور مارٹھا جواب زینب تھی اسے گھر میں مارٹھا کو نہیں لے جاسکتی تھی بہر حال اس نے کوشش کر کے کونسل سے اس کے لیے ایک کمرے کا فلیٹ حاصل کیا اور اس کو وہاں شفٹ کر کے ون اس کے پاس گزارتی اور اس کا پورا خیال رکھتی۔ مارٹھا سارا دن اس کو کوستی گالیاں دیتی لیکن وہ ان سنا کر کے اس کا خیال رکھتی کیونکہ مذہب اسلام اس کو یہی سکھاتا تھا۔

زینب کی مصروفیات پر عبداللہ کو زیادہ دھیان دینے کا موقع اس لیے نہ مل سکا کہ وہ خود ان دنوں بے حد مصروف ہو گیا تھا اس کو علم تو تھا کہ اس کے چچا چچی اس ملک میں موجود ہیں مگر اس نے ان سے رابطہ کرنے کی ضرورت نہ سمجھی تھی کیونکہ ان سے اس کے تایا اور والد دونوں نے کوئی تعلق نہیں رکھا تھا۔ لیکن پچھلے دنوں یہاں سے پاکستان رابطہ کیا گیا تھا کہ چچا چچی انتقال کر گئے تھے اور ان کی وارث ان کی بیٹی کا کچھ پتا نہ تھا۔ ایسے میں پاکستان سے کوئی ان کی تدفین کرے اور ان کی انشورنس وغیرہ کے مسائل کے لیے اس کے ابو معراج نے اس کو ان کاموں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا حکم دیا تھا۔ چچا اور

لحم

تمہارے نام کے حرفوں سے بہتر حرف ابجد میں نہیں ہیں

نجانے کب سے یہ موسم ستاروں کی دھرتی کے سینے پر فروزاں ہیں مگر ان کی نگاہوں نے تمہارے وصل کے لمحوں سے بہتر وقت دیکھا ہے نہ سوچا ہے ہوانے منظروں پر آج تک جو کچھ بھی لکھا ہے تمہارے نام لکھا ہے خط کے ٹوٹے تارے تمہارے بام سے گزریں تو رکنے کو چلتے ہیں فلک کو جو جتنے جذبے تمہاری آنکھ سے تریں تو پاتالوں میں گرتے ہیں تمہارے خواب سے روشن منارے وقت کے دریائے بے حد میں نہیں ہیں تمہارے نام کے حرفوں سے بہتر حرف ابجد میں نہیں ہیں

نادیہ عباس دیا قریشی..... موسیٰ خلیل

چچی کی تدفین کروانے کے بعد وہ اب اپنی اس کزن کی تلاش میں تھا جس کی فضا تصویریں اس کے پاس تھیں۔ اسی دوران ایک دن زینب بیچ فجر کی نماز کے لیے اٹھی تو بے ہوش ہو کر گر پڑی، عبداللہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے وہ اس کو ہسپتال لے کر گیا تو اس کو خوش خبری ملی کہ وہ باپ بننے والا ہے لیکن زینب کو کمزوری کے باعث چند دن ہسپتال میں رکھا گیا تھا۔

پھر یوں ہوا کہ ایک دن زینب نے آتا بند کر دیا اب وہ اس فلیٹ میں اکیلی تھی وہیل چیر گھسیٹ کر اپنا کام کرتی فریج میں موجود کھانا کچھ ٹائم تک تو کام چلا گیا لیکن جب وہ بھی ختم ہو گیا اور اس کا وجود گندگی میں لت



جنون عشق تک سمیرا شریف طور

لیے مسکرا دیا۔
اللہ جب کسی کے لیے راستہ بناتا ہے تو یونہی سبب پیدا کرتا ہے۔ زینب ساری داستان عاشرہ کو سنار ہی سمجھی اور عاشرہ کب تک اپنے اس وجہہ کزن کو دیکھ رہی تھی بلاشبہ عبداللہ زینب کے صبر کا اجر تھا جو پہلا خیال عاشرہ کے دل میں آیا وہ یہی تھا۔

آج میں یعنی عاشرہ چار سال بعد اپنے دادا جان کے گھر پر ہوں میری جسمانی کمزوری ختم ہو چکی ہے۔ میں نماز پڑھ کر باہر نکلی تو صحن میں گاؤں کے بچے میرے منتظر تھے جن کو میں درس قرآن دیتی ہوں۔
”میرا جسمانی علاج ہی نہیں ہوا بلکہ ذہنی و روحانی طور پر بھی میں اب ایک باعمل مسلم ہوں الحمد للہ۔“
ادھر عبداللہ اور زینب امریکہ میں ہیں لیکن زہبی اور یحیٰی کی طرح نہیں، الحمد للہ دونوں حافظ قرآن بن چکے ہیں اور اپنے تین سالہ بچے کو بھی حافظ قرآن بنا رہے ہیں۔

”اور تم اللہ کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے۔“
صحن میں بچے زور زور سے آیت کا ترجمہ پڑھ رہے ہیں اور میں بھی دہراتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی ہوں۔

اللہ تعالیٰ اکثر ٹوٹی ہوئی چیزوں کو بڑی خوب صورتی سے کسی تعمیری مقصد کے لیے استعمال کرتا ہے جیسے کہ ٹوٹ کر بکھرے ہوئے بادلوں سے بارش برساتے ہیں۔ زمین جب ٹوٹ کر مٹی کے ذرات میں تبدیل ہوتی ہے تو اس میں سے غلہ اگتا ہے، پودوں یا فصلوں کی گری ہوئی قلموں یا شاخوں سے پودا یا نئی فصل اگتی ہے اگر آپ کا دل ٹوٹ کر ٹکڑے ہو جائے تو یقیناً زمینیں کہیں کہیں اللہ آپ سے کوئی بڑا کام لے گا۔



پت ہو گیا تب وہ اپنے لیے موت کی دعا مانگنے لگی اور یہی وہ لمحہ تھا جب اس کے منہ سے اللہ اللہ کی تکرار شروع ہو گئی اور اب وہ اللہ سے رحم صبر اور سکون کی دعا مانگتی۔

”اے اللہ تو جانتا ہے میں گناہ گار ہوں تو جانتا ہے میں گندگی میں تر ہوں۔ میں ایسی کیوں بنی اللہ جب تو نے مجھے ایک ایسے گھرانے میں پیدا کیا کہ میں پیدا ہی مسلمان تھی تو میرے اعمال ایسے کیوں ہوئے۔ میرے اللہ اب تو میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ تیرے سامنے کھڑی ہو سکوں۔“ اس کے آنسو اس کے گالوں سے ہوتے ہوئے اس کے گریبان کو تر کر رہے تھے۔ ”اللہ تو مجھے صبر دے، تو ہی ہے جو مشکل کو آسانی میں بدلتا ہے اللہ تو نے مارتھا جیسی پیدا ہی عیسائی کو مسلم بنادیا تو میں تو ایک مسلم گھرانے کی بھتیجی ہوئی اولاد ہوں مجھے بخش دے مجھے صبر دے کیونکہ صبر سے ہی تو زم زم کے چشمے پھوٹتے ہیں یہی بتایا تھا ناں زینب نے مجھے۔“

اسے پتا بھی نہ چلا کہ کب زینب اندرائی اور نری سے اس کے آنسو صاف کرنے لگی۔ آج تو زینب کو بھی پتا چل گیا تھا کہ عاشرہ کی طرف اس کا دل کیوں کھینچتا تھا۔ آج وہ صبح سے بے قرار تھی اس کی طبیعت سنبھلی تو اس نے عبداللہ کو مار بیٹا کے بارے میں شروع سے آخر تک بتایا اور معذرت بھی کی کہ وہ اس کو بتائے بغیر بیٹا جیسی لڑکی کا خیال رکھتی رہی لیکن عبداللہ اس کو فخر سے دیکھ رہا تھا۔

”میری بیوی کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا اتنا ہی مخلص و صابر۔“ اور پھر عبداللہ نے بھی اپنے چچا کے تمام معاملات اس کے گوش گزار کیے اور اپنی کزن کی کشمکش اور اس کی تصویروں کا بھی بتایا۔

”عبداللہ آپ مجھے بھی ایک بار عاشرہ کی فوٹوز دکھا دیں ہو سکتا ہے میں کوئی مدد کر سکوں۔“ اور تصویر دیکھ کر زینب اللہ کی قدوتوں پر حیران رہ گئی۔

”عبداللہ..... مار بیٹا ہی عاشرہ سکندر بخت ہے۔“ عبداللہ حیرانگی اور شکر کے ملے جلے تاثرات

مغرور ہی سہی، مجھے اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا
لپٹا ہوا گہر میں جیسے خزاں کا چاند
میلے لباس میں بھی وہ پیارا بہت لگا

”تو ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں وہاں
جا کر اور پاس لے لیما۔“ وہ فوراً جانے کو تیار ہوئی۔ اگلے
نے ناگواری سے دیکھا جبکہ فرح زویہ اور شایان اس
وقت خاموش تھے۔ فرح وجہ جانتی تھی جبکہ زویہ کے لیے
شہرینہ کا ایسی ٹیڈ بالکل نئی بات تھی۔ نیپو اگرچہ شہرینہ کی
ناراضی اور نکاح سے متعلق انکار کے بارے میں آگاہ
نہیں تھا پھر بھی اس وقت وہ شہرینہ کا رویہ اور اگلن کی
ناگواری نوٹ کر گیا تھا۔

”اگلن اس کے اگر اگلن بھائی منع کر رہے ہیں تو نہیں
جاتے پھر کبھی سہی۔“

”یہ کون ہوتے ہیں ہمارے کہیں آنے جانے
کے بارے میں فیصلہ کرنے والے؟ تم جانتے ہو میں
ایسی تمام ایکٹیویٹیز میں ضرور حصہ لیتی ہوں میں ضرور
جاؤں گی۔“ اس نے تو واضح اگلن کی نفی کرتے اپنے
جانے پر اصرار کیا تو وہاں موجود خاموش تماشاکی بنے
بانی تینوں نفوس فوراً متحرک ہوئے تھے۔ جبکہ اتنے
واضح الفاظ پر اگلن کے چہرے کے عضلات میں
واضح کھنچاؤ پیدا ہوا تھا۔

”چھوڑ دو، میں یہ غزل کنسرٹ بھی کوئی دیکھنے والی چیز
ہے بورنگ کام۔ میں نے تو خواہنا ہی نیپو کے پوچھنے پر
حالی بھری تھی میرا ارادہ کہیں اور جانے کا ہے کیوں پار
اور کون سی جگہ ہیں یہاں جو تفریح کے لیے اچھی
ہیں۔“ شایان نے فوراً بات بدل دی۔

”بالکل بلکہ میں سوچ رہی ہوں ہم جو ایک دودن
ادھر ہیں انہی دنوں میں اسلام آباد اچھی طرح گھوم
لیں۔“ زویہ نے بھی کہا تو ماحول میں چھائی کشیدگی میں
قدرے کمی آئی تھی۔ اگلن نے بے پروائی سے دوسری
طرف منہ کر کے باہر کی طرف دیکھتی شہرینہ کو دیکھا اور
پھر بائیں کلائی میں بندھی رسٹ وایج کو۔

”رات بہت گہری ہو رہی ہے میرا خیال ہے فی
الحال تو گھر چلنا چاہیے ویسے بھی سفر کی تھکان کے سبب
نیند بھی آ رہی ہے۔“ اگلن کا انداز اب بھی دو ٹوک تھا

شہرینہ بالکل خاموش تھی۔ اگلن کا ہے بگا ہے
لاشعوری طور پر شہرینہ کی خاموشی نوٹ کرتا رہا تھا وہ اس
کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہتا تھا لیکن شہرینہ کا سرد انداز
الفاظی ظاہر کرتے تیز خدو خال اور لباس اگلن کو شہرینہ کو
دیکھنے پر مجبور کر رہے تھے عثمان صاحب کو ایک کال آئی
تھی۔ وہ فائدہ کو لے کر ڈرائیور کے ہمراہ واپس چلے گئے
تھے جبکہ بیک پارٹی ابھی بھی وہاں موجود تھی۔ نیپو کے کچھ
لاست غزل کنسرٹ میں گئے ہوئے تھے وہ اسے بھی بلا
رہے تھے۔ نیپو نے شایان سے ذکر کیا تو فوراً جانے پر
آمادہ ہو گیا تھا جبکہ اگلن انکار کر دیتا ہے۔

”تم نے جانا ہے تو نیپو کے ساتھ چلے جاؤ لیڈرز
ہمارے ساتھ ہیں میں ان کو ساتھ لے جانے کے حق
میں نہیں ہوں۔“ اگلن کا قطعی انداز تھا، شہرینہ نے
ناگوارنگا ہوں سے اگلن کو دیکھا۔ ایسے شوڑا ایسے کنسرٹ
پر جانا دوستوں کے ہمراہ انجوائے کرنا ان کے گھر عام
ی بات تھی۔

”اگلن بھائی یہ بہت اچھا کلاسیکل ٹائپ غزل
کنسرٹ ہے ماما کا جانے کا موڈ نہیں تھا سو میں نے
لاستوں کو پاس دے دیئے تھے ورنہ میں شہری اور ماما تو
اکثر ایسے شوڑا میں اٹھتا ہوتے ہیں۔“ نیپو نے بتایا۔

”تب تم لوگ ایز آ گیسٹ جاتے تھے لیکن مجھے یہ
سب پسند نہیں۔“ انداز اب بھی دو ٹوک تھا۔ شہرینہ نے
بہت سنجیدگی سے اگلن کو دیکھا۔

”پاس کہاں ہے؟“ شہرینہ نے پوچھا۔

”میں پاس تھے جو ہفتہ پہلے آئے تھے ماما نے جانے
سے انکار کر دیا تھا تو میں نے دودوستوں کو مدعو کر دیا تھا
اور ایک خود رکھ لیا تھا۔ دوستوں کے ساتھ جانے کا
ہوگرام تھا لیکن پھر شایان بھائی آ گئے تو پھر ان کے ساتھ
آؤنگنگ کا پروگرام بن گیا تھا۔ وہ وضاحت دے رہا
تھا۔“ سوچا تھا کہ اگر جلدی فارغ ہو گیا تو وہیں سے
دوستوں کے ساتھ نکل جاؤں گا۔“ اس نے بتایا۔

شہرینہ کے بارے میں پوچھتی ہے زبیدہ سے تمام
صورت حال جان کر فائدہ کو مزید پریشان ہو جاتی ہے۔
شہرینہ گھر سے نکل کر مارکیٹ سے ضرورت مند بچوں
کے لیے چیزیں لیتی دارالاطفال آ جاتی ہے بچے شہرینہ کو
دیکھ کر خوش ہو جاتے ہیں لاست سمسٹر شہرینہ کو سوسل
ورک کے حوالے سے پروجیکٹ ملا تھا تب وہ اپنی ٹیم
کے ساتھ یہاں آئی تھی شہرینہ کو یہاں آ کر کچھ سکون
محسوس ہوتا ہے۔ فائدہ گھر آ کر اماں بی کو فون کرتی
شہرینہ کے بارے میں بات کرتی ہے جس پر اماں بی
بھی پریشان ہو جاتی ہے اور اسلام آباد آنے کا کہتی ہیں
دوسری طرف اماں بی اگلن شایان اور زویہ فرح کو لے
کر اسلام آباد پہنچ جاتی ہیں۔ شہرینہ کسی سے بھی ملنا نہیں
چاہتی ہے لیکن عثمان صاحب کے کہنے پر وہ اماں بی
سے ملنے آتی ہے جبکہ شہرینہ فرح کو بھی نظر انداز کر دیتی
ہے۔ فائدہ عثمان صاحب اسے بھی شہرینہ کی بدتمیزی
کے حوالے سے بات کرتی ہے عثمان صاحب انہیں ہی
قصودار ٹھہراتے ہیں تب فائدہ شہرینہ اور اگلن کے
درمیان ہونے والے معاملات کا پوچھتی ہے جس پر
عثمان صاحب وقتی جذبات کا کہتے شہرینہ کو اس نکاح کو
تسلیم کرنے کا کہتے ہیں۔ لاہور سے آئے مہمان اگلن
شایان زویہ اور فرح آؤنگنگ کا پروگرام بناتے شہرینہ کو
بھی شامل کر لیتے ہیں۔

اب آگے پڑے

گزشتہ قسط کا خلاصہ
شہرینہ گھر آتے ہی اپنے کمرے میں بند ہو جاتی
ہے وہ اپنے کمرے کی ہر چیز کس کس نہس کر دیتی ہے۔
اسے اگلن کے ساتھ اپنا نکاح ہو جانے پر غصہ ہوتا ہے
فائدہ شہرینہ کے کمرے میں آتی ہے تو کمرے کی حالت
دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے اور وہ شہرینہ سے بات کرنا
چاہتی ہے لیکن شہرینہ ان کو کمرے سے جانے کا کہتی
بدتمیزی سے پیش آتی ہے جس پر وہ شہرینہ کو واپس آ کر
بات کرنے کا کہتی ہے فائدہ کو لیڈرز کلب کی میٹنگ میں
جانا ہوتا ہے۔ فائدہ کے جانے کے بعد شہرینہ کا دل
چاہتا ہے کہ وہ کمرے کے ساتھ خود کو بھی آگ لگائے
اسے اپنے والدین پر بھی غصہ ہوتا ہے اس کے انکار پر
بھی انہوں نے اس کا نکاح اگلن سے کر دیا تھا مسلسل
بچتے موبائل کو اٹھانے کی غرض سے وہ بیڈ کی طرف
جانے لگتی ہے تب کچھ اس کے پاؤں میں چھب جاتا ہے
تکلیف کی لہر جسم میں دوڑ جاتی ہے۔ شہرینہ بچن میں آتی
ہے اور زبیدہ (ملازمہ) اسے ڈاکٹر کو بلانے کا کہتی تو وہ
اس کے غصہ کا نشانہ بن جاتی ہے۔ میٹنگ میں آ کر بھی
فائدہ کا ذہن مسلسل شہرینہ کی طرف ہوتا ہے اس میٹنگ
میں وہ عثمان فاروق (شوہر) کے کہنے پر آئی تھیں۔
عثمان فاروق اور فائدہ کو ایز آ چیف گیسٹ انویٹیشن ملا
تھا عثمان اپنے ٹف اور بڑی شیڈل کے سبب نہیں آتے
تب فائدہ مجبوراً گھر کے نمبر پر کال کرنی زبیدہ سے

شایان نے بھی اپنے موبائل پر وقت دیکھا۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے وقت واقعی کافی ہو چکا تھا جبکہ شہرینہ ایک بار سب سے لائق ہو کر پھر باہر دیکھنے میں مجبوری تھی۔ رات کی تاریکی میں گاڑی صاف شفاف رستوں پر تیزی سے رواں دواں تھی۔

”ہاں چھکن تو واقعی ہو رہی ہے میرا خیال ہے گھر واپس چلنا چاہیے۔“ شایان نے بھی کہا تو شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ شایان ڈرائیونگ کر رہا تھا فرنٹ سیٹ پر آگن شایان کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی فرح کے ساتھ شہرینہ زویہ کے ساتھ فرح بیٹھی ہوئی تھی فرح کے ساتھ شہرینہ تھی اور شہرینہ کے ساتھ اسارٹ سائیڈ بیٹھ ہوا تھا۔

اسی دوران شہرینہ کا موبائل بجنے لگا۔ فرح اور زویہ مختلف مقامات سے کی جانے والی شاپنگ کو ڈسکس کر رہی تھیں۔ شایان ٹیپو سے اسلام آباد میں موجود کچھ اور کینک پوائنٹس کے بارے میں معلومات لے رہا تھا جبکہ آگن خاموش تھا شہرینہ نے کال یک کی۔

”ہاں زین بولو“ آگن نے ہلٹ کر دیکھا سبھی اپنی اپنی باتوں میں بڑی تھے حتیٰ کہ ٹیپو بھی۔ اس نے طبعی دھیان نہیں دیا تھا کہ شہرینہ کے نمبر پر کس کی کال آئی ہے اور وہ کس سے بات کر رہی ہے آگن کی بھنویں تن گئی تھیں۔ اس نے بیک ویو مرر سے دیکھا اتنی دیر سے سب سے لائق کی کا اظہار کرتے خاموش بیٹھی شہرینہ نہ صرف مسکرا رہی تھی بلکہ اس وقت اس کے چہرے کے عضلات میں ایک دم تیزی کی جگہ نرمی پیدا ہو گئی تھی۔

”نہیں یار..... ایسی بات نہیں۔“

”ارے.....“ وہ ہنسی تھی کھلکھلاتی خوب صورت ہنسی۔ آگن کے چہرے کی سختی میں اضافہ ہوا تھا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بیک ویو مرر سے شہرینہ کو مسلسل دیکھنے پر مجبور تھا۔ اندر سے کوئی چیز بھی جو اسے مسلسل دیکھنے پر اکسار رہی تھی شہرینہ کی آواز بھی تھی۔

”اوکے“ نہیں..... کچھ گیسٹ آئے تھے لاہور سے۔“

”ہاں انہی کے ساتھ بڑی تھی..... بس آف کورسہ اوکے..... کل کالج میں ملتے ہیں۔“ وہ ہنسی کھلکھلاتی ہنسی آگن کے کان پر متوجہ ہوئے۔

”شہرینہ جسے آپ بڑی نیک پر دین سمجھتے ہیں“ اصل میں کیا ہے کبھی اس کے کالج میں آکر دیکھئے گا ہر دوسرے لڑکے سے تو اس کی دوستی ہوتی ہے اور اس کا کلاس فیلوان کے گروپ کا لڑکا زین شاہوہ تو مرتا ہے اس پر۔“ کسی کے کہے گئے الفاظ ایک دم آگن کی سماعتوں میں گونجنے لگے آگن نے لب بھینچ لیے تھے۔

”کہا ناں کل ضرور آؤں گی“ اوکے کی یو بائے۔“ اختتامی جیلے کہہ کر موبائل کان سے ہٹا کر اس نے سرفا کر سامنے کی طرف دیکھا تو چونکی۔ بیک ویو مرر سے اسے مسلسل دیکھتا آگن..... آگن کی آنکھوں میں بڑا عجیب سا ناتھا تھا۔

شہرینہ کے چہرے پر بھی ایک دم ناگواری کی لہر چھائی تھی باقی لوگ ابھی بھی اپنی اپنی باتوں میں اٹھے ہوئے تھے اس نے پھر مرر کی طرف دیکھا آگن اب نہیں دیکھ رہا تھا۔ فرنٹ سیٹ پر بیٹھا وہ شخص اب باہر کی طرف دیکھ رہا تھا شہرینہ نے ناگواری سے اس کے سر کو دیکھ کر خود بھی گردن باہر کی طرف گھمائی۔ جانے پچانے رستے دکھائی دینے لگے تو اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ کچھ دیر بعد ایک ناپسندیدہ اعصاب شکن سطر سے نجات ملنے والی تھی۔

شہرینہ روٹین کے تحت ابھی تھی فائٹ ج خیز تھیں۔ اماں بی بھی جلدی اٹھ گئی تھیں نماز کے بعد وہ تلاوت میں مصروف تھیں۔ وہ صبح کے وقت خالصتاً دیہاتی انداز کا ناشتا کرتی تھیں فائٹ نے ملازماؤں کو ناشتے کا شیڈول بتا دیا تھا جبکہ اماں بی کے لیے ناشتا تیار کرنے وہ خود کچن میں آئی تھیں۔ ملازمہ نے اماں بی کے لیے لسی بنا دی تھی ساتھ میں تھی اور مکھن لگی روٹی، قہے کا تازہ سالن۔ اماں بی کے لیے انہوں نے ٹرے خود

سجائی باقی لوگوں کا ناشتا انہوں نے ٹیبل پر لگوا دیا تھا۔ زویہ اور شایان نے لیٹ اٹھنا تھا۔

فرح ٹیپو شہرینہ اور فائٹ کے ساتھ ڈائننگ ٹیبل پر اماں بی اور فرح بھی موجود تھے۔ شہرینہ بہت سنجیدگی سے بریڈ کاٹیں لے کر اس پر جام لگا کر دانتوں سے کتر رہی تھی۔ دائیں ہاتھ میں چائے کا گنگ تھا جبکہ ڈائننگ ٹیبل پر تازہ تیار کیا ہوا کئی قسم کا کھانا موجود تھا۔ قہمہ انڈے کا سالن، حلوہ پوری، چنوں کا سالن کے علاوہ کئی طرح کی اور اشیاء بھی تھیں لیکن شہرینہ نے کسی بھی چیز کی طرف دیکھا تک بھی نہ تھا۔

یہ سب یقیناً فائٹ نے اپنے مہمانوں کی خدمت کے لیے کروایا تھا شہرینہ نے سرسری سا اس سارے سیٹ اپ کو دیکھا بریڈ ختم کر کے وہ چائے کی چسکیاں لے رہی تھی جبکہ آگن بھی تیار سوئڈ بوئڈ وہیں چلا آیا تھا اسے دیکھ کر شہرینہ کے عضلات ایک بار پھر تناؤ کی کیفیت پیدا ہوئی تھی جبکہ آگن نے اس کی طرف دیکھا بھی نہ تھا۔ آگن بڑا فریش تھا اماں بی نے بہت محبت سے اسے دیکھا تھا۔

”کہاں کی تیاری ہے۔“ اماں بی نے اپنا رواجی سا ناشتا کرتے پوتے کو محبت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

”بابا صاحب نے ایک کام کہا تھا سوچا وہ کرلوں۔“

”کب تک واپس آؤ گے؟“ انہوں نے پوچھا۔

”تین چار گھنٹے تو لگ ہی جائیں گے۔“ اس نے اپنی رست واپس دیکھتے ہوئے کہا۔ شہرینہ نے اپنا خالی گنگ ٹیبل پر رکھا۔ آگن نے اسے دیکھا اس کے چہرے پر شدید تناؤ کی سی کیفیت رقم تھی۔ لائٹ ٹیپنگ اداؤ آف وائٹ ٹراؤزر شرٹ میں ملبوس تھی کندھے پر حسب عادت مظفر ٹائپ لائٹ سا سوٹ سے بچ کر اس کا رخ تھا۔ چہرہ میک اپ سے مبرا تھا تاہم آنکھوں پر سجالائز اس کی آنکھوں کے ٹیبل پن کو دھاتہ کر رہا تھا۔

آگن لگتا تھا کہ عورت سے مل چکا تھا وہ اس کے ظاہری حلیے سے ہی اس کے معیار کا اندازہ لگا لیتا تھا لیکن

اس وقت شہرینہ کے ظاہری حلیے اور چہرے کے خدو خال سے وہ کچھ بھی جان نہ پایا تھا۔ ناگواری کی شدید لہر نے چہرے کا نہ صرف احاطہ کیا بلکہ آنکھوں کے تاثر میں بھی واضح فرق آیا تھا۔

”شہری بیٹا..... ٹھیک سے ناشتا تو کر لیتی۔“ فائٹ خاموش تھیں اماں بی نے ہی ٹوکا تھا۔ انہوں نے نوٹ کیا تھا کہ شہرینہ نے صف ایک بریڈ کاٹیں اور چائے کا گنگ لیا تھا۔

”میں کر چکی ہوں میں اتنا ہی ناشتا کرتی ہوں۔“ وہ سنجیدگی سے کہتے جانے لگی۔

”پاؤں کا زخم کیسا ہے اب؟“ وہ مسلسل پاؤں دبا کر آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

کل آؤنگ پر بھی وہ سارا وقت ایسے ہی چلتی رہی تھی بلکہ زیادہ تر وہ ہر جگہ جا کر کسی ایک مخصوص جگہ پر ہی بیٹھی رہی تھی کم ہی گھومی پھری تھی۔ اس نے بار بار اٹھنے اور اپنی جگہ چھوڑنے کی یا گھومنے پھرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ اسے یہ زخم کیسے لگا تھا؟ کسی نے بھی پوچھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

”ہاں اب زخم کیسا ہے؟“ زخم اگرچہ پہلے سے کافی بہتر تھا مگر چلنے میں ابھی بھی وقت ہو رہی تھی۔

”ٹھیک ہے۔“ اس نے سرسری سا کہا اور پھر وہاں سے جانے لگی۔

”شہری۔“ اب کی بار اماں نے پکارا۔

”آج ذرا جلدی آ جانا“ آج زویہ اور فرح کا شاپنگ کا پروگرام ہے۔ مجھے تمہارے پاپا کے ساتھ کسی انویٹیشن میں جانا ہے میں ان کو ٹائم نہیں دے سکوں گی۔“

”ایم سوری میرے پاس خود ٹائم نہیں ہوگا۔ آج ہمارے گروپ کا سوسنگ پریکٹس کا شیڈول ہے کالج کی طرف سے مجھے وہاں جانا ہوگا۔“ آگن نے الجھ کر دیکھا۔

”تم اپنا یہ شیڈول کسی اور دن کے لیے رکھ چھوڑو ان کو کمپنی دینا بھی ضروری ہے۔“ اماں نے پھر کہا تو اس نے

ایک گہرا سانس لیا۔
 ”ایم سو ری آپ جانتی ہیں میں کسی کے لیے اپنا
 شیڈول تبدیل نہیں کرتی۔ میری پریکٹس بہت ضروری
 ہے پہلے ہی اپنے پاؤں کے زخم کی وجہ سے کافی حرج
 کر چکی ہوں۔“
 ”تم اس سوئمنگ اینٹ سے ایکسکیوٹ کیوں نہیں
 کر لیتی؟“ انہوں نے آہستگی سے کہا۔
 ”کیوں؟“

”تمہارے پایا تمہارے لاسٹ سوئمنگ گیم کی وجہ
 سے مجھ سے ناراض ہوئے تھے ان کا خیال ہے کہ ہمیں
 اب ایسی گیمز میں حصہ نہیں لینا چاہیے وہ منع کر رہے
 تھے۔“ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ اتنے لوگوں کی
 موجودگی میں اس بات نے شہرینہ کا چہرہ تباہ کیا تھا۔
 ”کیوں ان کو کیا آرگومنٹ ہے؟“ اس کے
 لہجے میں سختی تھی جبکہ باقی لوگ خاموش تماشا بنے
 ہوئے تھے۔

”انہوں نے کچھ سوچ سمجھ کر ہی کہا ہوگا، تم اب ٹین
 اینج پیجی تو ہو نہیں کہ ہر بات سمجھائی پھروں۔“ مہمانوں
 کی موجودگی میں شہرینہ کا اپنی ٹیڈ ان کو پسند نہیں آیا تو
 انہوں نے بھی کچھ سختی سے کہا۔
 ”کاش ٹین اینج میں آپ نے ہر بات سمجھائی ہوتی
 تو اب آپ کو مجھ پر اتنا وقت بردار نہ کرنا پڑتا۔ آپ جانتی
 نہیں میں اب ان گیمز سے پیچھے نہیں ہٹنے والی اس آ
 پارٹ آف مائی لائف۔“ وہ سختی سے کہہ کر وہاں سے چلی
 گئی فائنل نے ایک گہرا سانس لیا، اگلن نے خالہ کو دیکھا
 اس کا انداز نہ سوچ تھا۔

”شہرینہ جسٹ فار ایک سرساز کے لیے سوئمنگ کرتی
 ہے پایا قاعدہ گیمز میں حصہ لیتی ہے؟“ فرح نے پوچھا۔
 ”شروع میں تو جسٹ فار ایک سرساز کے لیے ہی
 کرتی تھی پھر اسکول لائف میں آ کر وہ باقاعدہ گیمز میں
 حصہ لینے لگی تھی، بہت اچھی سویمر ہے لیکن لاسٹ ٹائم
 اس نے انٹر کالج ڈوئین یونین کی طرف سے حصہ لیا تو

”لیکن یہ گاڑی۔“
 ”تم اپنے کسی کلاس فیلو کو کہو وہ تمہیں پک کر لیں گے
 گاڑی ایک دو گھنٹے بعد سروس سے واپس آئے گی۔“
 ”اتنے بڑے سیاستدان کی بیٹی ہو کر میں دوستوں کی
 منتیں کرتی پھر دل حد ہوتی ہے کسی چیز کی دوستوں کی
 نظروں میں کیا اسٹیٹس رہ جائے گا میرا۔“ وہ بہت سخت
 ہو رہی تھی۔

”مجھے اپنے ہائی فائی اسٹیٹس سے بھی نکل کر دیکھ لیا
 کرو انسان کو اپنا بیک گراؤ نہیں چھوڑنا چاہیے۔“ فائنل
 نے مسکرا کر کہنے اس کا غصہ کم کرنا چاہا تھا لیکن شہرینہ کے
 اندر کا غبار مزید بولناک پوائنٹ پر پہنچ رہا تھا۔ اگلن تاشا
 کرچکا تھا اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے اور کھڑا
 ہو گیا۔ اسی وقت شہرینہ کا موبائل بجنا تھا۔
 ”ہیلو۔“ وہ انتہائی بے زار سے بولی۔
 ”گاڑی خراب ہے۔“ وہ کسی کو بتا رہی تھی۔
 ”وہ بھی گھر پر نہیں۔“ لہجے میں سختی تھی۔

”اللہ کے لیے زین میں پہلے ہی بہت غصے میں
 ہوں مجھے اور طیش مت دلاؤ۔“
 ”ہاں بڑی پروا ہے تمہیں میری۔“
 ”چلو دیکھ جیتی ہوں اتنی پروا ہے ناں تو چندہ منٹ
 میں گاڑی لے کر آ جاؤ میں ماں لوں گی۔“ اگلن نے بہت
 سختی سے اسے دیکھا تھا۔

”اوکے..... اوکے بائے..... آئی ایم وینٹنگ۔“
 اگلن نے اسے دیکھا۔ وہ کال بند کر کے پلٹ کر وہاں
 سے جانے لگی تھی۔ اس نے پُر سوچ نگاہوں سے اسے
 دیکھا اور پھر فائنل کو۔
 ”اگر آپ اجازت دیں تو میں شہرینہ کو ڈراپ
 کروں۔“ اگلن کی آواز کافی بلند تھی وہاں سے پلٹ کر
 جاتی شہرینہ ایک دم رکی تھی۔ اس نے حیران ہو کر اگلن کو
 دیکھا جبکہ اگلن اماں بی اور فائنل کی طرف متوجہ تھا اماں
 بی کی ہانچیں کھل اٹھی تھیں۔
 ”اس سے اچھی اور کیا بات ہوگی شہری خوا خواہ

پریشان ہو رہی ہے مجھے تو خیال ہی نہیں آیا کہ تم بھی
 ڈراپ کر سکتے ہو اور تم لوگوں کی گاڑی گھر پر ہی ہے۔“
 فائنل ایک دم خوش ہوئیں۔
 ”لیکن میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی میں نے
 زین کو کال کی ہے وہ مجھے کچھ دیر میں پک کر لے گا۔“
 ”زین کو منع کرو ورنہ اگلن چھوڑ دے گا۔“ فائنل نے کہا تو
 شہرینہ کو ایک دم ہوا آ گیا۔

”ان کے ساتھ جانے سے بہتر ہے کہ میں چھٹی
 کروں میں نے کہا ناں کہ مجھے ان کے ساتھ نہیں جانا سو
 بار بار غلط باتوں کے لیے مجھے فورس مت کیا کریں۔“
 انداز طعنی تھا۔
 ”آپ ہر بات پر ماما سے کیوں آرگومنٹ کرتی
 ہیں زین ہمارا کوئی فیملی ممبر نہیں ہے جس پر آپ
 ٹرسٹ کر رہی ہیں میرا خیال ہے آپ اگلن بھائی کے
 ساتھ چلی جائیں۔“ نیو جوانی دیر سے خاموش تھا اس
 نے اکتا کر کہا۔

”بھاڑ میں جاؤ تم سب۔“ وہ غصے سے کہہ کر وہاں
 سے اندر کی طرف چل دی۔ اگلن نے فائنل کو دیکھا
 انہوں نے بے بسی سے کندھے اچکائے تھے۔ اگلن اپنے
 کمرے میں آیا اور اپنی چیزیں لے کر وہ کمرے سے نکلا تو
 راہداری کے درمیان میں شہرینہ کھڑی کیونہ تو زنگا ہوں
 سے اسے دیکھ رہی تھی۔

”کیا مسئلہ ہے آپ کو؟ خبردار آئندہ میرے کسی بھی
 معاملے میں ٹانگ اڑانے کی کوشش کی تو وہ اور لڑکیاں
 ہوتی ہوں گی جو آپ کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھنے کو چیل
 رہی ہوں گی آئندہ میرے سامنے بھی آئے تو مجھ سے برا
 کوئی نہیں ہوگا۔“ اگلن نے بہت سختی سے اسے دیکھا اور
 سنا۔ شہرینہ تو اسے دیکھ کر پہلے ہی آگ میں جل رہی
 تھی۔ اب اسے گھر میں چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے دیکھ کر
 اس کے اندر تو کوئی ایک قیامت برپا تھی اور ایسے میں
 اسے کالج ڈراپ کرنے کی آفر اس کا بس نہیں چل رہا تھا
 کراسے صفحہ ہستی سے مٹا دے۔



onlinemagazinepk.com/recipes

aanchal.com.pk

رنگارنگ کہانیاں سے آرائش و زیبائش

سے انق

نازہ شمارہ شائع

ہو گیا ہے

نمبر 2017 کے شمارے کی ایک جھلک

ایکسٹون: ناول Mark Arundel نے لکھا اس میں ایک ریٹائر فوجی کو ایک شخص کی جان بچانے کی ذمہ داری دی جاتی ہے جبکہ کئی دشمن اسے مارنے پر تلے ہوتے ہیں ہر چہرے میں ایک نیا انکشاف ہوتا ہے دلچسپی اور سنسنی خیز واقعات سے پر ناول۔

ہشدر: بہت سے ایسے زندہ وجودوں میں سے ایک جو بازار حسن کے کونھوں اور گلیوں میں جھڑکیاں اور گالیاں کھائے ہوئے وقت کی ٹھوکروں میں پروان چڑھتے ہیں۔ ہاں البتہ قدرت نے حالات و واقعات کا جو کھیل رنچایا تھا اس کی بدولت اس کے وجود کی ترکیب میں ان لطیف جذبوں کا آہنگ یکجا ہو یا تھا جو جذبہ باقی حالت کی معراج ہوا کرتے ہیں۔

خلوص... دیانت... ادب... ایثار... خدمت... شکر گزاری... کیفیت و احساس کی صورت وجود رکھنے والے محبت کی یہ بنیادی اجزا آدودہ اور خون کے ذریعے اس کے جسم و جان کا حصہ بنے تھے۔ بد معاش کی دنیا نے اسے مرشد مانا اور پھر... وہ کسی کامرید ہو گیا۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت کچھ

”لو آ گیا ہوں میں تمہارے سامنے کیا کر لو گی۔“ انداز بہت طنزیہ اور چلیجنگ تھا شہرینہ کا جی چاہا کہ واقعی اس کا منہ نوج لے۔

”تم.....“ وہ پھنکاری تھی اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اگلن نے وارن کرنی انگلی کو نیچے کرتے اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لیا۔ اس وقت وہ بیک کندھے پر اور فائل بائیں ہاتھ میں لیے ہوئے تھی۔

”تم جیسی لڑکی کو سیدھا کنارے لیے قطعی مشکل نہیں بچا جان اور خالہ نے تمہیں زیادہ ہی سچڑھا رکھا ہے پہلے تم جو بھی تھی وہ سب ایک طرف اب یہ بھی مت بھولنا اب کہ تم میری منکوحہ ہو۔“ اگلن کا انداز بہت سنجیدہ اور سرد تھا۔

”ہاتھ چھوڑیں میرا۔“ وہ بہت غصے سے بولی ساتھ ہی ساتھ ہاتھ چھڑانے کی مزاحمت بھی کر رہی تھی لیکن اگلن کی مضبوط گرفت کے سامنے اس کی ساری مزاحمت بے کار جا رہی تھی۔

”کوئی مجھے کتنا ہی ناپسند کیوں نہ ہو جس کا ہاتھ ایک بار تھام لیا کبھی رستے میں نہیں چھوڑا۔ نہ اور بات ہے کہ تم سے بیدار نہ نفرت کی بنا پر بھانا پڑے گا۔“

”نیوٹی۔“ جواب دہ چلی۔

”چینو گی تو اپنے ہی گھر میں اپنا تماشا بناؤ گی اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے مقابلے میں کبھی مجھے ہی سپورٹ کریں گے۔“ اگلن کا انداز بالکل سرد تھا۔ شہرینہ نے نہایت بے بسی سے اسے دیکھا۔

”میرا خیال ہے تمہیں کالج سے دیر ہو رہی ہے میں تمہیں ڈراپ کروں گا۔“ اس نے اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے چلنا شروع کر دیا تھا۔ شہرینہ چیخ رہی تھی لیکن اس کی مزاحمت پر بھی اگلن نے ہاتھ نہیں چھوڑا تھا دونوں کا شور سن کر فالتو اور فرح سامنے آئیں۔

”کیا ہوا؟“ فالتو نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”میں محترمہ کو ان کے کالج چھوڑنے جا رہا ہوں چونکہ یہ سیدھے انداز میں ساتھ نہیں چل رہی تو زبردستی

کردگے میرے دل میں تمہارے خلاف نفرت ہی بڑھے گی۔ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی اپنی ہر زیادتی کا بدلہ لوں گی۔“ وہ جذبات کی رو میں بہہ رہی تھی۔ اپنے نفع و نقصان سے بے خبر اگلن کی نفرت میں بہتے اسے بس ڈوب دینے کو تڑپ رہی تھی اگلن نے اسے ایک بل کو بغور دیکھا شہرینہ عثمان بلا کی حسین لڑکی تھی۔

وہ حسن پرست ہوتا تو ایک بل میں گھائل ہو جاتا لیکن شہرینہ کے تئیں اس کے انداز و اطوار اس کا لب و لہجہ یہ سب ایسے عناصر تھے کہ وہ اسے چاہ کر بھی دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ اسے اول روز کی طرح ہی ناپسند تھی لیکن جس طرح وہ واضح و بڑلا انداز و الفاظ میں اس کی ذات کی نفی کر رہی تھی اس کے اندر کا انا پرست مرد اس قدر توجہ تین آئینہ سلوک پر اسے بھی جواباً بری طرح رد کر دینا چاہتا تھا۔

اس نے رات جس طرح اس کی نفی کی تھی اگلن نے سوچ لیا تھا وہ اسے رد کرے گا بالکل اسی انداز میں جس طرح وہ اسے رد کر رہی ہے لیکن وہ اس طرح رو کرنا چاہتا تھا کہ یہ لڑکی ٹوٹ کر اس کے قدموں میں گرے لیکن اسے توڑنے کے لیے اگلن کو اندر سے اب مضبوط بننا تھا۔ اس قدر کہ وہ جب چاہے اس لڑکی کی انا اور اس کے پندار کے محل کو چکنا چور کر سکے۔

”تم اپنے ہنر آزمائش میں بھی دیکھتا ہوں تم کہاں تک جاتی ہو اپنی اس نفرت میں۔“ شہرینہ نے لب و لہجہ سے تلے دبا لیے تھے اگلن پر کسی بھی بات کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ اگلن نے ایک دو بل اسے دیکھا اور پھر اس نے انکیشن میں چابی کھائی تھی۔

”لاک کھولو مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔“ وہ پھر پھنکاری۔
”کھول سکتی ہو تو کھول لو۔“ اس نے مسکرا کر کہا تھا۔ ڈرائیور نے گیٹ اوپن کر دیا تھا۔ اس نے گاڑی ہاتھ وے پر ڈال دی تھی شہرینہ نے کچھ لمبے اگلن کو بغور دیکھا۔

”تم بہت غلط کر رہے ہو میرے ساتھ اپنے ساتھ اور ان سب لوگوں کے ساتھ جن سے میرا نام جڑا ہوا ہے۔ تم مجھے زبردستی اپنے ساتھ باندھ سکتے ہو میرے والدین کو ٹریپ کر سکتے ہو لیکن میری نفرت میں کمی نہیں لاسکتے اوکے ایسے تو ایسے ہی ابھی میں بھی دیکھتی ہوں تم میرے ساتھ کہاں تک سفر کر سکتے ہو۔“ اگلن کے تیوروں اور چہرے کے تاثرات نے اسے چونکا دیا تھا۔

اگلن حد سے زیادہ سنجیدہ تھا لیکن اس کی آنکھوں کا تاثر از حد سردہری لیے ہوئے تھا۔ یعنی وہ اسے یہ سب کچھ جان بوجھ کر اذیت سے دوچار کرنے کے لیے کر رہا تھا اور وہ اپنے چیخنے چلانے سے اسے سکون مہیا کر رہی تھی۔ وہ یک دم ساکت ہوئی اور پھر ایک دم پرسکون ہو گئی تھی وہ چیخ چلا کر اسے فتح کا احساس کیوں دلاتی۔ اگلن نے اسے دیکھا وہ جو چند بل پہلے چلا رہی تھی غصے سے سرخ انگارہ ہو رہی تھی اب ایک دم پرسکون ہو گئی تھی اس نے گودیوں میں فائل کھول کر اس کے صفحات پلٹنے شروع کر دیے تھے وہ ایک دم اتنی پرسکون کیسے ہو سکتی تھی؟ اس کے اندر کھد بد شروع ہو گئی تھی اس کے سامنے ایک لمبی سڑک تھی اور مقابل ایک ہاتھ کے فاصلے پر بیٹھی یہ لڑکی تھی جو ایک معما سا بن گئی تھی۔ وہ جذباتی لحاظ سے کمزور لڑکی تھی لیکن وہ جذباتی لحاظ سے کوئی کمزور مرد نہ تھا اسے اپنے جذبات و احساسات ہر چیز پر قابو تھا اس کا اور اس لڑکی کا کوئی مقابلہ نہ تھا تو پھر وہ اس سے ضد کیوں باندھ رہا تھا۔

اس نے اسے دیکھا وہ ایسے بن گئی تھی گویا اسے اگلن کی موجودگی یا ناموجودگی سے اب کوئی غرض نہ تھی۔ کچھ بل پہلے جس کے لیے اس ناپسندیدہ شخص کے ساتھ سفر کرنا زندگی و موت کا مسئلہ بنا ہوا تھا اب وہ ہمدی کی طرح پرسکون تھی۔ اگلن کو اپنے سب ارادے منی کے ڈھیر بننے محسوس ہو رہے تھے کچھ بل بعد شہرینہ کا موبائل بجنے لگا تھا۔ اس نے بیک سے موبائل نکال کر دیکھا کہ زین کی کال تھی اس نے اگلن کو دیکھا اور پھر کال پک کر لی۔

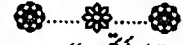
”ہاں زین.....“

”نہیں۔“

”ہاں۔“

”ٹھیک ہے اوکے۔“

”اوکے اللہ حافظ۔“ اگلن کی نگاہ سامنے سڑک پر تھی لیکن ذہن شہرینہ عثمان کی طرف تھا کچھ دیر بعد کالج آ گیا تھا اگلن نے خود اتار کر دوسری طرف آ کر لاک کھولا تھا۔ شہرینہ خاموشی سے اپنا بیک اور فائل لے کر باہر نکل گئی تھی۔ اگلن کے اپنی بیٹھو سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ اگلن کے ساتھ چیخ چلا کر مقابلہ کرنے کی بجائے بالکل خاموش رہ کر اسے زچ کرنا زیادہ آسان تھا۔ شہرینہ اگلن نے اسے جاتے دیکھا تھا وہ کالج میں داخل ہوئی تو اگلن نے بہت سنجیدگی سے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔



”کس کے ساتھ آئی تھی؟“ زین سے ہیلو ہائے کے بعد اس نے پوچھا۔

”بتایا تھا ناں کہ لاہور سے مہمان آئے ہوئے ہیں انہی میں سے ایک نے ڈراپ کر دیا تھا۔“

”تمہاری گاڑی کو کیا ہوا؟“

”پاپا لے گئے تھے۔“

”پریزینٹیشن دیکھ لیتے ہیں تھوڑی دیر بعد کلاس شروع ہو جائے گی۔ کل مہمانوں کی وجہ سے کچھ نہیں کر پائی ورنہ میں نے سوچ رکھا تھا کہ اس میں کافی ساری چیزیں اور ایڈ کروں گی۔“ اس نے کہا تو زین نے سر ہلا دیا۔

وہ دونوں گروپ کے پاس آگئے تھے حوریہ عباس دونوں کی منتظر تھی ان کے گروپ میں ایک اور لڑکا جو ادارہ لڑکی صبا بھی شامل تھے۔ پانچ افراد پر مشتمل اس گروپ میں بھی افراد کافی لائق تھے سوائے صبا کے باقی چاروں کافی ہائی فیلٹیو سے لی لاگ کرتے تھے۔ صبا ایک مڈل کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی شروع میں کسی بھی گروپ کا حصہ نہ تھی۔

حوریہ کو وہ بہت پسند تھی اس نے اسے اپنے گروپ

میں شامل ہونے کا کہا تھا لیکن اس نے زین اور جواد کی وجہ سے انکار کر دیا تھا لیکن بعد میں حوریہ کی کوششوں سے ایک اسائنمنٹ کے ذریعے ان کے گروپ کا حصہ بنی تھی کہ اس اسائنمنٹ میں اس کے نمبر زب سے زیادہ تھے باقی لوگوں کو اس اسائنمنٹ کے لیے اس سے مدد لینا پڑی تھی اس کے بعد ان لوگوں کے گروپ میں وہ اکثر دکھائی دینے لگی تھی اور پھر رفتہ رفتہ وہ ان کے گروپ کا حصہ بن گئی تھی۔ صبا کاپس پوائنٹ اس کا عیب اور حجاب استعمال کرتا تھا۔

وہ ایک مڈل کلاس مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتی تھی شروع شروع میں اس کے عیب پر کالج میں کافی چوٹ کی جاتی تھی لیکن پھر وقت گزرنے کے ساتھ عیب یا اس کی پہچان بنتا چلا گیا تھا وہ عیب یا کے بغیر بھی دکھائی نہ دی تھی۔

شہرینہ اور حوریہ اس کے گھر بھی جا چکی تھیں وہ لوگ کافی با اخلاق تھے جبکہ وہ زین اور جواد سے اب بھی کچھ حد تک ریزروسی ہو کر ملتی تھی جبکہ شہرینہ اور حوریہ سے نہایت فریٹک تھی وہ ان دونوں کے بارہا اصرار کے باوجود بھی ان دونوں کے گھر نہیں آتی تھی۔ ایک دفعہ صبا کی بہن کے میڈیکل ایڈمیشن میں کچھ گھپلا ہو رہا تھا ٹیسٹ کلیئر تھا نمبرز بھی اچھے تھے لیکن داخلہ چار جز کی وجہ سے یہ لوگ کافی پریشان تھے۔ تب پہلی بار اس نے شہرینہ سے بات کی تھی اور شہرینہ نے عثمان صاحب سے کہہ کر اس کا کام منٹوں میں کر دیا تھا تب سے وہ شہرینہ کی کافی مشکور تھی۔ اس وقت بھی وہ بانچوں بل کر پریزینٹیشن پر وکس کر رہے تھے یہ گروپ پریزینٹیشن تھی جسے گروپ کی طرف سے شہرینہ پریزنٹ کر رہی تھی لیکن اہم پوائنٹس سبھی نوٹ کر رہے تھے۔

”اچھا چھوڑو کتنا بورنگ کام ہے۔“ حوریہ کچھ دیر بعد ہی اکتا گئی تھی اس نے اپنا لیپ ٹاپ بند کیا تو بھی نے اسے مسکرا کر دیکھا۔ وہ ان سب میں سے اسٹڈی سے جی چرانے والی لڑکی تھی لیکن ہنر اس کے بھی بہت اچھے آتے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ اودھ سال ساری پر پزینہ نشین تقریباً مکمل ہی ہے اور شہرینہ بہت اچھے سے بیچ کر لے گی۔“
 ”بالکل۔“ جواد کے کہنے پر اس نے فوراً سر ہلایا۔
 ”مجھے بہت بھوک لگی ہے ناشتا نہیں کر کے آئی چلو کینٹین چلتے ہیں۔“ حوریہ نے کہا تو شہرینہ نے اپنا موبائل دیکھا۔ ابھی کلاس شروع ہونے میں آدھا گھنٹہ باقی تھا وہ حوریہ اور صبا کینٹین کی طرف آ گئیں۔
 وہ گھر سے ناشتا کر کے آئی تھی اس نے صرف چائے پینے کو ترجیح دی تھی جبکہ حوریہ نے اپنے لیے برگر اور کولڈ ڈرنک منگوائی تھی صبا نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا تھا وہ گھر سے اچھی طرح ناشتا کر کے آئی تھی۔ وہ لوگ بیٹھ کر ابھی کھا رہی تھیں جب اچانک فریجہ نے پیچھے سے شہرینہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
 ”کیسی ہو شہر؟“ شہرینہ نے پلٹ کر دیکھا اور فریجہ کو دیکھ کر ایک دم سنجیدہ ہو گئی۔
 ”فائن۔“ اس کا انداز لیا دیا سا تھا۔ وہ اس وقت فریجہ کے ساتھ ٹائم ویسٹ کرنے کے موڈ میں نہ تھی۔
 ”نکتنی بے وفائو کی ہو تم شایان کی شادی کے بعد تو تم نظر ہی نہیں آئیں حتیٰ کہ میں نے کئی بار تمہارے ڈیپارٹمنٹ کے چکر بھی لگائے۔“ وہ بہت اپنائیت کا اظہار کرتے کہہ رہی تھی شہرینہ سنجیدہ جبکہ حوریہ کا موڈ اسے دیکھ کر بگڑنے لگا تھا۔
 ”لو آگئی چیکو۔“ وہ بڑبڑاتی تو صبا نے بمشکل اپنی مسکراہٹ روکی تھی۔
 ”سنا ہے زودیہ وغیرہ تمہاری طرف آئے ہوئے ہیں آؤ جنگ کے لیے۔“ وہ مزید بولی۔
 ”ہاں۔“ وہ ابھی بھی سنجیدہ تھی۔ شادی میں جو کچھ ہو چکا تھا اس کے بعد اس کا ان میں سے کسی کو بھی منہ لگانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔
 ”چلو اچھی بات ہے ماما کہہ رہی تھیں کہ وہ آج کل میں ان لوگوں کو دعوت پر بلائیں گی۔“
 ”ہم۔۔۔۔۔“ اس نے بس ہنکار بھرا۔

”شادی کی تصاویر بہت اچھی آئی ہیں میرے موبائل میں ہم لوگوں نے خوب انجوائے کیا تھا تمہاری کافی تصاویر ہیں میرے پاس اسپیشلی وہ ڈالس کرتے ہوئے اور پھر بعد میں وہ تمہارے نکاح والی۔“ وہ اس قدر روانی سے بول رہی تھی شہرینہ جو سنجیدہ سی بیٹھی ہوئی تھی فریجہ کی آخری بات پر ایک دم سیدھی ہوئی صبا اور حوریہ بھی ہنسی مچ گئی تھی۔
 چہرے پر پریشانی چھا گئی تھی۔
 ”نکاح۔۔۔۔۔ کس کا نکاح؟“ وہ اس سے پہلے کہ کچھ کہتی حوریہ فوراً بولی فریجہ ہنسی اس کی ہنسی بڑی حظ اضافتی ہوئی تھی۔ وہ ایک نظر میں ہی بھانپ گئی تھی کہ شہرینہ نے اپنی دوستوں کو اپنے نکاح کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا۔
 ”شہرینہ کا نکاح۔“ وہ ہنس کر بولی۔
 ”شہرینہ کا نکاح۔۔۔۔۔؟“ دونوں نے بے یقینی سے شہرینہ کو دیکھا اور شہرینہ نے فوراً موبائل پر وقت دیکھا۔
 ”شہرینہ تم نے بتایا نہیں دوستوں کو شہرینہ کا کچھ دن پہلے اسے تیار ہوا اسے نکاح ہوا ہے۔“ وہ شہرینہ کو دیکھ رہی تھی اور مسکرا کر دوستوں کو بتا رہی تھی وہ حیران تھیں۔
 شہرینہ اچانک انگلیں جیسے آسان شکار کو اس کے پنجوں سے نکال کر لے لڑی تھی فریجہ تو اندر ہی اندر جل رہی تھی۔
 انگلیں جیسا ہر لحاظ سے مکمل اور شاندار مرد کا اس طرح ہاتھوں سے نکل جانا وہ بھلا کیسے برداشت کر لیتی۔
 رخشندہ اور فریجہ کا تو حسد کے مارے برا حال تھا اور اب اگر شہرینہ سے سامنا ہوا تھا تو بھی وہ اسے معاف کرنے والی نہ تھی۔
 ”فریجہ پلیز۔۔۔۔۔ ہماری کلاس ہونے والی ہے پھر بات کریں گے۔“ وہ فوراً کھڑی ہوئی جبکہ فریجہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔
 ”شہرینہ بتاؤ تو سہی یہ کیا کہہ رہی ہے۔“ حوریہ بھی آدھی کولڈ ڈرنک وہیں چھوڑ کر فوراً کھڑی ہو گئی تھی۔
 انہوں نے کاؤنٹر پر پے منٹ کی اور تیزی سے وہاں سے

پہلی آئی تھیں۔
 ”میں تم لوگوں کو سب بتا دوں گی لیکن ابھی کلاس ہونے والی ہے زین یا جواد سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بس اتنا کہو گی کہ اس نکاح کی میرے نزدیک کوئی حیثیت نہیں سو میں نے بتانا بھی ضروری نہیں سمجھا۔“ وہ جلدی کی کہہ رہی تھی حوریہ اور صبا نے خاموشی سے اسے دیکھا۔
 ”اوکے لیکن کلاس کے بعد تم ہمیں سب کچھ بتاؤ گی“ ایک ایک لفظ بیچ بیچ۔“ شہرینہ نے سر ہلادیا۔ وہ ذہنی طور پر ڈسٹرب ہوئی تھی لیکن اس نے خود کو جلد ہی بحال کر لیا تھا کچھ دیر بعد ان کی کلاس شروع ہو گئی تھی۔ اس کی پزینہ نشین کافی اچھی رہی تھی۔
 سر نے اور کلاس فیلوز نے اسے بہت اچھے انداز میں اپہریشٹ کیا تھا اس کی اگلی کلاس فری تھی زین کو اردو ڈیپارٹمنٹ کی طرف کچھ کام تھا وہ جواد کے ساتھ اسی طرف چلا گیا تھا وہ تینوں لائن میں آ بیٹھی تھیں اور پھر اس نے ان کو سب تفصیل سے بتا دیا تھا۔ انگلیں کے ساتھ ہونے والی تمام جھڑپیں دل میں موجود بدگمانیاں و فرقتیں ہر چیز دونوں نے از حد خاموشی سے سب سنا تھا آخر میں اس نے یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس وقت انگلیں اپنی داوی بہن بھائی اور بھائی کے ساتھ ان کے گھر میں موجود ہے۔
 ”بڑی فلمی سی کہانی ہوئی ہے یہ تو۔“ صبا نے کہا تو شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ وہ دوستوں میں موضوع گفتگو بننے سے خوف زدہ بھی لیکن اب فریجہ کی حماقت کی وجہ سے سب کچھ بتانے پر مجبور تھی۔
 ”تصور کرو کوئی نہیں تمہارے پاس نکاح کی۔“ شہرینہ نے گھورا تو صبا نے حوریہ کا کندھا ہلایا۔
 ”جس چٹوخن میں بے چاری کا نکاح ہوا ہے ایسے میں کس کو تصویر بنانے کی سوجھتی ہے۔“
 ”ہے تو ایسا ہی لیکن شادی داوی کی تصاویر تو ہوں گی تمہارے پاس۔“
 ”ہوئی تو بھی میں تمہیں نہ دکھاتی۔“

”چلو کوئی بات نہیں میں فریجہ سے کہہ دوں گی اس کے موبائل میں تو ہیں وہ دکھا دے گی۔“ شہرینہ نے گھورا تو وہ ہنس دی۔
 ”اپنا موبائل دو۔“ اس نے اس کے ہاتھ سے موبائل لیا۔
 ”پاسورڈ بتاؤ۔“ جیسے ہی اس نے آن کیا تو موبائل پاسورڈ مانگنے لگا۔ شہرینہ نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر پاسورڈ لگا کر پٹرین کھول کر اسے موبائل دے دیا تھا۔ حوریہ نے گیلری کھول لی تھی تصاویر اس کے سامنے تھیں پھر صبا بھی دیکھنے لگی۔
 ”بتاؤ یہ کون کون ہیں؟“ زودیہ اور فرح کی کل کی لمبی تصاویر تھیں جو فرح نے اس کے موبائل سے لیں تھیں۔
 ”یہ زودیہ ہے اور یہ فرح۔“
 ”اب شرافت سے باقی کے بارے میں بتاتی چلو تم جانتی ہو تم نے ہمیں نہ بتا کر جو خطا کی ہے اس کی سزا کیا ہو سکتی ہے۔ ہم تم سے ناراض نہیں ہو رہے ہیں تو یہ ہماری شرافت ہے ایسا نہ ہو تمہیں ہماری سنگین قسم کی ناراضگی سہتا پڑ جائے۔“ شہرینہ نے ایک گہرا سانس لیا ایک ایک کر کے وہ ان کو سب تصاویر دکھا رہی تھی۔
 ”یار ساری دنیا کی تصاویر اس میں موجود ہیں جس کو دیکھنا مقصود ہے وہ تو کہیں نہیں۔“ حوریہ نے کہا تو اس نے حیرت سے سر جھٹکا۔
 ”وہ شخص اس قابل ہرگز نہیں کہ اس کی تصاویر میں اپنے موبائل میں رکھتی پھر دو۔“ حوریہ اور صبا نے بغور اسے دیکھا۔
 ”پر سنائی کیسی ہے؟“ حوریہ نے اس کی نفرت کا اندازہ لگایا۔
 ”پاپا سے کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔“
 ”واؤ اس کا مطلب ہے کافی ڈشنگ پر سنائی ہے پھر تو۔“ شہرینہ نے گھورا تو وہ ہنس دی۔
 ”قسم سے تمہارے پاپا کی پر سنائی آج بھی اس قدر

شاندار ہے کہ کئی کنواری لڑکیاں دل ہاتھ میں لیے ان کے رستے میں بیٹھے کوترجیوں کی۔

”یکومت۔“ اس نے موبائل اس کے ہاتھ سے چھینا۔

”ارے دیکھتے تو دو ہو سکتا ہے آگے جا کر اس کی تصویر نکل آئے۔“ شہرینہ نے ان سنی کرتے موبائل اپنے بیگ میں رکھ لیا۔

”اس کا مطلب ہے کافی زبردست انسان ہے بہر حال شہرینہ کی باتوں سے مجھے وہ کوئی بہت زیادہ ناقابلِ برداشت انسان نہیں لگتا۔ جس طرح کے واقعات شہرینہ بتا رہی ہے ہمارے گھر کے مردوں کی بھی یہی سوچ ہوتی ہے۔ وہ بھی اپنی عورتوں کے بارے میں اس طرح پوزیو ہیں جس طرح مسٹر افکن کا بتایا ہے اس میں نفرت کا کوئی پہلو نہیں لگتا۔“ صبا نے حقیقت پسندی سے سچائی پر جی بات کی۔

”تم میری دوست ہو یا اس کی بہن۔“

”تمہارے ناطے تو اب سالی کا رشتہ بنتا ہے۔“ اس نے ہنس کر کہا شہرینہ نے لب سمجھنے لیے تھے۔

”بہر حال کوئی حتمی رائے دینے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک بار تمہارے ان مسٹر افکن صاحب سے مل لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ کیا خیال ہے بقول اس کے کہ آج کل اسلام آباد میں ہی ہے اور ان کے گھر ہی رہائش پذیر ہے۔“ حورینہ نے بھی سنجیدہ ہو کر کہا۔

”ہرگز نہیں تم لوگ اسے دیکھنے ہرگز نہیں جاؤ گی۔“

”ہم یونیورسٹی سے واپسی پر تمہاری طرف چل رہی ہیں تمہاری گاڑی بھی نہیں ہے تمہیں اور صبا کو ڈراپ کرنا میری ذمہ داری ہے۔“ حورینہ نے فوراً پروگرام بنایا۔

”میں نے گھر نہیں بتایا۔“ صبا نے ٹالنا چاہا۔

”کوئی بات نہیں گھر کال کر کے آئی سے اجازت لے لیتا آج جانا چاہیے۔“ ان کا پروگرام یکا تھا صبا نے

سر ہلایا جبکہ شہرینہ اس لمحے پر افسوس کر رہی تھی جب فریج کی حفات کے سبب اس نے ان کو سب کچھ بتایا تھا۔



شہرینہ کی سوئمنگ پریکٹس تھی لیکن حورینہ اور صبا کی وجہ سے اس نے انسٹرکٹر کو کال کر کے اپنے نہانے کا کہہ دیا تھا وہ سوئمنگ پول جانے کی بجائے حورینہ کی گاڑی میں آ بیٹھی تھی صبا نے بھی اپنے گھبرات کر لی تھی وہ بھی ساتھ تھی۔ سارا رستہ حورینہ اور صبا افکن کا نام لے لے کر اس کا دماغ چالتی رہی تھیں اللہ اللہ کر کے گھر آیا تو ان کی زبان رک گئی۔

فائقہ بیگم حسبِ پروگرام عثمان کے ڈرائیور کے ساتھ کسی انویٹیشن پر جا چکی تھیں۔ شہرینہ کی گاڑی گھر آ چکی تھی، گھر والی گاڑی بھی موجود نہ تھی شایان اور زبیدہ گھر والی گاڑی لے کر باہر گھومنے گئے ہوئے تھے فرح گھر پر ہی تھی اماں بی کے پاس۔ وہ زبیدہ کو خاطر مدارت کا سامان اچھے انداز میں تیار کرنے کا کہہ کر ان دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں ہی آ گئی تھی۔

صبا چند ایک بار ہی ان کے ہاں آئی تھی لیکن ہر بار ان کے گھر آ کر وہ اس کے گھر کی امارت دیکھ کر کچھ پل کے لیے خاموش ضرور ہوتی تھی۔ وہ حیران ہوتی تھی کہ اس کی شہرینہ کی نجمانے کیسے دوستی ہو گئی وہ تو خود کو کسی بھی طرح شہرینہ کے قابل نہ سمجھتی تھی لیکن وقت گزرنے پر اس نے ہمیشہ اس کو بہت زیادہ محبت کرنے والی ہر اچھے برے میں ساتھ رہنے والی دوست پایا تھا۔ وہ دل سے اس کی قدر کرتی تھی وہ گزرے وقت میں اچھی طرح سمجھ چکی تھی کہ شہرینہ مزاج اور زبان کی تیز تھی لیکن دل کی بہت اچھی تھی جن لوگوں سے اس کا مزاج مل جاتا تھا وہ ان کے ساتھ دل بھی ملا لیتی تھی۔ فرح کو علم ہوا کہ گھر میں شہرینہ کی فرینڈز آئی ہوئی ہیں تو وہ خود ہی شہرینہ کے کمرے میں آ گئی تھی۔

”مجھے فرح کہتے ہیں۔“ سلام دعا کے بعد فرح نے اپنا تعارف کروایا تھا تو دونوں مسکرائیں۔

”ہم جانتے ہیں۔“

”کیسے ہم تو پہلی بار مل رہی ہیں۔“

”شہری آپ کا کافی ذکر کرتی ہے ناں۔“ حورینہ نے شرارتی نگاہوں سے شہرینہ کو دیکھ کر کہا تو فرح نے خوشگوار حیرانی سے شہرینہ کو دیکھا۔

”حیرت ہے اللہ کرے یہ ذکر خیر ہی ہو۔“ فرح نے بھی کہا تو شہرینہ نے غصے سے دیکھا وہ ہنس دی۔

”اصل میں ہماری یہ کزن آل ٹائم غصے میں رہتی ہے تو میں سوچ رہی تھی میرا ذکر کچھ اچھے الفاظ میں نہیں ہوا ہوگا۔“ وہ ان کے پاس ہی بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔

”میں زبیدہ کو دیکھتی ہوں اس کو چاہئے کہ کہا تھا۔“ وہ ان کو لوگوں کو وہیں چھوڑ کر باہر آ گئی تھی گھر میں اتنے ملازمین تھے مالکان کچھ کھائیں یا نہ کھائیں ملازمین کے لیے ضرور پکاتا تھا زبیدہ نے کچھ ٹیکری کا سامان لڑکے کو بیچ کر منگوا لیا تھا اور کچھ چیزیں فوراً گھر سے نکالیں تھیں۔

”پہلے چائے اور ساتھ میں ریفریجیٹ بجھواؤ پھر کچھ دیر بعد کھانے پینے کا سامان لے آنا۔“ وہ کہہ کر واپس کمرے میں آئی تو حیران ہوئی۔

فرح اماں کی کو بھی وہیں لے آئی تھی اب یہ چاروں کافی خوشگوار موڈ میں بات چیت کر رہی تھیں۔ فرح تو مکمل طور پر ان دونوں سے مکمل مل چکی تھی یوں جیسے یہ شہرینہ کی نہیں فرح کی ہی دوست تھیں جبکہ شہرینہ تو دوستوں سے بھی فریک ہونے میں سالوں لگاتی تھی۔

”یارتہم دونوں تو اچھی خاصی ہو نیکی لیا طے سے بھی ٹھیک ٹھاک ہو پھر تم دونوں نے شہرینہ سے دوستی کیسے کر لی؟“

فرح نے شرارتی نگاہوں سے شہرینہ کو دیکھتے کہا تو حورینہ بے اختیار ہنسی۔

”بس دماغ خراب ہو گیا تھا۔“

”بکواس نہیں کرو۔“ اس نے غصے سے حورینہ کے

کندھے پر ہاتھ مارا۔

”ویسے ایمان داری سے بتاؤں شہرینہ جیسے لوگ دل کے بہت سچے ہوتے ہیں اندر باہر سے ایک جیسے غصے اور مزاج کی تیزی ان کے دل کی سچائی تو دھندلا نہیں سکتی

ایسے لوگ جس سے بھی رشتہ بناتے ہیں بہت فہم ہولر بناتے ہیں۔“

”یہ تو ہے۔“ فرح نے بھی سر تسلیم خم کیا۔ زبیدہ چائے لے آئی تھی ساتھ ہلکا ہلکا ریفریجیٹ تھا ان لوگوں نے چائے بہت خوشگوار موڈ میں پنی تھی۔ چائے کے بعد اماں بی لاؤنچ میں جا بیٹھی تھیں جبکہ وہ ان تینوں کو لے کر گھر دکھانے لگی تھی پچھلے دنوں سارے گھر کی کلر اسکیم اور سیٹنگ چھینچ گئی تھی۔ اماں نے شہر کے ہائی فائی ہوم انٹیریئر کمپنی کی خدمات لی تھیں سارا گھرج کر بہت ہی شاندار لگ رہا تھا۔ صبا گھر دیکھ کر متاثر ہو رہی تھی جبکہ حورینہ سہرا رہی تھی وہ اوپر والے پورشن میں تھیں جب افکن گھر لوٹا تھا وہ اماں بی کے پاس آ گیا تھا انہوں نے چائے پانی کا پوچھا تو اس نے پہلے فریش ہونے کا کہا ایک دو منٹ بعد وہ اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ لباس لے کر واش روم میں گھس گیا تھا کچھ دیر بعد وہ بیچ کر کے فریش ہو کر کمرے سے نکلا تو اسے بھوک لگ رہی تھی وہ آج سارا وقت بڑی رہا تھا۔ وہ کبھی بھی اسلام آباد آنے پر راضی نہ ہوتا اگر یہاں کے کچھ کافی عرصے سے پینڈنگ کام اسے اٹریکٹ نہ کرتے۔ اس نے نگاہیں اماں بی کے لیے رضا مندی دی تھی لیکن حقیقتاً وہ اپنے کام بنانے کے لیے آیا تھا۔ وہ کمرے سے نکلا تھا اماں بی سے ہٹا چل گیا تھا کہ خالہ گھر پر نہیں تھیں زبیدہ اور شایان باہر نکلے ہوئے تھے جبکہ فرح گھر پر تھی۔

”فرح کہاں ہے؟“ وہ واپس اماں بی کے پاس چلا آیا۔

”شہری کے ساتھ ہے شاید اپرنگی ہے۔“ افکن نے سر ہلایا اس کا خیال تھا کہ وہ فرح کو کھانے پینے کے لیے کچھ لانے کو کہے گا اس نے کچھ دیر فرح کا ویٹ کیا لیکن فرح نہ آئی تو وہ خود ہی پکچن میں آ گیا۔ پکچن سے بڑی اشتہاء انگیز کھانوں کی خوشبو کھینٹ اٹھ رہی تھیں۔

”کچھ چاہیے صاحب۔“ زبیدہ اسے دیکھ کر فوراً متوجہ ہوئی۔

”ہاں کھانا چاہیے“ فرح کو کہیں میں لاؤنج میں اماں بی کے پاس ہوں ادھر ہی کھانا بھجوا دیں۔“ ٹرے میں انواع و اقسام کی کھانے کی اشیاء سجی رہی تھیں۔ ایک سرسری سی نگاہ ڈال کر وہ واپس باہر نکل گیا تھا زبیدہ نے فوراً باہر کی راہ لی تھی ڈائننگ ہال میں کھانا لگا کر وہ اوپر والے پورشن میں چلی آئی وہ چاروں وہاں خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

”کھانا لگا دیا ہے شیر بی بی۔“ اس نے مودبانہ انداز میں کہا۔ وہ تینوں ابھی تھیں اس نے فرح کو دیکھا۔ ”فرح بی بی شیر آگن صاحب آچکے ہیں آپ کو بلا رہے ہیں کہہ رہے تھے کہ کھانا لے کر ادھر ہی آ جائیں وہ اماں بی کے پاس ہیں۔“

”بھائی کب آئے؟“ ”کچھ دیر پہلے۔“ وہ چاروں نیچے آگئی تھیں۔ حوریہ اور صبا آگن کو بھی دیکھنے آئیں لیکن یہاں آنے پر علم ہوا تھا کہ وہ گھر نہیں لوٹا ابھی تک تو وہ ناامیدی ہوئی تھیں مگر اب آگن کا نام سن کر وہ پھر بے شوق ہوئی تھیں۔ شہرینہ انہیں ڈائننگ ہال میں لے آئی تھی۔ فرح بھی آگن کو کھانا دے کر ان کے ساتھ ہی آگئی تھی۔ کھانے کے بعد صبا اور حوریہ آگن سے ملنے کے لیے شہرینہ کو اشارے کر رہی تھیں جبکہ مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔

”فرح آپ کی اماں بی سے ملنا ہے کیا کر رہی ہیں وہ۔“ حوریہ نے خود ہی فرح سے کہا۔

”وہ تو بھائی کے ساتھ کھانا کھا رہی ہیں۔“ ”ہمیں دیر ہو رہی ہے ایسا کرتے ہیں ان سے مل لیتے ہیں اور پھر نکلتے ہیں۔“ صبا نے بھی کہا تو شہرینہ کے لاکھ آٹھ نکلیں دکھانے پر وہ اماں بی سے ملنے (لیکن) درحقیقت آگن کو دیکھنے) لاؤنج میں چلی آئیں جبکہ شہرینہ کا ریڈر میں ہی ٹپٹپٹ لگتی تھی۔ آگن فرح کے ساتھ اجنبی لڑکیوں کو دیکھ کر چونکا تھا۔ ایک کی ڈیرنگ تو سیم شہرینہ جیسی ہی تھی لیکن دوسری کو دیکھ کر وہ اترا انا لا شعوری طور پر کھڑا ہوا تھا۔

”السلام علیکم؟“ دونوں نے کہا، آگن نے محض سر ہلایا تھا۔ ”کھانا کھالو۔“ اماں بی نے کہا تو حوریہ مسکرائی۔ ”آپ کھائیں ہم ابھی کھا کر آئے ہیں ہم نکل رہے تھے جانے کے لیے تو سوچا کہ آپ سے مل لیں! آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔“ حوریہ نے مہذبانہ انداز میں کہا۔

”آگن بھائی یہ دونوں شہرینہ کی فرینڈز ہیں۔“ فرح نے تعارف کروایا تو آگن نے ایک گہرا سانس لیا۔ حوریہ کی ڈیرنگ نے تو نہیں البتہ صبا کے عبا اور اشارے اسے ضرور حیرت زدہ کیا تھا، شہرینہ کے حلقہ احباب میں ایسی ڈھکی چھپی لڑکی بھی ہو سکتی ہے وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔ آگن کو دونوں نے بطور خاص دیکھا تھا صبا کو اس کا کھڑے ہو کر احترام دینے کا یہ انداز بہت اچھا لگا تھا۔ اس نے بلاوجہ دونوں کی طرف نہیں دیکھا وہ ایک سرسری نظر ڈال کر اماں بی کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”اوکے اماں بی اگر آپ پھر آئیں تو ضرور بتائیے گا میری فرینڈز مدد بھی بالکل آپ کے جیسی ہیں آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے میں آپ سے پھر بھی ملنے آؤں گی۔“ حوریہ نے کہا، اس کے لہجے میں خلوص اور محبت تھی۔ اماں بی کو بھی یہ دونوں بچیاں بہت بھائی تھیں انہوں نے ہاتھ اٹھایا تو دونوں نے جھک کر ان سے پیار لیا۔

”ضرور آنا میں شیر کی کوکھوں کی وہ تم دونوں کو دوبارہ لے کر آئے۔“ انہوں نے کہا وہ سر ہلا گئی تھیں۔ ایک دو اور باتوں کے بعد وہ اللہ حافظ کہہ کر وہاں سے نکل آئی تھیں آگن دوبارہ بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔

”ماشاء اللہ بڑی نیک بچیاں ہیں۔“ اماں بی نے کہا تو آگن نے مسکرا کر دیکھا۔

”بس ایک ہی نیک لگتی ہے دوسری تو آپ کی پوتی کا ہی پرتو لگی۔“ ”لباس پر نہ جاؤ اخلاق دیکھو کیسا سلجھا ہوا ہے۔“

”آج کے دور میں انسان کی پرکھ دینا اس کے لباس سے ہی کرتی ہے ظاہری حلیے ہی انسان کے کردار کی پہچان کرواتے ہیں ورنہ اندر جھانک کر کس نے دیکھا ہوتا ہے کہ وہاں کس قدر اخلاقیات موجود ہیں۔“ آگن کا انداز سنجیدہ تھا اور کچھ حد تک طنزیہ بھی۔

”شیری جذباتی ضرور ہے کم عقل نہیں کہتے ہیں انسان کے دوست اس کے کردار کے سائنہ دار ہوتے ہیں اس کی محبت ہی اس کے کردار کے اچھے یا برے ہونے کا فیصلہ کرتی ہے۔ اس کی دوستوں کو دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ بہت اچھی بچیاں لگی مجھے۔“ آگن محض مسکراتا تھا۔

بری تو اسے بھی نہیں لگی تھیں لیکن وہ محض ظاہری حلیہ دیکھ کر فیصلہ کر لینے والا انسان نہ تھا، دونوں بظاہر بااخلاق مہذب اور سنجی ہوئی ہی نظر آئی تھیں وہ سر جھٹک کر کھانے میں بڑی ہو گیا تھا فرح ان سے مل کر آگن کے پاس آگئی تھی کہ پوچھ لے کہ کھانا وغیرہ میں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ شہرینہ کے کمرے سے اپنے بیگز اور بکس لے کر وہ لان میں آگئی تھیں۔

”آگن صاحب بظاہر تو بہت ہی ڈینٹ اور چارمنگ لگے، دیے شیر تو ہے ہی لگی اتنا اچھا بیک گراؤڈ ہونے کے ساتھ ساتھ ایسا شاندار ہزینڈ مل رہا ہے۔“

”تم لوگ جانتی ہو کہ مجھے ان چیزوں کی طلب نہیں اس شخص کا نام میرے سامنے بار بار مت لؤ میرا اور اس کا یہ رشتہ جو بڑوں کی خواہش اور ضد کا نتیجہ ہے اب بہت دیر تک نہیں چلنے والا ایک نہ ایک دن یہ ختم ہو کر ہی رہے گا۔“ صبا نے اسے بغور دیکھا۔

”اس قدر حسنی رائے؟ ابھی آغاز ہے اخلاقی لحاظ سے وہ مجھے اچھے انسان لگے ہیں۔ تم بھی اپنے رویوں میں چمک پیدا کرو ہو سکتا ہے سب ٹھیک ہو جائے۔“ صبا نے کہا۔

”میں اس شخص سے نفرت کرتی ہوں وہ مجھے اچھی لڑکی نہیں سمجھتا جو مجھے ڈی گریڈ کرے گا تم دونوں جانتی

ہو کہ پھر میں جو کرتی ہوں۔“ ”ٹھیک ہے جو بھی ہو وہ ماضی تھا وہ سب یہ رشتہ بننے سے پہلے تھا اب تم ان کی وائف ہو یقیناً ان کے دل میں بھی گنجائش پیدا ہوئی ہوگی۔ تم بھی گنجائش پیدا کر دو خود کو پُر سکون رکھنے کی کوشش کرو سب ایک جیسا نہیں رہتا ہمیشہ وقت کے ساتھ ساتھ ہر چیز بدلتی ہے۔ میں نے ایک نظر میں ہی اندازہ لگا لیا ہے کہ وہ عورت کو عزت دینے والے مرد ہیں۔ تم اگر خود کو ان کی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرو گی تو وہ بھی یقیناً بدلیں گے اگر دونوں ہی آکر رہے تو بہت نقصان ہو سکتا ہے۔“ صبا نے محل سے سب کچھ وضاحت سے سمجھایا۔ شہرینہ نے خاموشی سے سنا۔

”میں ان کو پسند نہیں کرتی۔“ ”کوئی اور ہے کیا؟“ حوریہ نے بہت آسانی سے پوچھا۔ شہرینہ تو کئی لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تھی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

”وہ زین ہے کیا؟“ یہ صبا تھی شہرینہ نے ایک دم چونک کر اسے دیکھا اس نے لب بھینچ لیے تھے چہرے کے عضلات ہنسنے لگے تھے حوریہ نے صبا کو دیکھا۔ صبانے کچھ اور بھی کہا نا چاہا تھا لیکن حوریہ کے آنکھ کے اشارے سے منع کرنے پر وہ خاموش ہو گئی۔

”اوکے چلتے ہیں آج کا دن تمہارے ساتھ تمہاری کزن اور اماں بی سے مل کر بہت اچھا گزارا۔“ حوریہ نے کہا تو شہرینہ نے محض سر ہلایا وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں واقعہ میں نے گیٹ کھول دیا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑی رہی تھی حوریہ ہاتھ ہلاتی گاڑی گیٹ سے نکال کر لے گئی تھی شہرینہ نے ان کو جاتے دیکھا تھا۔ اس کے اندر بڑی عجیب سی کیفیت پیدا ہو رہی تھی اندر جانے کا اس کا دل نہیں کر رہا تھا وہ لان کی گھاس پر چلنے لگی دل میں عجیب سا موسم تھا اور چہرے پر گہری سوچ کا سایہ۔

فرح آئی تھی اس کے پاس شاؤنک کے لیے جانا تھا۔

زویہ اور شایان تو گھوم پھرائے تھے وہ کافی تھکے ہوئے تھے دونوں نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا جبکہ فائقہ ابھی بھی نہیں لوٹی تھیں انہوں نے رات میں عثمان کے ساتھ ہی آنا تھا۔ نیچو گھر پر ہی تھا درمیان میں کچھ دیر وہ گھر سے نکلا تھا دو تین دن کی چھٹی پانی تھی اس کی اس کے بعد اس نے پھر مری ہاسٹل میں چلے جانا تھا وہاں سے اوپول کر رہا تھا آج کل اپنے دوستوں کے ساتھ انجوائے کر رہا تھا۔

”سوری یار میں تو نہیں جاسکتی کل اگر ٹائم ملا تو دیکھیں گے۔“ اس نے انکار کر دیا۔
 ”اف..... کتنے بورنگ ہو تم لوگ خالہ کی اپنی ایکسٹریز ہیں چچا جان وہ بھی انتہائی بڑی ہیں آفاق بھائی موجود نہیں ہیں اور ایک تم ہو جو جیسے کاٹ کھانے کو دوڑتی ہو یار میں اوجھڑ گھونسنے پھرنے آتی ہوں گھر میں بند ہونے نہیں۔ عجیب لوگ ہو گھر آئے مہمان کی ایسے مہمان نوازی کرتے ہیں کیا؟“

”تو مجھے کیا کہہ رہی ہو جا کر اپنی خالہ اور چچا کو کہو ناں۔“ اس نے ناراضی سے کہا تو فرح نے گھورا۔
 ”یہ سارے دکھڑے تمہاری ناراضی کے لیے نہیں رو رہی آرام سے اٹھو اور میرے ساتھ چلو۔“ اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔
 ”پلیز فرح میں تھک گئی ہوں پاؤں کے زخم کی وجہ سے بہت زیادہ چل پھر نہیں سکوں گی۔“ اس نے ٹالنا چاہا۔
 ”اور اگر تم آج اپنے صبح بتائے گئے شیدول کے مطابق سوئمنگ کی پریکٹس کے لیے چلی جاتی تو تب تھکن نہیں ہوتی تھی اور پاؤں میں بھی درد نہیں تھا۔“
 ”کیا مسئلہ ہے یار تمہارا بھائی گھر پر موجود ہے اسے ساتھ لے جاؤ اور میری جان چھوڑ دو۔“
 ”بہت بری ہو تم ہم تمہاری خاطر اتنی دور سے آئے تھے۔“
 ”فار یو کا سنڈ انفارمیشن میری خاطر نہیں اپنے بھائی

اور بھادرج کی خاطر آئی ہو اور تفریح کے مقصد سے آئی ہو مجھ پر احسان جتانے کی ضرورت نہیں۔“ وہ حد سے زیادہ صاف گوئی۔
 ”بڑی بے حس ہو۔“
 ”لیکن تمہاری فیملی کے بہت سے لوگوں سے کم ہوں۔“ وہ ترکی بہ ترکی بولی۔
 ”انگلن بھائی کے طعنے مت دو ان سے نکاح سے پہلے بھی تمہارا اور میرا ایک رشتہ تھا اسے فراموش کر سکتی ہو۔“

”تم نے اگر اپنے اس بے حس بھائی کا نام بھی لیا تو بس تمہیں اٹھا کر باہر پھینک دوں گی میرے پاس بیٹھنا ہے تو شرافت سے بیٹھو۔“ وہ فوراً بے مروت بن گئی تھی فرح نے اسے بغور دیکھا یعنی اس پر کسی بھی بات کا کوئی اثر نہ تھا، انگلن کے نام پر تو وہ ایک دم چراغ پا ہو جاتی تھی۔
 ”انگلن بھائی سے تمہارا جو رشتہ ہے اس کو تم کیسے فراموش کر سکتی ہو۔“

”میں ایسے کسی بھی رشتے کو نہیں مانتی جو بھی ہوا تمہارے بڑوں کی سازش سے ہوا ہے ورنہ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں اس سے کس قدر نفرت کرتی ہوں۔“
 ”وہ کبھی کھارٹو کہہ دیتے تھے چلو مان لیتی ہوں کہ وہ کافی زیادہ روڈ ہو جاتے ہیں لیکن تم بھلا ان کو کیسے رٹیکٹ کر سکتی ہو؟“

”بالکل ایسے ہی جیسے وہ میری ذات کی نفی کرتے ہیں مجھے ڈی گریڈ کرتے رہے ہیں۔“ وہ بہت مطمئن انداز میں بولی۔
 ”وہ سب غلط فہمی کی بنا پر ہوتا رہا ہے تم بھول نہیں سکتی وہ سب۔“ فرح نے محل سے کہا۔
 ”میری زندگی کو سب کے سامنے مذاق بنا دیا گیا، ہر موقع ہر لمحے میری تشویش کی گئی۔ میری ذات پر کچھڑ اچھالا گیا میں وہ سب بھلا کیسے بھول سکتی ہوں ماما پاپا دونوں کو ٹریپ کیا گیا آپ بھٹی پاپا کو تو میں بھلا اس کرب اور دکھ کو بھول سکتی ہوں۔“ وہ تو جیسے ڈٹ گئی تھی فرح نے

ایک گہرا سانس لیا۔

”بات اپنی ذات کے دفاع کے ساتھ ساتھ میری ایک اور سیلف ریسپیکٹ کو ہرٹ کرنے کی بھی ہے میں کوئی غیر نہ بھی کہ جس کے اخلاق و کردار پر انہیں کوئی شک و شبہ نہ ہو۔ میں ان کی سچی پچازاد کوئی وہ بھلا میرے ساتھ وہ سب کیسے کر سکتے تھے لیکن انہوں نے تو کوئی لحاظ و مروت باقی نہ رہنے دیا تھا۔“

”وہ سب غلط بھی ہو سکتا ہے۔“

”کچھ بھی ہو لیکن میں اب اپنے موقف سے نہیں ہٹنے والی اور پلیر فرج اگر تم چاہتی ہو کہ بحیثیت مہمان میں تمہیں پروٹوکول دون اور کم سے کم بی بی ہو نہیں کروں تو پلیر آئندہ مجھ سے اس ٹاپک پر بات مت کرنا ایڈ وائس آل۔“ فرج نے ایک گہرا سانس لیا شہرینہ کا انداز از حد نہ چلک تھا۔ وہ واقعی اپنے دل و دماغ میں اب کوئی گنجائش نکالنے والی نہ تھی۔ شہرینہ کے لیٹنے کے ساتھ آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ فرج نے اسے دیکھا اور آہستہ سے اٹھ کر کمرے سے نکل گئی۔

ایمان بی بی نے بلایا تھا وہ شکوہ کر رہی تھیں کہ وہ ان کے پاس نہیں آ رہی اور نہ ہی بھڑ ہی ہے۔ اس نے بہت شکوہ کتناں نظروں سے ان کو دیکھا۔

”جو کچھ ہو چکا ہے اس کے بعد آپ کو لگتا ہے کہ ہم دونوں کے پاس ایک دوسرے کے لیے کوئی گنجائش نکلتی ہے۔“

”کوئی بھی رشتہ انسان کو بندگی تک نہیں لے کر جاتا۔ دل میں گنجائش ہو تو بندگیوں میں بھی رستے نکل آتے ہیں۔ اپنے دل کو وسیع کرنا پڑتا ہے اپنے طرف کا پناہ دانا تنگ مت کرو کہ اس میں تمہاری اپنی ذات اپنے دل کی خواہشیں بھی نہ سما سکیں۔“ ایمان بی بی نے سمجھایا۔ اس نے خاموشی سے ان کو دیکھا۔

”ظرف بڑا کرنے سے دل میں گنجائش نکلتی ہے“

کرنے سے رشتے ٹوٹتے ہیں باظرف اور عقل واسطے لوگ رشتوں کو جوڑنے کا کام کرتے ہیں اور بے وقوف لوگ رشتوں کو ختم کرنے کا۔“

”چلیں سمجھ لیں کہ میں بے وقوف ہی سہی۔“ اس نے تکی سے کہا۔

”خدا نہیں کرتے“ خدا رشتوں کا تقدس ہی نہیں ان کا حسن بھی گہرا دیتی ہے۔“

”میں یہ رشتہ رکھنا ہی نہیں چاہتی آپ بار بار مجھے فورس مت کریں۔“ ایمان بی بی نے انتہائی بے بسی سے اسے دیکھا۔

”یہ رشتہ ہمارے دل کی اولین خواہش تھا۔“

”میں نے ٹھیکہ نہیں لے رکھا ہر ایک کے دل کی خواہشوں کی تکمیل کا آپ کی خواہشوں کے لیے میں اپنی بھیئت نہیں دے سکتی وہ بھی ایک ایسے شخص کے لیے جو انتہائی بے حس اور سیلف کش ہے جس سے میں بے انتہا نفرت کرتی ہوں۔“ وہ ابھی بھی ڈولی ہوئی تھی۔

”آپ سے میں بے پناہ محبت کرتی تھی آپ کی ہر خواہش سر آنکھوں پر لیکن آپ نے جو کہا ہے وہ میری بساط میرے ضبط سے بہت بڑھ کر ہے، ایم سوری۔“ وہ کہہ کر کھڑی ہوئی ایمان بی بی کی آنکھیں ڈبڈبائے لگی تھیں جبکہ شہرینہ نے دیکھنے کے باوجود انور کو دیکھا۔

اس کا اس قدر نقصان ہو چکا تھا اس کے بعد تو اب اس کا کسی سے بھی بات کرنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ رکے بغیر وہاں سے چلی گئی اور ایمان بی بی نے بہت کچھ سوچنے کے بعد ایک گہرا سانس لیا تھا۔

عثمان آئے تو ایمان بی بی نے ان سے بات کی۔

”میں چاہتی ہوں کہ آگن اور شہرینہ کی رخصتی کروا دوں۔“ انہوں نے چونک کر ایمان بی بی کو دیکھا۔

اس وقت بھی اپنے کمروں میں جا چکے تھے جبکہ عثمان اور فائقہ دونوں ابھر رہے تھے ایمان بی بی خود چل کر ان کے پاس آئی تھیں۔

”نہیں ایمان بی بی۔۔۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا ابھی آپ کی خواہش کا احترام تھا جو میں نے قبول کر لی وہ ابھی پڑھ رہی ہے۔ ذہنی طور پر اخلاقی اور جذباتی پر ہر لحاظ سے وہ ابھی شادی کے قابل نہیں۔ آپ ٹینشن نہ لیں سب ٹھیک ہو جائے گا شہرینہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ سمجھ جائے گی وقت کی تلخ سب کچھ یاد پوری کر دیتی ہے۔“ عثمان کا انداز دو ٹوک تھا ایمان بی بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”مجھے شہرینہ کی ضد سے ڈر لگنے لگا ہے اس کا رویہ ہم سب کے ساتھ اور خاص طور پر آگن کے ساتھ بہت خراب ہے۔“

”وقت کے ساتھ سمجھ جائے گی ڈونٹ وری۔“

”اور اگر نہ مانی شادی کے لیے تو۔۔۔۔۔“ وہ پریشان تھیں۔

”وہ مان جائے گی ابھی کچھ وقت دیں اسے سمجھنے کے لیے۔“ ایمان بی بی نے شخص سر بلایا فائقہ تنہا کی سے دونوں کو دیکھ رہی تھیں وہ ساری گفتگو میں ایک لفظ بھی نہ بولی تھیں۔

”میں سوچ رہی ہوں کہ کچھ دن اور رک جاؤں عرصے بعد چکر لگتا ہے فائقہ بھی مصروف رہی ہے۔ ایسے میں شہرینہ جی کو کچھ ٹائم دوں گی نجائے کیوں مجھے لگتا ہے کہ وہ تم دونوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے ڈسٹرب رہتی ہے اس ساری جذباتوں کے پیچھے اس چیز کا بہت ہاتھ ہے کہ تم دونوں اسے وقت نہیں دے رہے۔“

”چلیں مان لیتا ہوں لیکن میں اب ہر وقت گھر پر نہیں رہ سکتا۔ فائقہ ہر وقت بڑی نہیں ہوتیں اور نہ ہی یہ ہر وقت میرے ساتھ ہوتی ہیں۔ یہ شہرینہ کو اچھا خاصا وقت دیتی ہیں شہرینہ بائے بیچ رہی ایسی ہے جذباتی ضدی اور موڈی۔“ ایمان بی بی خاموش رہی تھیں وہ کچھ وقت اور بیٹھیں اور پھر اٹھ کر آئیں۔

نجائے کیوں انہوں نے دونوں میاں بیوی کے درمیان عجیب سی سرد مہر کی محسوس کی تھی۔ اس لیے تو وہ رکنا چاہتی تھیں رک کر اس گھر کے حالات و واقعات کا

جائزہ لینا چاہتی تھیں تاکہ اصل صورت حال کا جائزہ لے کر کسی بہتری کے لیے اقدامات کیے جاسکیں۔

ایمان بی بی نے اگلے دن شہرینہ کے کالج جانے کے بعد آگن کو بلایا اور اسے بہت کچھ سمجھایا تھا۔

”وہ جذباتی ضدی اور کم عمر بھی ہے حالات و واقعات کو سمجھ نہیں سکتی لیکن تم ایک قابل ذمہ دار سمجھ دار مرد ہو پیچھے جو ہوا اسے بھول کر آگے بڑھو لڑکیاں موم کی طرح ہوتی ہیں جذبات کی ذرا سی آج پر پھل جاتی ہیں میں نہیں چاہتی ماں باپ کی طرف سے بٹنے والی کی وجہ سے وہ کچھ الٹا سیدھا قدم اٹھائے۔“ آگن نے ایمان بی بی کو بغور دیکھا۔

”کیسی کمی؟“ ایمان بی بی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”عثمان اپنی سیاست میں لگا رہتا ہے فائقہ کو بھی ساتھ دینا پڑتا ہے ان حالات میں بچے نظر انداز ہوئے ہیں۔ لڑکے تو باہر وقت گزار کر ٹھیک ہو جاتے ہیں لیکن لڑکیاں بہت جلد متاثر ہوتی ہیں۔ اب ہمیں ہی خیال رکھنا ہوگا شہرینہ تو کسی بھی قسم کی چلک دکھانے کے موڈ میں نظر نہیں آ رہی۔ اس کے نزدیک یہ رشتہ محض ایک مجبوری کا سوا ہے جسے وہ جب ضد میں آئی تو توڑنے میں دیر نہیں لگائے گی لیکن یہ رشتہ میری خواہش ہے اور امید ہے تم عمل مزاحی کا مظاہرہ کرو گے ایسا کچھ بھی نہیں ہونے دو گے۔“

”جی ٹھیک ہے۔“ یہ رشتہ تو آگن کی اپنی ضد اور انا کا مسئلہ بن گیا تھا۔

ایک عالم کی موجودگی میں یہ رشتہ طے ہوا تھا اس کی رضامندی شامل نہ تھی لیکن ایمان بی بی کی محبت کے لیے اس نے یہ رشتہ باندھا تھا لیکن اس رشتے میں اس کی اتنا عزت اور اس کا وقار بھی شامل ہو گیا تھا۔ اب جو بھی تھا جیسا ابھی تھا مجبوری کا سودا ہی سہی یہ سچ تھا کہ شہرینہ عثمان اب اس کی بیوی تھی۔ اس کے نام سے منسوب اس کی ذات کا حصہ تھی۔ اس کی انا کا ہی مسئلہ تھا بلکہ اس کی

اضافہ کر دیا تھا۔ نرم گرم بستر میں لیٹے اس کے بازو پہ سر لگا دے وہ پلکیں جھپکے بغیر پورے انتہاک سے متوجہ تھی۔
 ”اور پھر پری نے شہزادی کی ساری خواہشات پلک جھپکتے میں پوری کر دیں۔“ ڈرامائی انداز میں کہے الفاظ نے اس کے ننھے سے دل کو دھڑکا دیا تھا۔
 ”شہزادی کو اس کے پیر نہیں مل گئے؟“ اس نے ایک دم کروٹ بدلی۔ وہ کہانی کی کتاب ہاتھ میں تھامے مسکراتے ہوئے اسی کو دیکھ رہا تھا جس کے چہرے پہ بے تحاشہ خوشی اور تھوڑی حیرت عیاں تھی۔
 ”بالکل۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔
 ”اور وہ شہزادہ جو راستہ بھٹک گیا تھا؟“ ہمیشہ کی طرح وہ اس سے سوال کرنے لگی۔ یہ اس کا کہانی کے ہر کردار سے شدید انسیت اور لگاؤ کا ظاہر کرنے کا ایک انداز تھا۔
 ”اسے بھی کھوئی ہوئی منزل مل گئی۔“ ہولے سے اپنا بازو اس کے سر کے نیچے سے نکال کر اس نے نکتیہ سر کے نیچے درست کیا۔
 ”شہزادی سے اس کی شادی ہو گئی؟“ وہ مزید بولی۔
 ”جی ہاں۔“ بڑے تحمل سے جواب دیا تھا۔
 ”آگے کیا ہوا پاپا؟“ وہ سراٹھائے جھپٹتے ہوئے۔
 ”پھر سب ٹہنی خوشی رہنے لگے۔“
 ”شہزادی کیسی تھی؟“ ایک لمحہ کے توقف سے وہ بھر بولی جیسے اپنے ننھے ذہن میں سوالات مرتب کر رہی ہو۔
 ”بالکل تمہارے جیسی۔“ اس نے شرارت سے نوال کی ناک چھتی۔
 ”کیا ہماری زندگی میں بھی پریاں ہوتی ہیں جو ہر دس پوری کر دیتی ہیں۔“ بالآخر وہ بات لیوں تک آ پہنچی جو پچھلے کئی دنوں سے اس کے معصوم ذہن میں گھلبلی چا رہی تھی۔
 ”اصلی زندگی میں پاپا ہوتے ہیں۔“ اس کے معصوم سوال پہ مسکراتے اس نے نوال کا ماتھا چوما۔

”اور ماما؟“ بیڈ کے سائڈ لیپ بجھاتا اس کا ہاتھ پل بھر کورک گیا تھا۔
 ”وہ بھی۔“ وہ ہنسی آواز میں بولا اور اسی پل کمرہ تاریک ہو گیا تھا۔
 ”میری ماما بھی پری جیسی تھیں ناں پاپا؟“ نائٹ بلب کی مدہم روشنی میں اس کے چہرے پہ پھری دشت اور اداسی نوال کی نظروں سے اوجھل تھی۔
 ”ہمم.....“ وہ بے دم سا ہو کر نکتیہ پہ سر نکلے چھت کو گھور رہا تھا۔
 ”ماما کیوں.....؟“ شاید یہ ان فیری ٹیلز کا اثر تھا جو پچھلے چند روز سے وہ تو اتر سے سن رہی تھی۔ آج اتنے عرصے بعد اسے ماں کا خیال کیوں کر آیا تھا جبکہ اس کی کوشش تھی وہ ایسی کوئی بات نہ کرے جس سے اس کا ذہن اپنی ماں کی طرف جائے۔ پر اس کے بے لاگ سوالات کا رخ کہانی سے نکل کر حقیقی زندگی کے کرداروں تک آ پہنچا تھا۔
 ”نوال اب بہت دیر ہو چکی جانو صبح اسکول بھی تو جانا ہے میری پرنس نے۔“ اس نے ایک دم بات کاٹی۔ وہ اس سے زیادہ خود پہ جبر نہیں کر سکتا تھا۔
 ”جلدی سے دعا پڑھو آگھیں بند کرو اور سو جاؤ۔“ نوال نے منہ بسورا پھر بھی باپ کی بات سے اختلاف کرنے کی بجائے جلدی جلدی زربل دعا پڑھنے لگی اور کچھ ہی دیر میں وہ نیند کی وادی میں کھوئی تھی۔

☆☆.....☆☆☆☆☆

وہ بہ مشکل وہاں بیٹھی تھی۔ ایسے موقعوں پر تو یوں بھی اس کا دل گھبرانے لگتا تھا اسی لیے وہ اکثر اوقات فون پہ پر سادے کر کام چلا لیا کرتی تھی پر اب کی بار مجبوری یہ تھی رشتہ اہم تھا۔ چارو ناچار دل پہ پھر رکھ کے اسے آنا ہی پڑا تھا۔
 ”اس بیچارے پر تو غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ ماں تو پہلے ہی نہیں تھی اب باپ بھی نہ رہا۔“ چند دور پار کے رشتے داروں کے سوا سب آس پڑوس اور محلے کے لوگ

جمع تھے۔

”اللہ کے فیصلے ہیں بہن! انسان تو بس اس کی رضا اور حکم کے تابع ہے۔“ زہرہ نے جان چھڑانے والے انداز میں اپنے ہاتھ میں پہنی قیمتی گھڑی میں وقت دیکھا۔ وہ بس اب اٹھنے کو پرتول رہی تھی۔
 ”اللہ کے بعد اب تو اس معصوم کا واحد سہارا بس تم ہی ہو۔“ پاس بیٹھی پڑوس کی رومانیہ کی بات نے زہرہ کے کپڑوں تلے سے زمین نکال دی تھی۔
 ”ہی..... میں؟“ وہ ہکلائی۔
 ”نیکی کبھی رانیکاں نہیں جاتی زہرہ بہن۔ اللہ کے نام پہ اس بن ماں باپ کی بچی کے سر پہ ہاتھ رکھ دو۔ اللہ تمہیں بڑا اجر دے گا۔“ دیوار سے ٹپک لگائے رنج دالم کی تصویر بتی بیٹھی نشا کی طرف دیکھتے حیدرہ نے باقاعدہ دہائی دی۔ اس کے بے جان وجود میں ہلکی سی جنبش بھی نا ہوئی۔ وہ دم سادھے ایک ہی پوزیشن میں بہت دیر سے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

”ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے حیدرہ! دور کا ہی سہی پر تم سے دوہرا رشتہ ہے۔ تم نہیں سنہیا لو گی تو اور کون کرے گا۔“ زہرہ کا تو کلیجہ اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے اس پہلو پر تو غور کیا ہی نہیں تھا کہ چچا زاد بھائی اور اپنی عزیز از جان سیمٹی کی اکلوتی لاوارث بیٹی کی ذمہ داری بھی اٹھانی پڑ سکتی تھی۔
 ”ہاں..... بالکل۔“ مرنے کیانہ کرتی، دنیا داری کی خاطر یہ بوجھ تو اٹھانا ہی تھا۔
 ”بیٹھے بٹھائے یہ اچھی مصیبت گلے آ پڑی۔“ زربل بڑبڑاتے اس نے حتی الامکان چہرے کے زاویے درست رکھنے کی کوشش کی پر اندر ہی اندر ہول اٹھ رہے تھے۔

☆☆.....☆☆☆☆☆

قسمت کی ستم گر طر فی کہے یادقت کا ظلم۔ بچپن میں ماں کی موت ہو گئی اور اب باپ چل بسا۔ نشا کے لیے دنیا اندھیر ہو گئی تھی۔ اپنے پیاروں کے جانے کا غم ہی

کیا کم جاں گسل ہوتا ہے جو سر پہ یہ افتاد بھی آ پڑی کہ کرائے کا مکان خالی کرنا پڑا۔ ان حالات میں بس ایک زہرہ ہی وہ واحد آسرا تھی جو لوگوں کے دباؤ میں آ کر اس کی سر پرستی پہ رضامند ہو گئی۔ مال و دولت نے گردن میں سرایاٹ کر دیا تھا۔ غریب رشتے دار تو یوں بھی اسے نہیں بھاتے تھے۔ بے دلی سے ہی سہی پر وہ اسے گھر لے آئی تھی۔ نشا خوش شکل ہونے کے ساتھ بی اے پاس بھی تھی۔ پڑوس والوں کو تو یہی امید تھی کہ زہرہ پھوپھی ہونے کے ناطے جلد از جلد اس کا رشتہ دیکھ کر بیاہ کر دے گی پر یہاں تو معاملہ ہی الٹ گیا۔ مفت کی ملازمہ بھی قسمت والوں کو ملتی ہے لہذا گھر کی کل وقتی ملازمہ کو جواب دے دیا گیا اور اس کی جگہ نشا نے سنبھال لی۔
 ”اب کیا تو زو دیا منخوس ماری؟“ اور جی خانے سے آتی برتن گرنے کی آواز پہ ڈرامہ دیکھتی زہرہ کے شغل میں خلل ہوا تو وہ جل کر بولی۔
 ”پلیٹ ہاتھ سے چھوٹ گئی پھوپو۔“ شرمندہ سی نشا سر جھکائے لاؤنج میں چلی آئی۔ زہرہ نے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا اور بھونڈے انداز میں اسی کا جملہ نقل کیا۔
 ”پلیٹ ہاتھ سے چھوٹ گئی پھوپو۔“ وہ اور بھی شرمندہ ہوئی۔
 ”کوئی کام ٹھیک سے نہیں کر سکتی جان نہیں ہاتھوں میں تمہارے۔“ کھا کھا کر گھر بھر کا اناج ختم کر دیا پر کام کے وقت منخوس لاغر ہو جاتی ہے۔ یہ تو پھر برتن تھا زہرہ تو اس کے نصف نقصان پہ بھی سامنے والے کو جی بھر کر کونے کی عادی تھی۔ اتنے سالوں میں جانے کتنے ملازم اس کی زبان سے تنگ آ کر کام چھوڑ گئے تھے۔ نشا تو بے دایم کی غلام تھی۔ وہ اسے بے نقط ستانی اور دھ چپ چاپ نہ تھی۔
 ”معافی چاہتی ہوں میں آئندہ احتیاط کروں گی۔“ یہاں ندامت میں ہی عافیت تھی۔ رہنے کو چھت میسر تھی

”نسب ہو جائے گا۔“ اپنے تئیں تسلی دلا کر وہ ایک بار پھر واپس بارہی خانے میں جا کھسی۔ ویسے بھی جتنا وقت زہرہ کے سامنے ہوئی دل کو بس ایک ہی دھڑکا لگا رہتا کہ کسی بھی بات کو بھانڈنا کر اس کی صلواتیں شروع

فجر کی نماز کے بعد بیک یارڈ میں لگے مویے کے جھاڑ سے پھول چنتے ہوئے وہ اس قدر محو تھی کہ اسے اپنے پیچھے رو مان گئے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔

زہرہ کی طبیعت اور مزاج کے پیش نظر نشانے اتنے سالوں میں اس گھر میں رہنے کا جو واحد اصول سیکھا تھا وہ اپنے کام تک محدود رہنا تھا۔ وہ اس گھر کی فرو نہیں ملازمہ تھی تو اسے افرادِ خانہ سے بھی اپنا تعلق ویسا ہی رکھنا تھا۔ رومان کی آمد کے بعد زندگی میں جیسے بھونچال آگیا تھا۔ اس کی طبیعت میں بے تکلفی کا عنصر غالب تھا جبکہ نشانہ درجہ بشیدہ۔

”تم امی سے خوف زدہ ہونٹا؟“ وہ مسکرایا۔ زہرہ کے دل میں اس کے لیے محبت و وسعت سے بخوبی واقف تھا وہ پر نہیں جانتا تھا زہرہ سے نشا کا سلوک کتنا عامیانه ہے۔ وہ اسے گھر میں ملازمہ کے طور برداشت

نہیں کر پاتی اپنی ہو کیونکر بنائے گی۔

”انہیں تو میں منتوں میں مناسکتا ہوں۔ بس تم ایک بار اقرار و محبت کرو۔ دل تمہاری زبان سے اقرار و فاسقے کا تمنا ہی ہے۔“ اس کے لہجے میں اتنی قطعیت تھی کہ نشا نا چاہتے ہوئے بھی اس کی بات کا اعتبار کرنے پر مجبور تھی۔ محبت کی گہرائی نا پنے کے لیے کوئی آگے اوجھلا نہیں ہوا۔ دل و نگاہ وہ واحد احساس ہیں جو اس جذبے کی صداقت کی گواہی دیتے ہیں اور وہ روہان کی نظروں میں محبت کے جلتو بخونی و دلچسپ تھے۔

☆☆☆☆☆

”ہائے میں لٹ گئی میں برباد ہو گئی۔“ شام ڈھلے زہرہ کے کمرے سے آتی رونے، کر لانے کی دلدوز آوازیں سن کر وہ دونوں ہی اس کے کمرے کی طرف بھاگے۔ دروازہ کھلا تھا اور وہ بستر پر بیٹھی ماتھا پیٹ رہی تھی۔ سامنے ہی زہرہ کا ڈبہ کھلا پڑا تھا۔

”کیا ہوا امی سب خیریت تو ہے۔ آپ روکیوں رہی ہیں؟“ روہان نے ماں کو یوں بے حال دیکھا تو گھبرا کر پاس آیا جبکہ نشا خوف اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت میں دروازے میں ہی کھڑی رہی۔

”میرا وہ جزاؤ ہمارے جو تمہارے بابا نے کتنے پیار سے بویا تھا میرے لیے۔“ وہ تڑپ کر بولی۔

”کیا ہوا آپ کے ہار کو؟“ وہ ناگہمی سے بولا۔

”ابھی لا کر کھولا تو غائب ہے۔“ اس نے ایک

بار پھر سینہ پٹا۔ روہان کے سینے سے ایک پڑسکون سانس خارج ہوا۔ وہ تو اس کہرام پر کچھ اور ہی نتیجہ اخذ کر رہا تھا۔

”کہاں جاتا ہے امی یہیں گھر میں ہی ہوگا۔ آپ اپنی الماری چیک کریں۔“ اس نے نکل سے سمجھایا۔

”ہر جگہ دیکھ لیا۔“ کہیں نہیں مل رہا۔ ارے یوں غائب ہوا ہے جیسے گدھے کے سر سے سینک۔“ زہرہ دونوں ہاتھوں میں سر تھا سے انتہائی پریشانی سے بولی۔

”حیرت ہے سب اپنے ہی تو ہیں یہاں اور سارے

ملازم بھی باعتبار..... پھر کون چرا سکتا ہے وہ ہار؟“ اب تو روہان کو بھی حیرت ہوئی۔ گھر میں بحفاظت رکھی چیز جا کہاں سکتی تھی۔

”خیر سب اپنے تو نہیں ہیں اور کسی کی نیت بدلتے کیا پتا چلتا ہے بیٹا۔“ زہرہ نے کھا جانے والی نگاہوں سے دروازے پر کھڑی نشا کی طرف دیکھا۔ وہ خوف سے کانپ گئی۔

”ہائے میرا تو دل بیٹھا جا رہا ہے میرے مرحوم شوہر کی نشانی تھی۔“ روہان نے نظروں کا تعاقب کرتے نشا کو دیکھا تو زہرہ نے پینتیرا بدلا اور رونا پینتیرا شروع کر دیا۔

”میں ملازموں سے پتا کرتا ہوں۔“ روہان اس افتاد پر عجیب گھبراہٹ میں مبتلا ہو گیا۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا پر زہرہ کے جھلنے نے قدم روک لیے۔

”ملازم تو جھانکتے تک نہیں اس کمرے میں انہیں کیا خبر ہوگی۔“ وہ پلٹا۔

”تو پھر کس سے پوچھیں؟“ اس نے سوال کیا۔

”پوچھنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ سب کی تلاش کی لو۔ ارے جس نے بھی اڑایا ہے اس کے حلق میں انگلی ڈال کر نکلاؤں گی اپنا ہار۔“ زہرہ دانت پیستی دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔ اس کی نگاہیں سر سے پاؤں تک نشا کا تجزیہ کر رہی تھیں۔

☆☆☆☆☆

”و کچھ لیے اس بد ذات کے کر توت۔ تم تو اسے اپنے دل کی رانی بنارہے تھے اور یہ چوری نکلی۔“ زہرہ کی چٹکھڑائی ہوئی آواز اب تک اس کے کانوں میں گونج رہی تھی۔ اس کے دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے۔ ایک پل کو یوں لگا کہیں لڑکھڑا کر گری نہ جائے تو بے اختیار رو پوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے روکا۔ جو کچھ ہوا ایسا تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ نفرت اور تکبر انسان کو اس درجہ سفاک بنا دیتا ہے کہ وہ بہتان

لگانے جیسا گناہ عظیم کرنے بھی دریغ نہیں کرتا۔

”کیا آپ کو بھی لگتا ہے یہ چوری میں نے کی ہے؟“ وہ سر تھا سے خاموشی سے کھڑا تھا۔ اس کا گناہ محبت تھا سو اس کے ہاتھوں رسوا ہو رہا تھا۔

”چور کے منہ پر تھوڑے ہی لکھا ہوتا ہے۔“ زہرہ نے روہان کے لاکھ منع کرنے کے باوجود ڈرائیور اور چوکیدار کے ساتھ ساتھ نشا کے کمرے کی بھی تلاشی لی تھی۔ ہار اس کی الماری سے نکلا تھا۔ اس کا بس چلتا تو نشا کا خون ہی پی جاتی۔ روہان اس وقت سے مستفل خاموش تھا بس اب تو زہرہ ہی بول رہی تھی۔

”میں کہتی ہوں اٹھاؤ اپنا سامان اور نکلو یہاں سے ابھی کے ابھی۔“ وہ حکم پر انداز میں بولی۔

”کچھ تو میرے حال پر رحم کیجئے میں یہاں سے نکل کر کہاں جاؤں گی۔“ اسے کیا جھڑپی رحم کا لفظ زہرہ کی لغت میں مفقود تھا۔ دو سال جیسے تیسے برداشت کیا پر جس دن سے بیٹے کی زبانی اس سے شادی کی خواہش کا اظہار سنا تھا اس کی تو سائیں تنگ ہو رہی تھیں۔ ہیرے سا بیٹا ایک ملازمہ پر دل و جان سے فدا ہو رہا تھا۔ وہ یہ بات کیوں کر برداشت کرے گی۔ روہان کو تو اس نے تسلی دے دی تھی کہ جوان بیٹے کی بغاوت منظور نہ تھی پر اس کا دماغ اس دن سے پلاننگ کر رہا تھا۔

”تم نے تو بڑا رحم کیا ہمارے حال پر۔ ہماری نیکی کا خوب صلہ دیا ہے۔“ نشا کو روہان کی نظروں میں گرانے کا اس سے اچھا حریہ نہیں تھا اس کے پاس۔

”یقین جانیں میں بے قصور ہوں میں نے کچھ نہیں کیا۔“ تھارخانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ اس کی فریاد زہرہ کے دل کی دیواروں سے ٹکرا کر بے اثر لوث آتی تھی۔

”تمہاری ان جھوٹی وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہے ہمیں۔“ روہان اب بھی خاموشی سے متاثرہ کھڑا تھا۔

”کیا آپ کو بھی مجھ پر اعتبار نہیں؟“ وہ جو محبت کے عوٹی کرتا اسے اپنے دل و نگاہ کی دہائیاں دے رہا تھا

بس ایک ہی بل میں بے اختیار نظر آ رہا تھا۔

”بس بہت ہوا تمہارا ڈرامہ اب یہ معصومیت کا کھیل کہیں اور جا کر کھیلنا۔ اس گھر میں تو تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں۔“ اس سے پہلے کہ اس آہ و فغاں کا طوفان روہان کے جذباتی دل پہ دستک دے اسے اس منظر سے ہٹانا ضروری تھا۔ ہاتھ پکڑ کر نکال باہر کیا اور اب وہ اپنا مختصر سامان تھا اسے اس وھند بھری رات میں بے ترتیب قدموں سے چلتی کسی گمنام منزل کی طرف سفر کر رہی تھی۔ ذہن کے پردوں پہ ذلت و رسوائی کا دھواں اس درجہ بڑھ گیا کہ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا اور وہ ہوش کھو بیٹھی۔

”پاپا.....“ گاڑی ایک جھٹکے سے روک لی گئی تھی۔ بروقت بریک نا لگتا تو یقیناً وہ چکی جاتی۔ اندر بیٹھی نوال نے خوف سے چیخ ماری۔

”اوہ ہائی گاڑی۔“ ارحم کے تو اپنے ہاتھوں کے طوطے اس غیر متوقع ایکسیڈنٹ سے اڑ گئے تھے۔

”تم بیٹھو میں دیکھتا ہوں۔“ دروازہ کھولتے ہوئے اس نے نوال کو تاکید کی جو برابر کی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ اس نے خاموشی سے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔ ارحم پریشانی سے گاڑی سے باہر نکلا جہاں نشا بے ہوش پڑی تھی۔

☆☆☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو خود کو بستر پر پایا۔ پاس کرسی پر نوال بیٹھی اسے نہایت دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ وہ یک دم اٹھ بیٹھی۔

”لیٹی رہیں۔ ڈاکٹر نے آپ کو ریست کرنے کا کہا ہے۔“ اسے تیزی سے اٹھاد کچھ کر نوال نے تسخیر کی۔

”بر میں یہاں..... اور آپ؟“ اس نے حیرت سے پہلے اس آٹھ نو سالہ گڑیاسی بچی کو دیکھا اور پھر ایک نظر اس کمرے اور بستر پر ڈالی۔ اسے احساس ہوا وہ اس وقت کسی ہسپتال یا کلینک میں ہے۔

”میں نوال ہوں۔ ویسے پاپا مجھے پرنس کہتے ہیں۔ آپ ہماری گاڑی کے سامنے گر کر بے ہوش ہو گئی

تھیں۔ اتنا سارا خون بھی نکلا۔ پایا تو بہت پریشان ہو گئے تھے۔ پھر ہم آپ کو یہاں لے آئے۔“ ایک دم اس کا ہاتھ اپنے ماتھے پر گیا جہاں پٹی بندھی ہوئی تھی اور دردی نہیں اٹھ رہی تھیں۔ وہ چپ چاپ اس کی باتیں سنتی خود کو کمپوز کرتے ہوئے ساری صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”نوال یہ تمہارا برگر.....“ اسی پہل دروازہ کھلا اور تیس تیس سالہ انتہائی خوب اور ویل ڈریس شخص بے تکلفی سے اندر داخل ہوا۔

”السلام علیکم! اللہ کا شکر ہے آپ کو ہوش آ گیا۔ کیسی طبیعت ہے آپ کی؟“ نوال اسے دیکھ کر تیزی سے کرسی سے اٹھی اور اپنا برگر پکڑ لیا جبکہ وہ نشا کو ہوش میں دیکھ کر قدرے محتاط ہوا۔ خوش اخلاقی سے کہتا وہ اس کے بیڈنک چلا آیا۔

”میں ٹھیک ہوں..... شکریہ۔“ نشا نے بھی اخلاق نبھایا۔

”آپ اچانک میری گاڑی کے سامنے آ گئیں.....“ وہ پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ نوال سامنے رکھے صوفے پر جا بیٹھی تھی اور اب برگر کھا رہی تھی۔

”غلطی میری تھی۔ مجھے ہی احتیاط سے سڑک پار کرنی چاہیے تھی۔“ وہ شرمندگی سے بولی۔

”یہ میرے دوست کا کلینک ہے۔ بے فکر رہیں آپ کا یہاں نسلی بخش علاج ہوگا اور علاج کے تمام اخراجات میں ادا کر دوں گا۔“ ارحم کی بات سن کر اسے شدید حیرت ہوئی۔ کیا آج بھی دنیا میں احساس نامی شے باقی ہے۔ کوئی قصور نہ ہوتے ہوئے بھی کسی اجنبی پر یہ کرم۔

”آپ اپنے گھر والوں کا پتہ یا کوئی کانٹیکٹ نمبر دے دیں تو میں ان سے رابطہ کر لوں۔“ اس نے ریٹ وائچ میں وقت دیکھا۔ نوال کی ساگرہ بھی تو اسے ڈر پہ لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ ریسٹورنٹ پہنچنے سے پہلے یہ حادثہ ہو گیا اور وہ افراتفری میں اسے ہسپتال لے جانے

کی بجائے اپنے دوست کے کلینک لے آیا ورنہ تو ہسپتال والوں کی انویسٹی گیشن کے چکر میں ڈرتھا پولیس کیس نہ بن جاتا۔

”میرا اس دنیا میں کوئی نہیں ہے۔“ سرگھوم رہا تھا سو بیڈ سے ٹیک لگا کر انھیں موند لیں۔

”نوال کی طرح۔“ نوال کی آواز پہ اس نے حیرت سے آنکھیں کھولیں۔

”نوال.....“ ارحم نے گھر کا۔

”سوری یہ بس یونہی..... کچھ بھی بولتی رہتی ہے۔“

اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”کوئی تو ہوگا دور پار کا رشتہ دار جس کو انعام کیا جاسکے؟“ نشا نے نفی میں سر ہلایا۔ وہ لب بکھینچے خاموش بیٹھا رہا۔

☆☆☆☆☆☆

”یہ آپ کا کمرہ ہے۔“ اس کا مختصر سامان ملازم پہلے ہی کمرے میں پہنچا چکا تھا۔ آٹھ سالہ نوال کی اکیلے پرورش کرنا ارحم کے لیے اتنا آسان نہ تھا۔ گھر میں ان دونوں کے علاوہ ایک ادھیڑ عمر کل وقتی ملازمہ فضیلہ بوا بھی تھیں جو برسوں سے نوال کی دیکھ بھال کر رہی تھیں۔ ارحم انہیں گھر کا فروہی سمجھتا تھا۔ ارحم کا دوست ڈاکٹر تابش نشا کی کہانی سن چکا تھا۔ اسے ملازمت کے ساتھ جانے پناہ درکار تھی اور ارحم اس کی مدد کر سکتا تھا۔ ڈاکٹر تابش کے کہنے پر ہی ارحم نے نشا کو ملازمت آفر کی۔ وہ پڑھی لکھی تھی اور نوال کے لیے بطور بیٹھ بھرتین انتخاب ثابت ہو سکتی تھی۔

”میں آپ کا احسان کیسے چکا پاؤں گی۔“ نشا نے تشکر سے کہا۔

”اتنے ہماری بھر کم الفاظ بول کر مجھے شرمندہ مت کریں۔ اپنی بے تحاشا مصروفیت کی وجہ سے نوال کو وقت دینا مشکل ہو جاتا ہے۔ فضیلہ بوا کے تو اب ہاتھ نہیں لگتی وہ۔“ وہ مسکرائی۔

”بہت کیوٹ ہے ماشاء اللہ آپ کی بیٹی۔“ چابی کی

کڑی پائی ادھر ادھر بھاگتی نوال کو دیکھ کر نشا نے محبت سے کہا۔ وہ تو نشا کے گھر آنے پہ پھول نہیں سار ہی تھی۔

”اور شرارتی بھی۔“ وہ کچھ سوچ کر ہنسا۔

”اس کی والدہ کی وفات ہو چکی کیا؟“ چونکہ اب

تک کسی نے بھی ذکر نہ کیا تھا تو نشا نے خود سے سوال کر لیا۔ ارحم کی مسکراہٹ ایک دم غائب ہوئی تھی۔ اس کی جگہ ماتھے پہ چند گوارسلوٹیں نمودار ہوئیں۔

”نہیں ہماری علیحدگی ہو چکی ہے اور پلیز اس کا ذکر نوال سے مت کیجئے گا۔ پھر اس کے سوال جواب شروع ہو جاتے ہیں۔“ نشا اس کے چہرے پہ واضح ناپسندیدگی دیکھ کر جھل سی ہوئی۔ وہ ملازمہ بھی اسے بہر حال کسی کی ذاتیات میں جھانکنے کی ضرورت نہ تھی۔

”میں امید کرتا ہوں آپ سمجھ جائیں گیں۔“ اس کی شرمندگی کو محسوس کرتے ارحم کچھ دھیمہ پڑا۔ وہ فوراً ہی وہاں سے چلا گیا تھا۔ کچھ سوچتے ہوئے نشا نے کمرے کا جائزہ لیا اور نڈھال سے انداز میں بستر پہ جا بیٹھی۔ چند لمحے وہ چھت کو گھورتی رہی۔ پتا نہیں ابھی اس کی قسمت میں مزید کیا لکھا تھا۔ اسے احساس تھا آج سے اس کی زندگی کے ایک نئے باب کا آغاز ہو رہا ہے۔

☆☆☆☆☆☆

”کیڑے پڑیں ایسی سنگ دل عورت کے پھول سی بچی پہ الزام تراشی کر کے نکال باہر کیا۔“ فضیلہ بوا پچاس سے اوپر کی ایک باتوں خاتون تھیں۔ ان کے دل میں جو ہوتا اسے ان کے لبوں تک آنے سے روکنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ گھر پہ ان کا مکمل کنٹرول تھا اور باقی ملازموں کی تو ان سے جان جاتی تھی۔ نشا کی داستان غم سن کر آبدیدہ ہوتے ہوئے انہوں نے کیا خوب لب کشائی کی تھی۔

”ایسے مت کہیں بوا مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں۔ بس اتنی دعا ہے اللہ انہیں ہدایت دے۔“ نشا کے حوصلے کو

سلام تھا کہ دو سال کی بے لوث خدمت کے باوجود زہرہ نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا وہ اب بھی اسے بددعا کی تھی۔

”ایسے مت کہیں بوا مجھے ان سے کوئی گلہ نہیں۔ بس اتنی دعا ہے اللہ انہیں ہدایت دے۔“ نشا کے حوصلے کو سلام تھا کہ دو سال کی بے لوث خدمت کے باوجود زہرہ نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا وہ اب بھی اسے بددعا

نہیں دینا چاہتی تھی۔

”ان حالات میں بھی آپ ان کے لیے ایسے جذبات رکھتی ہیں۔ انہوں کی زیادتیاں سہہ کر جہاں نہ عزت ملی نا الفت۔“ کوئی ان حالات میں کیسے اتنا کمپوز رہ سکتا ہے۔ ارحم کوچ میں حیرت ہوئی تھی۔

”یہ سب تو مقدر کے فیصلے ہیں پڑیں اتنا جاننی ہوں میری تقدیر بنانے والا مجھ سے بہت محبت کرتا ہے اور اس نے اگر میری زندگی میں مشکلات رکھی ہیں تو وہی ان کا حل بھی کرے گا۔“ نشا کی بات نے فضیلہ بوا کو اور بھی اپنا مطمح کر لیا تھا۔ وہ اس کی مصومیت، صبر اور حوصلے کی گریوہ ہو رہی تھیں۔

”بننا دنیا و مردنوں سے خالی نہیں۔ اچھا برا وقت سب پر آتا ہے اور کڑے وقت میں صبر سے کام لینے والوں کے ساتھ اللہ ہوتا ہے۔“ وہ برجستہ بولیں۔

”یہ تو بالکل سچ کہا آپ نے بوا۔“ نشا نے تائید کی۔

”اس وقت جب بے سرو سامانی کے عالم میں گھر سے نکلی تھی تو کہاں سوچا تھا اتنی آسانی سے ملازمت اور رہائش کا بندوبست ہو جائے گا۔ آپ کی اچھائی کو دیکھتی ہوں تو پھوپھو کی برائی نظر ہی نہیں آتی۔“ وہ تہہ دل سے ان کی شکر گزار تھی۔ بے شک مشکلیں دور کرنے والی اللہ

کی ذات ہے پروردگار وہ اپنے بندوں کو ہی بناتا ہے۔

”برے کو یاد رکھنا اور اچھے کو فراموش کر دینا رب کی تقسیم سے گلہ کرنے کے مترادف ہے۔ میرے نزدیک یہ کفرانِ نعمت ہے۔“ اس کڑے وقت میں ان لوگوں نے اسے عزت و احترام کے ساتھ اپنے پاس رکھا تھا۔ وہ اس نیکی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی تھی۔

”دیکھا اسے کہتے ہیں ایمان۔“ سیکھو کچھ اس لڑکی سے۔“ فضیلہ بوا کی آواز پہ نشا نے چونک کر دیکھا جن کی توپوں کا رخ اس وقت چائے پیتے ارحم کی طرف تھا۔ نشا نے بے اختیار ارحم کو دیکھا۔

”ارے میں تو کہتی ہوں اتنا رویہ ماضی کا ڈھول گلے سے اور اپنا گھر رسالو۔“ سنجیدہ تو وہ ہمیشہ رہتا تھا پرا بھی

اس کے چہرے پر وحشت تھی۔
”بوا آپ پھر شروع ہو گئیں۔“ وہ سخت لہجے میں بولا۔

”ہماری تو زبان گدی سے نکلوا دو تم پھر بھی جوتی لگتی ہے کہہ کر رہیں گے۔ زیادتی کسی کی اور سزا جگتو تم اور وہ معصوم جان۔ ساری عمر اس کی یادوں کو دل سے لگا کر ماتم کرتے رہو۔ خوشیوں کو حرام کر لو خود پہ۔“ فیصلہ ہوا یہ کسی کا غصہ کہاں اثر کرتا تھا۔ وہ جو کہنا چاہتی تھیں ڈنکے کی چوٹ پہ کہہ دیا کرتی تھیں۔ ارحم نے بے بسی سے چائے کا کپ میز پر رکھا اور پیر پختا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

”دیکھا چلا گیا ناں۔ مجال ہے جو کوئی ہماری اس گھر میں سن لے۔ حلیہ دیکھا کیا بنا رکھا ہے۔ صورت سے ہی مجنوں لگتا ہے۔ پر وہ بھی تو بکثرت لیلیٰ بنتی۔ چند ماہ کی بچی چھوڑ کر چلی گئی۔ نہ اس کی محبت دیکھی نہ ہی اپنی اولاد کی چاہت۔“ نشان تمام حقائق سے انجان تھی جو آج اس پر آشکار ہو رہے تھے۔ مختصر الفاظ میں فیصلہ ہوا نے اسے ارحم کی اپنی بیوی سے علیحدگی کا قصہ کہہ سنایا تھا۔ نشان کو واقعی افسوس ہوا تھا۔ اتنے دنوں میں اس شخص کے بارے میں وہ بس اتنا جانتی تھی کہ وہ ایک بے لوث اور مخلص انسان ہے۔ اس کے اندر کیا دکھ پل رہا ہے وہ اب تک اس سے نا بلدی تھی۔

”آٹھ سال ہو گئے پلٹ کر خبر تک نہ لی اپنی بچی کی۔ وہ عورت نہیں عورت ذات کے نام پر دھبہ ہے۔“ فیصلہ ہوانے دوپٹے کے پلو سے آنسو پونچھے۔ نشان کو آج صبح معنوں میں احساس ہوا تھا کہ دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کا واسطہ نہ ناکی صورت تکلیف سے نازا ہو۔ کچھ لوگ اس پر قابو پا لیتے ہیں۔ کچھ اسی میں زندگی گزار دیتے ہیں۔ کامیاب وہی ہے جو بنا ہونے اس کیفیت سے نکل جائے۔

☆☆☆☆

”دو ماہ ہو گئے یہ بستر تو جان ہی نہیں چھوڑ رہا بس

اب تو جان وے کر اس سے جان چھوٹے گی۔“ روحان نے کمرے میں قدم رکھا تو زہرہ کی کراہتی آوازیں کانوں کے پردے سے ٹکرائیں۔ وہ لب کانٹا ماں کے بستر تک چلا آیا۔ ہڈیوں کے مرض میں طغی زہرہ اپنے بھاری وجود کے باعث اٹھنے بیٹھنے سے بھی قاصر تھی۔

”عروہ سے کہا تو جانتی ہیں وہ میری کم ہی سنی ہے۔“ رکھے۔ پر آپ تو جانتی ہیں وہ میری کم ہی سنی ہے۔“ اس کا ہاتھ سہلاتے وہ بے بسی سے بولا۔ یوں بھی بیوی تو ماں کی پسند کی تھی۔ اونچے خاندان کی بیٹی ہونے کا غرور ایک طرف اس پر زہرہ کی منظور نظر بھی۔ وہ اسے کہہ بھی کیا سکتا تھا۔

”نیکر سے پھول نہیں ملتے بیٹا۔ یہ سب تو میرے اپنے کمروں کا پھل ہے۔“ بالا خروقت و حالات نے اسے بتائی دیا تھا کہ ہر چنگتی شے سونا نہیں ہوا کرتی۔

”بڑا ظلم کیا میں نے نشا پہ۔ آج وہ ہوتی تو کیا بھلا مجھے یوں بھی.....“ وہ سسکی۔ آج فقط پچھتاوہ باقی رہ گیا تھا۔ اس بستر پر لیٹے اپنا ظلم یاد آتا تھا۔

”اس گناہ میں تو میں بھی برابر کا شریک ہوں۔ سوچتا ہوں آپ سے شادی کی بات نہ کرتا تو اسے یوں زیر عتاب نہ آتا پڑتا۔“ روحان کو اس کی تابعداری لے ڈوٹی تھی۔ ماں کی بات مان کر اس نے نشان کو ناقابلِ حلالی نقصان پہنچایا تھا۔ وہ اگر اس سے محبت کے دعویٰ نہ کرتا تو شاید اس کا تاسف اتنا گہرا نہ ہوتا۔

”اللہ جانے معصوم کہاں بھٹک رہی ہوگی۔ کن حالوں میں ہوگی۔“ اب رہ رہ کر زہرہ کو نشان کی یاد ستاتی تھی۔

”اللہ اس کی حفاظت کرنا اور میرے گناہوں کو معاف کر دینا پروردگار۔“ آپیں بھرتے روتے ہوئے اس نے دونوں ہاتھ بلند کر کے اللہ کے حضور گڑ گڑا کر معافی مانگی۔ روہان اسے روتا ترہتا دیکھ کر شدید اپ سیٹ ہوا تھا۔

☆☆☆☆

”راجا اپنی رانی کی ہر بات کیوں مانتا تھا؟“ اس کے بازو کا ٹکڑہ بناتے وہ کہانی میں پوری طرح محو تھی۔

”اس لیے کہ وہ اپنی رانی سے شدید محبت کرتا تھا۔“ گمرے کے دروازے پہ کھڑے ارحم کے قدم رک گئے۔ اس کا دھیان اب اندر سے آتی آوازوں پر تھا۔

”محبت کیا ہوتی ہے آنٹی؟“ اتنے عرصے میں نوال کی کہانی سننے اور اس دوران سوال و جواب کرنے کی عادت بالکل نہیں بدلی تھی۔ فرق اتنا تھا پہلے وہ اپنے پاپا سے کہانیاں سنتی تھی اور اب یہ کام نشان کے ذمہ تھا۔ ارحم کو کہانیاں نہیں آتی تھیں۔ وہ کتابوں سے پڑھ کر اسے ملاتا تھا۔ نشان اس کی خاطر ہر رات چھوٹی چھوٹی کہانیاں خود بناتی تھی۔

”محبت ایک ان دیکھا جذبہ ہوتا ہے۔ وہ جو ہمیں اوجھ کھتے ہیں جن کی ہمیں پروا ہوتی ہے ان کی ہر بات ہمیں اچھی لگتی ہے۔ ان کی کسی بات سے انکار ممکن نہیں ہوتا اور ان کے لیے اپنا آپ قربان کر کے خوش محسوس ہوتی ہے۔“ وہ چپ چاپ کھڑا اس کا لطف محبت سن رہا تھا۔

”ایسی محبت تو میرے پاپا بھی مجھ سے کرتے ہیں۔“ وہ ہنسا۔

”محبت راجا رانی یا شہزادے شہزادی تک محدود نہیں

نوال یہ تو کائنات کی اساس ہے۔ بندے کی اپنے رب سے محبت رب کی نبی ﷺ سے محبت ماں اور باپ کی اولاد سے محبت.....“ اس کے بالوں میں انگلیاں چلاتے اس نے مزید کہا۔

”کیا آپ کو کسی سے محبت ہے؟“ نوال نے یک دم سوال کیا۔ وہ مسکرائی۔

”ہاں ہے ناں..... مجھے آپ سے بے حد محبت ہے۔“ نشان کی آواز پر ارحم چونکا۔ کس طرح آسانی سے یہ اچھی لڑکی اس گھر اور ان کی زندگی کا حصہ بن گئی تھی۔

”مجھے بھی آپ سے بہت محبت ہے کیونکہ آپ کی کہانیاں پریوں کی کہانیوں سے زیادہ اچھی ہوتی ہیں۔“

آنچل کی جانب سے ایک اچھا نچل

ماہنامہ
حجاب
کراچی

شائع ہو گیا

ملک کی مشہور معروف قد کا روں کے سلسلے دار ناول، ناولٹ اور افسانوں سے راست ایک مکمل جزیہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی آسودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“ آج ہی ہمارے کہہ کر اپنی کاپی بک کرالیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی متنسلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com

info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2

0300-8264242

اس کے گلے میں بانٹیں ڈالے دھڑسکون تھی۔
 ”اچھا تو اب جلدی سے آنکھیں بند کرو اور سو کے
 دکھاؤ صبح اسکول بھی تو جانا ہے ناں۔ پھر کل ہم نوال کو
 ایک اور کہانی سنائیں گے۔“ نشا نے پیار سے اسے خود
 سے جدا کیا اور اس کا کمر بٹیک کرتے ہوئے اس کے
 ماتھے پر بوسہ دیا۔

”جن اور پری کی؟“ اسے یقین دہانی کروا کر وہ
 ہولے سے اس کے بستر سے نگلی اور دروازے کی طرف
 پلٹی ہی تھی کہ ارحم کو دیکھ کر کھٹکی۔

”خاصی انچ ہوگئی ہے پاپ سے۔“

”بچہ محبت کے متلاشی ہوتے ہیں۔ جو انہیں
 چاہت دے اسی کے ہو جاتے ہیں۔“ وہ دونوں اب
 کوریڈر میں کھڑے تھے۔ کل رات فضیلہ بوا پھر وہی
 بحث چھیڑ پڑی تھیں ارحم خاصا غصے میں تھا۔ نشا یہ سوچ کر
 کچھ پریشان تھی کہ شاید وہ اس سے بھی ناراض ہوگا پر
 اس کا نارمل رویہ دیکھ کر وہ اب خاصی مطمئن تھی۔

”معذرت چاہتی ہوں انجانے میں آپ کی دل
 آزاری ہوگئی۔ میں نہیں جانتی تھی وہ تو فضیلہ بوا
 نے.....“ سینے پہ ہاتھ باندھے وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔
 ”اس کی ضرورت نہیں۔“ وہ سنجیدگی سے بولا۔ وہی
 ہمیشہ کی طرح دونوں انداز جیسے کسی کو اس کے دل میں
 جھانکنے کی اجازت نہ ہو۔

”ویسے بوا کی بات کچھ غلط بھی نہیں۔ آپ ایک
 انسان کی برائی کو گلے لگا کر تمام عمر بین کرتے بھی رہیں
 تو کون سنے گا یہ آہ و زاریاں۔“ وہ خود کو روک نہیں پائی
 تھی۔ ”حادثات راہ چلتے انسانوں کے ساتھ بھی
 ہو جاتے ہیں تو کیا کوئی چلنا چھوڑ دیتا ہے۔ زندگی رکتی
 نہیں۔“ زندگی نے اس کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا
 تھا تو کیا اس نے جینا چھوڑ دیا تھا۔ ارحم کے پاس تو نوال
 تھی اس کے پاس تو ایسا کوئی سہارا بھی نہیں تھا پھر بھی وہ
 زندہ خوش اور مطمئن تھی۔

”زندگی پر یوں کی کہانیوں سے یکسر مختلف ہوتی

ہے۔“ وہ جتانے والے انداز میں بولا۔ نشا کو اندازہ ہوا
 یقیناً وہ اس سے پہلے اس کی بات سن چکا تھا۔
 ”ہاں‘ بخ اور بھیا نک۔“ وہ سینے پہ ہاتھ باندھے
 سنجیدگی سے بولی۔

”یہاں سنو دوائٹ کی مدد کو سات بونے نہیں آتے۔
 انسان ان ویسٹی تقدیر کی بے رحمی کا شکار ہو جاتا ہے۔“
 اس کی آنکھوں میں دیکھتے اس نے مزید کہا۔ ارحم
 خاموش تھا۔ دل ہی دل میں پشیمان۔ زندگی میں محبت
 کے نام یہ اگر اس کے حصے میں دھول آئی تو یہ اس کی
 قسمت تھی۔ اپنے احساس کسری کو اس اجنبی لڑکی پہ
 نکالنے کی اسے بھلا کیا ضرورت تھی۔ اتنا کچھ سہہ کبھی
 وہ مطمئن و شاد تھی گو تنہا ہی پر بے سکون تھی اور ارحم نوال
 کے ہوتے ہوئے بھی خوشیوں اور محبت کے وجود سے
 خائف و تالاں تھا تو یہ اس کا قصور تھا۔ خود اس نے اپنے
 دل کے دروازوں پہ قفل ڈال لیا تھا۔

”حقیقی کرداروں کی زندگی میں گھٹنے والے زہر کا
 تریاق کسی شہزادے کے محبت بھرے بوسے سے نہیں
 ہو پاتا پھر بھی میں سمجھتی ہوں محبت بذات خود ہر زہر کا
 تریاق ہوتی ہے۔ نفرت کے بیج سے بننے والے درخت
 کی جڑیں کتنی ہی گہری کیوں نا ہو جائیں، محبت کی تندو
 تیز آندھی انہیں اکھاڑ پھینکتی ہے۔ بس آپ کے جذباتوں
 میں سچائی ہونی چاہیے۔“ دل کو طمانیت دیتا اس کا ہر
 حرف ارحم کو یہ احساس دلا رہا تھا کہ نفرت کے زہر کا
 تریاق فقط شہزادے کے بوسے کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس
 درو محبت کی دوا کسی پری کے جادوئی حروف سے بھی تو
 ممکن ہے۔ کیا عجب تھا کہ آج وحشت کی اس دیوار میں
 دراڑ پڑنے لگی تھی۔ یہ محبت کے وجود پہ پڑے قفل کے
 کھلنے کا لمحہ لمحہ زبست تھا۔



مسیح لڑھول ملہا
 سحرش فاطمہ

اس انداز سے اس شخص کے
پیار بھرے جیون کو پڑھا
کہ وہ بھولے سے بھی نہ جان پایا
کہ اس کی ہر ادا سے واقف ہو گیا کوئی

”بھلا ہماری بچی ایسے گھر میں جا کر کیا کرے گی جہاں ساس کا بس چلے تو ہر وقت بیچ ہاتھ میں لے کر اللہ کرے اور سر صاحب دن بھر پچھر..... ہونہ۔“ یہ میری اسی بیگم رضیہ۔ ارے نام یہ نہ جائیں بھلے سے پرانا سا ہو لیکن میری الزا ماڈرن ماں جیسی کوئی ہو ہی نہیں سکتی اور جس بچی کی بات کر رہی ہیں وہ میں یعنی زرافشاں گل۔

”لیکن دیکھیں ناں مسز گل..... بچی کی شادی جتنی جلدی اور اچھے گھرانے میں ہو اتنی ہی اچھی بات ہے اور میں یقین دلاتی ہوں آپ کی بیٹی وہاں بھی نازوں سے ہی رہے گی۔“ اور یہ ہیں ہماری ایک جاننے والی جو رشتے کرواتی ہیں۔ ان کا نام رضوانہ ہے پر سب انہیں رشی آنتی ہی کہتے ہیں کیوں کہ یہ رشتے جو کرواتی ہیں۔ اب آپ کسی حد تک تو سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ میں تعلیم سے فارغ ہو کر شادی جیسے موضوع کے لیے تیار ہو گئی ہوں لیکن پھر ہر گھر کی طرح یہاں بھی مسئلہ ہے۔

”بھئی رشی۔ کوئی ہمارے جیسا گھر نہ دیکھو ناں تو بات بنے۔ اتنے رشتے کروا چکی ہو بس میری بیٹی کے وقت تمہیں دین دنیا یاد آ جاتی ہے لے دے کے۔“ رشی آنتی کا منہ ایک دم پھکا پڑ گیا تھا۔ مجھے دیکھا اور میری پلیٹ میں جھانکنے کی کوشش کی لیکن میں بھی استادھی پلیٹ اور پیچھے کر لی۔

”ٹھیک ہے مسز گل میں دوبارہ کوشش کروں گی۔ اب پلتی ہوں۔“ وہ تپا کر انہیں اور مجھے گھورا۔ ای بھی انہیں اور کیٹ تک چھوڑنے گئیں اور میں مزے سے ٹانگ پہ

”ٹانگ چڑھائے کھانے میں مشغول رہی۔“

”تمہیں پتا چلا وہ پچھلی گلی میں جو تمہارے ہی اسکول میں پڑھا کرتی تھی نازیہ۔ اُس کا ایک دو پرے سے رشتہ ہوا ہے۔ اب تو اُس کی عیاشی ہو گئی۔“ رضیہ صوفہ پیا کر بیٹھیں۔

”امی..... عیاشی کسے؟ دوڑیوں میں شادی ہو رہی ہے اُن کا تو آوے کا آوای بڑا ہوا ہوتا ہے۔“ میں نے بھی منہ بسورتے ہوئے کہا۔

”بس..... بس۔ تم سے ناشکری کروالوں وہی کافی ہے ناں۔ ایک تو اچھا رشتہ نہیں ملتا اور تمہیں کسی کے رشتے کا بتاؤں تو اُس میں سے بھی مین شیخ نکالتی ہو.....“ انہوں نے ہنکارہ بھرتے ہوئے کہا۔

”امی آپ بات بھی تو ایسی کریں ناں جس میں کچھ اچھا بھی ہو۔ لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ لڑکا ڈاکٹر کوئی ہانی کلاس کا بندہ یا کوئی فوجی ہو۔ آج کل تو دیسے بھی مردم شماری والے فوجیوں کو ساتھ لے کر آرہے ہیں۔ لڑکیاں ضرور چھپ چھپ کر دیکھتی ہوں گی۔“ میں نے ٹھنڈی آہ بھری تو امی کی جانب سے پیٹھ پر ایک زبردست قسم کی دھب لگی۔

”تم اور تمہارے یہ فضول قسم کے خواب۔“

”کیا امی۔ اب میں اپنا تھوڑی نہ بتا رہی تھی تو لڑکیوں کی بات کر رہی تھی۔“ اپنی پیٹھ سہلاتے ہوئے میں نے دھی انداز میں جواب دیا۔

”ہاں سب جانتی ہوں۔ بے شرم نہ ہو تو۔ میں یہاں

تمہارے لیے جمل خوار ہو رہی ہوں اور تم اُن فوجیوں کے پیچھے پاگل ہو گئی ہو۔“

”صرف آپ کی بیٹی ہی نہیں اور لڑکیاں بھی تو ہیں اس دنیا میں جو فوجیوں پہ مرنی ہیں۔“ میں نے دوبارہ جواب دیا۔

”اب بس کرو۔ جتنا ٹھونسا تھا رشی کے سامنے ٹھونس لیا ناں اب جا کر برتن کچن میں رکھ آؤ اور اچھے سے صفائی بھی کر لینا۔“ امی نے مجھے آنکھیں دکھائیں اور مجھے مجبوراً اٹھنا پڑا۔

لو جی آگئے ہم اپنے کچن میں..... کیا کہا؟ میں نے اپنا تعارف نہیں کروایا؟

اوہو معذرت ہاں۔ امی کی باتوں میں مجھے یاد ہی نہیں رہا۔ اچھا ایک منٹ رکیں میں ذرا چائے کا پانی چڑھا دوں پھر باتیں کرتے ہیں۔

”اچھا جی۔ اب غور سے سنیں۔ میرا نام زرافشاں ہے۔ اچھا نام ہے ناں؟ میں اگلوٹی اولاد ڈارے نہیں..... نہیں میں اگلوٹی بیٹی ہوں باقی تو میرے دو عدد بھائی بھی ہیں لیکن وہ چھوٹے ہیں اس لیے سارا دھیان آج کل امی کا مجھ پر ہی ہے۔“ ایک طرف چائے بن رہی تھی دوسرے طرف زرافشاں برتنوں سے خوب انصاف کر رہی تھی۔

”چلیں جی میری چائے تو بن گئی اور برتن بھی دھل گئے اب میں تھوڑا آرام کروں۔ نام وام تو جان گئے ناں؟“ زرافشاں نے چائے کا گنگ اٹھایا اور اپنے کمرے میں موجود ٹیبل پر آگئی۔

”بھئی بھئی سوچتی ہوں، ہم لڑکیوں کو بھی کیا کیا شوق ہوتے ہیں۔“ زرافشاں نے کین کے بنے بھولے میں بیٹھ کر گرم چائے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے سوچا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا میں چل رہی تھیں اور محترمہ زرافشاں صاحبہ بال کھولے بھولے میں بھول رہی تھیں۔

”زری اوزری۔“ زرافشاں بے نیاز بھولے میں مگن تھی اور رضیہ بیگم سے پکار رہی تھیں۔

”زری..... مجھے پتا ہے تم ٹیبل میں بیٹھی ہوئی ہو اپنے

آؤ فوراً۔“ وہ جو موسم کا لطف لے رہی تھی ناگوار سے اٹھی اور سامنے گلے پاز کے پاس آئی۔

”کیا ہے..... کیوں چلا رہی ہیں؟“

”تم سے کوئی کام وام تو ہوتا نہیں۔ بس ذرا کچن کا کام کیا کہہ دیا محترمہ تو بس اپنے آپ کو مظلوم قوم ہی سمجھنے لگتی ہیں۔“ رضیہ بیگم نے ابرو اچکائے۔

”امی آپ بھی ناں.....“ ابھی میں کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ مجھے کسی کی ہنسی کی آواز آئی۔

”کیا ہوا۔ اب کیا منہ میں نکلتی اڑاں ڈال بیٹھی ہو جو جواب نہیں دے رہی ہیں؟“

”امی..... آپ ایسے تو.....“ ابھی جملہ مکمل ہی نہیں کیا کہ پھر سے لگا کوئی ہنس رہا ہے۔

”دفع“ مجھے آج پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔ اب نیچے آؤ اور میری مدد کرو۔“ رضیہ بیگم نے بھناتے ہوئے کہا اور اندر چلی گئیں۔

”یہاں تو کوئی نہیں ہے۔ شاید میرا وہم ہو گا۔“ زرافشاں نے اپنے ٹیبل کے ساتھ جڑے گھر کے ٹیبلز میں جھانکا۔ اچھی طرح دیکھ کر کے ہی وہ نیچے آگئی۔

☆.....☆.....☆.....☆

”جہیں پہلے لگتا ہے کہ میں یہیں بیٹھا ہوں گا کہ محترمہ مجھے ڈھونڈ گئی اور میں دیکھ جاؤں گا..... واہ جی واہ۔“ اظہر سیٹی بجاتا کسی دھن میں مگن تھا میں بائیک کی چابی گھماتے بیڑھیاں اترنے لگا۔

”آرام سے..... آرام سے۔ کسی دن ہڈیاں ہی نہ تڑوا بیٹھو۔“

”کیسی ماں ہیں آپ؟ لوگ اپنی اولاد کو دعا دیتے ہیں خاص کر بیٹوں کو اور یہاں تو اٹایا کہا جا رہا ہے؟“ اظہر نے ہنکارتے ہوئے کہا۔

”تو میرے پیارے لاڈلے سے بچے صاحب اور کیا کہوں؟ جس قدر تیز رفتاری سے بیڑھیاں اتر رہے ہوتے ہوں ناں بس میرا دل ہی جانتا ہے کس قدر ہول اٹھ رہے ہوتے ہیں۔“ اظہر کی امی سمجھنے سے دل تھما کر بلند

آواز میں ہاتھ لہراتے ہوئے کہا۔

”اچھا..... اچھا ٹھیک ہے۔ آپ دعائیں کریں گی تو مجھے کچھ نہیں ہوگا پھر۔“

”میں تو ہر وقت ہی اپنے بیٹے کے لیے دعائیں کرتی ہوں۔ ابھی تو چھٹیوں میں آئے ہو گھر میں بھی تک جایا کرو کچھ وقت اور یہ اس وقت کہاں جا رہے ہو؟“ سمہ نے جو گرز پہننے اظہر سے پوچھا۔

”میں پارک میں جا رہا ہوں۔ اب جو گرز پہن کر کسی شادی میں تو جانے سے رہا۔“ اظہر نے منہ بسورا۔

”تمہیں شادی میں جانے کا شوق تھا تو بیٹا پھر کیوں فوج میں گئے؟“ ٹھوڑی پہ ہاتھ رکھے سمہ نے اپنے جوان بیٹے کو دیکھا جو فوج میں تھا اور آج کل چھٹیوں پہ آیا ہوا تھا۔

”آپ کو کیا پتا اماں حضور۔ آج کل لڑکیوں کے بھی غرے ہو گئے ہیں۔“ شرارتی انداز میں اظہر نے آنکھ مڑکا کی۔

”غصہ خدا کا..... کیا بول رہے ہو؟“ سمہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

”تو اس میں غلط کیا ہے..... اب یہ بتا دیں جیسے پہلے لڑکوں کو شوق ہوتا تھا کہ وہ فوج میں جائیں گے اپنے ملک کی خدمت کرنے کے لیے اب لڑکیوں کو بھی شوق ہوتا ہے کہ ان کے شریک حیات فوجی ہوں۔“

”ارے ہٹو پرے۔ یہ لڑکیوں کے بھی زالے ہی شوق ہیں۔ یہاں فوجی گھر پر تو رہتا ہی نہیں کہ بیوی کی فرمائش پوری کرے اور باتیں سن لو بس۔“ اظہر نے اس بات پہ ایک بلند ہنسنے لگایا۔

”اب کیا منہ بھڑا کر رہے ہو نالائق؟“

”اماں حضور..... میں یہ سوچ رہا ہوں کل کلاں کو میری بیوی آئے گی تو آپ اس کا کیا حشر کریں گی؟“ اظہر نے ان سے لپٹ کر کہا۔

”وہی کروں گی حشر جو ہماری ساس مرحومہ نے ہمارا کیا تھا اور کیا۔“ سمہ کے لہجے میں کڑواہٹ واضح تھی۔

”سمہ جب شادی کر کے آتی تھیں تو ان کی ساس ہر

محالے میں دخل دیتی تھیں۔ مثال کے طور پر کہیں گھومنے بھی جانا ہوتا تو ساتھ ہوتی تھیں۔ ساس کی خدمت کر کے بھی شاباشی نہ ملنا جو ساسوں کا کام ہوتا تھا سمہ نے پوری زندگی ساس کے ایسے ستم کے ساتھ ہی گزاری تھی اور جہاں بات خود کی بہو کی آتی تو ایک ساس ویسی ہی ساس کو روپ دھارتی ہے جیسا وہ اپنی ساس کا دیکھ چکی ہوتی ہے البتہ کچھ سائیں اچھی بھی نکل آتی ہیں بہر حال یہ ایک الگ ہی بحث ہے ناں کیوں؟“

”توبہ..... تو یہ پھر تو لڑکیاں صحیح ہیں آج کل کی جو پہلے ہی ڈیماٹر رکھ دیتی ہیں کہ ہمیں ساس کے ساتھ نہیں رہنا وہ تو سانس بھی نہیں لینے دیتی۔“ اظہر کی بات سن کر سمہ نے ہنسنیں سکھیں۔

”تو پٹ جائے گا میرے ہاتھوں اچھا۔ نکل جا جہاں جانا ہے تجھے۔“

”سوچ لیں اماں حضور۔ کیا پتا آپ کا یہ خوب صورت وجاہت سے بھرپور بیٹا کسی لڑکی کے چکر میں نہ باہر جا رہا ہو۔“ اظہر اٹھ کر دروازے پہ پہنچا اور مرکز سمہ کو چھیڑا۔

”واہ..... واہ میں صدقے میں واری۔ بیٹا ایسا کچھ بھی ہونا نا وہ لڑکی میرے گھر میں تو کم از کم قدم نہیں رکھے گی ابھی سے بتا رہی ہوں۔“ ٹنگی اٹھا کر سمہ نے اظہر کو تسبیہ کی اور اظہر ہنستا ہوا گھر سے باہر چلا گیا۔

☆.....☆.....☆.....☆

”جس دن مجھے یہ پتا چل جائے کہ ہم لڑکیوں پہ یہ ستم کیوں ہوتا ہے میں نے قسم سے یہ سب کام مردوں سے ہی کروانے ہیں خاص کر یہ والا کام۔“ سوسوں کرتی زرافشاں نے غصے سے چھری پیاز پہ ماری اور اپنی ائی کو دیکھا۔

”کیسی ماں ہیں آپ؟ آپ کی بیٹی یہاں آنسو بہا رہی ہے اور آپ کو کوئی فکر ہی نہیں۔“ منہ بناتے آنسو دکھاتے ہوئے زرافشاں نے رضیہ سے کہا۔

”مگر مجھ کے آنسو تو سنا اور پڑھا تھا آج تم نے فقط پیاز چھیل کر دکھا بھی دیئے۔“

”کیا..... کیا..... کہا؟ یہ مگر مجھ کے آنسو ہیں؟ یہ تو ان پیازوں کا پیار ہے جو میری آنکھوں سے چھلک رہا ہے۔ مارے باندھے زرافشاں نے پیاز کا شاعر شروع کی۔

”چلو کوئی تو ہے جو تم پہ پیار برسا رہا ہے اپنا۔“ رضیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ میری ماں ہیں؟ وہ ویسے ایک طرف میری کتنی فکر ہے کہ ایسا گھر ملے جہاں کام دام بھی کرنے کو نہ ملے اور دوسری طرف ایسا ظلم ڈھلایا ہوا ہے مجھ پہ کہ جس کی حد نہیں۔“ پیاز کاٹنے کے بعد ہانڈی میں جس میں تیل گرم ہو رہا تھا پیاز ڈالی تھی۔

”ہاں تو بے شک نوکر چاکر ہوں لیکن لڑکی کو کام آنا چاہیے۔“

”تو ایسے کام کیوں بھی جس سے شدید تشدد کیا جا رہا ہو جیسے یہ پیاز والا کام؟“

”ہاں تو اور یہ کام کون کرے گا؟“

”امی..... اگر نوکر چاکر کا ایسا ہی تھا تو آپ نے گھر میں نوکر کیوں نہیں رکھا؟ سارا کام تو خود کرنی ہیں۔“

زرافشاں کی بات پر رضیہ بیگم نے گھبراہٹ سے کہا۔

”ہاں..... ہاں مجھے ہی شوق تھا نوکر ہوں لیکن ہماری ساس اور سرس کو تو بس یہی تھا کہ بہو آئے اور وہی کام کرے نوکر کے ہاتھ کے پکے کھانے میں مزہ جو نہیں آتا تھا انہیں۔“

”ارے تو امی..... یہاں تو آپ کے ساس سر نہیں ناں پھر کیوں نوکر نہیں رکھا؟ مجھے تو کرائی کیوں بنا رکھا ہے؟“ ناک بھوں چڑھاتے ہوئے زرافشاں نے رضیہ کو دیکھا۔

”تا کہ کل کو اگر تم نوکر والے گھر بھی جاؤ تو کم از کم ان کے کام سے کوئی نقص نکالو تو پھر ہڑپن نہ دیکھو اور پھر چھوٹا موٹا کام ہلڑکی کو آنا چاہیے سمجھیں؟“ زرافشاں نے سر ہلا کر جیسے اتنا کیا۔

”ویسے امی۔ سب سے آسان کام ناں یہ روٹی پکانا ہے۔“ اب وہ سالے سارے نکال کر رہی تھیں۔

”کہہ تو ایسے رہی ہو جیسے تمہیں گول روٹی پکانی آتی ہے ناں؟“

”کیا ہے امی؟ کبھی تو کسی بات پہ میری تعریف کر دیا کریں۔“ زرافشاں نے رو ہاکی ہوتے ہوئے کہا۔

”کیا تعریف کروں؟ ابھی تو کچھ ایسا ہے ہی نہیں جو تعریف کروں۔ البتہ جب رشتے والے آئیں گے بھی جھوٹی تعریف کرنی پڑتی ہے۔“

”بھی تو.....“

”تبھی تو کیا ہاں؟“ رضیہ نے گھبراہٹ سے کہا۔

”تبھی تو آپ کے مطلب کا رشتہ نہیں آتا کہ پول نہ کھل جائے آپ کی بیٹی کی یا پھر دینی لوگ ہیں وہ کیا سوچیں گے کہ اس عمر میں بھی دیکھو رضیہ بیگم جھوٹ بولتی ہے۔ تو یہ تو بے۔“

”اللہ معاف کرے۔ کسی بیٹی سے واسطہ پڑا ہے میرا بھی۔ جسے کوئی شرم دلانا ہی نہیں۔“ زرافشاں اب ہونٹ دبا کر کہتی۔

”اب کھڑی میرا منہ کیا تک رہی ہو؟ سالتن کو دیکھو میں جاری ہوں نماز پڑھنے۔“

”اچھا ذرا میرے لیے بھی پڑھ لیجئے گا میرا مطلب میری جانب سے۔“ رضیہ بڑبڑاتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

”ہائے سوچو تو..... میری شادی کے بعد میرے وہ جب میرے لیے پیاز کاٹ رہے ہوں۔ آف اور میں اُن کے آنسو پونچھوں۔“ زرافشاں خیالی پلاؤ پکانے میں مگن ہو گئی۔

”آپی..... او آپی۔“ زرافشاں کو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔

”آپی..... امی پوچھ رہی ہیں کھانے کا۔“ زرافشاں کا چھوٹا بھائی اُسے پکار رہا تھا لیکن خود وہ میڈم تو کسی اور جہان میں پہنچی ہوئی تھیں۔

”ہائے میں مر گئی۔ کیا ہوا..... اتنی زور سے کیوں چلا رہے تھے تم؟“

”کیا ہو گیا؟ علی اتنی زور سے کیوں چلائے؟“ رضیہ بیگم بھی کچن میں آن پہنچی اور دونوں کو دیکھ کر گھبرا گئیں۔

”آپی کو کب سے بلا رہا تھا لیکن وہ جواب ہی نہیں دے رہی تھیں تو اونچی آواز میں بلانا پڑا کیا کرتا؟“ علی رضیہ بیگم کے پاس بھاگتا ہوا گیا اور تیز سانس لیتے ہوئے بولا۔

”جھوٹا کہیں کا..... کوئی نہیں امی۔ اس نے مجھے بلایا ہی نہیں بس چلایا اتنی زور سے۔“ زرافشاں نے بھی ہڑبڑا کر کہا۔

”نہیں..... آپی جھوٹ بول رہی ہیں۔“ زرافشاں نے غصے سے گھورا اور آنکھیں دکھائیں۔

”کیا کروں میں تمہارا تالاق..... اور یہ مہک کیسی آ رہی ہے؟ ذرا سالتن تو دیکھو کہیں جل تو نہیں گیا۔“ رضیہ بیگم کے کہنے کی دیر ہی گئی کہ فوراً وہ مڑی اور بے ہوشی میں ہانڈی کا ڈھکن اٹھایا۔

”میرا ہاتھ۔ ایک دم سے ڈھکن نیچے گرا۔“

”ستائنا۔ کب بڑی ہو گئی تم؟ علی جاؤ تم یہاں سے۔“ علی کو کچن سے بھگایا اور خود زرافشاں کے پاس آئیں۔ سالتن کی آنچ بند کی۔

”سالتن دیکھنے کو کہا تھا ہاتھ جلائے کو نہیں۔“

”سوری امی۔“ زرافشاں ممانکی۔

”تمہاری عمر کی لڑکیوں کی تو اب شادیاں کیا بنے بھی ہو گئے ہیں اور ایک تم ہو کوئی کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتیں۔“ رضیہ بیگم نے مزہم لگاتے ہوئے ڈنٹا۔

”ایک منٹ..... میرے ان کاموں سے میری شادی کیا لیا دینا؟“

”چپ کرو ماں سے زبان لڑاتی ہو؟“

”تو اور کس سے لڑاؤں؟ اب ساس تو فی الحال ہے نہیں میری۔“

”توبہ..... توبہ۔ بہت شوق ہو رہا ہے ساس کے پاس جانے کا؟“ زرافشاں ہنسی۔

”شوق مجھے نہیں آپ کو ہو رہا ہے میری شادی کرنے کا۔“

آنچل کی جانب سے ایک اہم نچل

حجاب کرچی

شائع ہو گیا

ملک کی مشہور معروف قلم کاروں کے سلسلے دار ناٹو، ناٹو اور افسانوں سے آراستہ ایک مکمل جریہ گھر بھر کی دلچسپی صرف ایک ہی رسالے میں موجود جو آپ کی سودگی کا باعث بنے گا اور وہ صرف ”حجاب“ آج ہی ہا کر سے کہہ کر اپنی کاپی بکرائیں۔

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

Infoohijab@gmail.com
info@aanchal.com.pk

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں

021-35620771/2
0300-8264242

”اچھا بس۔ بس۔ جاؤ کمرے میں..... میں خود ہی کھانے کا دیکھ لیتی ہوں۔“
”یا ہو..... یہ ہونی ناں خالص امیوں والی بات۔ میں آزاد۔“

”ہٹ بدعاش۔“ خوشی میں وہ جھومتی ناچتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اُس کی واحد جائے پناہ اُس کا تیسرا تھا۔ چھوٹا سا لکین اُس کی ہی پرانی تھا وہ۔ نیچے کے پورن میں چکن ڈرائنگ روم لاؤن اور ایک روم تھا باقی تین کمرے اور چھوٹا سالانہ اوپر تھا۔ تیسرے والا کمرہ زرافشاں کو ملا تھا۔

☆.....☆.....☆.....☆
”اماں..... میں گھر آ گیا ہوں۔“ اطہر تھا ہمارا گھر آیا اور سیمہ کو آواز دی۔

”ہاں..... ہاں بتا چل گیا ہے۔ فریش ہو جاؤ میں کھانا لگا دیتی ہوں۔“ وہیں چکن سے جواب دیا۔
”او کے موم۔“

”منگیز کا پتر ہونہ.....“ سیمہ نے منہ بسورہ اور کھانا لگانے لگی۔ اطہر کے ابو بھی عشاء پڑھ کر آ چکے تھے۔
”السلام علیکم یو۔ کیسی طبیعت بچا آپ کی؟“

”الحمد للہ میں ٹھیک برخوردار۔ تم سناؤ۔ تمہارا کیا حال ہیں فوجی؟“ شہزاد صاحب نے مسکراتے ہوئے بیٹے کا حال پوچھا۔

”آپ کے برخوردار جب سے آئے ہیں گھر پہ تو ٹھیک ہی نہیں رہے۔ روز باہر چلے جاتے ہیں۔“ سیمہ نے کھانے کے برتن میز پر رکھتے ہوئے شکوہ کیا۔

”تو بھی اب رہ کر بھی کیا کرے بچہ؟ اب یہ تم عورتوں کی طرح ہر وقت بیوی اور ذرا سے وغیرہ تو دیکھنے سے رہا۔ کیوں ٹھیک کہا ناں؟“ دونوں باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کیا۔

”صح بات ہے۔ ماں اپنے بیٹے کی فکر میں گھل رہی ہوتی ہے۔ لیکن بیٹے صاحب کو دو بل کی بھی فرصت نہیں کہ پاس بیٹھ جائیں۔“ سیمہ نے ناراضگی سے کہا۔

”تو بھی ایک کام کر دینے کے لیے رشتہ ڈھونڈنا شروع کر دو۔ پھر دیکھنا یہ کسے گھر میں بیٹھا رہے گا۔“ باپ کی بات سن کر اطہر کو کھانسی آ گئی۔

”ارے..... ارے آرام سے کھاؤ۔ لو پانی پیو۔“
”کیوں برخوردار کیا کہتے ہو؟“ اطہر جھینپ گیا۔
”ہائے میرا بچہ۔ دیکھو تو کیسے شرمایا گیا۔“ سیمہ نے بلائیں لینا شروع کر دیں۔

”تو بس زوجہ بیگم کس کا انتظار ہے۔ لگ جاؤ مشن پہ۔“
”آپ لوگ آرام سے کھانا کھا لیں مجھے بھی کھانے دیں۔ مہربانی کر کے۔“ اطہر نے سنجیدگی سے کہا تو دونوں نے چپ سا دھلی۔

”ویسے تمہاری کوئی پسند ہو تو بتانا ضرور۔ تمہاری ماں اس بات کا ضرور خیال رکھے گی۔“ تھوڑی دیر بعد شہزاد صاحب نے پھر سے بات چھیڑی۔

”ابو..... کم از کم ابھی تو کھانا کھانے دیں۔ اس حوالے سے بات بعد میں بھی تو ہو سکتی ہے ناں؟“ اطہر نے نظریں پلٹتے ہی جمائی رکھیں۔

”اچھا چلو۔ کھانا کھا لو۔“ سیمہ نے بھی چڑ کر کہا۔
☆.....☆.....☆.....☆

کھانا کھا کر اطہر اپنے کمرے میں چلا آیا۔ یہ لوگ جس کا لونی ہیں رہتے تھے وہاں سب کے ایک جیسے مکان تھے۔ اطہر چھل قدمی کے ارادے سے تیسرے کی جانب آیا تو رضیہ بیگم کی آواز گونجی۔

”کھانا لے کر آئی ہوں تمہارے لیے کھالینا۔“
”جی۔“ ہلکی سی آواز میں زرافشاں نے جواب دیا۔ وہ اس وقت آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنے میں مصروف تھی۔

”درد کیا ہے؟“
”اب ٹھیک ہے۔“ زرافشاں بنا رضیہ کو دیکھے جواب دے رہی تھی۔

”یہ آسمان کو جواب دے رہی ہو یا مجھے؟“ رضیہ بیگم نے تھوڑا اونچی آواز میں کہا۔

”مجھے آسمان اس وقت اچھا لگ رہا ہے اور جواب آپ کی بات کا ہی تو دے رہی ہوں۔“
”پتا نہیں تمہارا کیا ہوگا لڑکی؟“ رضیہ بیگم وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

”کیوں بھی..... میرا کیا ہونا ہے؟“ حیرانگی سے زرافشاں گویا ہوئی۔

”کل کو شادی ہوگی تو ساس کو بھی ایسے ہی جواب دوگی..... اور ساس سے پوچھنی خدشیں کراؤ گی؟“ یہ بات سننے ہی اطہر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

”کمال کی ماں ہیں آپ بھی۔ جب میں شادی کی بات کروں تو زمانے بھر کی شرم مجھے دلا دیتی ہیں اور خود جب دل کرے شادی کی بات لے کر بیٹھ جاتی ہیں۔“

”اچھا..... اچھا بس۔ تم سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔ کھانا خنڈا ہو رہا ہے کھالینا۔ میں چلتی ہوں۔“ رضیہ بیگم انھیں اور رڑے کی جانب اشارہ کیا۔

”کھالو گی۔“ منہ دوسری جانب پھیر کر جواب دیا۔
اطہر نے چھل قدمی شروع کی اور ہر تھوڑی دیر بعد ایک ایک کر زرافشاں کو دیکھنے لگتا۔ وہ بے خبر آسمان کو تنک رہی تھی جہاں چاند کے ارد گرد بے شمار ستارے منڈلا رہے تھے۔ اپنے ہاتھ کو سہلاتی ہوئی وہ جھولے سے سامنے رکھی پچھریاں اور کھانا کھانا شروع کر دیا۔

”مجھے بھی یہی لڑکی پسند آتی تھی؟“ وہ پلر کے ایک جانب کھڑا اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سامنے بیٹھی زرافشاں کو مسکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ دل ایک دم ہی اس لڑکی کا گرویدہ ہو گیا تھا۔ اطہر نے گہری سانس لی اور واپس اندر چلا گیا۔

اس کی صورت آنکھوں میں گھومتی رہی اور اطہر ساری رات کر دھنی بدلتا رہا۔ رات کے کس پہر اُس کی آنکھ لگی اُسے پتا ہی نہ چلا۔ جس وقت آنکھ لگی وہ پھر ہو رہی تھی۔ وہ آنکھیں مسلتا ہوا بغیر منہ ہاتھ دھوئے تیزی سے سڑھیاں پھلاٹتا ہوا نیچے آیا۔

”آرام سے بیٹا۔ کتنی دفعہ کہوں؟“ سیمہ نے ڈنڈا۔

”ارے کمال کرتی ہیں آپ بھی اماں حضور۔ ابھی کچھ

”اودہ تو یہ ہے آپ کا وہ بیٹا جو نون میں ہے؟“ اطہر جو ویسے ہی بیڑا کھٹکے چلے میں تھا اپنے سامنے ماں کے علاوہ کسی اور کو پا کر ایک لمحے کو چونکا۔

”جی..... جی وہ آج پتا نہیں کیوں یہ دیر سے جاگا اور ایسے ہی نیچے آ گیا ورنہ ہمیشہ فریش اور اچھے چلے ہی رہتا ہے۔“ سیمہ نے ہاتھ مسلے اور نظریں چما کر اپنے چشم و چراغ کو گھورا۔

”ارے کوئی بات نہیں مسز شہزاد..... اب لڑکے تو ہوتے ہی ایسے ہیں۔ اگر یہ سب لڑکیاں کریں تو اچھا نہیں لگتا۔“

”کیوں اچھا نہیں لگتا؟ کیا لڑکیاں انسان نہیں ہوتیں؟ ان کا بھی دل کرتا ہوگا کہ کبھی وہ بھی دیر سے سوئیں۔ دیر سے جائیں گھر کا کام نہ کریں۔ کیوں اماں حضور۔“ وہ بنا تمہید باندھے دونوں خواتین کے درمیان بیٹھ گیا۔ گو کہ یہ اس کے مزاج کے خلاف تھا لیکن بچانے کیوں وہ یہ حرکت کر گیا تھا۔ جب کہ اس کی یہ حرکت پر سیمہ نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

”ہاں..... ہاں۔ کیوں نہیں بھی میرا تو ایک ہی بیٹا ہے میں اپنی بہو پر ہی ایسے ارمان نکالوں گی ناں جو بالکل بیٹی کی طرح رہے میرے پاس۔“

”واہ..... یہ تو اچھی بات ہے لیکن سچ کہوں مسز شہزاد۔ ساس بن کر سب بھول جاتے ہیں کہ بہو بھی کسی کی بیٹی ہوتی ہے اور بس زمانے بھر کا ظلم شروع ہو جاتا ہے۔“ اُس خاتون نے کہا تو اطہر نے فوراً تانید کی۔

”بے فکر ہیں آئی۔ یہاں آپ کو یہ مثال بھی ملے گی۔ کیوں کہ بہر حال میری ماں بھی کسی کی بہو تو ظاہر ہے اپنی بہو کے ساتھ بھی وہی رویہ اختیار کرے گی ناں۔“ وہ جو دونوں خواتین چائے پی رہی تھیں ایک دم گڑبڑا گئیں۔

”لاحول ولا قوہ۔ کیوں اپنی ماں کو بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہو؟“ سیمہ نے دانت چس کر کہا۔

”ارے کمال کرتی ہیں آپ بھی اماں حضور۔ ابھی کچھ

”ارے کمال کرتی ہیں آپ بھی اماں حضور۔ ابھی کچھ

”ارے کمال کرتی ہیں آپ بھی اماں حضور۔ ابھی کچھ

دن پہلے ہی تو آپ نے یہی عرض کیا تھا مجھ سے..... یاو کریں یاو کریں۔ ”اٹھ رہے اپنے دانت دکھائے اور سہمہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کہیں سے موٹا ڈنڈا ہاتھ لگے اور اٹھ کر دھناتی شروع کر دیں۔ کاش یہ کام وہ پہلے کر دیتی تو آج یہ نوبت نہ آتی۔

”میں نے کب کہا تھا ایسا؟ پلیز میرے بیٹے کی باتوں کو سنجیدگی سے مت لیجئے گا۔ اسے مذاق کرنے کی عادت ہے۔“

”جی جی آئی۔ میں بس ایسے ہی۔ اچھا ویسے تعارف تو کروائیں۔“ امی کو تنگ کرنے میں اسے بے حد مزہ آرہا تھا۔

”ہاں..... یہ رضوانہ ہیں۔ رشتے کر داتی ہیں۔ تمہارے لیے بات کر رہی تھی اچھا ہوا انہوں نے تمہیں بھی دکھ لیا اور تمہاری حرکتوں کو بھی اب صحیح رشتہ لے کر آئیں گی۔“ سہمہ نے کہا تو رضوانہ کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

”ارے بالکل بے فکر رہے گا۔ وٹی ہے ناں پھر یوں یوں دیکھئے گا رشتوں کی لائن لگا دینی ہے۔“ رضوانہ نے چٹکی بھائی اور فرضی کالر جھاڑے۔

”مجھے لائن تو نہیں لگوانی ناں۔“ اٹھ رہے سر کھجایا اور دھیمی آواز میں بڑبڑایا۔

”کچھ کہا اٹھ رہے؟“

”جی..... نہیں تو ماں! اچھا میں فریش ہونے جا رہا۔ آپ دونوں خواتین جی بھر کے محلے والوں کی برائیاں کریں۔ اللہ حافظ۔“ اٹھ رہے مسکراتے ہوئے اٹھا اور پھر سے تیزی سے بیڑھیاں چڑھتا ہوا پٹا گیا۔

”آپ کا بیٹا تو ماشاء اللہ بڑا ہی ہنس مکھ ہے۔“ رضوانہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”ارے اتنی جلدی! ابھی تو آئی تھیں۔“ سہمہ نے جیسے گہری سانس لی جو گلہ رہا تھا خوشی میں لی ہو۔

”ہاں وہ ابھی برابر والے گھر میں بھی تو جاتا ہے ناں۔“

”اچھا..... میری زیادہ جان پہچان نہیں کسی سے۔“

یہاں آئے ہوئے کچھ ہی مہینے تو ہوئے ہیں۔ یہ تو تم ہو جو ہر گھر میں پکڑ لگاتی ہو ورنہ میں کہاں نکلتی پھروں۔“

”ارے تو برابر دالی مسرگل سے مل لیا کریں گھڑی دو گھڑی کے لیے وقت نکال لیں۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ وہ بھی اپنی بیٹی کے لیے رشتہ ڈھونڈ رہی ہیں۔“ رضوانہ نے فوراً اپنے مطلب کی بات سامنے رکھ دی۔

”اچھا..... اچھا۔ چلو اللہ اس کا نصیب اچھا کرے اور جلد ہی کوئی اچھا سا لڑکا مل جائے آمین۔“

”جی آمین۔ چلیں میں چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔“ سہمہ اسے دروازے تک الوداع کہنے آئی تھی جب کہ رشی کچھ سوچ کر زرافشاں کے گھر آئی۔

”ارے رشی آئی کسی ہیں آپ؟“ اوپر ٹیئرس پر کھڑی زرافشاں نے دروازے پر کھڑی رشی کو دیکھا اور حال چال پوچھا۔

”میں ٹھیک ہوں تم سناؤ؟ آؤ دروازہ ہی کھول دو نیچے۔“ رضوانہ نے کہا تو اثبات میں سر ہلاتی زرافشاں نیچے آگئی۔ سہمہ بخورا س لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

”مسز شہزادہ یہ زرافشاں ہے۔ میں نے بتایا تھا ناں ابھی آپ کو۔“

”اوہ..... ہاں اچھا اچھا..... یہ ہے؟“ مسکراتے ہوئے سہمہ نے کہا۔

”کیا رشی آئی۔ میرا ان کے کسی بیٹے سے رشتے کی بات چلا رہی ہیں یا سوچ رہی ہیں۔“ آواز ہلکی سی تھی لیکن اتنی واضح تھی کہ سہمہ نے بھی سن لی۔

”ارے..... تم بھی ناں زرافشاں۔ بتا نہیں کیا کیا سوچ لیتی ہو۔ یہ آج کل کی لڑکیاں بھی ناں۔“ رضوانہ نے ہنسنے ہوئے کہا اور سہمہ کو دیکھا۔

”کیوں کیا ہو گیا آج کل کی لڑکیوں کو؟ بھی اگر شاوی کی بات کہہ سکتے ہیں گھر والے تو خود لڑکی نے پوچھ لیا تو کون سی قیامت آگئی؟“

”اوہو چپ کر لڑکی۔“ رضوانہ نے اُسے گھورا۔

”کوئی نہیں بیٹا۔ اچھا ہے مل کر اچھا لگا۔ پھر ملاقات

ہوگی۔ تم سے بھی رشی۔“

”جی..... جی مسز شہزادہ۔ پھر ملے ہیں۔“ زرافشاں کے ساتھ رضوانہ اندر آئی اور سہمہ بھی کانوں کو ہاتھ لگاتی اندر چلی گئی۔

”توبہ..... توبہ یہ آج کل کی لڑکیاں۔ اتنی تیز کوئی شرم و لفاظی نہیں۔“ وہ اندر آ کر صوفہ پہ بیٹھ گئیں اور زرافشاں کے بارے میں سوچنے لگیں جب ہی اٹھراں کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

”اماں حضور..... یہ جو محترمہ تشریف لائی تھیں یہ کیا واقعی رشتے کر داتیں؟“

”نا معقول تجھے شرم نہیں آتی یوں سر جھاڑ منہ پھاڑ آ کر بیٹھ گئے ہمارے بیچ؟“ سہمہ کو ایک دم یاد آیا تو تیز لہجہ میں کہا۔

”ہاں توباب مجھے کیا تھا کہ دن و دینہاڑے میرے گھر میں میری والدہ کے علاوہ بھی کوئی خاتون موجود ہوں گی اور میں تو بس ایسے ہی مذاق کر رہا تھا ناں۔“

”سوچتی ہوگی وہ تمہارے بارے میں کہیں رشتے کی بات کرے گی تو کیا کہیں گی۔“ سہمہ نے سر ہٹا لیا۔

”اوہو..... کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ وہ لوگ خوش ہو جائیں گے کہ دیکھو ایسا فوجی اور ہر دم مذاق مستی کرنے والا بندہ کہاں ملے گا؟“ اٹھ رہے سہمہ کو گلے لگایا۔

☆.....☆.....☆.....☆

”میں سچ کہہ رہی ہوں رضیہ برابر دالی مسز شہزادہ کو اپنے بیٹے کے لیے اچھی بڑھی لکھی لڑکی چاہیے اور میں نے آپ کی بیٹی کا ذکر بھی کیا ہے بلکہ وہ ابھی دیکھی بھی چکی ہے اپنی درمی کو۔“ رضوانہ کو سہمہ کے بارے میں تفصیل سے بتا کر اب اصل موضوع کی طرف آئی تھیں۔ مسرگل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ابھی تمام معاملات طے کر دیں۔

”اچھا انہوں نے میری بیٹی کو دیکھ لیا۔ پھر ان سے ضرور پوچھنا کہ کیسی لگی اور ان کا بیٹا کیسا ہے؟“

”میں نے دیکھا ہے اچھا ہے۔ لہذا چڑا ہے دکھنے میں بھی اچھا ہے سچی۔“ رضوانہ نے آنکھیں میچ کر بتایا

جب کہ اس کی ساری باتیں پوشیدہ ہی رکھی تھیں۔

”خود مسز شہزادہ کیسی ہیں؟ بھی میں ابھی سے بتا رہی ہوں مجھے ایسی سانس نہیں چاہیے جو میری بیٹی کو بلا وجہ ٹوٹے اور ان کے گھر میں کوئی نوکر ہے؟“ رضوانہ بیگم نے ہاتھ نچا کر صاف بات کی۔

”خود کی بیٹی کو دیکھا ہے؟ کھانا کانا آتا نہیں اور بات کرنے میں تو ایسی فرارے باز ہے کہ بس.....“ رضوانہ نے دل میں سوچا۔

”نوکر تو نہیں ہے البتہ وہ لوگ اچھے ہیں اور یہاں نئے ہیں غالباً آپ کی بھی ان سے علیک سلیک نہیں ہوئی ناں۔“

”اچھا..... ٹھیک ہے مل لیں گے کسی دن۔“ گہرا سانس لیتے ہوئے رضیہ بیگم نے کہا۔

”لیکن آپ بھی تو زوری کو کچھ یکھادیں ناں۔“ ڈرتے ڈرتے رضوانہ نے کہا۔

”ارے تو تھوڑا بہت تو آتا ہے ناں۔ آگے بھی سیکھ لے گی اور دیے بھی جہاں نوکر ہوتے ہیں وہاں کام کی کیا ضرورت میری بیٹی کو؟“ رضیہ بیگم نے بالکل دد ستانہ انداز میں رضوانہ کو کہا تو وہ بھی جبراً مسکرا کر فقط سر ہلاتی رہ گئیں اور الوداعی کلمات کہہ کر رضیہ بیگم کے ساتھ وہاں سے باہر نکل آئیں۔

رضیہ بیگم نے انہیں دروازے تک چھوڑا اور باہر جھانک کر دیکھا کہ کہیں سے برابر والے گھر کا فوجی بیٹا انہیں بھی دکھ جائے۔

”امی..... رشی آئی چلی گئی تو آپ کیوں باہر کھڑی ہیں؟ اندر آ جائیں ناں۔“ وہ جواو پر ٹیئرس پر کھڑی ہوا خوری کر رہی تھی نیچے کھڑی رضیہ کو دیکھا تو چلا کر بولی۔

”آرام سے بول..... گلے میں کیا لاؤ ڈاؤ ڈاؤ! پتیکر فٹ کر رکھا ہے۔ اتنی زور سے بولتی ہو کہ دل ہی اچھل کر حلق میں آجاتا ہے۔“ دروازہ بند کیا اور وہیں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

”آپ کا دل تو واقعی بہت کمال کا ہے بھی۔ ہر بات پر

اچھل کر حلق میں آجاتا ہے اور ایک ہمارا دل ہے وہیں کا وہیں رہتا ہے۔“ وہ جو گرمی میں بھی کالی کڑنی اور جیٹ پھن کر غضب ڈھاری تھی۔ اس بات سے بے خبر کہ اطہر نیچے کھڑا اُسے دیکھ رہا ہے۔ وہ دونوں ہاتھ کمر میں رکھے مسکراتے ہوئے اُس دوشیزہ کو دیکھ رہا تھا۔

”چپ کر لو یہ بتاؤ پر کیا کر رہی ہے؟ نیچے آ اور برتن اٹھا کچن سمیٹ۔“

”ہاں میرا بس یہی کام رہ گیا ہے ناں وہ ریشی آئی آتی ہیں سب کھانی کے چلی جاتیں ہیں اور سرخالی پٹیں دیکھ کر دل جلا جلا کر بس دھونی رہوں۔“

”نہیں تو اور کیا کرتا ہے؟ بھوک نہ دھو۔“ رضیہ بیگم نے چلا کر کہا۔

”کہاں سے آپ ماڈرن ماں لگتی ہیں ہماری؟ ہر کام تو ہم سے کروانی ہیں خاص کر وہ پیاز کاٹنے والا سب سے گندہ کام۔ کہاں سے ماڈرن ہیں آج مجھے یہ بتا دیں آپ۔“ زرافشاں نے جس قدر معصومیت اور مسکین چہرہ بنا کر کہا اطہر کا بس نہیں چل رہا تھا ایک زوردار تہہ لگائے۔

”الٹ کرے کٹرول کر خود کو۔“ اطہر نے دل میں کہا۔

”تم باز نہیں آؤ گی ناں۔“ رضیہ بیگم نے اپنی چہل اتاری اور ہاتھ میں لے لی۔

”یہ دیکھو۔ یہ ظلم ہو رہا ہے اپنی اولاد بردہ بھی لڑکی پر؟ نہ میں یہ پوچھوں ذرا کہ کون سا میرے گھر میں نوکر ہیں جو آپ میرے کسی ہوتے سوتے سرال میں نوکر دیکھ رہی ہیں؟“

”تمہاری تو ابھی میں پٹائی لگاتی ہوں..... آتی ہوں اوپر۔“ رضیہ بیگم نے دانت پیسے اور زرافشاں اچھل پڑی اور سر پٹ بھاگی اور جا کر کمرے کا دروازہ لاک کر لیا۔ اطہر وہیں کھڑا ان کی ڈائلاگ بازی سن کر درد ہوا ہوئے جا رہا تھا۔ رضیہ بیگم تیزی سے چلتی ہوئی لوہا آئیں اور زرافشاں کے کمرے کا دروازہ زور زور سے پینے لگیں۔

خود زرافشاں میڈم مزے سے موبائل پہ ہنڈ فری لگا کر گانوں سے لطف اندوز ہونے لگی۔ بیڈ پر لیٹی اپنے

بیروں کو ایک دوسرے پر رکھے جھلار رہی تھی۔

”نالائق اولاد..... یہ خوب ہے لاک تو لاک بند کندی بھی لگا دیتا کہ چابی سے کھولنا پڑے تب بھی نہ کھول سکے ہونہ۔“ آنے دو خود ہی جب نیچے آئے گی تو سیدھا کمرہ لگی۔“ رضیہ بیگم جھلانی ہوئی نیچے آئیں اور محترمہ زرافشاں اپنے موبائل میں مگن رہی۔

☆.....☆.....☆.....☆

”تمہاری چھٹیاں کب تک ہیں؟“ رات کھانا پر شہزادہ صاحب نے پوچھا۔

”ابھی تو بچہ آیا ہے اور آپ اُس سے جانے کا پوچھ رہے ہیں؟“ سیمہ نے برا سامنا بنایا۔

”ابو..... ابھی کچھ دن ہوں مزید۔ آپ کہیں۔“ اطہر نے چادر پلٹ میں نکالتے ہوئے جواب دیا۔

”نہیں بس ایسے ہی پوچھ رہا تھا۔ چلو تم آرام سے کھا کھاؤ۔“ شہزادہ صاحب نے سیمہ کو دیکھا جو آنکھیں دکھا رہی تھی۔

”اور تم سناؤ بیگم۔ بہو ڈھونڈنے والا مشن کہاں تک پہنچا؟“

”مجھ سے کیا پوچھ رہے ہیں اپنے صاحب زادے سے پوچھیں۔“ سیمہ نے ہنکارا بھرا۔

”میں نے کیا کرو یا جو مجھ سے پوچھنا ہے؟“ اطہر نے حیرانی سے اپنی ماں کو دیکھا۔

”دیکھیں..... دیکھیں ذرا اسے۔ کتنی معصومیت سے پوچھ رہا ہے جیسے کچھ جانتا ہی نہ ہو۔“ اطہر نے انہیں بخور دیکھا۔

”مجھے بتا دیں بھئی میں نے کیا کیا ہے؟ کھانے کے وقت یہ باتیں لے کر بیٹھ جاتے ہیں آپ لوگ۔ سکون سے کھانا تو کھانے دیا کریں۔“

”بس تم رہتے دو۔ یہی ایک وقت ہوتا ہے جب تمہارے ابو بھی ہوتے ہیں تو آرام سے بات چیت ہو جاتی ہے اس وقت تم ایسے منہ نہاتے ہو اور پھر اگلے دن شادی شادی کر رہے ہوتے ہو۔“ سیمہ بھی کم کہاں تھی

”اور ہاں جو کرنا ہو کریں مجھ سے پوچھیں نہیں اب۔“ بے زاری سے گہری سانس لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”کھانا تو کھا لیا۔“

”نہیں ابواب بھوک نہیں۔“ ڈرامائی انداز میں ہاتھ اٹھا کر اطہر نے کہا اور بیڑھیاں چڑھ گیا۔

”آپ بھی حد کرتی ہیں کبھی بھار۔“ شہزادہ بھی اٹھے۔

”لو میں نے کیا کہا ایسا؟“

”کچھ نہیں آپ تو کچھ کہتی ہی نہیں اس بات کا ہی تو افسوس ہے۔“ سیمہ نے منہ بسورا اور برتن سینے لگی۔ اطہر کمرے میں آیا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔

بچوں کی طرح چھلنے کے بعد اُس نے تکیہ اٹھا اور اپنے منہ کے اوپر رکھا۔ تکیہ ہٹا کر ہلکی رفتار میں چلتے ہوئے پٹکے کو دیکھا اور کچھ سوچ کر وہ اٹھا اور ٹیرس تک آیا۔

”وہ ہوگی یا نہیں ہوگی۔“ دل میں خیال آیا۔

”کوئی دیکھ تو نہیں رہا یہاں۔“ مایوس ہو کر وہ واپس کمرے میں جانے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ کسی کی آہٹ سنائی دی۔

”اوہیلو لڑکی۔“ زرافشاں مگن جھومتی ہوئی گانا گا رہی تھی۔

”ارے چیخو تو نہیں یہاں دوسرے لوگ بھی رہتے ہیں کیوں کان بھاڑنے میں لگی ہوئی ہو۔“ زرافشاں تھوڑا اور آگے آئی اور اچانک سے آنکھیں کھولیں اور چیختی تو ساتھ میں اطہر بھی چلا یا۔

”ک..... کون ہو تم؟“

”میرے خیال سے لڑکا ہوں اور تم لڑکی۔ مجھے نہ پوچھنے کی ضرورت ہے نہ تمہیں بتانے کی۔“ اطہر دیوار کی لوٹ سے اپنا چہرہ اُس کی ٹیرس کی طرف کئے ہوئے تھا اب اطمینان سے جواب دیا۔

”شرم نہیں آتی؟ یوں کسی کے بھی ٹیرس میں جھانکنا خاص کر لڑکی کے۔“ زرافشاں نے ہنڈ فری اتاری اور گھبراہٹ چہرے سے واضح تھی وہ محظوظ ہوا۔

”نہیں مجھے بالکل بھی شرم سے شرم نہیں آتی لیکن

”اف میرے اللہ.....“ اطہر نے گہری سانس لی۔

”یہ میں کیساں رہا ہوں برخودار؟“

”ابو..... میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ اب امی ہی کسی رشتے والی کو گھر لے آئیں اور میرا بخور معائنہ کر دیا اور گفتیش بھی ہوئی تو کیا میرا حق نہیں بنتا کہ میں امی کو تنگ کر دوں؟“

”ہاں..... ہاں کر لو ماں کو تنگ۔ میں بھی ایسی بہو لاؤں گی جو بس میری ہی بات سنے۔“ سیمہ نے ہنوز نظریں پلٹتے ہی جمائے رکھیں۔

”لائیں گی تو تب ناں جب میں بھی مانوں گا رشتے کے لیے۔“ اطہر نے دھونس جماتے ہوئے کہا۔

”دیکھا..... دیکھا۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ کوئی لڑکی ہے۔ کون ہے وہ بتاؤ مجھے اب۔“ سیمہ کی بات سن کر اطہر نے سر تھا لیا۔

”بھئی کہہ تو چکا ہوں کوئی نہیں ہے۔ کھانے کے وقت اس طرح کی باتیں نہیں کیا کریں بھئی ہر بات کا اپنا ایک وقت اور ماحول ہوتا ہے۔“

”ویسے زوجہ بیگم۔ برخودار بات کہہ تو صحیح رہے ہیں۔“

”تمہارے لیے تو واقعی وہی لڑکی صحیح ہے تیز زبان والی لیکن افسوس مجھے وہ ایک آنکھ نہ بھائی۔“ سیمہ نے دل میں سوچا۔

”ہاں آپ بس اس کی ہی سنیں میری تو کوئی بات سمجھنی ہی نہیں ہے ناں جیسے؟“

”بھئی اب اگر کوئی نہیں ہے تو زبردستی تو یہ بھی لانے سے بد۔“ شہزادہ صاحب نے اطہر کا دفاع کیا۔

”ٹھیک ہے نہیں ہوگی کوئی لیکن جب میں شادی کی بات کر رہی ہوں تو پوچھیں ذرا اس سے کہ یہ ماں کیوں نہیں بہا۔“ سیمہ کا لہجہ تدریس تیز ہوا۔

”میں نے کب کہا ایسا؟ خود ہی بات کر رہی ہیں خود ہی الجھ رہی ہیں آپ۔“ اطہر نے خنڈ لے لہجہ میں کہا۔

تمہیں بھی نہیں آتی یہ بھی مجھے پتا ہے۔“ اطہر نے زبان چڑائی۔

”تم.....“

”ہاں..... میں کیا؟“

”بھئی میں نے ایسا کیا کر دیا جو بے شرم کہہ رہے ہو؟ نہ جان نہ پہچان ایویں میں خواخواہ۔“ زرافشاں نے وائٹ پیسے۔

”رات کے وقت جہاں لوگ سکون سے سونا چاہتے ہیں تم اپنی بے سری آواز میں اتنی اونچی آواز کے ساتھ گانے گاؤ کی تو کس کے کان سلامت رہیں گے؟“

”کیا..... کیا..... کہا.....! میں بے سری؟ تم ہو گے بے سُرے۔“

”اجی ابھی تک آپ نے میری آواز سنی ہی کہاں ہے میں جب گاتا ہوں ناں تو لڑکیاں یوں فدا ہونے لگتی ہیں۔“ اطہر نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر زرافشاں تلملائی۔

”ویسے مجھے صبح اٹھ کر تمہارے گھر والوں سے شکایت کرنی پڑے گی۔“ ایک دم اُس نے چہرے پہ سنجیدگی طاری کی۔

”کیوں..... شکایت کرنی پڑے گی؟“ زرافشاں نے تھوک لگلا۔

”تو اور کس سے کرنی ہے تمہاری شکایت؟ پڑوسیوں کے حقوق سے ناواقف لڑکی۔“

”اے لڑکے..... زیادہ بولا ناں تو یہیں سے ہی تمہارے بال کھینچ کر تمہیں نیچے گرا دوں گی سمجھ۔“ اطہر تھوڑے فاصلے پر جا کر کھڑا ہو گیا زرافشاں کے ارادے واقعی خطرناک لگ رہے تھے۔

”دیکھا..... ڈر گئے ناں۔ اب زیادہ بولا ناں تو میں ہی تمہارے گھر آ جاؤں گی کل۔ بلکہ ابھی کہو تو ابھی آ جاؤں اور پوچھوں کہ یہ لڑکا یہاں رات کو کیا کر رہا ہے ہاں؟“ اب کی بار زرافشاں آگے بڑھی اور اطہر کی ٹیس کی جانب منہ کیا تو اطہر ایک دم اُس کے منہ کے قریب ہو گیا۔

”تو آ جاؤ ناں۔ کس نے منع کیا ہے۔“ شریری مسکراہٹ سجاتے ہوئے ہلکی آواز میں اطہر نے کہا تو زرافشاں ایک دم پیچھے ہوئی۔ ”ہاں تو کیا فرما رہی تھیں محترمہ آپ؟“ زیر لب مسکرا کر اطہر نے زرافشاں کو دیکھا۔

”دیکھ لوں گی میں تمہیں کسی دن صحیح سے۔ ابھی میرا موڈ اچھا نہیں ورنہ.....“

”ورنہ کیا؟ کیا؟ بتاؤ بتاؤ۔“ خونخوار نظروں سے زرافشاں نے اطہر کو دیکھا اور غراتے ہوئے کہا۔

”دفع ہو۔“ اور پھر پختی ہوئی واپس اپنے کمرے کی طرف آ گئی۔

”ہائے آج کی یہ حسین ملاقات اور ہماری رومانٹک گفتگو یاد رہے گی۔“ سر پر ہاتھ پھیر کر ہنستا ہوا وہ بھی کمرے میں آ گیا اور گہری سانس لے کر بیڈ پہ لیٹ گیا۔

”آج واقعی سکون کی نیند آئے گی۔“

☆.....☆.....☆.....☆

”کیا لکھ رہی ہیں؟“ اگلے دن صبح زرافشاں نیچترتی اور رضیہ بیگم کو کچھ لکھتے دیکھا تو پوچھا۔

”اٹھ گئی مہارانی کیسی گزری رات؟ کھانا تو اچھے سے کھایا تھا ناں؟“ بیگم کی نظروں سے رضیہ بیگم نے زرافشاں کو دیکھا تو اُسے یاد آیا کہ رات سے اُس نے کچھ نہیں کھایا۔

”امی..... ناشتہ ہے یا میں خود بناؤں؟“ افسردہ چہرہ رکھنا ہیات معصومیت سے زرافشاں نے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں یہاں تو آپ کے لیے ہزار نوکر ہاتھ باندھے کھڑے ہیں ناں جو صبح شام بس آپ کی خدمت کے لیے تعین رہیں؟“ بیگم کی غصے سے رضیہ بیگم نے جواب دیا۔

”چلو کچن میں جاؤ کم از کم چائے تو پکاؤ باقی میں کمل ہوں۔“ کھلکھلاتے ہوئے اُس نے رضیہ بیگم کو گلے لگایا اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔ چائے کا پانی چڑھاتے ہوئے ایک بار پھر اُسے پیاز کاٹنے کا آرڈر آیا تھا۔

چلی گئیں اور زرافشاں نے برتن سمیٹے۔

☆.....☆.....☆.....☆

اطہر سستی سے اٹھا اور بستر پر یونہی بیٹھا رہا آنکھیں بند کر کے رات والے واقعے کو سوچ کر منکر کیا اور انگڑائی لیتے ہوئے وہ اٹھا اور فریش ہونے چل دیا۔ اطہر کی صبح حسب معمول ہوئی تھی جب کہ رات زرافشاں سے ہونے والی ملاقات نے اسے مسرور کر رکھا تھا۔

”صبح بخیر اماں حضور“ وہ جوکل روٹھ کر کھانا چھوڑ کر چلا گیا تھا آج اچھے موڈ میں سیمہ سے بات کر رہا تھا۔

”کیا بات ہے جناب۔ کل والا غصہ کس طرح اڑن چھو ہو گیا کہ آج ماں سے اتنے اچھے انداز میں بات کی جا رہی ہے۔“

”آپ کا مسئلہ پتا ہے کیا ہے؟“ سیمہ کو اطمینان سے کہہ دیا۔

”آپ کسی حال میں خوش نہیں۔ آپ کا بیٹا جب آپ سے غرے کرتا ہے تو اُسے منانے کے بجائے چھوڑ دیتی ہیں اور جب وہ بھول بھال کر آپ اچھے موڈ میں بات کرے تو آپ کو یہ بھی مہضم نہیں؟“

”اپنی یہ فوجی اکڑ وہیں جا کر دکھاؤ مجھے نہ دکھاؤ سمجھے۔“
سیمہ نے منہ پھلا کر کہا۔

”اور اب آپ رومی ہوئی محبوبہ کی طرح منہ پھلا کر بیٹھ گئی ہیں۔“

”تم کس طرح کوئی بنو گے۔ مجھے تو سوچ سونچا لری ہے
ہول اٹھ رہے ہیں۔“ سیمہ نے ایسے سر پکڑا جیسے بس ابھی
یہی چکر آ جا میں گئے۔

”میں بہت اچھا فوجی ہوں۔“ اظہر نے مسکرا کر کہا۔

☆.....☆.....☆.....☆

”اُس لڑکے کی وجہ سے میرا میسر پہ جانے کا یہی دل نہیں کر رہا نجانے کب کہاں سے فٹک پڑے۔“ وہ میگزین کے اوراق کو بے پردی سے الٹ رہی تھی جب کہ میسر بر جانے کے لیے دل چل رہا تھا۔

204 2012

”ہاں یہ ٹھیک ہے یہ کرنا چاہیے۔“ ایک خیال اسے
گدگدایا، محبت نے بھی اپنے حصار میں لے لیا تھا لیکن
ابھی وہ ان چیزوں کو سمجھنے سے قاصر تھی۔

”اصل میں ہم یہاں نئے ہیں زیادہ نہیں بس کچھ ماہ ہوئے ہیں اور رضوانہ سے آپ کے بارے میں سنا تو سوچا مل ہی نلوں تو خالی ہاتھ آنا اچھا نہیں لگا۔“

چھوٹی سی ڈانٹنگ ٹیبل کی کرسی پر بیٹھی۔
 ”ہمیں کبھی باہر کبھی اندر بھی۔“

”اچھا اچھا..... اور گھر میں کون کون ہے؟“

”جی میں میرے شوہر اور دو چھوٹے بیٹے ہیں ایک بیٹی ہے بڑی اور آپ کے؟“

”میرا بس ایک ہی بیٹا ہے اور تنوہر ہیں۔ اچھا پاپیڑ چائے میں چینی نہیں ڈال لیے گا۔“ سمہ نے چائے لپکانی رضیہ سے کہا۔

”امی مجھے سمجھ نہیں آ رہا ان دونوں میں سے کون سا نہیں اب آپ دیکھ لیں پھر نہ کہیں گا کہ رشی کے آگے بے

مزنٰی.....“ وہ بے پروائی سے دواستری شدہ جوڑیے ہاتھ میں تھامے کچن کے دووازے میں کھڑی پوچھ رہی تھی اس بات سے بے خبر کہ گھر میں کوئی مہمان بھی آیا ہوا ہے۔

ضمیمہ یکم نے اسے غصے سے کھڑا۔

آنچل ❁ لومبر

”السلام علیکم“ آپ وہ برابر والی آنے ہیں ناں؟“ وہ اُسی بڑھتے چلے میں سیمہ سے ملی۔

”ہاں بالکل میں وہی ہوں۔ نام کیا ہے تمہارا؟“

”زرافشاں.....“ آنھیں پھیلیں۔
 ”اودھ تو آپ دونوں مل چکے ہیں؟“ رضیہ نے حیرانی سے دونوں کو دیکھا۔

”ہاں بس دو کھڑی کے لیے۔“ عسیمہ نے جواب دیا۔
 ”اچھا آپ چائے لیں اور تم زری جا کر تیار ہو جاؤ۔“
 رضیہ بیگم نے چائے اور دیگر لوازمات رکھے۔ زرافشاں بھی

ثبات میں سر ہلائی ہوئی چلی گئی یہ بھی عیسیت تھا کہ اس نے مزید کوئی بات نہیں کی تھی۔

”وہ کیا ہے ناں۔ اکلوتی ہے، تو اکثر میں بتاتی

رہتی ہوں کہ کیا پہنوا کیا نہیں ورنہ اس کا بس چلے تو ہر وقت یہ عجیب چلیے میں ہی رہے۔ آج کل کی لڑکیاں بھی ٹال بس۔“

”ارے کوئی بات ہمیں مسز شہزاد۔ اچھا ہے ناں آپ سے مشورہ لیتی ہے ورنہ آج کل کی لڑکیاں تو فیشن کے نام پہ نجانے کیا کیا پہنتی ہیں۔“ سیمہ نے جبراً مسکرا

”یہ برابر سے آئیں ہیں۔ تو اس کا مطلب وہ لڑکا ان کا
 بیٹا ہوگا؟“ اپنے کمرے میں جاتے ہوئے زرافشاں نے

”اف اب اگر یہ آئیں ہیں تو وہ لڑکا بھی یہاں آئے گا؟ یعنی وہ آکر میری شکایت نہ کر دے۔ اف میرے

”تو رمضان کو آج آتا ہے یہاں؟“ عیسہ نے چائے کا

”ہاں۔ بس وہی رشتے کی وجہ سے۔“ گہرا سانس

205 ء۲۰۱۷

لے ہوئے رضیہ بیگم نے جواب دیا۔
”تو کیا کہیں رشتہ نہیں ہو رہا؟“

”اگرے..... نہیں نہیں بہن رشتے تو بہت ہیں لیکن کوئی زرافشاں کے جوڑ کا نہیں مل رہا۔“ رضیہ بیگم نے وضاحت دی۔

”اچھا اچھا..... کوئی بات نہیں مل جائے گا کوئی اپنا رشتہ۔“

”بی ان شاء اللہ“ دونوں اب ادھر ادھر کی بات لسنے لگی تھیں۔

☆.....☆.....☆.....☆

دوسری طرف اطہر جو ابھی تک سویا ہوا تھا اٹھا تو فریٹش اور بیچے آیا۔

”اماں؟“ وہ اب سیدہ کو آوازیں دینے لگا۔

”اماں کہاں ہیں آپ؟“ کچن میں بھی آ کر دیکھا۔

”یہ اماں حضور کہاں چلی گئیں؟ اوپر کمرے میں جا کر اہٹا ہوں۔“ وہ واپس اوپر کمرے میں آیا لیکن بے سوو۔

اور وہ خالی تھا۔

”پتا نہیں کہاں چلی گئیں۔“ بڑبڑاتے ہوئے وہ ٹیرس لے لیا۔

زرافشاں نے بی بی پنک شلوار قمیص پہنے گرمی میں بھی بلا لیا، ٹوب صورت لگ رہی تھی۔ لمبے گھٹنے بال جو اس نے

مہول رکھے تھے ہوا سے اڑ رہے تھے اور وہ آنکھیں بند کر لے اس سب سے محفوظ ہو رہی تھی وہیں اطہر بھی نظر بھر کر

اٹھ کھڑا تھا۔

”کیا بات ہے آج تو بڑی بیماری لگ رہی ہو.....“ یہ

نہی زرافشاں نے آنکھیں کھولیں اور منہ پھیر کر دوسری

ہاٹ دیکھا تو اطہر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”شرم نہیں آتی یوں لڑکی کو دیکھ رہے ہو؟“ زرافشاں

ایک دم خود کو پوچھ رہا تھا۔

”کیا کروں جب صبح ہی صبح ایک حسین دلربا کو دیکھوں

کا دل انظر میں پھیرنے کا دل ہی نہیں چاہے گا۔“ اطہر نے

کہہ لی سانس لی اور ہاتھ باندھ کر اُسے دیکھا۔

”آپ کی امی میرے ہی گھر میں موجود ہیں۔ آپ کہیں تو جا کر آپ کی شکایت لگا دوں؟“

”ابھی جائیں شوق سے شکایت لگائیں۔ بلکہ میرا نام تو پوچھ لیں خلیں میں ہی بتا دیتا ہوں۔“ اطہر نام بے میرا۔

یاد سے میری اماں حضور کو بتائیے گا۔“ اطہر نے جی بھر کے

شوخ انداز میں کہا۔

”اور ہاں پلیز رات میں جب ٹیرس یہ آئیں تو

کچھ کھانے کے لے آئیے گا جیسے کوئی چپس، چمک، آکس

کریم، ٹھیک ہے میں آپ کا رات گیارہ بجے تک انتظار

کروں گا نہیں۔“

”آیا بڑا میرا انتظار کرنے والا۔ ہونہہ میں کیا اس کی

نوکر ہوں، سمجھتا کیا ہے خود کو؟“ اطہر کو زرافشاں نے اوپر

سے نیچے تک دیکھا اور سر جھٹک کر کمرے میں چلی گئی۔

اطہر نے بھی دیکھ لیا تھا کہ سیدہ زرافشاں کے کمرے سے

نکل رہی ہیں تو وہ بھی ہوشیار ہو گیا اور نیچے چلا آیا۔

رات کا انتظار دونوں جانب بے صبری سے ہو رہا

تھا۔ رات کا کھانا دونوں نے ہی بجلت میں کھایا اور

کمرے کی طرف تقریباً بھاگے۔ دس بجے تک دونوں

اپنے اپنے کمروں میں موجود تھے۔ زرافشاں وقت

گزاری کے لیے اپنے موبائل میں موجود گانے سن رہی

تھی اور بار بار وقت دیکھ رہی تھی۔ دوسری طرف اطہر بے

صبری سے گیارہ بجنے کا انتظار کر رہا تھا۔ موبائل میں

نیٹ پوز کر لیتا۔ بھی ٹھیلے لگتا۔ دونوں وقت سے پہلے

ٹیرس پر نہیں جانا چاہتے تھے۔

”کیا کروں کیا کروں اف..... ٹیرس میں جاؤں نہ

جاؤں۔ وہ وہاں پہلے سے ہی موجود ہوگا تو؟ نہیں ہو سکتا

مذاق کیا ہوگا مجھے بس تنگ کرنے کے لیے۔“ وہ ابھی ہاتھ

کے ناخن کترتی سوچ و بچار میں تھی اور بار بار دیوار کی کھڑکی

پر وقت دیکھ رہی تھی۔

جیسے ہی گیارہ بجے اطہر نے ٹیرس کا دروازہ کھولا اور

باہر قدم رکھا۔ ہاتھ ملتا ہوا وہ سامنے ریلنگ کی جانب آیا اور

دوسری طرف ٹیرس میں جھانکا۔

”یہ ابھی تک نہیں آئی؟“ وہ وہیں کھڑا انتظار کرنے لگا۔

”کیا کروں باہر جاؤں یا نہ جاؤں؟“ زرافشاں کمرے میں ٹہل رہی تھی اور اسی سوچ میں محو تھی کہ جائے یا نہ

جائے۔

”وہ انتظار کر رہا ہوگا ناں؟“ خود کلائی کرتے ہوئے سر

کھجایا اور واپس آ کر بیٹھی۔

”بھائو میں جانے بھلے سے انتظار کر رہے۔ میں نے

تھوڑی نہ کہا تھا آنے کو؟“ وہ دونوں گھٹنے موڑ کر بیٹھی اور بے

چینی سے سر گھٹنے پہنکا یا۔

”کیا مصیبت ہے بھئی؟“ پاس رکھے موبائل کو دیکھا

جو اس وقت گیارہ بج کر دس منٹ کا وقت بتا رہا تھا۔ اطہر

نے بھی چہل قدمی شروع کر دی۔

”اس لڑکی کو کہا بھی تھا کہ آئے۔ ایک تو اس کا نام بھی

نہیں پتا کہ بلا سکوں۔“ وہ جھنجھلیا۔ دونوں کو انتظار کرتے

ہوئے آدھا گھنٹہ گزر چکا تھا۔

”اب تو وہ چلا گیا ہوگا۔ انتظار تھوڑی نہ کر رہا ہوگا۔

جا کر دیکھتی ہوں۔“ زرافشاں اٹھی اور ٹیرس تک آئی۔ ٹیرس

کا دروازہ آہستگی سے کھولا اور باہر آئی۔ اپنی ٹیرس کی

ریلنگ پر آ کر اس نے اطہر کی ٹیرس پر جھانکا۔

”ہونہہ..... چلا گیا۔ بڑا آیا تھا انتظار کرنے والا۔ آدھا

گھنٹہ بھی انتظار نہ کر سکا۔“

”مہجی آپ کہیں تو پوری زندگی آپ کے انتظار میں

گزار دوں آپ بس حکم کریں۔“ وہ اچانک سے سامنے آیا

جو دیوار کی جانب کھڑا تھا کہ زرافشاں دیکھ نہ سکے۔

زرافشاں کا دل زور سے دھڑکا۔

”مہربانی کر کے چیخنا نہیں۔“ زرافشاں نے منہ

کھولا یہ تھا شاید چیخنے کے لیے لیکن اطہر کی بات سن کر

گھورتی رہ گئی۔

”یہ..... یہ کیا تمیزی تھی؟“

”لو کون سی بد تمیزی..... میں نے کیا کیا؟“ اطہر نے

زور سے سوال کیا۔

”چھپ چھپ کر دیکھ رہے تھے کہ میں آئی یا نہیں؟“ زرافشاں نے ناک کیٹھری۔

”او میڈم..... مجھے کوئی شوق نہیں چھپ چھپ کر کارروائی کرنے کی۔“ تو تھک گیا تھا تو دیوار سے لگ گیا

کہ چلو تھوڑی کمر سیدھی کر لوں۔ تم کیا سمجھنے لگی کہ میں تمہیں

سر پرانز دینے لگا تھا؟“ اطہر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

”سر پرانز مائی فٹ۔ سمجھتے کیا ہو خود کو ہاں؟ کہ حکم

دو گے اور میں وہ کام کر لوں گی؟“ زرافشاں نے منہ

پھیر کر کہا۔

”کام کیا تو ہے؟ لیکن لگتا ہے آدھا ادھورا..... چہ چہ

چہ.....“ اطہر نے تاسف سے سر ہلا کر کہا۔

”کون سا کام؟“ وہ جوڑنے کی مہم بات سن کر اُسے

دیکھنے لگی۔

”بی بی میں نے کچھ کھانے کی چیزیں منگوائی تھیں۔

یاد آیا؟“ اطہر نے ہاتھ باندھ کر نہایت ہی سلیقے سے کہا۔

”اوہ..... اچھا اچھا۔ ہاں یاد آیا۔ ویسے تمہیں کیا ہر

وقت بھوک لگی رہتی ہے یا یہ کوئی مخصوص وقت ہوتا ہے؟“

اب جیسے وہ بھی لڑکا چھوڑ کر بیٹھے انداز میں بات کرنے لگی

تھی جیسے دونوں کوئی بہت پرانے دوست ہوں۔

”تمہیں ویسے تو نہیں۔ پر مجھے ملنا تھا ناں تم سے تو سوچا

کیوں نہ کھاتے پیستے چپس بھی لگا لیں۔“ شرارتی انداز

میں زرافشاں کو دیکھ کر مسکرایا۔

”کیا مطلب؟“

”کیوں؟ اب تو ہم دوست بن گئے ناں دیکھو اب مگر

نا نہیں۔“ اطہر نے اپنی مسکراہٹ دہائی اور سامنے کھڑی

زرافشاں کو دیکھا۔

”تم؟“ زرافشاں نے ہمنویں کیٹھریں اور غصے

سے دیکھا۔

”ہاں میں؟“

”اب مجھے یہاں نظر آئے ناں میں نے تمہاری ای

سے پکا شکایت کر دی ہے سمجھے؟“ انگلی کا اشارہ کرتے

ہوئے زرافشاں نے اُسے دھمکایا۔

”اچھا بابا اچھا..... نہیں دکھوں گا اب۔ ویسے ہے تو یہ میرا میرس لیکن کیا کریں جب آپ ہی منع کر دیں۔ بس ٹھیک ہے۔ بندہ ویسے بھی چند دن کا مہمان ہے۔“ منہ کا زاویہ لگاڑتے ہوئے اظہار نے کہا۔

”کیا مطلب چند دن کے مہمان؟“ زرافشاں کی حیرت سے آنکھیں پھیل گئیں۔

”اوہ..... معذرت بس کبھی کبھی یاد دہانی کروانی پڑتی ہے خود کو کہ میں مزید یہاں نہیں رہ سکتا۔ کچھ دن کی بات ہے برداشت کر لیں پھر تو زندگی کا کیا بھروسہ۔“ اظہار دل ہی دل میں ہنس رہا تھا لیکن چہرے پر افسردگی چھا رہی تھی۔ گہری سانس لی اور الوداعی غلمات کہہ کر کمرے میں چلا گیا۔

زرافشاں جیسے سکتے میں تھی اور اظہار صاحب مزے سے بیڈ پر لیٹ کر زرافشاں کی حلیہ کو سوچ سوچ کر مسکرا رہے تھے۔

اظہار تو سکون سے سو گیا لیکن رات بھر زرافشاں کے دل و دماغ میں اظہار کی بات چھائی رہی۔ اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی اور نہ ہی اس نے کوئی وضاحت دی تھی اس لیے وہ رات تک ابھتی رہی۔ اگلے دن زرافشاں رضیہ کے جگانے پر ہی اٹھی تھی۔ نیند سے بوجھل آنکھوں سے وہ رضیہ کی بات سننے اور سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی جو مسلسل اسے وقت کا احساس دلانے کے ساتھ نیچے آنے کا کہہ رہی تھی بلا خراس نے سوئے ہوئے ذہن کو بیدار کیا۔ وہ فریٹ ہو کر نیچے آئی تو رضوانہ بیٹھی ہوئی تھی۔

”کل آئی تھی میں کہاں تم تھیں؟ اور آج دن چڑھے تک سوئی رہی ہو..... خیر ہٹاں؟“

”جی ریشی آئی۔ بس ایسے ہی رات کتاب پڑھ رہی تھی تو وقت نہیں دیکھا اور بس۔“ وہ اُن کے سامنے والے صوفہ پہ بیٹھ گئی۔

”اچھا ٹھیک ہے اور سناؤ کیا ہو رہا ہے آج کل۔“

”بس کچھ خاص نہیں آپ سنائیں کوئی خبر ویں مچلے گی۔“

”اچھا تو سنو۔ وہ نازیہ ہے ناں جس کا ڈیرے سے رشتہ ہوا ہے۔ سنا ہے وہ کسی لڑکے کو پسند کرتی تھی۔“ وہ جو انہماک سے رضوانہ کو نرہی تھی بات سن کر منہ بسورا۔

”کوئی نئی بات کریں ریشی آئی۔ یہ بات تو ہم سب کو پتا ہے کہ وہ اپنے کسی لڑکے کو پسند کرتی تھی۔“

”ارے نہیں نہیں۔ وہ تو اُس کے خالہ کا بیٹا تھا ناں یہ کوئی اور لڑکا ہے۔“ رضوانہ نے بڑی رازداری سے بات کی۔

”کیا کہہ رہی ہو آئی..... واقعی تو اب اُس ڈیرے کا کیا ہوگا؟“

”ارے ہوتا کیا ہے۔ ڈیرے کی بھی یہ تیسری شادی ہے۔ ہاں نہیں تو۔“ رضوانہ کی بات سن کر زرافشاں کا مارے حیرت کے جیسے منہ مکمل ہی رہ گیا۔ جب کہ رضوانہ اب سے پوری تفصیل بتانے لگی تھی اور وہ رات کا قصہ بھلائے انہیں حیرت سے سن رہی تھی۔ رضوانہ نئی بات ختم کر کے اٹھی۔

”اچھا میں اب چلتی ہوں۔ ابھی تک سرشہزاد کے بیٹے کے لیے رشتہ ہی تھانہ نہیں آ رہا۔“

”کون سرشہزاد؟“ زرافشاں نے پوچھا۔

”ارے وہ برابر والی۔ سمہ نام ہے اُن کا۔ طویا تھا ناں اُس دن۔“ رضوانہ نے یاد دلایا۔

”ہاں ہاں..... وہ ہمارے گھر بھی آئی تھیں کل ہیں ناں امی۔“ رضیہ نے گھور کر دیکھا اور چپ رہنے کا اشارہ کیا۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس بات کی خبر رضوانہ کو ہو۔

”اچھا کمال ہے مجھے بتایا نہیں آپ نے رضیہ بیگم؟“

”ہاں وہ یاد نہیں رہا ہوگا۔ ہماری ہی اتنی ہزار باتیں ہوتی ہیں کہ بس۔ خیر جارہی ہو تو میرا سلام بھی دے دینا۔“ رضیہ بیگم نے ایسے جواب دیا جیسے اُن کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔

”ہاں ضرور۔ آپ نے اُن کا بیٹا دیکھا؟“ رضوانہ کی بات سن کر زرافشاں نے آنکھوں کے آگے پچھلی رات والا منظر گھومنے لگا۔

”ہاں اب تو وقت بھی کم ہے اُس کے پاس اس لیے سرشہزاد چاہ رہی تھیں کہ.....“ رضوانہ اور رضیہ بیگم باتیں کر رہے تھے لیکن زرافشاں نے ساری بات سننے کے بجائے بس یہ آخری بات ہی آئی۔

”کیا واقعی اُس کے پاس وقت کم ہے؟“ زرافشاں نے فکر مند سی ہو چھا۔

”ہاں اور کیا۔ اس لیے وہ چاہ رہی ہیں کہ کہیں رشتہ ہو جائے تو اچھا ہے۔“

”اوہ اچھا ٹھیک۔“ زرافشاں نے سر ہلانے میں اکتفا کیا۔

”چلیں میں اب چلتی ہوں۔ پھر ملاقات ہوگی۔ اللہ حافظ۔“ رضوانہ اُن سے مل کر پھر سمہ کے ہاں چلی گئی۔ جب کہ زرافشاں ایک بار پھر اٹھ گئی تھی۔

”پھر کیا سوچا آپ نے؟“ رضوانہ نے پوچھا۔

”کچھ کہوں رضوانہ۔ مجھے بہو کے طور پر وہ بالکل بھی نہیں بھائی۔ ہاں ویسے اچھی ہوگی۔ لیکن میرا دل نہیں مان رہا۔“

”لیکن سرشہزاد وہ دیکھی بھالی بچی ہے میری۔ کافی سالوں سے جانتی ہوں اور پھر دیکھیں آپ کے پڑوس میں ہی تو رہتی ہے اور مجھے لوگ ہیں۔“

”کون سا نبھوں نے رشتے کی بات کی ہے جو اتنا کہہ رہی ہو؟“ سمہ نے چڑ کر کہا۔

”تو آپ ان آئی کی بات مان کیوں نہیں لیتیں؟“ اظہار نے کہا۔

”کیا..... کیا کہا؟“ سمہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ انہیں اس تانت اظہار کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

”بیکو تو کہہ رہا ہوں؟ اچھی لڑکی ہے۔ مجھے اچھی لگی۔ اگر رشتہ ہو جائے تو حرج نہیں۔“ وہ اُن کے بیچ آ کر بیٹھا اور مسکرا کر ان کی بات دہرائی۔

”تم ہوش میں تو ہو..... کیا کہہ رہے ہو؟ اور خواتین کی باتوں میں نہ پڑو تو اچھا ہوگا۔ جاؤ یہاں سے۔“ سمہ کو یوں اظہار کا اظہار کرنا سخت ناگوار گزرا تھا۔

”آپ کو جو فیصلہ کرنا ہے کریں لیکن میری بات بھی سن لیں۔ مجھے وہی لڑکی پسند ہے اور اسی سے شادی کرنے کا سوچ رہا ہوں۔“ اظہار اٹھا اور اپنے نیک ارادے سے آگاہ کر گیا۔

”نی احوال یہاں سے جاؤ مجھے بات کرنے دو۔“ سمہ نے دانت پیسے اور جانے کا عندیہ دیا۔

”ٹھیک ہے لیکن آئی آپ..... آپ نے میرا پیغام اُن تک ضرور پہنچانا ہے۔ ٹھیک ہے ناں۔“ مسکین کی شکل بنا کر اظہار نے رضوانہ کو دیکھا۔ رضوانہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے بس وہ دونوں ماں بیٹے کو دیکھتی رہیں۔

”رضوانہ..... اس کی بات سننے کی کوئی ضرورت نہیں..... میں نے کہہ دیا ہے ناں میں بالکل نہیں چاہتی ایسا ہو۔“ سمہ نے غصے سے رضوانہ کو دیکھا۔

”میں چلتی ہوں سرشہزاد۔ پھر آؤں گی۔ اللہ حافظ۔“ رضوانہ وہاں سے چلی گئی۔ سمہ کو اظہار پہ غصہ تھا۔ رضوانہ کے سامنے اس نے اس طرح سے بات کر کے ان کی عزت ہی گنوا دی تھی۔ اگر وہ واقعی زرافشاں سے محبت کرتا تھا تو انہیں ضرور بتاتا۔

”کیا بات ہے زوجہ بیگم..... سب خیر ہے ناں؟“ رات جب سمہ کمرے میں سونے کے لیے آئیں تو ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر شہزاد صاحب نے پوچھا۔

”کچھ نہیں بس ایسے ہی۔“

”کچھ تو ہے جتنا نہیں چاہتیں تو ٹھیک ہے۔“ شہزاد صاحب نے نظر ہنر کر سمہ کو دیکھا۔

”وہ اصل میں بات یہ ہے کہ.....“ سمہ نے ساری بات اُن کے گوش گزار کر دی۔

”ہمم..... تو یہ بات ہے۔“

”اب بتائیں کیا کروں؟“ سمہ نے پریشانی سے شہزاد صاحب کو دیکھا۔

”اس میں حرج ہی کیا ہے۔ اگر ہمارے لاڈلے صاحب کو کوئی لڑکی پسند آئی ہے تو ٹھیک ہے۔“

”آپ ہمیشہ اظہار ہی کی طرف واری کرتے ہیں۔“

مجھے وہ لڑکی ذرا بھی پسند نہیں۔“ سیدہ نے برا سامنہ بنا کر کہا۔

”لیکن ہمارے بیٹے کو تو پسند ہے ناں۔ تم موقع تو دو اُس بچی کو کیا پتا تمہیں بھی پسند آجائے۔“

”اچھا اچھا..... ابھی سو جائیں پھر بات کریں گے اِس موضوع پر۔“

”جو حکم بیگم صاحبہ۔“ شہزاد صاحب سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔

☆.....☆.....☆

دو دن تک اطہر ٹریس یہ نہیں آیا۔ زرافشاں روز اطہر کا انتظار کرتی نہ چاہتے ہوئے بھی۔ اُس رات بھی وہ میسر کی ریلینگ کے پاس کھڑی موبائل پیگانے سن رہی تھی کہ اطہر کی آمد کا اُسے پتا نہیں لگا۔

”اوہ آپ.....!“ زرافشاں نے پینڈز فری اتاری۔

”جی جی میں۔“

”کافی دن بعد نظر آئے، خیریت تو تھی؟“ زرافشاں نے بلا جھجک پوچھا۔

”ہاں بس طبیعت ذرا بوجھل تھی۔“ زرافشاں کو اطہر کی ہوئی پرانی بات یاد آئی۔

”اوہ تو خیال رکھا کریں ناں اپنا۔“

”ہاں اب تم نے کہا ہے تو ضرور رکھوں گا۔“ اطہر کی بات سن کر وہ جھینپ گئی۔

”اچھا سنو،“ اطہر نے پکارا تو وہ اسے دیکھنے لگی۔

”تم کیاروز ٹریس پائی ہو؟“

”ہاں..... مجھے اچھا لگتا ہے۔“

”اچھا واقعی؟“ اطہر مسکرایا۔

”ظاہر ہے کیوں اچھا نہیں لگے گا۔“ سر کو جھٹک کر زرافشاں نے جواب دیا۔

”اب تو مجھے بھی اچھا لگنے لگا ہے آتا یہاں لیکن.....“

اطہر کہتے کہتے خاموش ہوا۔

”تمہیں کچھ پکارنا آتا ہے؟“

”کیا مطلب؟“ اطہر نے زرافشاں کو دیکھا اور ہنسا۔

”مطلب کچھ کھانا پکانا آتا ہے؟“

”شرم نہیں آتی لڑکیوں سے ایسے سوال کرتے ہوئے؟“

”کیا اب اِس میں بھی شرم..... میں نے کون سا تمہاری عمر پوچھی؟“ اطہر نے مسکرا کر کہا۔

”میں نے کوئی لطیفہ سنایا ہے کیا؟“

”نہیں نہیں..... جو خود لطیفہ ہو وہ کیسے لطیفہ بنا سکتی ہے؟“ اطہر نے اب کی بار ٹیسی دبا کر کہا۔

”ہاں یہ بات تو ٹھیک کہی۔ لیکن مطلب کیا ہوا اِس بات کا؟“ زرافشاں نے ناجبھی سے پوچھا۔

”انف..... کچھ نہیں۔ یہ بتاؤ مجھے کل کیا پکا کے کھلا رہی ہو؟“

”کیا.....! میں کیوں کچھ پکانے لگی اور تمہیں کھلانے لگی؟“ زرافشاں نے غصے سے اسے کھورا۔

”ارے بتایا تو تھا میں.....“

”ہاں ہاں..... پتا ہے۔ کتنی دفعہ کہو گے؟“ زرافشاں چڑی۔

”تو ٹھیک ہے اب کل دوپہر تم میرے گھر آؤ گی اور کچھ پکا کر بھی لاؤ گی سمجھیں۔“

”کیا.....! میں کیوں آنے لگی بھلا؟“ زرافشاں نے کمر پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

”کیوں کہ میں نے کہا ہے اِس لیے۔ اب چلو میں سونے جا رہا ہوں۔ کل دوپہر کو ملے ہیں۔“ زرافشاں نے پیر غٹھا اور اطہر مڑے سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اگلی صبح اچھٹے ہی زرافشاں فریش ہوئی اور چکن میں آگئی اس کا ارادہ آج کچھ پکانے کا تھا۔

”امی..... میں سوچ رہی ہوں برابر والی آنٹی سے مل آؤں۔“

”ہیں.....! کیا کس سے ملنا ہے؟“ رضیہ بیگم نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”میرا مطلب۔ وہ آنٹی آنی تھیں ناں ہم سے ملنے تو کیوں نہ آج ہم جائیں دوپہر میں اور کچھ پکا کر بھی

لے جائیں۔“

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟“ رضیہ بیگم نے اُس کے ماتھے پہ ہاتھ رکھا۔

”کیا کر رہی ہیں امی؟“ زرافشاں نے اُن کا ہاتھ ہٹایا۔

”دیکھ رہی ہوں کہیں بخار تو نہیں ہے چوایسی باتیں کر رہی ہو؟“ دونوں ڈانٹنگ ٹیبل پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

”میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی..... جیسے وہ ملنے آئیں تھیں دیے ہمارا بھی تو فرض بنتا ہے ناں۔ تو بس یہی کہا کر آپ بھی چلیں مل کر آتے ہیں اور کچھ اچھا سا پکا بھی لیں بلکہ کہیں تو میں بھی آپ کی مدد کروں گی۔“

”تم..... اور میری مدد بس یہی کر گیا تھا..... میرے خیال سے ہمیں ڈاکٹر کے پاس واقعی جانا چاہیے۔ تمہاری طبیعت خراب لگ رہی ہے مجھے۔“ وہ کھڑی ہوئیں تو زرافشاں نے اُن کا بازو پکڑا۔

”امی..... میں نے جانا ہے وہاں وہ بھی دوپہر میں ہی بس مجھے کچھ نہیں پتا۔ اگر آپ نے میری مدد نہیں کی تو میں خود سے ہی کچھ نہ کچھ پکالوں گی اور لے جاؤں گی۔“ حتمی انداز میں زرافشاں نے ٹیبل پر کما کرتے ہوئے کہا۔

”جو جی میں آئے کرو اور جانا ہو تو خود ہی چلی جانا۔ میں نہیں جانے لگی تمہارے ساتھ کہیں۔“ وہ انھیں اور زرافشاں بل کھا کے رہ گئی۔ پورا وقت اُس نے اسی سوچ میں گزار دیا کہ کیا پکائے۔ دوپہر میں اُس کے دونوں بھائی اسکول سے آئے تو آتے ہی بھوک بھوک چلاتا شروع کر دیا۔

”کیا مصیبت ہے..... آتے ہی کوئی چلاتا ہو؟“ ابرو اچکا کر زرافشاں نے علی اور ناصر کو دیکھا۔

”تو کیا کریں ہم بھی انسان ہیں اور بھوک لگنا تو فطری بات ہے۔ اب ہم بھوک کی حالت میں بھوک بھوک نہیں چلاؤ گے تو کیا کہیں گے؟“ ناصر نے تیوری چڑھا کر کہا۔

”یہ آج کل کے بچے بھی ناں۔“ وہ بڑبڑائی۔

”تم نے تو کہا تھا کہ پکاؤ گی کچھ نہ کچھ کیوں اب صرف سوچنے میں ہی وقت ضائع کرو؟“

”وہ امی..... میں ناں کوئی اچھی سی ترکیب سوچ رہی تھی کہ کیا پکاؤں اِس لیے وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔“ وہ منمنائی تو رضیہ بیگم نے اُسے غصے سے دیکھا اور دونوں بھائی زرافشاں پہ ہنسنے لگے۔

”میں نے ہانڈی چڑھا دی ہے جا کر دیکھ لینا۔“ زرافشاں طویاؤ کر لیا اگلی اور چکن میں جا کر کچھ گھما لگی۔

کچھ دیر میں کھٹی کٹی رضیہ بیگم نے ہی ہوا زہ کھولا۔

”السلام علیکم آئی۔“ آنے والے نے سلام کیا۔

”جی وعلیکم السلام؟“ رضیہ بیگم نے دوپٹے سے اپنا منہ پونچھا۔

”میں اطہر ہوں۔ برابر والے گھر میں رہتا ہوں۔“

”اوہ اچھا اچھا۔ فوج والے ہوتاں..... مسز شہزاد کے بیٹے؟“ اطہر نے اثبات میں سر ہلایا۔

”آؤ..... آؤ۔“ زرافشاں چکن سے باہر نکلی تو سامنے اُسے دیکھ کر چوکی۔

”یہ یہاں کیوں آیا ہے؟“

”زری..... ذرا بچے کے لیے پانی تو لاؤ ٹھنڈا۔“ جی امی کہتی ہوئی وہ پانی کا گلاس لے آئی اور اطہر کو دیا۔

”وہ اصل میں آنٹی کچھ روز میں جانا ہے میں نے تو سوچا مل ہی ہوں۔“ اطہر نے پانی غٹھا پیتے ہوئے کہا۔

”اچھا کیا.....“ مجھے بھی ملنا تھا یہ زری میرا مطلب زرافشاں نے کہا تھا آج ملنے کا لیکن بس مصروفیت میں وقت نہیں ملا۔“

”اوہ..... تو آپ لوگ گھر آنے کا ارادہ کئے ہوئے تھے؟“ اطہر نے ترجمانی نظروں سے زرافشاں کو دیکھا۔

”امی ہم آگئے اب کھانا دیں ناں جلدی سے۔“ علی اور ناصر بھی کمرے سے نکل آئے تو سامنے کسی اور کو دیکھ کر مہذب انداز میں ملے اور پھر باتیں شروع کر دیں۔

”تم اب آئے ہی گئے ہو تو ہمارے ساتھ ہی کھانا کھانا ٹھیک ہے؟“ رضیہ بیگم نے مروتا کہا جبکہ وہ ڈھٹائی کی انتہا

کرنا ہوا فوراً بولا۔

ہوئے کہا۔

”کیا یہ بات سب کو پتا ہے کہ وہ.....“
 ”کو تمہیں نہیں پتا؟ اُس دن رضوانہ بھی یہی کہہ رہی تھی کہ بس کچھ ہی دن ہیں۔“ رضیہ نے سر جھٹک کر کہا۔
 ”تو یہ کیا بات ہوئی اب ہر کوئی اپنی موت کا یوں اعلان کرتا پھرتا ہے کیا؟“ رضیہ بیگم نے جیسے ہی یہ سنا اُن کی تو سٹی ہی گم ہو گئی ہانڈی کا ڈھکن ہاتھ سے چھوٹ گیا۔
 ”کیا بکواس کر رہی ہوتی؟“

”سچ ہی تو کہا ہے اور اُس نے مجھے خود بتایا تھا کہ وہ کچھ دن کا ہی مہمان ہے۔“
 ”ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو کہ کیا بول رہی ہو۔“ رضیہ بیگم نے ڈھکن اٹھایا اور کانوں کو ہاتھ لگا کر بولیں۔
 ”نہیں امی جی یہ کوئی ٹائم نہیں ہے جس کو ہم اپنی مرضی سے روک لیں۔“ رضیہ بیگم کلبس نہیں چل رہا تھا کہ وہ یاد تو اپنا سر پیٹ لیں یا سامنے کھڑی لڑکی کی ٹھیک ٹھاک پٹائی کر دیں۔

”ارے نالائق وہ فوجی ہے۔ چھٹیوں پر آیا ہوا ہے ضرور اُس نے یہی بات کی ہوگی ایسے کسی تم اُس کی بات کو الٹالے گئیں۔“ زرافشاں بھی سوچ میں پڑ گئی۔
 ”اور ایک منٹ روکو۔ یہ کیا کہا تم نے اُس نے بتایا تھا تمہیں.....!“ یہاں زرافشاں پر یہ انکشاف ہوا کہ اطہر فوجی ہے یعنی وہ جانے کی بات اسی لیے کر رہا تھا اسی سوچ میں تھی کہ اچانک سے رضیہ بیگم کے سامنے بات کہی جو پکڑی گئی اُس کو بھی جھٹکا لگا اور منہ کھل گیا۔

”امی..... وہ..... میرا مطلب یہ نہیں..... میرا مطلب ہم..... میں کیا کہوں۔“ وہ گڑبڑا سی گئی۔
 ”سیدھے سیدھے ساری بات بتاؤ مجھے۔“ رضیہ بیگم نے اُس کا کان پکڑا اور وہ درد اور خوف کے مارے ساری بات سچائی کے ساتھ بتاتی چلی گئی۔

”تو یہ ہے اصل بات۔“ ساری بات سننے کے بعد رضیہ بیگم نے فقط یہی کہا۔
 ”امی..... آپ کو برا نہیں لگا؟“

”ٹھیک ہے آئی اب آپ اتنے پیار سے کہہ رہی ہیں تو کھا ہی لیتے ہیں۔“ اطہر نے شرم کو بالائے طاق رکھ کر سامنے بیٹھی زرافشاں کو دیکھا جو کبھی بچھنے غصے سے اُسے دیکھ رہی تھی۔

”ہائے میں مر گئی یہ کیا ہوا..... ازری اور زری؟“
 ”جی..... جی..... امی۔“ وہ بھاگ کر کچن کی طرف گئی۔

”یہ کیا..... میں نے گو بھی صحیح حالت میں تمہیں دی تھی یہ کیا حشر کر دیا؟“ رضیہ بیگم نے ہانڈی کی طرف اشارہ کیا۔
 ”وہ امی آپ نے ساری گو بھی ثابت ہی ڈال دی تھی اس لیے میں نے ٹھیک کر دی۔“ اپنے تئیں اُس نے بڑے فخر سے کہا۔

”تم نے گو بھی کی سبزی نہیں اُس کا حلوہ بنا دیا ہے نالائق۔“

”امی آہستہ بولیں باہر مہمان بیٹھا ہوا ہے کیا سوچے گا؟“

”ہونہ اور تم اُسی مہمان کے گھر جانے کا کہہ رہی تھیں کہ کچھ لپکا کر لے جاؤں گی۔ ساری سبزی کا طیدہ بنا دیا اور اب یہاں کھڑی میرے سر پر باتیں کر رہی۔“ باہر بیٹھا اطہر اُن کی گفتگو سے محظوظ ہو رہا تھا۔

”اب جاؤ جا کر فریق سے کیا پ نکالو اور فرائی کر دو تب تک میں بچوں سے کہہ کر نان منگوایی ہوں۔“

”آئی اگر کوئی مسئلہ ہے تو بتائیں میں اچھا کھانا بھی پکالیتا ہوں۔“ باہر آئی رضیہ بیگم کو اطہر نے پیشکش کی۔

”ارے نہیں نہیں بیٹا۔“ ہاں تم ان بچوں کے ساتھ جا کر نان لے آؤ اگر برانہ لگے۔“

”ارے اس میں برا لگنے والی کیا بات ہے؟ میں بھی تو آپ کے بیٹوں جیسا ہوں ناں۔ بس ابھی گیا اور ابھی آیا۔“ اطہر نے بچوں کو اپنے ساتھ لیا اور باہر کی راہ لی۔

”کتنا پیارا بچہ ہے ناں۔ بس کچھ دن ہی ہیں اور پھر.....“ رضیہ بیگم واپس کچن میں آئیں اور ہانڈی دیکھتے

”بس اماں آ“

”سہیں وہ لڑکی کب کیسے کس طرح اور کیوں پسند آئی؟“

”ہونہہ..... مجھے وہ لڑکی ایک آنکھ نہیں بھائی۔ اور میرا
بیٹا دیکھو.....“

”چپ کرو۔“ سہمہ نے غصے سے آنکھیں دکھائیں۔
 ”نہ اُسے ڈھنگ سے بات کرنی آتی ہے نہ وہ سلیقہ شعار
 لڑکڑی ہے۔ ایسا کیا ہے اُس میں جو میں بہو کے طور پر اُسے
 قبول کر لوں؟“

”استغفر اللہ میں نے کب کہا وہ بچی ایسی ہے۔
اللہ نہ کرے وہ ایسی ہو بلکہ کوئی بھی.....“ سیمہ دل تھام
کر بیٹھ گئیں۔

”ہاں ایک کام کرتے ہیں میں یہاں ایک ماہ میں بریفنگ بہو بنائیں گا ادارہ کھول لیتی ہوں اور ہر لڑکی کو گھر گرجستی سکھاؤں گی ٹھک سے ناں؟“ سیمہ کے طنز نے لہجے

”سوری امی..... مجھے پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔“
زر افشاں نے شرمندگی سے سر جھکایا۔

”تھنسی جی ہے۔ میرے خیال سے وہ لوگ آگئے ہیں۔ چلو کھانا لگاؤں۔“ بیل کی آواز پر رضیہ بیگم نے کہا اور وروانہ کھولنے چلی گئیں۔

☆.....☆.....☆.....☆

”میں تمہیں بتا رہی ہوں ناں رضوانہ یہ لڑکا پاگل ہو گیا ہے تم کوئی اور اچھی سی لڑکی ڈھونڈ لو۔“ سمسم نے

”نہیں..... مجھے وہ لڑکی بالکل بھی پسند نہیں آتی۔ نہ بات کرنے کی تمیز ہے نہ کوئی سلیقہ ہے۔ میں اپنے بیٹے کے لیے گھر بیلو اور سکھر لڑکی چاہتی ہوں ایسی جمالی لڑکی نہیں۔“ رضوان کی بات سن کر وہ رو کر ہوا بولیں۔

”ہاں اور میرے بیٹے سے پھر ملاقات ہو جائے تو اُس کے سامنے یہ بات نہ کرنا میں خود ہی اُسے سمجھا لوں گی۔“ سمیرہ نے فون رکھا اور سانس خارج کر کے اظہر کو فون

”میری پیار

”ہٹو دور..... مجھے سوچنے کا وقت دو۔“
 ”نہیں ناں..... میں نے چلے جانا ہے پھر تو کیا پتا

”تک نہیں کرو مجھے..... دیکھوں لی اب جاؤ یہاں سے۔“

☆.....☆.....☆.....☆

”ہاں تو کون سا میں نے غلط کہا..... ویسے لڑکا کتنا اچھا

یانون میں حسب معمول ہینڈ فری لگائے اور گانوں سے ملف اندوز ہو رہی تھیں لیکن ساتھ ہی ساتھ تیز تیز مارچ بھی کر رہی تھیں کیونکہ اطہر رانا غصہ نکالنا تھا۔

”اوپلو میڈم..... کیا ہو رہا ہے؟“ اطہر نے بلند آواز
 کہا لیکن زرافشاں تیز تیز چلنے میں ایسی گن گنی کی گمانوں
 کا وجہ سے سن تو نہیں سکی لیکن دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔
 ”گلتا ہے غصے میں ہے یہ کیا کروں کہ یہ مجھے

”آئیڈیا۔“ وہ کمرے میں آیا اور کاغذ قلم اٹھایا کر کچھ لکھ رہا تھا۔

”ہائے یہ کیا؟“ گھبرا کر زرافشاں۔

”کون پھینک سکتا ہے اس طرح یہ رقعہ؟“ دھڑکتے دل کے ساتھ اُس نے تہہ شدہ کاغذ کھولا اور جو لکھا تھا وہ

”مجھے اچھے سے پتا ہے۔ تم یہیں نہیں چھپے ہو.....
سامنے دو۔“ اُس نے مٹھیاں پھینچیں اور ابرو اچکا کر پکارا۔

”آپ کی ہمت کیسے ہوئی یہ لکھنے کی؟“ زرافشاں نے انت پیٹے ہوئے کہا۔

”اچھا کہا! کیا بات لکھ دی! جو محترم کو اتنی راز رکھ گئی۔“

”تو کیا کروں؟ شرم نہیں ہے مجھ میں بھی چلو آج ماں
 تانوں نہیں ہے شرم اور اب جو سوال میں نے کیا ہے مجھے
 اس کا جواب بھی دو۔ چلو شاہاش۔“ زربل مسکرا کر اطمہ

”کون سا جواب؟“ زرافشاں جی بھر کے تنگ ہوئی۔
 ”کیا ناں..... مجھ سے شادی کرو گی؟“ اطمہ نے اس

لنظروں کے حصار میں لے کر گیمیر لہجے میں اس سے پھر استفادہ کیا تو زرافشاں کی دھڑکن بے قابو ہونے لگی۔
 ”ایسے دھمکتی ہوگی ناں محترمہ..... پیاری ہو جائے گا۔ پھر شادی کا کیا ہوگا ہماری؟“ زرافشاں بولکھلائی۔
 ”مجھے نہیں پتا۔“ یہ کہہ کر زرافشاں پیر پختی تیز چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی۔
 ”پتا تو میں لگا کر رہوں گا۔“ سیٹی بجاتا ہوا اطہر بھی اپنے کمرے میں چلا آیا۔

☆.....☆.....☆.....☆

”اماں..... پلیز میری بات سمجھیں۔ انہوں نے خود کہا ہے سب کو لانے کو۔“ اطہر نے منت سماجت شروع کر دی۔
 ”پہلے مجھے یہ بتاؤ تمہیں ایسی بھی کیا جلدی تھی اُن کے گھر جانے کی اور مزے سے کھانے کے آنے کی؟“ رشتے کی ہم اطہر کی جانب سے جاری و ساری تھی لیکن سیمہ کو یہ بات بری لگ رہی تھی کہ بیٹا ماں کو بنا بتائے مسالوں کے ہاں ہو کر بھی آگیا تھا۔
 ”اب ایسی بھی کیا قیامت آگئی اس بات میں؟ بس یہی ناں کہ میں اُن سے ملنے چلا گیا آپ بھی تو کئی تھیں ناں اُس رشتے کرانے والی آنٹی کی بات سن کر؟“ اطہر نے نروٹھے پن سے کہا۔
 ”مجھ سے بحث نہ کرو تو اچھا ہی رہے گا۔ نالائق کیا سوچتی ہوں گی رضیہ بیگم اور پھر اُس رضوانہ نے بھی ذکر ضرور کیا ہوگا رشتے کے حوالے سے تو اب سزاگل بھی سمجھ رہی ہوں گی کہ ہم دلچسپی لے رہے ہیں۔“ سیمہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

”ہاں تو سمجھنے دیں کون سا اس میں غلط بات ہے؟ میں تو بذاتِ خود یہ بات کہہ رہا ہوں مجھے وہ لڑکی اچھی لگتی ہے پسند ہے اب آگے آپ کا کام ہے وہاں جانا اور رشتے کی بات کرنا بس ختم۔“
 ”بس ختم..... کہہ ایسے رہے ہو جیسے جا کر ثانی خریدنی ہو۔“ سیمہ نے ہنکار دیا۔

”اگر آپ نے میرا یہ کام نہیں کیا ناں تو میں جانے سے پہلے خود اُن کے پاس جا کر اُن کی بیٹی سے رشتے کی بات کر لوں گا۔“ اطہر نے ڈھٹائی سے کہا۔
 ”شرم تو نہیں آتی ناں؟ ماں باپ زندہ ہیں اور جوان بیٹے کو شادی کی اتنی جلدی ہو رہی ہے؟“
 ”پہلے تو خود ماں باپ کو جلدی ہو رہی تھی اولاد کی شادی کی اب بیٹا خود کہہ رہا ہے تو شرم دلائی جا رہی ہے؟“ اطہر نے بھی دو دو جواب دیا۔
 ”تم میں اور اُس لڑکی میں کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ دونوں منہ زور ہو۔“

”تو جب ہم..... ہم مزاج میں تو پھر کیا مسئلہ ہے؟“ اطہر نے بچوں کی طرح چلتے ہوئے پوچھا۔
 ”حد کر رہے ہو تم قسم سے اطہر۔ تنگ مت کرو۔“ سیمہ کو نصیحتا رہا تھا۔
 ”مجھے جب تک جواب نہیں ملے گا میں نے آپ کا پیچھا نہیں چھوڑنا۔“
 ”اطہر..... تم یہاں اتنا مجھے تنگ کرتے ہو وہاں اپنے سینئر زکو بھی ایسے ہی تنگ کرتے ہو کیا؟“ سیمہ جھنجھلائی۔
 ”نہیں مجھے کچھ نہیں پتا بس ابو سے کہیں وہ کل چلیں اور رشتے والی آنٹی سے کہیں کہ وہ بات کریں کہ ہم آنا چاہتے ہیں۔“ اطہر نے بے صبرے پن کا مظاہرہ کیا۔
 ”اچھا اچھا..... ٹھیک ہے..... میں بات کروں گی تمہارے سارے اب میری جان بخش دو۔“
 ”یا ہو۔“ اطہر چلا یا اور سیمہ نے دونوں ہاتھ اپنے کانوں پر رکھ لیے تھے۔

☆.....☆.....☆.....☆

”بات سنو رضوانہ..... یہ برابر والی سرسبز ہواد کا فوجی بیٹا تو بہت ہی اچھا ہے۔“
 ”بالکل میں اُس سے ملی ہوں کچھ بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔ چلبلا بھی بہت ہے۔ ہماری زری کے لیے بہت اچھا رہے گا۔“ رضیہ بیگم نے رضوانہ کو فون کر کے اچانک اُس کے آئے اور کھانے کے حوالے سے بات بتائی۔

”کچ کہہ رہی ہو۔ فوجی لڑکا بھی مل رہا ہو اور با اخلاق بھی تو کون نہیں چاہے گا کہ اپنی بیٹی کی شادی اُس لڑکے سے کر دلائیں۔“ رضیہ بیگم نے ٹھنڈی سانس لی۔
 ”تو آپ کہیں تو میں سرسبز ہواد سے بات کروں؟“
 ”ارے نہیں نہیں۔ ایسا اچھا نہیں لگے گا۔ پتا نہیں کیا سوچیں گی وہ۔“

”لو بھلا اس میں سوچنے والی کیا بات ہے؟ کون سا آپ نے خود جا کر بات کرنی ہے..... جو بھی کرنا ہے میں نے ہی تو کرنا ہے۔ بس سب مجھ پہ چھوڑ دیں۔“ رضوانہ کی بات سے وہ کچھ متفق ہوئیں اور کام اُن پہ سوپ کر پڑ سکون ہو گئیں۔
 ”کیسی ہیں سرسبز ہواد؟“ رضیہ بیگم سے بات کر کے رضوانہ نے سیمہ کو فون کیا۔

”بالکل ٹھیک..... تم ناؤ ویسا اچھا کیا کہ تم نے فون کر لیا میں ابھی تمہیں ہی فون کرنے والی تھی۔“
 ”اچھا..... خیر تو ہے ناں؟“ رضوانہ نے اچھنبے سے پوچھا۔
 ”ہاں وہ..... رضیہ بیگم کی بیٹی کے لیے پوچھنا تھا۔ اُس کا کہیں رشتہ دیکھا تم نے؟“
 ”ہاں ایک دو جگہ دیکھ رہی ہوں۔ شاید کہیں بات بن جائے۔ آپ کہیں.....“
 ”اوہ..... سیمہ نے سن کر کہا۔
 ”کیوں خیر ہے ناں سرسبز ہواد؟“

”ہاں وہ.....“ سیمہ تذبذب کا شکار ہوئیں۔
 ”وہ اصل میں..... میں اپنے بیٹے اطہر کے لیے زرافشاں کا رشتہ مانگنا چاہتی ہوں۔ میں نے سوچا خود کہنے کے بجائے تمہیں کہوں۔ پر اگر کہیں اور دیکھ رہے ہیں تو.....“
 ”ارے آپ مان گئیں کیا؟“ رضوانہ کو یاد تھا اطہر نے خود اظہار کیا تھا اس رشتے کے لیے۔
 ”بھئی اب کیا کریں..... جب بیٹا خود پسند کئے بیٹھا ہے اور بعد ہے کہ ہمیں کرنی ہے تو میں کتنا منع کروں گی؟

آخر کو بیٹے کی ہی مانتی ہے۔“
 ”اچھی بات ہے سرسبز ہواد میں اُن تک پیغام پہنچا دوں گی اور کچھ؟“ رضوانہ نے مزید پوچھا۔
 ”ہاں بس انہیں بتا دو ہم کل شام چائے پہ آئیں گے اور رشتہ طے کر کے ہی آئیں گے بس یہ کہنا کہ زیادہ تکلف نہ کریں۔“

”اچھی بات ہے۔ میں انہیں فون کر کے بتا دیتی ہوں۔“ سیمہ سے بات کر کے رضوانہ نے رضیہ بیگم کو کال ملائی اور ساری بات گوش گزار کر دی۔
 ”اف یہ کیا اچانک ہے؟ ابھی تو میں نے فقط سوچا ہی تھا اور یہ.....“ رضیہ کے تو جیسے ہاتھ پیر ہی ٹھنڈے ہو گئے۔

”رضیہ بیگم اللہ جب مہربان ہوتا ہے ناں تو وہ یک دم سے اپنی نعمت اور رحمت نکھار کر دیتا ہے اور انسان کی نیت صاف ہوتو اللہ بھی اُس کی مدد کرتا ہے۔ آپ زیادہ نہ سوچیں بس جا کر زری بیٹی کو بتائیں اور میں بھی کل جلدی آ جاؤں گی پھر شام کی تیاری ساتھ کر کر لیں گے۔“
 ”جزاک اللہ پیاری رضوانہ۔ کچ یہ رشتہ ہو جائے میری تو جیسے عید ہو جائے گی۔“ رضیہ ہنسی۔
 ”ان شاء اللہ۔ اب کہا تو ہے انہوں نے۔ چلیں پھر کل ملاقات ہوتی ہے۔“ اب مرحلہ زرافشاں کو بتانے کا تھا جو کہ فی الحال رضیہ بیگم نے سوچا تھا کہ دن میں بتا دیں گیں۔

☆.....☆.....☆.....☆

”تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“ اطہر زرافشاں کو انہماک سے آکس کریم کھانا دیکھ رہا تھا۔
 ”اب کون سا سوال؟“ وہ بھی بنا اُسے دیکھے نیدیوں کی طرح آکس کریم کھانے لگی تھی۔
 ”کیا دو بارہ پوچھوں؟ اور یہ آکس کریم کھانا بند کر دو پلیز۔“
 ”دیکھو۔ میری آکس کریم ہے میں جیسے چاہوں کھاؤں تمہیں کیا؟“ اطہر کو آنکھیں دیکھاتے

ہوئے بولی۔

میں مسئلہ نہ ہو۔“ اطہر نے تھوڑا سختی سے کہا۔
”جی ٹھیک۔“ وہ ممانی۔

”اور ہاں۔ میں تو جیسا کہ چلا جاؤں گا تو جب تک میں واپس نہ آ جاؤں تم نے میری پسند کی ہر چیز پکنا سیکھنی ہوگی۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چونکی۔

”بھئی اب ہماری بات سنی ہوئی ہے تو ظاہر ہے پھر تم کھانا پکانا صحیح طور سے سیکھو گی تو میں پہلے سے ہی بتا رہا ہوں مجھے کیا کیا پسند ہے تو جب دوبارہ آؤں گا تم نے میری پسند کے کھانے پکا کر رکھنا ہوں گے۔“

”اچھا۔“ اطہر کی بات سن کر اُس نے سر ہلایا۔

”ہاں تو سنو۔ رس گلے، گلاب جاسن شیر خورمہ کوٹنے، قورمہ نہاری پائے، بریانی، کباب، پرائٹھے، کچے، حلیم۔۔۔۔۔“

”بس بس بس۔۔۔۔۔ پتو کہیں کے۔ کتنا کھاتے ہو؟ اور یہ سب مجھے سیکھنا پڑے گا کبھی بھی نہیں۔“ منہ پھیرتے ہوئے زرافشاں نے کہا۔

”اچھا یہ بات ہے ہونہ۔۔۔۔۔ اب میں ناراض۔ جب تک تم یہ پکنا نہیں سیکھو گی میں نے بات ہی نہیں کرنی۔ اللہ حافظ۔“

”ارے رکو تو۔۔۔۔۔“ اطہر بنا اُس کی بات سننے ہی دباتے ہوئے کمرے میں چلا گیا۔ پوری رات سوچ بچار کرتے ہوئے ہی زرافشاں کی آنکھ لگ گئی۔

اگلے دن دوپہر میں ہی رضوانہ آگئی تھی اور رضیہ بیگم نے زبردستی اُسے پارلر بھیجا اور خود سکون سے شام کے لیے لوازمات تیار کرنے لگی۔ شام میں سب لوگ موجود تھے بشمول رضوانہ کے جس کے توسط سے یہ رشتہ پکا ہوا تھا۔ زرافشاں اطہر کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی فیر دزی سوٹ جس پر سلور کا کام تھا۔ ہلکے سے میک اپ میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔

رشتہ پکا ہوتے ہی ایک دوسرے کو مبارک باد دی جا رہی تھی وہیں زرافشاں اطہر کو بھی دیکھ رہی تھی لیکن فوجی

فارغ ہوں تو سوچ رہا ہوں تم سے شادی کر لوں۔ وہ الگ بات ہے کہ مجھے پھر جانا بھی ہے تو چلو کوئی نہیں مگنی تو کر لیتا ہوں کیا کہتی ہو؟“ اطہر نے آنکھوں میں شرارت اور یوں پر مخصوص مسکراہٹ لیے پوچھا۔

”میں کیا پاگل ہوں جو تم سے شادی کروں گی؟“
”تو تم کیا چاہتی ہو میں خاص تمہارا ہاتھ پکڑنے میرس سے چھلانگ لگا کر تمہارے پاس آؤں اور پھر ہاتھ پھیلا کر فلمی انداز میں پروپوز کروں؟“ اطہر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔

”اچھا۔ یعنی یہ طریقہ بھی آزمانا ہے؟“ زرافشاں مسکرائی۔

”ویسے کر تو سکتا ہوں لیکن اس میں ہڈی ٹوٹنے کا خدشہ ہے اور تم یہ نہیں چاہو گی کہ تمہارا دلوہا لٹلڑا ہو۔“ اطہر نے منہ بسورا۔

”اللہ نہ کرے۔ کیوں ہڈی تروانے کا سوچ رہے ہو؟“

”تو یعنی تم ویسے ہی راضی ہو؟“ اطہر نے محبت بھرے انداز میں زرافشاں کو دیکھا تو وہ جھینپ گئی۔

”اف۔۔۔۔۔ کتنا شرماتی ہو تم؟“ اطہر اور شریر ہوا۔
”اچھا میں جا رہی ہوں۔“ نظریں جھکا کر ہونٹوں کو دانتوں تلے دباتے ہوئے کہا۔

”ہاں جاؤ لیکن میری ایک بات تو سن لو۔“
”کہیں یہ آئی لو یو تو نہیں کہنے لگا۔۔۔۔۔ ہائے۔“
زرافشاں کا دل زور سے دھڑکا۔

”کل شام کو ہم تمہارے گھر آئیں گے رشتہ پکا کرنے۔ اس لیے اچھا سا تیار ہو کر بیٹھنا اور چپ چاپ ہی رہنا زیادہ باتیں نہیں کرنا۔ تجھیں اور ہاں مجھے پرسوں صبح سویرے نکلتا ہے اس لیے میں کل رات مل نہیں سکوں گا تو۔۔۔۔۔“ وہ ہونٹنی اطہر کو دیکھنے لگی۔

”ابھی ساری باتیں نہیں کر رہا ہوں تاکہ تمہیں بعد

صاحب تو جان بوجھ کر منہ بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ ویسے مہربان سے ہنس بول رہے تھے جہاں نظر زرافشاں پہ جاتی وہیں اکر کر بیٹھ جاتے۔

شہزاد صاحب اور گل صاحب بھی خوش لمبیوں میں مگن تھے اور خواتین کی باتیں بھی چل رہی تھیں۔ اطہر اپنے دو چھوٹے سے سالوں کے ساتھ باتیں اور کھیلنے میں مگن تھا۔ جب کہ اکیلی ایک جانب بس ہوں ہاں کرنے کے لیے زرافشاں ہی رہ گئی تھی۔ رات کو یہ سب اپنے گھر روانہ ہوئے تو زرافشاں نے فوراً سے پیچتر جا کر کپڑے بدلے۔

”کیا وہ رات میں میرس سے آئے گا؟ ایسا بھی کیا ناراض ہونا کہ ایک دفعہ نظر بھر کر دیکھا بھی نہیں۔“ وہ افسردہ سی بیٹھی اطہر کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ دوسری جانب اطہر اپنی پیکنگ میں مصروف تھا۔

”اطہر۔“

”جی اماں۔“ اطہر نے مسکرا کر سہمہ کو دیکھا۔

”خوش ہو؟“

”ہاں ہوں تو۔“ وہ اپنی پیکنگ کرتا ہوا بولا۔

”ہاں تمہیں کیا۔ تم نے تو اپنا کام کر لیا اب میرے متھے اچھا کام ڈال گئے ہو۔“ سہمہ نے برا سامنہ بنا کر کہا۔
”اے اے میلی پالی شی اماں۔“ وہ کام چھوڑ کر سہمہ کے پاس بیٹھا اور پیار سے گال کھینچے۔

”آرام سے۔“ اُس نے گال سہلاتی ہوئی سہمہ بولی۔

”مجھے امید ہے اچھے سے وہ اپنی امی سے تو سیکھے ہی سیکھے گے گھر داری آپ بھی سیکھا نہیں گی کیوں ہے ناں۔“

”ہاں بس میرا یہی کام تو رہ گیا ہے۔ یہ نہیں کہ مجھے آرام نصیب ہو بس میں سب کو سکھائی پھروں پوری زندگی میں ناں؟“ اطہر مسکرایا اور سہمہ کے گلے میں بازو جمائے کئے۔

”اچھا بس بس۔“ پیکنگ کر لو اور جا کر اپنی زرافشاں سے مل لینا میرس پہ۔ خوش ہو جائے گی۔“ سہمہ نے اطہر

معافیہ سلیم

پیارے قارئین اینڈ سویٹ آج کل اسٹاف پیار بھرا سلام قبول ہو۔ مابذولت کو معافیہ سلیم کہتے ہیں۔ ہم لوگ خدا کے فضل سے نوبہن بھائی ہیں پانچ بہنوں کے بعد میں 3 جون کے سسلگتے ہوئے دن اس دنیا میں ٹھنڈک کا احساس بن کر تشریف لائی۔ میری امی باؤس وائف ہیں اور میرے ابو زمیندار ہیں۔ میں کیا کرتی ہوں کچھ بھی نہیں اور بہت کچھ کرنے کی کوشش (یہ اور بات ہے کہ آتا کچھ دھوئیں)۔ دوست کوئی نہیں کچھ لوگوں نے اعتبار ایسا توڑا ہے کہ اس کی کرچیاں اب بھی درودیتی ہیں تب سے اپنا ایک فارمولا ہے اعتبار کرنا اچھی بات نہ کرنا اس سے بھی اچھی بات۔ رہی بات خاویوں کی تو بہت ہیں اعتبار جلدی کر لیتی ہوں غصہ بہت آتا ہے جھوٹ سے سخت نفرت ہے جی بھر کے محنت نہیں کرتی۔ شرارتیں کرتی تھی مگر اب تو زندگی نے مجھ سے بہت بڑی شرارت کر ڈالی کہ اپنا سب کچھ کھو بیٹھی ہوں۔ خویاں یہ ہیں کہ نماز پڑھتی ہوں پیار بہت کرتی ہوں بے وفا لوگوں سے بھی جب کوئی زیادہ درد دے تو ہنس پڑتی ہوں قسمت پر۔ کافی عرصہ سے بس آج کل ہی پڑھتی ہوں آج جب درد حد سے بڑھنے لگا تو سوچا آج کل سے کچھ کہہ دوں۔ پسندیدہ رائٹرز میں سب سے پہلے نازی جی کا ذکر کروں گی نازی جی تسی گریت اڈاس کے علاوہ میرا شریف طور بھی بہت اچھی ہیں۔ شاعری جنون کی حد تک پسند ہے آخر میں ایک ایسے شخص کا شکر یہ جس نے مجھے توڑا اور جینا سکھایا اور تمام لوگوں سے یہ درخواست ہے کہ مت کھیلو لوگوں کے اعتبار سے نہ توڑاؤں کہ وجود کو ضرور گاہ کیجیے گا آپ کو ہم سے مل کر کیسا لگا؟ فی اماں اللہ اللہ حافظ۔

کے گال تھپتھپاتے۔

”ارے واہ۔۔۔۔۔ یہ ہوئی ناں پیاری اماؤں والی بات۔



جینا غیب سے ملنا شوق شبی بنگل

یوں تو اس شہر میں ہر اک سے محبت ہے تمہیں
جانے تنہائی میں کس کس کا برا مانگتے ہو
اس کو سب علم ہے شہزاد وہ سب جانتا ہے
کس لیے ہاتھ اٹھاتے ہو دعا مانگتے ہو

روایتی عورت تھی جسے اس قسم کی چیزوں میں دلچسپی نہیں
رہی تھی۔ اب بھی اولاد کے مجبور کرنے پر..... سچ ہے کہ اولاد
کے پیدا ہونے سے قبل ہی عورت جو قربانیاں دینا شروع کرتی
ہے تو یہ سلسلہ مرتے دم تک رکھنا ہی نہیں۔ اب یہی مثال لے
لیں وہ بھی صفر ہونے کے باوجود محض اولاد کی خاطر مجھے اس
ٹیکنالوجی کو دیکھنا پڑا اور اس میں دلچسپی بھی لینی پڑی ہے یہ بھی
ایک طرح کی قربانی ہی ہوتی تھی۔
”توبہ.....“ اپنی سوچ پر مجھے خود ہی ہنس آ گئی۔

میرا سب سے بڑا بیٹا لندن میں رہتا ہے وہاں وہ ایک
سپر اسٹور میں شاپ منیجر ہے اس کی بیوی حقیقہ اسی اسٹور کے
فٹنس سیکشن میں کام کرتی تھی۔ ان کے تین بچے ہیں ارحم، اعجاز
اور فارید۔ عید میرا دوسرے نمبر کا بیٹا دہلی کے ایک پبلک میں
جاب کرتا ہے اس کی بیوی سیما وہاں کے ایک امریکن اسکول
میں پڑھاتی تھی ان کے دو بچے ہیں اسماعیل اور عارباب۔
میرے تیسرے بیٹے عابد کا امریکہ میں پاکستانی فوڈ کا ڈبلی
ریسٹورنٹ ہے اس کی بیوی ملیہ اس کے ساتھ ریسٹورنٹ میں
مدد کرتی ہے ان کی دو بیٹیاں ہیں حلیمہ اور شازنہ۔
سب سے چھوٹا اور میرا سب سے لاڈلا اظفر جس کی حال
ہی میں شادی ہوئی ہے وہ اپنی نئی ٹیلی فون دکان عزمہ کے ساتھ

منحی سی اسکرین یا ٹیبلٹ ہو شربا..... میں تو دیکھ دیکھ کر
لہن ہی ہو رہی تھی قبر میں پاؤں لٹکانے بیٹھے بڑھے اور
بھلے اب نہیں بک پر اکاؤنٹ بنانے پر دو فائل میں پاؤں
لٹائے بیٹھے تھے۔ میں یہ سب دیکھ کر دنگ ہو رہی تھی اور دنگ
ہو کر کھنگ نہیں رہی تھی۔ عام لوگوں سے لے کر لاکاؤ بٹ
اور سیاستدان سائنسدان کو یہ ”فونو گرافر“ پیشتر آرٹسٹ
لک ڈریس ڈیزائنر پراپرٹی ڈیلر..... کون تھا جو رہ گیا ہو فیس
بک اکاؤنٹ اور بیج بنانے سے؟ آن لائن برنس میں بھی بنگلہ
لک گاڑی زپور سے لے کر کپڑے جو تے کھلونے اسٹیشنری
لک لکھتے ”فرنیچر“ میڈی کرافٹس، کھانے پینے کی اشیاء، فردوز
اور آن لائن فاسٹ فوڈ ہوم ڈیلیوری..... کیا تھا جو رہ گیا ہو
میں کہنے سے؟ میرے جیسی زندگی کی پچھن بھاریں دیکھ لینے
بھاری پرست عورت کے لیے تو یہ سب جادوگری ہی تھی۔
میری زندگی گئی بندھی روٹین کے عام سے شب و روز
گھلنے والی ایک سادہ گھریلو عورت جس کو اس عمر میں آ کر
مراقت نصیب ہوئی تو اولاد چھپچھپ کی طرح پر لگائے
سے اڑ گئی اور مجھے دقت گزاری اور رابطے کے لیے یہ مشکلہ
لی۔ رسمی لکھی ہونے کے باوجود فیس بک اور اس کی کار
ڈرول کو بچھنے میں مجھے دقت لگ رہا تھا کیونکہ میں ایک عام

اُس نے سر اٹھایا۔
”بہت۔“ زرافشاں کے چہرے پہ اداسی بکلی
ہوئی تھی۔
”اب تو میرا جانے کا ہی دل نہیں کرنا لیکن کیا کروں
جانا تو ہے۔“ اظہر نے بچھینی سے کہا۔
”کتنے بچے جانا ہے؟“
”صبح سات بجے نکلتا ہے۔“ اظہر نے گہری سانس
لیتے ہوئے کہا۔
”ٹھیک ہے۔ جا کر آرام کریں تھک گئے ہوں گے۔
پیکنگ کرنی؟“
”ہم..... نہیں تھوڑی سی رہتی ہے۔“ اظہر نے سر
کھجاتے ہوئے کہا۔
”ٹھیک ہے جا کر کریں مکمل۔ میں اب چلتی ہوں۔“
”چلو ٹھیک ہے۔“ کندھے اچکاتے ہوئے اظہر
کمرے میں چلا آیا۔ سارا سامان رکھ کر بیک بند کر کے
سونے لیٹ گیا۔

فجر کے بعد اظہر کی روایتی تھی۔ وہ شہزاد صاحب کے
ساتھ لکلا اور گاڑی میں بیٹھنے ہی لگا تھا کہ اچانک نظر نہیں
پڑ گئی وہاں زرافشاں دھیمی مسکراہٹ لبوں پر سجائے کھڑی
تھی۔ اسے ہاتھ ہلاتے اور مسکراتے ہوئے دیکھا۔
وہ اپنے منگیت کو فوجی لباس میں دیکھ کر مسمرانسی ہو گئی
تھی۔ اُس کے سامنے اُس کا منگیت تو تھا لیکن ایک خوب
صورت فیس کھ چلا سا فوجی بھی تھا۔ ایک دوسرے کو ہاتھ
کے اشارے سے دل بنا کر دکھایا اور اظہر جانے کے لیے
گاڑی میں بیٹھ گیا۔ زرافشاں بھی مسکراتے ہوئے چلی گئی
نیچے چلی آئی۔ آخر کو عید سے پہلے پہلے بہت کچھ دیکھنا
اسے۔ کیونکہ اب اس نے اپنے دھول مایا کے لیے بہت
ساکام دیکھنا تھا جس میں صرف فرست کھانا پکانا بھی تھا۔

دیکھا کتنا خیال ہے ایک ساس کو اپنی بہو کا۔
”بس۔ بس۔ زیادہ نہیں اچھا۔ میں چلتی ہوں صبح کے
لیے الارم لگا دینا اور دیر تک مت جاگتے رہنا سمجھے۔“ سیمہ
نے اظہر کے ماتھے پہ پیار کیا اور چلی گئیں۔
”اف پیکنگ کب مکمل ہوگی۔“ اظہر نے لمبی
سانس لی۔
”دیکھو تو صبح محترمہ ٹیرس پہ آئی ہیں یا نہیں۔“ وہ
دبے پاؤں ٹیرس پہ آیا اور یو آر کی جانب ہی رہا۔
”اب کیا وہ اتنا ناراض ہو گیا ہے کہ آیا ہی نہیں ٹیرس
پہ؟“ وہ لٹ کو دو انگلیوں سے موڑتی جھانک رہی تھی اور
اظہر کا انتظار کر رہی تھی۔
”اب کیا کروں؟“ وہ افسردہ ہوئی۔
”مجھے یاد کرو اور کیا اور ہاں انتظار بھی۔“ اظہر کے
اچانک وارد ہونے پر وہ چونکی۔ ”اور ایک کام اور بھی کر سکتی
ہو۔ پوچھو کیا؟“ زرافشاں نے ہنسیوں سیکڑیں۔
”بھئی کھانا پکانا سیکھو گی۔ کیوں ہے ناں یہ بھی ایک
کام۔“ اظہر نے ہنس کر کہا۔
”آپ ناراض ہیں؟“

”کس نے کہا ناراض ہوں؟ میں تو ایسے ہی اور ایک
منٹ ایک منٹ۔ یہ کیا میں ایک ہی رات میں تم سے آپ
پہ آ گیا؟ کل تک تو لڑاکا بی بی تھی تم کر کے بات کرتی
تھیں اور آج کیا ہی پلٹ گئی وہ بھئی۔“ اظہر نے شوخ
نظروں سے دیکھا۔
”بہت ہی فضول انسان ہیں آپ۔“ زرافشاں
بلیں ہوئی۔
”میں بالکل بھی اپنی ہیروئن سے ناراض نہیں ہوں نہ
ہو سکتا ہوں۔ البتہ اُسے تنگ کرنے میں جو مرا آتا ہے ناں
اُس کے بارے میں نہیں بتا سکتا کچھ بھی۔“ زرافشاں سر
جھکائے کھڑی تھی۔
”مجھے یاد کرو گی؟“ زرافشاں نے بنا سراٹھائے نغمی میں
سر ہلایا۔

”جی.....! کتنا یاد کرو گی؟“ اظہر کے سوال پر

میرے پاس ہی رہتا ہے۔ وہ دونوں خاصے محب وطن تھے اس لیے کبھی کسی دوسرے ملک جانے کے بارے میں نہ سوچا نہ لکھی آفرز کو قبول کیا۔

نبی اللہ نے مجھے دی ہی نہیں میرے چاروں بیٹوں نے شادی اپنی پسند سے کی تھیں اور نئی نسل کے جذبات اور تقاضوں کو سمجھتے ہوئے میں نے ہر بار خوشدہ راہیں ہموار کر کے بہوؤں کو کشادہ دل سے خوش کیا۔ ایک ایک کر کے پرندے اڑ گئے بس ایک انظرورہ کیا وہ ایک ایجوکیشنل ائی جی او میں پراجیکٹ ڈائریکٹر تھا اور اس کی بیوی عزہ اسی کی اسسٹنٹ ڈائریکٹر تھیں ہاں..... اسی طرح انڈر اسٹینڈنگ ہوئی تھی۔

میرے شوہر اشرف علی پچھلے برس مجھے داغ مفارقت دے گئے تھے پچیس برس کا دور رفاقت جس کا کوئی پیرا نہ تھا۔ یادوں سے بھرپور ہوا تھا۔ وہ چیمبر آف کامرس سے وابستہ تھے کافی متحرک قسم کے انسان تھے خوش مزاج خوش بول بولنے والے۔ ان کی کمپنی میں کوئی بورڈ نہ ہوتا تھا ان کے لیے حد متحرک اور مصروف ترین زندگی گزاری جبکہ مجھے گھر سے لگنا کچھ خاص پسند نہ تھا اس لیے کبھی بھی جاب کے بارے میں نہ سوچا۔ ساری عمر گھر گھسی کے نام کر دی۔

اچھی صحت خوش گواری مالی وازدواجی زندگی اللہ کی دین ہوتی ہے سو اچھی صحت کے سہارے زندگی اچھی گزر رہی ہے۔ کیا جوانی کیا بوجھ پام کا کام کا بوجھ ہر عمر میں یکساں رہا بیٹے جوان ہوئے تو صرف اپنے کپڑے استری کرنے کی ذمہ داری لی باقی سارے کام میرے ذمہ۔ میاں صاحب نے تو صفائی سترکاری کے لیے میڈر بھی پھر لاڈری کے لیے میرا اعتراض کرنا بنتا بھی نہ تھا کیونکہ گھر بڑا لے لیا تھا بچوں کی شادی ہونے والی تھیں کام کاج کا بوجھ بڑھنے والا تھا۔ بڑا کمزور کی ضرورت تھا مگر ایک کنال کے ڈیل اسٹوری بنگلے کو سنبھالنا میرے بس کاروگ نہ تھا۔

معین شادی سے پہلے ہی لندن چلا گیا تھا اس کی شادی کے بعد اس کی بیوی حقیقہ دو سال میرے پاس ہی رہی پھر معین اٹلی چل بسا تو اسے بلا لیا۔ عبید کو بھی بینک نے ہی دینی ٹرانسفر کیا تھا اس سے قبل وہ بھی کئی سال میرے پاس رہا۔ حقیقہ اور سیماء جب تک پاکستان میں تھیں ہاؤس وائف ہی تھیں جابز اپنے اپنے شوہروں کے پاس جا کر ہی شروع کی۔ عباد البتہ

پڑھنے کی غرض سے امریکہ گیا تھا وہیں اسے طبیہ پسند آئی اور وہیں نے شادی سے قبل جاب کر کے ان تھک محنت سے سرمایہ جمع کیا اور شادی کے بعد وہیں چھوٹا سارا بیٹورٹ کھل لیا۔ یہ ان دونوں کی باہمی پلاننگ تھی یوں طبیہ میری وہ واحد بہو تھی جو شادی کے بعد محض چند ہفتے میرے پاس رہی وہ بھی مہمان کی حیثیت سے۔

اب انظرور کی بیوی عزہ ہے جو شاید تاحیات میرے پاس رہے تو پھر انظرور نے جزوقتی ملازماؤں کے علاوہ میرے لیے ایک کل وقتی ملازمہ بھی رکھ دی ہے جو برتن دھوئے اور دیگر چھوٹے موٹے کام کاج کے کرتی ہے۔ ایک طرح سے میری تنہائی کی تسکین بھی وہی ہے میں نے کبھی باقاعدہ اشتہار لکھا کہ تھوڑی پڑھی لکھی مگر بے سہارا لڑکی کا انتخاب کیا جاہل کنوار ملازمہ میں میرے لیے ناقابل برداشت تھیں۔ آسیہ کی سولہ برس کی عمر میں شادی ہوئی اور اٹھارہ برس کی ہی جب وہ بیوہ ہوئی تو میں تنہا رہ گیا۔ شوہر اچھا تھا اس نے آسیہ کو انظرور کے بھائی کی زندگی اتنی ہی تھی۔ شوہر کے بعد سرال والوں نے منہ پھیر لیا، میکے کے نام پر صرف ایک شادی شدہ بہن ہی جو اس کا بوجھ اٹھانے سے قاصر تھی سو وہ بھی کہیں تو کبھی کہیں رہتی۔ میں نے گھر میں سرورٹ کوارٹر نہیں بنوایا تھا اسے میں نے گھر میں ہی ایک کمرہ دے دیا تاکہ نظروں کے سامنے بھی رہے۔

انظرور کی سہولت کرتے کرتے میں کہاں جا پہنچی۔ انظرور کی جیسے دیکھ دیکھ کر میں حیران ہوئے۔ صرف میرے بچے ہی ایڈ ہیں اس لیے انظرور کی ڈیس سے بھری ہوئی ہوئی۔ مجھے تو بھروسہ تھا کہ اب تک برائے ایکٹو ہیں بیٹوں اور بہوؤں کی تصاویر پرسل تصاویر گلوڈ پوز رومانٹک پوز رومانٹک پشیموز برتھ ڈے کی تصاویر پشیموز سر کی تصاویر اور کئی خاص مواقع کے پورے پورے ایجنز ہر برس کے یوں تصاویر کہ بندہ تصاویر دیکھ کر ہی پوری تقریب اینڈ کرلے۔ ایک دوسرے کے لیے محبت بھری خوش بختیوں کا کھلم کھلا اظہار اور پھر ان کے مشترکہ دوستوں کے لاس اور شمس جن میں مرد و زن دونوں تھے مجھے تو عموماً عجیب لگے میاں بیوی کے ذہنی تعلقات۔ سب کے سب ذہنی ایک ناپ پر گردش کر رہے۔

کون اپنی بیوی سے کتنی محبت کرتا ہے کون سی بیوی اپنے

شوہر سے کیسے اظہار محبت کرتی ہے سب عیاں تھا کیا مسلمان کیا انگریز کو کئی فرق نہ تھا۔ کلوز سیلفیز کا ڈیڑھ گھنٹہ عجیب قوم ہیں طرز زندگی مغربی چاہتے ہیں اولاد مشرقی چاہتے ہیں جیتا مغرب میں چاہتے ہیں اور مرنے کا تکیہ نہ میں۔ میں آکٹا کرسٹائن کا ڈٹ کرنے لگی تھی کہ ایک پوسٹ پر نظر پڑی عبید کی بیوی سیماء نے ایک پوسٹ عبید کی ٹائم لائن پر پریشر لگی تھی میرا چونک کر کہنے کی وجہ اس کا کنٹینٹ تھا۔

I Can't Aford May Wife

کنٹینٹ عجیب تھا میں غیر ارادی طور پر پڑھنے لگی۔ اسٹیون ٹیمر اور گوری کی شادی کو تین برس کا عمر نہ گزرا تھا جب ان کا بیٹا ایڈ رائیڈ اہوا تو دونوں نے باہمی رضامندی سے فیصلہ کیا کہ گوری اپنے بیٹے کی دیکھ بھال کے لیے گھر پر رہے گی۔ اپنی بیوی کے لیے احسان مند کی اور شکر کے اظہار کے طور پر اسٹیون نے اس کے نام میں بک پر ایک پوسٹ لکائی جس کا کنٹینٹ سب ہی کو عجیب اور قدرے قابل اعتراض لگا لیکن اس کے الفاظ کچھ یوں تھے۔

”میرے دماغ میں کچھ دنوں سے ایک سوچ جادی ہو رہی تھی کہ میں اپنی بیوی کا گھر لیٹاؤں بن کے رہنا انورڈ نہیں کر سکتا۔“ یہ تمہیدی سطر اس کے جاننے والوں کے لیے اچھے کا باعث بنی کیونکہ اس جملے کو پڑھ کر انظرور کی سوج بوجھ ابھرتی ہے کہ وہ نہیں چاہتا گوری مزید کسے بے یونک وہ اکیلے گھر کے اخراجات انورڈ نہیں کر سکتا تھا عین معاملہ نہ نہ تھا آگے اس نے لکھا تھا۔

”میری بیوی گھر پر راتی ہے مگر اسے بچے کا ہر کھ خیال رکھتی ہے اس کے ڈائری پیج کرتی ہے۔ اس کو فیڈ کرنا ہی ہے اس کے ساتھ کھاتی ہے اسے سلاتی ہے جب وہ اپ سیٹ ہوتا ہے آرام پہنچانے کے متن کرتی ہے۔ وہ ہمارے بیٹے کو اپنی محبت اپنا وقت اپنی طاقت اور اپنا آرام اس کی نذر کرتی ہے۔ وہ ہمیشہ اس کے قریب ہوتی ہے اسے سستی ہے بے شک یہ ایک فطری عمل ہے کہ والدین بن کر آپ اپنی اولاد کو پیار محبت دیتے ہیں لیکن ان تمام خدمات پر ایک خاطر خواہ رقم خرچ ہوتی ہے اگر آپ ان سارے کاموں کے لیے کسی اور کو ہائر کریں۔“

ذہنی ریسرچ کے مطابق اسٹیون نے ان تمام خدمات کی قیمت کا تخمینہ لگا دیا جو گھر میں اس کی بیوی سرانجام دیتی تھی۔

- 1۔ فل ٹائم نرسی کی قومی اوسط ہفتہ واری تنخواہ 705 ڈالر یعنی 36,660 ڈالر سالانہ۔
- 2۔ گھر کی صفائی سترکاری ہفتہ میں ایک بار 100-50 ڈالر اوسطاً یعنی 5200 ڈالر سالانہ۔
- 3۔ گھر کی دیکھ بھال اور دیگر سودا سلف لانے کی ڈیوٹی چار گھنٹے ہفتہ واری کے حساب سے 65 ڈالر فی گھنٹہ یعنی 13,520 ڈالر سالانہ۔
- 4۔ شیف کے 240 ڈالر ہفتہ واری یعنی 12,480 ڈالر سالانہ۔
- 5۔ فنانس اسسٹنٹ یعنی بجٹ بنانا بلز ادا کرنا وغیرہ کے 15 ڈالر فی گھنٹہ برائے 5 گھنٹے ہفتہ واری یعنی 3900 ڈالر سالانہ۔
- 6۔ پروفیشنل کام کاج یعنی بزنس ڈنر زور پارٹی وغیرہ کے لیے 75 ڈالر فی گھنٹہ 4 گھنٹے ڈنر سال میں تین بار یعنی 900 ڈالر سالانہ۔
- 7۔ لائٹری کے 25 ڈالر ہفتہ واری یعنی 1300 ڈالر سالانہ۔
- 8۔ سالانہ تنخواہ یعنی 73,960 ڈالر۔ یاد رہے کہ ان میں کوئی سبک لیو شامل نہیں آف ٹائم کی سروس شامل نہیں۔ اس کے علاوہ سالانہ ستر ہزار ڈالر سے زائد کمانے والا جو بیٹو (دیگر مشاغل) انجوائے کرتا ہے وہ بھی شامل نہیں۔ میرٹ پلنر اور دیگر سہولیات بھی اس ڈیل میں شامل نہیں۔

”تج تو یہ ہے کہ میں شرمندہ ہوں ہر اس لمحے کے لیے جب کبھی میں نے اس کا دل دکھایا غناؤں اڑایا طنز و تضحیک کا نشانہ بنایا۔ میں شرمندہ ہوں ہر اس لمحے کے لیے جب اس نے مجھ کو کیا ہو کہ اس کا ہماری کمائی پر اتنا حق نہیں جتنا میرا ہے۔ گھر لیٹاؤں کے طور پر اس کی تنخواہ جتنی ہے وہ میری تنخواہ سے دگنی ہے بہت عجیب و غریب ہی سہی لیکن یہ میرا اعزاز ہے اس اعتراف کے لیے کہ میں اپنی بیوی کو بحیثیت ایک ماں کے کتنی اہمیت دیتا ہوں۔ وہ ماں جس کی میں نے کبھی ان کاموں میں مدد نہیں کی، تم میرے لیے جواہرات سے بڑھ کر قیمتی ہو میں تمہیں انورڈ نہیں کر سکتا۔“ یہاں پوسٹ ختم تھی۔ کھٹ باکس میں میرے بیٹے نے اپنی بیوی کو کڑخانہ تحسین پیش کیا تھا۔

”میں تمہاری تمام تر خدمات اور قربانیوں کے لیے ہمیشہ تمہارا مشکور و احسان مند رہوں گا کہ تم نے میری اولاد کی



عشق کا مسالہ لکھنا سیدہ امینہ

بعد مرنے کے مرے تم جو کہانی لکھنا
کیسے برباد ہوئی میری جوانی لکھنا
یہ بھی لکھنا کہ میرے ہونٹ ہنسی کو ترسے
عمر بھر کیسے بہا آنکھ سے پانی لکھنا

تمام ہنر سایہ دار بیڑوں نے
تیرے بغیر دشتوں میں اپنے پیر بن کوتار تار
کر دیا ہے
اب کئی زرد ہے
کوہ کو تیری تلاش میں بھٹک رہے ہیں
اداسیاں..... اداسیاں
میرے در پہچوں میں گلابی دھوپ روز جھانکتی ہے
مکھڑا اس کی آنکھوں میں
وہ جگمگا نہیں نہیں
جو تیرے وقت میں زمین کے صبح ماتھے پر
سورج کی کہکشاں سجائے آتی تھیں
زمین بھی میری طرح ہے
تیرے بغیر اس کی کوکھ سے بھی اب
کوئی گلاب آگ نہ پائے گا
زمین بانجھ ہو گئی ہے
اور میری روح کی بہار آفریں کوکھ بھی
میری سوچ کے تصدف میں
”بیچے جناب آپ کے لیے گرامر مائے حاضر

بہترین پرورش کی۔ میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا کہ تم
میرے لیے کتنی اہم ہو
I Love You My Wife
I Love You for being
my waife, I Love you
میں عجیب سے احساسات میں گھری کر سی سے ابھی اور
کھڑکی کے پردے ہٹائے۔ سامنے والے گھر کے تیرس میں
میری ہی طرح کے ریٹائرڈ لائف گزارنے والے بڑھا بڑھیا
کر بیٹوں پر بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ انہیں یوں بیٹھا
دیکھ کر میرے اندر تنہائی سر اٹھانے کی تو میں نے واپس پردہ
بمبار کر دیا۔

عبید اور سیدہ دو سال قبل ہی دہی شفٹ ہوئے تھے اس کے
دوٹوں بچے پاکستان میں ہی پیدا ہوئے اور پلے بڑھے تھے۔
سیدہ کی خواہش تھی کہ وہ بھی جاب کرے لیکن عبید کے نزدیک
بچوں کی ابتدائی پرورش زیادہ اہم تھی۔ اس لیے پاکستان میں
سیدہ ہاؤس وائف ہی رہی، بچوں کے اسکول کوٹنگ ہو جانے کے
بعد اس نے جاب شروع کی، مجھے سیدہ کے اس پوسٹ کو شیئر
کرنے کی وجہ سمجھا گئی تھی۔
میں نے ہمیشہ خود کو وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل کیا، نئے
دور اور نئی نسل کے تقاضوں اور معیار کو فراموشی سے سمجھا اور
قبول کیا۔ مجھے ہرگز برا نہیں لگا کہ میری بہو نے میرے بیٹے
کو اپنی خدمات جتانیں، میرے دماغ میں تو میرے ماضی کی
فلم چل رہی تھی۔ میری شادی گھر میں مکمل طور پر محتاج
ساز میں اکلوتی بہو کام کاج کا انبار، نندوں کی شادیوں کی
ذمہ داریاں اپنے بچے پالتا پھر ساس کی فونک، مہمان داری
کیے بعد دیکھ رہی تھی پیدائش راتیں جاگتا، بے آرائی
پیاریاں اسکولنگ پڑھاتی، سہولیات اور وسائل کی کمی اشرف
کی بے پناہ مصروفیات..... اس سے بھی زیادہ بلیسٹ تھی جو
میں بنا سکتی تھی۔

Good Morning Every One

ان کی صبح ہو گئی تھی یہ ہیں آج کل کی مائیں جو صبح آنکھ کھلنے
پر منہ دھونے سے پہلے اپنی بھرے بالوں والی سوئی جاگی سیٹھی
لے کر فیس بک پر صبح بخیر کے کچن کے ساتھ اب لوڈ کرنی
ہیں۔ بلیر تو پلی بڑھی ہی مغرب میں تھی اٹھتے بیٹھے آپٹیشن اور
سیلفیئر لگا رہی تھی۔

ہائے یہ فیس بک مائیں
نہ پوری مغربی نہ پوری مشرقی



لیکن ہم مغرب کی عورتیں نہیں ہیں وہاں فیملی سسٹم ختم ہوتا
جا رہا ہے ایسے میں اگر کوئی بیوی یہ سب کرتی ہے تو شوہر کا اتنا
احسان مند ہوتا بھی کم ہے لیکن یہ مشرق ہے، ہم نے جہد مسلسل
سے پھر پور زندگی گزار لی نہ کبھی روٹا دیا نہ جھاننا شہری کی۔ یہ
آج کل کی مائیں ہیں جو زندگی مغربی طرز پر گزارنا چاہتی ہیں
لیکن حقوق اسلامی طرز کے دکار ہوتے ہیں۔ ان سے جب

226 آنجل نومبر ۲۰۱۷ء

لے لے میں چلی آئی اس کی عادت نہیں تھی کسی نہ کسی لڑکے کا دروازہ ناک کر کے اندر جانے کی اکثر اپنی اس عادت پر وہ پروین بیگم سے ڈانٹ کھا چکی تھی 'ایں وہ بھی غانیہ بھی مان جائے تو بہت بڑی بات تھی۔ لڑے میں قدم رکھتے ہی اس نے گہرا سانس لیا کیونکہ شاہ میر صاحب کھانے کا آرڈر کر کے خود نیند کے مزے لوٹ رہے تھے بمشکل اس نے اپنا اٹھا آنے والا غصہ کم کیا اور دماغ میں ایک نئی شرارت سوچی تو لب خود بخود مسکرا دیئے فریق سے بچ بچھٹے شہر پانی کی بوتل نکالی اور پوری کی پوری بے خبر سوئے شاہ میر پرالٹ دی اس افتاد پر وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھتا ہوا چلا۔

"یہ کیا حرکت ہے..... کیا تم باگل ہو؟" جواب میں وہ لکھلکھلا کر ہنس دی۔ سرخ سرخ آنکھیں لیے وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگا۔ آنکھوں میں کچھ نیند کے باعث گلابی ڈورے پڑ گئے تھے پانی گرنے کی وجہ سے بال ماتھے سے چپک گئے اور اب ان سے قطرہ قطرہ بوندیں گر رہی تھیں۔

"کھانا لائی تھی آپ کے لیے۔" وہ بڑی تابعداری سے بولی شاہ میر نے کچھ کہے بغیر اس کا اوپر سے نیچے تک کا جائزہ لیا۔ یلو شلوار پر دانت شیفون کی لاٹک شرت پہنے بے پردائی سے لیو کلر کا دوپٹہ کاندھوں پر ڈالے وہ آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی وہ پوری توجہ کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا غانیہ جھپٹی اور جھٹکلا چلائی۔

"کیا ہو گیا ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟"

"میں ماموں سے بات کرنے والا ہوں۔" شرارت اس کی آنکھوں سے عیاں تھی وہ نا سمجھی سے دیکھنے لگی۔

"کس سلسلے میں؟"

"ہم دونوں کی شادی کے سلسلے میں۔"

"کیا..... نہیں آپ ایسا نہیں کریں گے۔" وہ رو دینے کو ہوئی تو شاہ میر مسکرا دیا۔

"تمہارے انکار کی کوئی ٹھوس وجہ بھی تو ہو۔" اس نے تھوڑا سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ اسے جواب میں کچھ نہ

سوچا تو کھانے کی جانب اشارہ کرنے لگی۔

"کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" غانیہ کے کہنے پر اس نے ٹرے بند پر ہی رکھ لی اور پھر اسی ٹاپک پر آ گیا جس سے وہ بچنے کے لیے فرار کی راہیں ڈھونڈ رہی تھی۔

"مجھ میں کچھ برائی ہے کیا میں کما تا نہیں ہوں یا نڈ کرتا ہوں یا یہ کہ میری شکل بد صورت ہے..... ہاں بتاؤ؟" وہ ناراض لہجے میں بولا تو غانیہ کا غصہ عود کر آیا۔

"خدا خواستہ میں نے ایسا کب کہا؟"

"ادھر دیکھو میری طرف۔" وہ سر جھکائے بات کر رہی تھی اس کے کہنے پر جو سر اٹھا تو نظریں جھکنے کو تیار نہیں تھیں اس وقت وہ اپنے آپ کو بالکل بے بس محسوس کر رہی تھی۔

وہ بے حد وجہ یہ شخصیت کا حال تھا وہ چاہے جالے کے قابل، بچپن سے آج تک وہ بھٹی آئی تھی آج جوں کی نظر سے دیکھا تو نگاہیں بھی چیخ چیخ کر اس کی محبت کا اعتراف کر رہی تھیں۔ چاہے جانے کا احساس بھی کتنا خوب صورت ہوتا ہے یہ آج اسے معلوم ہوا تھا۔ بڑی بڑی سیاہ روشن آنکھیں چوڑی پیشانی پر بکھرے بال ادا ہلکی بڑی ہوئی شیو گندی رنگت اور کھڑی ناک وہ بے حد غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا غانیہ کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔

"کیا ہوا غانیہ..... بتاؤ ناں کیا میری بات بری مگی ہے تمہیں؟" غانیہ کی اس درجہ خاموشی پر وہ قدرے سنجیدہ ہوا جب وہ کچھ نہ دھتھے پن سے بولی۔

"مجھے نہیں پتا جیسے آپ کی مرضی۔" وہ نوالہ لیتی اٹھ کھڑی ہوئی وہ بھی کھانا کھا چکا تھا سو اس کے ساتھ ہی خود بھی کھڑا ہو گیا۔

پتا نہیں کیا کرو یا تھا اس شخص نے وہ بے بس ہو کر رہ گئی تھی اتنے دن سے وہ مسلسل انکار کر رہی تھی اب اس پوزیشن میں بھی نہیں رہتی تھی کہ انکار کرے کیونکہ کوئی جواز جو نہیں تھا۔ کوئی احتجاج نہیں کر سکتی تھی اور اس کی آنکھوں میں روشن ستاروں سے وہ ہار گئی تھی۔

"تھینک یو۔" وہ کھل کر مسکرایا وہ جانے لگی تو اس نے پکارا۔

"غانیہ....." وہ پلٹ کر دیکھنے لگی شاہ میر سینے پر ہاتھ باندھے مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

وہ دو قدم آگے بڑھتا ہی وہ ہیچ چپک سے کمرے سے باہر نکل گئی البتہ پیچھے شاہ میر کا بلند دبانگ قہقہہ واضح سنائی دیا تھا۔

.....

"سر..... مینٹگ روم میں سب ہی آپ کے منتظر ہیں مجھے خاور صاحب نے بھیجا ہے۔" درکر کے بتانے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا وہ اوکے کہتا آفس روم سے باہر نکل گیا۔

"سر..... یہ عازرہ علی ہیں جن کا پچھلے ہفتے سلیکشن ہوا تھا۔" خاور صاحب کے بتانے پر بلا ارادہ ہی اس کی نگاہ اٹھی پھر فوراً ہی دوبارہ جھکالی تھیں البتہ عازرہ نے انور اسے دیکھا تھا بے حد سرخ سرخ آنکھیں کھڑی ناک اور پیشانی پر بڑی سیلوٹیں کسی کو بھی اس سے بے تکلف نہیں ہونے دیتی تھیں بلاشبہ وہ بے حد خوب صورت تھا وہ مرعوب ہوئی اور اپنی پوری زندگی میں اس نے آج تک اتنا ذخیہ نہ روئیں دیکھا تھا جتنا باس کی سیٹ پر بیٹھا شاہ میر لگ رہا تھا۔

آفس سے نکلے اسے کافی دیر ہو چکی تھی بے مقصد گاڑی سڑکوں پر گھماتے ہوئے آخر تک کر اس نے ایک جگہ روکی یہ وہی شاہنگ سینئر تھا جہاں وہ اکثر غانیہ کے ساتھ آیا کرتا تھا آج کتنے دنوں بعد وہ اس مال میں آیا تھا۔ غانیہ کی ڈیوٹی کے بعد اس نے ہر اس جگہ جانا چھوڑ دیا تھا جہاں اس روٹے قسم کی یاد اس کی اپنی ذات بھی بھلا دیا کرتی تھی۔

شام چار بجے کا وقت تھا ہلکی پھلکی دھوپ نے سب جگہ اپنا پھرہ ڈال رکھا تھا ادنیٰ و سہر کے دنوں میں یہ گرم گرم سہری دھوپ بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت کر دہ نعمت تھی ایک الگ ہی مزہ دیتی وہ کارلاک کر کے شاہنگ

مال کے اندر چلا آیا تھا مختلف ڈیزائن کے ملبوسات پیچر میں لٹکے بہت اچھے لگ رہے تھے بے اختیار ہی وہ ایک میروں کلر کی لاٹک شرت جو پیچر میں لٹکی ہوئی تھی گلے اور دامن پر ٹپسی کی کڑھائی ہوئی تھی بے حد خوب صورت لگ رہی تھی وہ اٹھا کر بے خود سدا دیکھنے لگا سامعوں میں پھر کسی کی آواز گونجی تھی۔

"شاہ میر یہ دیکھیں میں زاریہ کی شادی پر یہ ڈریس پہنوں گی کیا ہے؟" وہ میروں شرت اپنے ساتھ لگائے اس سے مخاطب تھی اس کی بچی رنگت پر یہ لکھلکھ بھی بہت رہا تھا۔ شاہ میر شوخ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر گئی تھیں اسے لگا اگر وہ یہاں ایک منٹ بھی اور رکا تو اس کی دماغ کی کوئی رگ پھٹ جائے گی۔ شاہ میر کی آنکھیں جلنے لگی تھیں وہ لمحہ بھی ضائع کیے بغیر تقریباً بھاگتے ہوا شاہنگ مال سے نکل آیا اور اگلے دس منٹ میں وہ گھر پہنچ گیا تھا۔ جیلہ بیگم لاؤنج میں ہی براجمان تھیں وہ ان ہی کے پاس آکر بیٹھ گیا تھا اور شاہ میر کا اداس چہرہ ان کا دل چیر گیا تھا۔

"امی..... ماموں نظر نہیں آ رہے کہیں گئے ہیں کیا؟" شاہ میر نے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔

"افضل بھائی تو ابھی باہر گئے ہیں اور بھابی سو رہی ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" ان کی پوری بات سن کر اس نے سر ہلایا وہ جانے لگا تب وہ کچھ ہچکچا کر کہنے لگیں۔

"بیٹا تم شادی کرلو۔" شاہ میر کے اعصاب مثل ہوئے تھے آنکھیں پھونک رہی تھیں۔

"نہیں..... غانیہ کے بعد کوئی نہیں۔"

"لیکن بیٹا..... ایسا کب تک....." وہ پوری بات بھی نہیں کر پاتی تھیں جب اس نے ان کی بات درمیان سے ہی کاٹ دی تھی۔

"میں نے کہا نہیں تو نہیں۔" بے حد غصوں لہجے میں

کہتے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا جبکہ جمیلہ بیگم کی آنکھوں سے مٹی آنسو چمک چمک پڑے تھے۔

پہلے جان سے پیاری بیٹی کی موت اور اب اکلوتے پیارے بیٹے کا بکھر اور ٹوٹا پھوٹا جدِ اُنہیں مزید دکھ سے دوچار کر گیا تھا۔

”ہوں۔“ وہ اب بھی اپنے کام میں مصروف تھی۔
 ”یا رخصتہ سے کہو ناں باہر چلی جائے اب میں اس
 کے سامنے تو.....“ شاہ میر نے اس کے کان میں سرگوشی
 کی، غانیہ کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوئیں، سارا خون
 چہرے پر سٹ آیا پوری کندھاری اتار لگ رہی تھی اس
 وقت اگر شاہ میر اسے دیکھ لیتا تو شاید ہی نگاہیں ہٹا پاتا۔
 خفصہ (ملازمہ) برتن دھونے کے بعد ادب و پکچ
 کی صفائی کر کے خود ہی باہر چلی گئی، شاہ میر نے سکھ کا
 سانس لیا۔

”آپ..... آپ باہر جائیں پلیز۔“ سرخ چہرے لیے
 نگاہیں جھکائے ہوئی سرخ چہرے پر حیاہ بار نکلیں اور
 ان پتلیوں پر عارضوں کا کھٹنا شاہ میر کی دل کی دنیا کو تہہ
 بالا کر گیا تھا اس کا انداز بڑا دلربا سا تھا شاہ میر نے بڑی
 دلچسپی سے دیکھتے ہوئے اس کے موہنی روپ کو انی
 کھوں میں سمیٹا تھا۔ ان دنوں زاریہ کے رشتے کی
 بات چل رہی تھی عرفان شیرازی انہیں ہر طرح سے
 فریٹ لگا دیا ابجو کبھٹ اور ڈشنگ پر سناٹی رکھنے والا
 عرفان سب کو بے حد پسند آتا تھا۔ اس کے فیملی ممبر تقریباً
 سارے ہی بڑے لکھے اور سلجھے ہوئے لوگ تھے، زاریہ
 اور عرفان کی مکتفی والے دن غائبہ اور شاہ میر کی بھی مکتفی
 کی رسمیں سارے مہبان پہلے ہی گھر میں پہنچ چکے تھے۔

”کیا کر رہی ہو تم دونوں؟“ شاہ میر پانی پیتے پکین
میں آیا تو ان دونوں کو دہاں کھڑے دیکھ کر پوچھنے لگا۔ وہ
دونوں اس وقت پکین میں کھڑی رات کے کھانے کی
تیاری کر رہی تھیں۔ زاریہ شاہی کباب کا مصالحہ لیے اب
اس میں مختلف اشیاء ملا رہی تھی البتہ غائبہ ایسے کھڑی تھی
جیسے دہاں موجود ہی نہ ہو۔ شاہ میر کے پوچھنے پر زاریہ
نے گہرا سانس ہوا کے سپرد کیا اور بولی تو بچے میں خود بخود
بے جا رکی دس آئی تھی۔

”اچھا امی نے ایسا کہا؟ بتاؤ غانیہ.....“ اب کے اس نے غانیہ کو مخاطب کیا جو رخ موڑے کئی گ پر دھڑا دھڑ سلا کے لیے کھیرے کاٹ رہی تھی شاہ میر کے پونچھنے پر پلٹ کر اسے خفگی سے گھورنے لگی شاہ میر کا ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا تھا۔ غانیہ نے داپس چہرہ موڑا اور اس کی ہنسی کو بھی پر یک لگے۔

”اچھا میں ابھی آتی ہوں۔“ زار یہ کہ شاید کوئی کام یاد آیا تو وہ چہن سے باہر چلی گئی۔

میں بیٹھی کتنی خواتین نے غانیہ کے نصیب پر رشک کرتے ہوئے بے شمار آہیں بھری تھیں۔ زاریہ بہت پیاری لگ رہی تھی اس کا لباس بھی غانیہ کی طرح ہی تھا، شادی کی ڈیٹ فکس ہو چکی تھی جو کہ ایک سال کے بعد کی رکھی گئی تھی ابھی وہ دونوں کامرس فاسٹل ایمر کی اسٹوڈنٹ تھیں ایم کام کپلیٹ ہونے میں ابھی وقت تھا۔

کبھی بھی یوں چلتے چلتے
 بے نشان منزل کی طرف
 پاؤں میں چھالے پڑ جاتے ہیں
 آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں
 منظر اوجھل ہو جاتے ہیں
 بہت سے اپنے کھو جاتے ہیں
 منزل پر بھی نہیں ملتی
 آنکھ میں پلتے سارے خواب
 راکھ کی صورت ہو جاتے ہیں
 تعبیر پھر بھی نہیں ملتی
 روح تک زخمی ہو جاتی ہے
 کبھی بھی یوں چلتے چلتے
 بے نشان منزل کی طرف

کے دروازے پر کھڑا کوئی اندر آنے کی اجازت طلب کر رہا تھا۔

”سران فائلوں پر آپ کے دستخط چاہیں۔“ اس نے شاہ میر سے کہا اور فائل اس کے سامنے رکھ دی۔

”یہاں سر۔“ اس نے قدرے جھک کر فائل پر ایک طرف انگلی رکھی شاہ میر نے دستخط کر کے فائل

”جی کہیے اپنی پرابلم؟“ اسے پچھتے دیکھ کر شاہ میر نے پوچھا۔

لگ رہی ہیں؟“ وہ جانے لگی تب اس نے پکارا تو وہ لب سے ایسے ہی کھڑی رہی۔ بہت کم بولتے پایا تھا شاہ میر نے اس لڑکی کو جانے کیسا دکھ تھا جو اسے زمانے سے کترائے رکھتا تھا بڑی بڑی سحر آکھیں جو ہمیشہ جھگی رہتی تھیں جیسے اگر ایک پل کو بھی اٹھ گئیں تو سانے دالے سے ان آنکھوں کا مجید چھپا نہیں رہے گا۔ وہ آفس میں بھی چادر ہی میں خود کو مقید رکھتی تھی وہ اپنے کام سے کام رکھنے والی لڑکی تھی، کبھی کبھار شاہ میر اسے دیکھ کر چونک جاتا تھا کیونکہ وہ زیادہ تر غائمی کی عادات و اطوار سے مشابہت رکھتی تھی، وہ ابھی تک ایسے ہی خاموش کھڑی تھی شاہ میر انتظار میں تھا کہ اب وہ کچھ بولے شاید اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔

ماہر نکھیں اٹھا کر اسے دیکھا اور زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔

”کیا؟“ شاہ میر نے آنکھیں پھیل کر پوچھا۔

”وہ سر..... ک..... کچھ..... اے..... اے..... اے..... اے..... اتنا کہنے میں ہی اس کی سانس پھولنے لگی تھی نہ چاہتے ہوئے بھی شاہ میر کے لبوں پر مسکراہٹ گھل گئی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے آج کتنے دلوں بعد وہ یوں مسکرایا تھا اسے خود بھی حیرت ہوئی تھی غائبہ کے جانے کے بعد اس نے مسکراہٹ سے جیسے اپنا ناظمی توڑ لیا تھا۔

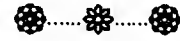
”ایڈوائس سیکری چاہیے؟“ شاہ میر کے پوچھنے پر ایک مرتبہ بھر پہلے کی طرح اثبات میں سر ہلایا۔

”اماں! اپنے پسند کی شادی کی کمی اس لیے سہیال سے تعلق نہ رہا تھا اور وہ سہیال میں ایک پھوپھو ہیں لیکن وہ ہمیں اپنے گھر رکھنے کو تیار نہیں اس لیے پچھلے پانچ مہینے سے ایک دارالامان میں رہ رہے ہیں اور یہ ایڈوائس بھی میں نے اپنے بھائیوں کی فیس کے لیے آپ سے لیا ہے۔“ اب وہ کافی حد تک سنبھل گئی تھی شاہ میر کی ہامت میں کسی آواز کی بازگشت ہونے لگی تھی۔

”آپ کو بھی کوئی پیاری لڑکی مل جائے گی شاہ میر اگر کوئی مجبور اور بے بس انسان ملے تو اسے بھی اکیلا نہیں چھوڑنا۔ کسی کے چلے جانے سے زندگی ختم نہیں ہوتی، طوشیاں ہمارے دروازے پر دستک دینے ضرورتی ہیں بس ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولنے کی دیر ہوتی ہے۔“ اس نے آنکھیں سختی سے سچھ لیں غائبہ کے علاوہ کسی اور کا انصاف کرنا ہی سوا ہاں روح تھا۔

”تم کیسے کہتی تھیں محبت میں بغاوت چلتی ہے عشق میں نہیں“ میرادل آ کر دیکھو جو تھارے عشق میں روز روتا ہے میں عشق میں بھی بغاوت کر لیتا اگر جو موت تمہیں دارا مہلت دیتی غائبہ..... وہ دل ہی دل میں غائبہ سے مخاطب تھا اس دن کے بعد سے اس نے عازنہ کے ہر طرح سے مدد کی اسے دارالامان سے نکال کر شہر کے

قریب ہاسٹل میں ان کا بندوبست کروایا اس کے بھائی اور اس کے لیے پک اینڈ ڈراپ کا مسئلہ بھی حل کیا ایک کل وقتی ڈرائیور روز انہیں لانا اور لے جاتا تھا۔



اس شام عرفان اور شاہ میر لان میں بیٹھے تھے جب مین ڈور سے غائبہ اور زاریہ کی انٹری ہوئی زاریہ کو دیکھ کر عرفان کے چہرے پر سوال کا بلب روشن ہوا تھا تو زاریہ کے چہرے پر بھی شرمیلی مسکان ورا آئی تھی جبکہ غائبہ اپنے فون پر مصروف تھی شاہ میر کو دیکھنے پر اس نے بھی اسے اسماں پاس کی تھی۔ ان دونوں ان کے بی کام فائل ایئر کے ایگزائم چل رہے تھے۔ دوپہر کی شفٹ تھی اس لیے وہ سرشام گھر لوٹی تھیں۔ شاہ میر اور عرفان کو لان میں ہی چھوڑ کر وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ گئی تھیں ان دونوں کی دیکھا دیکھی وہ دونوں بھی اٹھ کر اندر چلے آئے لاؤنج میں وہ دونوں لچ کرنے میں مصروف تھیں۔

انہیں اتنے انتہا کے کھاتے دیکھ کر شاہ میر کو شرارت سوچھی اس نے اپنے چہرے پر مصیبت طاری کرتے ہوئے کہا۔

”توبہ!“ اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

”بالکل بھوک بلیوں کی طرح کھا رہی ہو جن کو دو دنوں سے کھانے کو کچھ نہ ملا ہو۔“ شاہ میر کے اس طرح کہنے پر انہیں برا تو بہت لگا لیکن وہیٹ بنی کھاتی رہی جب وہ دوبارہ بولا تو عرفان کو اپنی کسی ضبط کرنا مشکل ہو گئی تھی۔

”ہم نے تو نایابے بھوکے دیکھے نہ سنے امی اور مامی نظر نہیں آ رہی کہیں تم دونوں کو اس طرح کھاتے دیکھ کر بے ہوش تو نہیں ہو گئیں۔“ انداز ابھی بھی چھیڑنے والا تھا غائبہ تپ گئی۔

”جی نہیں پوچھ کر آئی ہوں میں ابھی امی نے بتایا آپ بی وی کافل وائلیم آن کیے کوئی مودی دیکھ رہے تھے اور عرفان بھائی کیسے مزاج ہیں؟ آئی انکل ٹھیک ہیں؟“ اب وہ عرفان سے مخاطب ہوئی اور زاریہ اٹھ کر کمرے کی

جانب بڑھ گئی تھی جو ان دونوں کا مشترک کھانا تھا۔

”جی اللہ کا شکر ہے۔“ عرفان نے بے غلوص لہجے میں جواب دیا غائبہ مسکرا دی ساتھ اپنی مطلوبہ چیزیں بھی سینے لگی۔

”شاہ میر تم نیوز کاسٹر کی جاب کرو گے؟“ عرفان نے شاہ میر کو دیکھ کر پوچھا شاہ میر نے براسامنے بنایا۔

”نہیں یار آفس کا کام کیا کم ہوتا ہے جو نئے دکھڑے پال لوں۔“

”نہیں اگر تم نہیں کرنا چاہتے تو غائبہ یا زاریہ سے پوچھ لو اگر وہ یہ جاب کرنا چاہیں تو.....“ اس نے شاہ میر کے انکار پر دوبارہ پوچھا غائبہ کے کان فوراً کھڑے ہوئے بچن کی طرف برستی وہ شاہ میر کے جواب کی منتظر تھی کہ وہ کیا کہتا ہے۔

عرفان جو خود ایک پروڈیوسر تھا اور اپنے والد ایاز شیرازی کا بزنس میں بھی ہاتھ بٹاتا تھا ابھی سچے دن پہلے ہی اسے ایک چینل سے نیوز کاسٹر کی آفر ہوئی تھی پہلے تو اس نے منہ منہ کرنا تھا پھر شاہ میر سے پوچھ کر جواب دینے کا کہہ کر کچھ دن کے لیے ٹائم مانگ لیا تھا۔

”مجھے نہیں بتایا راما ابونے زاریہ کی ذمہ داری تمہیں سونپی ہے وہ تمہاری منگیتر ہے تم خود بہتر جانتے ہو خود اس سے رائے طلب کر لو اور رہی غائبہ کی بات تو میں ان ٹیڈکل مردوں میں سے نہیں ہوں جو عورت پر ضرورت سے زیادہ پابندیاں عائد کرتے ہیں۔ غائبہ خود اپنے فیصلے کی مختار ہے وہ حق رکھتی ہے اپنے لیے اچھا برا سوچنے بجھنے کا ماموں تو ویسے بھی اسے منع نہیں کریں گے اور میرا نہیں خیال کہ وہ بھی کوئی غلط قدم اٹھائے گی اگر وہ نیوز کاسٹر کی جاب کرنا چاہے گی تو میری طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں۔ اسے اجازت ہے یہ جیسے چاہے خوش رہے۔“ شاہ میر کے جواب پر عرفان نے اسے مسکرا کر دیکھا بہت متاثر ہوا تھا وہ شاہ میر اور اس کی باتوں سے آنے والے پانچ دن وہ ایگزائمز میں بہت زیادہ مصروف رہی تھی چہرہ ایک دن کے وقفے سے

ہور ہے تھے۔

اس دن عرفان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں غائبہ سے اس کی رائے بھی لی گئی جس پر غائبہ نے اس کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا۔ شاہ میر تو خوشی سے نہیال ہو گیا تھا اور اسے جاب کرنے کی اجازت دے دی تھی زاریہ کو اس جاب میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا۔ ویسے بھی ان کے خاندان میں لڑکیوں کی بات کا بھی مان رکھا جاتا تھا اور جاب وغیرہ کرنا معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ خود پروین اور جلیلہ بھی شادی سے پہلے جاب کیا کرتی تھیں شادی کے بعد چھوڑی گئی ایگزائمز سے فارغ ہونے کے بعد غائبہ نے نیوز کاسٹر کی جاب جو ان کر لی تھی اس کی دوپہر کی شفٹ تھی ایک سے تین کی۔ انہی دنوں غائبہ کی ایک کلاس فیلو نے ایک این جی او اوپن کرنے کی ولی خواہش ظاہر کی تھی جس پر غائبہ اور زاریہ نے بے حد خوش اسلوبی سے اس کے ساتھ تعاون کیا تھا فلاح و بہبود کے کاموں میں تینوں کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ اس این جی او میں عورتوں کے مسائل حل کیے جاتے اور ان کے حقوق کے لیے آواز اٹھائی جاتی، بے شمار غربت کے مارے لوگوں کے گھروں میں ہر مہینے راشن دیا جاتا اور ان کے بچوں کے پڑھائی کے اخراجات پورے کیے جاتے تھے۔ ان تین لڑکیوں کو اتنا بڑھ چڑھ کا کام کرتے دیکھ کر ابر کلاس کے بے شمار گھروں نے ان سے ہر طرح کا تعاون کرنا شروع کر دیا تھا وہ بھی ان غریب معصوم بچوں کو پڑھتا دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اس لیے بہت جلد یہ این جی او اپنی جگہ بنا گئی تھی۔

عائشہ کی شادی کی دھوم مچ گئی وہ شادی ہو کر پہلے کچھ مہینے تو پاکستان میں ہی رہی پھر اس کا شوہر اسے امریکہ لے گیا اور وہیں شفٹ ہو گیا تھا غائبہ جانے سے پہلے ہی غائبہ کو چیئر مین کی سیٹ پر بٹھا گئی تھی اس سے پہلے عائشہ چیئر مین تھی اتنی کم عمری میں اتنی عزت و شہرت مل جانا بہت کم لوگوں کے نصیب میں آتا ہے۔ زاریہ انچارج بننے پر خوش تھی وہ دونوں ایک ساتھ ہی رہتی تھی

غانیہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

کچھ دنوں سے وہ بہت اداس دکھائی دے رہی تھی، شاہ میر نے بھی اس کا اترا ہوا چہرہ کھونچنے کی بھرپور کوشش کی تھی لیکن کوئی منفی پہلو نظر نہیں آتا تھا۔ نیوز کی جاب بھی اس نے چھوڑ دی تھی، وجہ صرف یہ تھی کہ اسے اپنی مرضی کرنے کی عادت تھی جو ایڈیٹر صاحب خیریں لکھ کر دیتے تھے وہ زیادہ جھوٹ اور کم کج پرستی ہوتی تھیں۔ غانیہ کو یہ بات کسی صورت ہضم نہیں ہوتی تھی ساری دنیا میں جھوٹ کا بازار گرم تھا، ہر کوئی انسان جھوٹ بولنے پر فخر محسوس کر رہا تھا تو وہ اپنے تئیں ساری وہ خبریں نشر کرنے لگی تھی جو جھوٹ ہوا کرتیں اسی سبب میرا کی جانب سے اس جینٹل کو بند کرنے کے آؤ رڈ آ گئے تھے کچھ لوگوں نے تو اس کے اس جذبے کو بے حد سراہا تھا اور کچھ لوگ اس کے دشمن ہو گئے ابھی ایک ہفتے پہلے ہی کی بات تھی جب وہ ایک بچے اپنی جاب پر پہنچی تو وہاں ایڈیٹر صاحب نے واضح لفظوں میں اس کی بے عزتی کر کے اسے جاب سے نکال دیا تھا۔

”مس غانیہ آپ اس دور میں رہ رہی ہیں تو اس دور کے طور طریقے بھی سیکھ لیجیے یہاں سب کچھ نہیں چلتا کچھ جھوٹ کا بھی سہارا لینا پڑتا ہے اور مزید یہ کہ اب آپ گھر جاسکتی ہیں معاف کیجیے گا لیکن آپ جیسے لوگوں کی ہمیں ضرورت نہیں۔“ ایڈیٹر صاحب کی باتوں نے اس کے سینے میں آگ سی بھردی تھی۔ یہ تھے مسلمان جن کا ظاہر و باطن کچھ تھا، مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کے دل کتنے کالے تھے اس کی آنکھیں برس رہی تھیں۔ ان باتوں کو ہمیدہ بھر ہی بیٹھا تھا جب اسے دوبارہ جاب کرنے کا شوق چڑھا افضل صاحب کی تو وہ تھی ہی لاڈلی وہ کوئی بھی فرمائش کرتی فوراً پوری کر دی جاتی اسی وجہ سے اس کی طبیعت میں تھوڑا ضدی پن پایا جاتا تھا۔

شاہ میر نے اسے جاب کی اجازت دے کر اپنی زندگی کی سب سے بڑی اور سنگین غلطی کر ڈالی تھی اس وقت جو غانیہ کام انجام دے رہی تھی اس کی خبر نہ گھر میں

کسی کو تھی نہ شاہ میر کو البتہ ساتھ رہتی زار یہ بھی بے خبر تھی کہ آج کل وہ کیا کر رہی ہے۔

عائشہ زاری بہت سنگین رہتی تھی وہ کم عمر تھی غانیہ کو پہلی مرتبہ اسے دیکھ کر جھٹکا لگا تھا کیونکہ وہ کوئی اور نہیں اس کی کلاس میں پڑھنے والی لڑکی تھی۔ غانیہ اس کے بارے میں زیادہ تو نہیں اتنا ضرور جانتی تھی کہ اس کا صرف معذور باپ تھا ماں بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھیں۔ اس کے علاج کے لیے وہ آئے دن کسی نہ کسی اسکول میں جاب کرتی تھی اس نے ایک بار غانیہ کے بے حد اصرار پر اسے بتایا تھا کہ اس کے باپ نے کچھ لوگوں سے قرضہ لے رکھا تھا جس کو چکانے کے لیے وہ بہت محنت کرتی تھی۔ اب یہاں عائشہ کو دیکھ کر اس نے اس کے حالت زار کے بارے میں دریافت کیا تھا جب وہ ہلک ہلک کر روئی سب بتاتی چلی گئی تھی غانیہ بغورا سے سستی رہی تھی۔

”میرے والد نے اپنی کمپنی کے پاس سے قرضہ لیا تھا جب وہ چل سکتے تھے پھر ان کا کارڈ ایکسیڈنٹ میں ایک ٹانگ کا کٹ جانا میری زندگی کی روشنی چھین گیا تھا۔ پاپا نے جو قرضہ دکان کھولنے کے لیے لیا تھا کہ اس سے ایک چھوٹی موٹی پرچون کی دکان ہی کھولی تھی وہ سارا پیسہ پاپا کے علاج معالجے میں صرف ہو گیا پھر کچھ دن بعد ہی باس ہمارے گھر قرضہ مانگنے آئے میں اس وقت چودہ پندرہ سال کی تھی۔ پاپا کے علاوہ میرا اس دنیا کوئی نہ تھا۔ ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی تھے پاپا کے پاس دینے کو ایک پائی بھی نہیں تھی۔ تب پاپا کے پاس نے سفاکی کی انتہا کرتے ہوئے اپنے پندرہ سالہ بڑے بیٹے سے میرا زبردستی نکاح کر دیا لیکن غازیان بہت اچھے تھے ان کا اتنا پیار پا کر میں پھر سے جینے لگی تھی جب ان کے باپ نے انہیں بیرون ملک بھیجا اور وہاں ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔“

”تو کیا غازیان دوبارہ نہیں آئے؟“ غانیہ نے پوچھا۔

”لوگ کہتے ہیں ان کی موت ہو گئی لیکن مجھے یقین نہیں آیا۔“ وہ آنسو صاف کرتی بتانے لگی تھی۔ ”اس کا بس نہیں چلتا غانیہ یہ میری عزت کی دجیاں ادھیڑ دے تم میری مدد کرو گی میرے والد کے قاتل ہیں یہ لوگ میں انہیں سزا دلوانا چاہتی ہوں۔ تمہیں یہاں نہیں آنا چاہیے تھا غانیہ یہاں ہر لڑکی کو مجبور ہونے کا تادان بھرتا پڑتا ہے۔“ وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی غانیہ کو کچھ سمجھ نہیں آیا۔

”کیا مطلب کیا تاوان؟“

”یہاں جاب کے نام پر غلط کام ہوتا ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا کیا غلط کام؟“ وہ اب واقعی پریشان ہو گئی تھی ایک خوف ناک اندیشے نے اس کے جسم میں اپنے بچنے کا ڈر ڈال دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ اس کے پاس ہم پھوڑ رہی تھی غانیہ کی آنکھیں پھٹنے کے قریب ہوئیں۔

”تم..... تمہارے ساتھ بھی؟“ اس نے انک انک کر پوچھا۔ جواب میں عائشہ نے انفرادی سے اثبات میں سر ہلادیا۔

”یا اللہ مجھے شاہ میر نے کتنا منع کیا تھا۔“ اس کا دل دہل گیا تھا۔ ”پھر تو ہمیں یہ جاب ابھی چھوڑ دینی چاہیے۔“

”ہاں، لیکن اس سے پہلے میں انہیں پکڑوانا چاہتی ہوں آج باس نہیں ہے تو صرف دو مرد اس روم میں یہاں کی پانچ لڑکیوں کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔“ عائشہ نے خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کیا جب غانیہ بولی۔

”ایک کام کر سکتے ہیں ہم۔“

”وہ کیا؟“

”یہ سب لوگ ہمارے ساتھ ہیں؟“ اس نے ہال میں موجود لوگوں پر نظر ڈال کر عائشہ سے پوچھا اس نے ہال میں سر ہلادیا۔

”ہم یہاں کھڑکی سے ان لوگوں کی ویڈیو بنائیں گے۔“

”نہیں یہ بہت مشکل ہے اگر انہیں ذرا بھی بھٹک پڑے گی تو ہماری موت عقرب ہے۔“ عائشہ ابھی بھی ڈر رہی تھی جبکہ غانیہ کو کوئی ڈر نہیں تھا۔

”تم چپ رہو میں خود ان خبیث لوگوں کی ویڈیو بناؤ گی۔“ اور اگلے کچھ منٹ میں جو غلاطی سے بھرا کام اندر ہو رہا تھا وہ سب اس ویڈیو میں دکھنے لگا تھا۔

”لیکن یاران لڑکیوں کی واضح فوٹو ز آ رہی ہے ان بے چاری کا کیا ہوگا یہ تو بلاوجہ بدنام ہو جائیں گی۔“ عائشہ فکر مند تھی۔

”میں ان کو ٹھیک کر والوں گی۔“ غانیہ کے کہنے پر اس نے سکون کا سانس لیا اور اللہ سے دعا کرتی رہی۔ کچھ شریف لڑکوں نے بھی ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا دوسرے تیسرے دن ہی عائشہ نے اس کمپنی کے پاس اور اس کے دم ہلاتے وفاداروں کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا تھا جس کے سبب اس کمپنی کے سب لوگ جو غلط کاموں میں ملوث تھے لاک اپ میں بند تھے کوئی ثبوت نہیں تھا ان کے پاس عدالت میں کیس کی تاریخ 18 تھی اور غانیہ صرف 18 تاریخ کا انتظار کر رہی تھی۔ یہ ویڈیو والا ثبوت وہ آخری تاریخ والے دن ہی دکھانا چاہتی تھی اور جس کے سبب ان کے بچنے کے کوئی آثار نہیں تھے اور 18 نومبر اس کی زندگی کا آخری دن ہوگا یہ تو بھی خود غانیہ نے بھی نہیں سوچا تھا۔

تین سال پہلے غانیہ کا این جی اوز جو ایک دم چلتے چلتے اس کی ناگہانی موت کے سبب بند ہو گیا تھا وہ آج تین سال بعد بھی ویسے ہی بند پڑا تھا۔ شاہ میر نے خود اس این جی او کے مین ڈور پر ایک بھاری تالا لگایا تھا۔ وہ ہر دن اس دروازے کے قریب سے گزرتا تھا آج پھر وہیں کھڑا تھا آنکھوں میں نمی لیے اس نے ہاتھ بڑھا کر تالا کھولا دروازے کے قریب اوپر سے نیچے تک لگی وہ کاسنی پھولوں کی تیل جو اس نے اور غانیہ نے ساتھ لگائی تھی آج ہول مٹے میں تھڑکی اپنی بے قدری پر ماتم

انہیں تھی۔ وہ یہاں آتا تو دل کو سکون بخشنے تھا لیکن دل تو اس میں ہوتا تھا۔ ایک ایک چیز کو چھو کر دیکھتا وہ اس میز پر نیل کے قریب آ گیا جہاں وہ میز پر رکھی فریم شدہ تصویر میں اپنی پوری دلکشی لیے مسکرا رہی تھی۔ یہ وہی مکتبی لے روز کی تصویر تھی ایک شاہ میر کے آفس روم میں رتی تھی دوسری غانیہ کی میز پر۔

یہ چراغ بے نظیر ہے یہ ستارہ بے زباں ہے ابھی تجھ سے ملتا جلتا کوئی دوسرا کہاں ہے انہی راستوں نے جن پر کبھی تم تھے ساتھ میرے مجھے روک روک پوچھا تیرا ہم سفر کہاں ہے میاؤں میاؤں..... ابھی وہ تصویر لے کر ادیکھ ہی رہا تھا جب وائٹ بلی اس کا دھیان پٹا لگئی تھی۔ شاہ میر نے چونک کر بلی کو دیکھا اور پھر ماضی میں بھٹک گیا۔ اس دن موسم بہت پیارا ہو رہا تھا صبح سے بلی پھلکی اندھ ہانڈی میں سرسبز لہراتے خوشنما پودے جولان میں لگے ہوئے تھے اللہ کی رحمت سے خوب لطف اندوز رہے تھے وہ دونوں اس وقت لاؤنج میں براجمان تھے۔ شاہ میر کو اندر آتا دیکھ کر دونوں نے مسکراہٹ کا اشارہ کیا تھا۔ بارش نے اسے اچھا خاصا بھگو دیا تھا کافی لمبا تھا وہ اندر آیا اور اس کے ساتھ اس کے پیچھے پیچھے آکر مول سی وائٹ بلی بھی آ گئی۔ شاہ میر نے پلٹ کر الجھاب بلی اس کا پانچ منہ میں دبائے بڑی آس بھری اکاؤں سے دیکھ رہی تھی۔

”ہالہا.....“ غانیہ اور زاریہ کی بھرپور ہنسی تھی شاہ میر نے پھر گھوڑا پھر بلی کو دیکھ کر گہرا سانس لے کر مسکرایا۔

”ٹھہہ..... ٹھہہ.....“ اس نے ملازمہ کو آواز دی۔

”عالمہ وڑی چلی آئی تھی۔“

”جی صاحب۔“

بلی کے سامنے رکھ دیا اب بلی دودھ پینے لگی تھی لیکن اس کی نظریں شاہ میر پر ہی لگی ہوئی تھیں وہ ہنستا ہوا کپڑے چنچ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ اور جب واپس آیا تو دیکھا بلی غانیہ کی گود میں چڑھی بیٹھی ہے وہ شاید بارش کے باعث سردی محسوس کر رہی تھی غانیہ نے اسے کمرے میں لپیٹ رکھا تھا وہ اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔

”کیا بات ہے انسان تو انسان اب تو جانور بھی آپ کے عشق میں مبتلا ہونے لگے ہیں خیر تو ہے یہ واردت کب ہوئی میری جگہ تو سیو ہے نا؟“ ہلکے سے سرگوشی کی تھی غانیہ بے ساختہ ہنس دی تھی۔

اس کی لگائی گئی ہر چیز ہر تصویر میں اس کی یاد جھلکتی تھی۔ اس حادثے کے بعد افضل صاحب اور پروین بہت خاموش اور رنجیدہ ہو کر رہ گئے تھے۔ شاہ میر کو تو ان دنوں اپنا بھی ہوش نہیں رہتا تھا ایسا کون سا دن ہو گا جب وہ رویا نہیں تھا۔ شام کے پانچ بج رہے تھے بلی کہیں باہر چلی گئی تھی وہ بھی مین ڈور لاک کر تا اپنی کمار میں آ بیٹھا۔

غانیہ نے جس طرح ہڑ بونگ چاکر جاب کی اجازت طلب کی تھی اب اس کے برعکس بڑی خاموشی سے یہ آفس والی جاب چھوڑ بھی دی تھی اور دوبارہ کہیں جاب کرنے کا نام تک نہ لیا تھا جس کی وجہ سے گھر میں سب ہی خوش تھے۔ آنے والے طوفان کی کسی کو بھی خبر نہیں تھی زاریہ اور عائشہ کی اسکول کے زمانے سے کبھی نہیں بنتی تھی اس لیے غانیہ اور عائشہ کے درمیان جو بھی گفتگو ہوتی وہ اس سے یکسر لاعلم ہی تھی۔ جس دن سے اس نے جاب سے ریٹائر کیا تھا اس کے تھوڑی دن بعد اسے رانگ نمبر سے دھمکی آمیز کالز موصول ہونے لگی تھیں۔ وہ ویڈیو کیسٹ غانیہ کے پاس موجود تھی اس لیے رانگ کالز بھی اسے ہی موصول ہو رہی تھیں۔ ابھی تھوڑی دیر قبل موصول ہونے والی کال اس کا دماغ ہلا گئی تھی وہ اس آفس کے باس رشید ربانی کا ہی فون تھا۔

”ٹو کیا سمجھتی ہے میں جیل پہنچا کر کسکھ کا سانس لے لے گی، ہم تیری زندگی ہی تجھ سے چھین لیں گے، موت کی تاریکیوں میں دھکیل دیں گے تجھے۔“ وہ اپنے منہ سے ہر اگل رہا تھا غانیہ کا ضبط جواب دینے لگا تھا۔

”اور تم کیا سمجھتے ہو تم جیسے کالی بھیروں سے میں ڈر جاؤں گی، مجھے نہیں معلوم کل کا سورج میرے لیے زندگی کی نئی نوید لے کر آتا ہے یا موت کا پیغام لیکن وہ دن دور نہیں جب تم جیسے لوگ موت کے گھاٹ اتارے جاؤ گے۔“ وہ چپ ہوئی جب دوسری طرف شخص پھر اٹکارے جانے لگا تھا۔

”دیکھو ہم تمہیں شرافت سے کہہ رہے ہیں تم وہ ویڈیو کیسٹ ہمارے حوالے کر دو ورنہ.....؟“

”ورنہ کیا..... ہاں ورنہ کیا.....“ اس کے غرانے پر غانیہ اس سے زیادہ تیز چلائی تھی۔

”ورنہ ہم بری طرح پیش آئیں گے، جان لو کہ تم ایک لڑکی ہو۔“ رشید نے ہنستے ہوئے کچھ جھلانا چاہا۔

”لڑکی ہوں مگر کنزرو نہیں سچ اور حق پر بغاوت کرنے والوں کو قتل کرنے کا جنون میرے سینے میں، میری رگوں میں ابوبن کر گردش کرتا ہے۔ دل کرتا ہے تم جیسے لوگوں کے منہ پر تیزاب ڈال کر انہیں جلادوں جس منہ سے تم لوگ عورت کو گالی دیتے ہو۔ وہ ہاتھ کاٹ دوں جس سے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑتے ہو۔ اپنے ملک کے ماسوروں کو ختم کرنا تو میرا بھی فرض ہے فرض ہے کہ عورت کو برباد کرنے والی ہر ذات کو زندگی سے ترسا دوں۔“ وہ بولنے پر آئی تو پھر بولتی ہی چلی گئی رشید ربانی کا وجود آگ پر تپنے لگا تھا۔

”اور ہاں کل وہ ویڈیو عدالت میں ضرور دکھاؤں گی جو کرتا ہے کہ لو تم جیسے عیاش لوگوں کی اصل صورت کیا ہے وہ دکھانی ہے تجھے۔“ اتنا کہہ کر وہ کال ڈسکنکٹ کرنے ہی والی تھی جب وہ بولا تھا انداز میں بڑا غرور پن جھلک رہا تھا۔

کزن ہے ناں وہ ہماری دسترس سے دور نہیں۔“ دھمکی دی گئی تھی وہ پھر بھی متجسس سا مسکرائی۔

”جو کرتا ہے کہ لو مجھے اپنے رب رحیم پر بے شمار بھروسہ ہے، وہ ذات میرے شاہ میر کی حفاظت بھی کرے گی اور مجھے یہ کیس بھی جتوائے گی۔ تمہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے نہ دھکیلا تو میرا نام بھی غانیہ افضل نہیں۔“ یہ کیسا یقین تھا لہجے میں کیسا اطمینان تھا رشید ربانی آگے کچھ بول ہی نہ سکا۔ غانیہ نے کال کاٹ دی اور کمپیوٹر روم میں چلی آئی۔

”غانیہ یہ سب کیا ہے؟“ غانیہ نے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا دروازے کی سیٹ میں وہ کھڑا تھا شاید اسے معلوم ہو گیا تھا وہ جو کر رہی تھی شاہ میر اس بات کی تہہ تک پہنچ چکا تھا غانیہ نے گہرا سانس لیا۔

”میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں۔“ وہ ذرا سا چلا کر بولا۔

”مجھے بالکل سمجھ نہیں آ رہا، آپ مجھ سے کس کی بابت پوچھ رہے ہیں۔“ غانیہ جانتی تھی وہ کیا پوچھ رہا ہے پھر بھی انجان بننے کی کوشش کرنے لگی شاہ میر تاسف سے اسے دیکھنے لگا۔

”تم کیوں پرانے جھگڑے میں پڑنا چاہتی ہو کیوں اپنی جان جو کھوں میں ڈال رہی ہو یہ جانتے ہوئے اتنا پیار کرتے ہیں ہم سب تم سے کچھ تو خیال کرو۔“ غانیہ نے بغور اسے دیکھا اسے شاہ میر کی بات بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔

”آپ مجھے حق اور سچ کی راہ سے ہٹانا چاہتے ہیں آپ چاہتے ہیں میں کسی کمزور اور بے بس انسان کی مدد نہ کروں آپ چاہتے ہیں جو ہو رہا ہے ہونے دوں۔ میں بھی اپنا میسر سچ کر ضمیر فروشوں میں نام کھوا لوں یہ چاہتے ہیں آپ۔“ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ خود بخود سخت ہوتا گیا تھا۔

”آپ جانتے ہیں شاہ میر یہ ملک جس میں اب شاید ہی کوئی زندگی کی رتق باقی ہو لیکن ہماری پاک

فوج آج بھی پہلے کی طرح اپنی جانیں قربان کرتی ہے۔ پاک فوج ہر جنگ عظیم میں شہید ہوتی ہے اور اس عظیم قربانی کو اپنا فرض سمجھتی ہے جب وہ وطن کی بقا اور سلامتی کے لیے اپنی جان کی قربانی نہیں کرتی تو کیا ہم عوام چھوٹے موٹے کیسور کاسلوشن نہیں نکال سکتے۔ کیا ہم پر فرض نہیں ہم بھی اس ملک کے کام آئیں اس ملک میں پریشان رہنے والے لوگوں کی مدد کریں اور سچ اور حق کی راہ میں قربان ہو بھی گئے تو کیا حرج ہے اللہ ہم سے خوش ہوگا۔“

”یہ سب درست ہے لیکن زندگی کی بھی کچھ ترجیحات ہیں انہیں مت بھولنا انہیں مت فراموش کرو اپنا نہیں تو ہمارا ہی خیال کر لو جو تم سے جان سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ غانیہ..... میں تم سے عشق کرتا ہوں میں تمہیں ہرگز کھونا نہیں چاہتا۔ تم..... تم زندگی ہو میری اولین محبت ہو۔“ وہ اسے سمجھاتے سمجھاتے تھک گیا تھا مگر غانیہ پر اس کی باتوں کا ذرا بھی اثر نہیں ہوا تھا اور مذاق کے موڈ میں آ گئی تھی۔

”بات ذرا چھوٹی ہے مگر وزن رکھتی ہے زندگی زندگی ’زین ہوتی‘ زندگی میں محبت ہوتی ہے اور اگر مجھے کچھ ہو بھی جاتا ہے تو آج مری کل دوسرا دن ہوگا زندگی کب رکنی چاہے کبھی مل جائے گی کوئی پیاری سی لڑکی بالکل میری جیسی لیکن ایک بات شاہ میرا اگر کوئی مجبور اور بے بس لڑی ملے تو اسے کبھی اکیلا نہیں چھوڑنا۔“ وہ اب بھی مذاق کے موڈ میں تھی شاہ میر کو غصہ ہو کر آتا۔

”بس کر لی بکواس تم مجھ سے اب پتو کی۔ بہت شوق ہے تمہیں مرنے کا میرا سوچا ہے کبھی میں کیسے جیوں گا۔“ اب وہ تھوڑا ناراض ہوا تھا۔

”غلط..... بے حد غلط مرنے والوں کے ساتھ مرا نہیں جاتا۔ اپنے پیچھے دوسروں کا سوچنا ہوتا ہے اور ہاں زندگی جینے کا ہنر سب کو آ جاتا ہے کبھی آ جائے گا۔“ وہ دم کی آواز میں بات کر رہی تھی شاہ میر اسے بخور دیکھنے لگا وہ غانیہ کو ہمیشہ لالہالی اور بے پروا سمجھتا تھا لیکن آج

کھڑا رہا پھر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔

دوسرے دن صبح وہ جلدی بیدار ہوئی تھی آج اٹھارہ نومبر تھی دل و دماغ بالکل خالی ایسا لگتا تھا جیسے ہوا میں معلق ہو۔ ڈانٹنگ ٹیبل پر ناشتے کے لیے سب ہی موجود تھے وہ بھی جلدی جلدی فریش ہو کر وہیں آ گئی۔ چیئر سنبھالتے ہوئے پہلی نگاہ شاہ میر کے ناراض چہرے پر پڑی ایک پل کو لب مسکرائے مگر شاہ میر کی بے گامگی دیکھ کر دل میں درو کی ایک ٹپس اٹھی تھی۔ افضل صاحب اخبار ہاتھ میں لیے درق گردانی کر رہے تھے۔ ناشتے کی ٹیبل بجی ہوئی تھی کمرے سے ذرا جو ایک چیز میں بھی ڈانٹہ محسوس ہوا ہو۔ چیئر آ لیٹ تھپتھپ کے پراٹھے دینی اجارہ بریڈ اور سب سے بڑھ کر اورنگ جوس۔

”بھنا..... کہیں جانا ہے کیا؟“ اسے بار بار گھڑی کی طرف دیکھتے پھر افضل صاحب نے پیار سے پوچھا وہ ہلکا سا مسکرا دی۔

”جی پیادہ آپ کو بتاتا تھا ناں ایک دوست کی پہلیپ کرنے۔“ اس نے آدھا چائ اور آدھا جھوٹ کہا افضل صاحب نے مطمئن ہو کر دوبارہ اخبار کی جانب نگاہ مبذول کر لی۔

امی اور پھوپھی ناشتا کر رہی تھیں انہوں نے غانیہ سے کوئی سوال نہیں کیا تھا البتہ شاہ میر کی آنکھوں میں واضح ناراضگی دیکھی جاسکتی تھی۔ زار یہ ناشتا ختم کر کے اٹھ چکی تھ وہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اس نے امی پھوپھو اپنے پاپا کو صرف یہ بتایا تھا کہ ایک دوست کو مدد کی ضرورت تھی تو وہ دونوں مل کر مدد کر رہی ہیں۔ گھر میں ان دونوں کے اس طرح بھلائی کے کام کرنے پر سب بہت خوش تھے وہ خود کو بھی نہیں بتاتی شاہ میر اور زار یہ کبھی اپنی قسم دے کر گھر میں بتانے سے منع کر دیا تھا۔ وہ دونوں اب تک خاموش تھے۔ کپڑے چھینچ کرنے اور ضروری پیپر ز لینے میں انہیں مزید پندرہ منٹ لگ گئے کار زار یہ ڈرائیو کر رہی تھی پہلے ان کا ارادہ عائشہ کی وکیل جو اس کا کیس لڑ رہی تھی ان کے گھر جانے کا تھا مگر راستے میں کچھ

نظم

جلتے ہی رہتے ہیں
خواہشوں کی آگ میں
آگ سے کب پھول نکلتے ہیں
راکھ ہی بن جاتے ہیں
بس جانتے ہوئے بھی انجان ہیں
یہ خاک کے پتلے کتنے نادان ہیں

حرا کریم..... میا نوالی

لوگوں نے ان کی کار کا پیچھا کرنا شروع کر دیا تھا اس لیے وہ عدالت پہنچ گئیں عائشہ اور اس کی وکیل نمرہ آفندی بھی وہیں موجود تھیں۔

اس وقت گیارہ بج رہے تھے اور اتنے دن کی مسافت کے ٹھیک کچھ گھنٹے بعد ہی عائشہ زاری بڑی خوش، مطمئن اور سرشار سی عدالت سے باہر آئیں۔

اس کے ساتھ غانیہ زار یہ اور ایڈووکیٹ نمرہ آفندی بھی موجود تھ وہ چاروں بہت خوش تھیں کیونکہ کیس غانیہ کی توفیق کے مطابق وہیں جیتی تھیں۔ ویڈیو والا ثبوت اس نے صرف بیج صاحب کو دیکھنے کو کہا تھا۔ نمرہ آفندی بھی آج بہت خوش تھی۔ اسی خوشی کے سلسلے میں اس نے واپسی پر گاڑی پر گر کار زار پر روکی تھی اور سب کو ساتھ کھیٹ کر اندر لے گئی۔

چاروں ایک ایک چیئر پر بیٹھ گئیں زار یہ عائشہ اور نمرہ آفندی باتوں میں مصروف تھیں اسے شاہ میر کا خیال آیا تو شرارت کے طور پر اسے ایک ساتھ دو نظیلیں سینڈ کیس۔

سنو جاناں.....

مرنے سے ذرا پہلے اک مری خواہش ہے
میری قبر پر چلے نا
وہاں سو بہانے کو
مگر پھر سوچتی ہوں
ان آنسوؤں کا کیا فائدہ

جنہیں میں صاف نہ کر سکوں
جن سے تمہیں تکلیف ہو

تو پھر تم اک کام کرنا
میری قبر پر آنا ضرور

مجھے یاد ضرور کرنا
کہ جب تم مجھے یاد کرو گے تو مجھے احساس ہوگا
کہ.....

میری محبت میں تم بھی
پل پل جیتے ہو

سنو جانا.....
مجھے یاد ضرور کرنا

بس.....

مرنے سے پہلے میری اتنی سی خواہش ہے

نظم سینڈ کیے ابھی کچھ ہی پل گزرے تھے کہ اس
کے موبائل پر شاہ میر کی کال آ گئی۔ غانیہ نے ایک نظر
ساتھ بیٹھی اپنی دوستوں کو دیکھا اور اٹھ کر ایک سائینڈ پر
چلی آئی۔

”کیا بکواس ہے یہ؟“ ابھی اس نے کال اٹینڈ
ہی کی تھی جب دوسری طرف شاہ میر غرایا تھا وہ دھیمہ
سامسکراوی۔

”آپ بات کیوں نہیں کر رہے تھے مجھ سے؟“
وہ تھوڑا سنجیدہ ہوئی۔

”تمہیں کون سی پروا ہے میری؟“ دوسری طرف سے
اسی کے لہجے میں جواب لوٹا یا گیا تھا۔

”ٹھیک ہے پھر مت کریں مجھ سے بات۔“ اس کا
گلا رندہ سا گیا۔

”غانیہ.....!“ شاہ میر نے پکارا وہ چپ رہی۔
”تم کب تک آ رہی ہو..... کیا میں لینے آ جاؤں؟“

اس کی خاموشی پر شاہ میر کو احساس ہوا کہ وہ کچھ زیادہ ہی
روڈی ہو کر گیا جب ہی لہجے کو نارمل کیا تھا۔

”آپ مجھ سے ناراض تو نہیں ہیں؟“
”نہیں جانی..... میں بھلا تم سے ناراض ہو سکتا
کچڑا دیا۔“

ہوں۔“ شاہ میر کے کہنے پر اس کے چہرے کی مسکراہٹ
پھر سے لوٹ آئی۔

”ہم تھوڑی دیر میں آ رہے ہیں آپ کہاں ہیں؟“
”میں آفس میں ہوں مینٹنگ کے لیے جا رہا
ہوں ٹھیک ہے پھر بات کریں گے۔ اللہ حافظ۔“ یہ
کہتے ہی زوردار قہقہہ کے ساتھ شاہ میر نے کال
ڈسکنکٹ کر دی تھی۔

”غانیہ ان سے ملو یہ ہیں میرے شوہر غازان.....“
عائشہ کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر عائشہ کو اس
کے چہرے پر بچی خوشی کے سارے رنگ ہو رہے تھے۔

”السلام علیکم سر!“ اس نے باادب سلام کیا۔
”وعلیکم سلام۔“ غازان جواب دے کر عائشہ کی

طرف متوجہ ہو چکا تھا وہ زاریہ اور نمرہ آفندی کے پاس
چلی آئی۔

”چلو زاریہ گھر چلیں۔“
”ہاں چلو۔“ زاریہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی نمرہ بھی

ساتھ ہی اٹھ گئی جبکہ غانیہ کی سوچ میں گم تھی۔
”او میڈم آپ کہاں کھو گئیں؟“ نمرہ کے ہلکے پھلکے

انداز بروہی میں سر ہلایا۔
”کوئی بات ہے؟“ نمرہ نے پھر پوچھا۔

”اس پاس کے دوسرے بیٹے کا کچھ بتا ہے وہ ملک
سے باہر بھاگ گیا تھا اگر کچھ گڑبڑ کر دی تو۔“ وہ بے حد

سنجیدہ تھی۔
”دیکھا جائے گا“ تم پریشان مت ہو۔“ نمرہ نے

اسے رساں سے سمجھایا اور لگی دینے لگی۔
”غانیہ میں نے کہا تھا ناں تمہیں مجھے یقین ہے

غازان ضرور آئیں گے۔“ عائشہ اور غازان ساتھ ہی
کھڑے تھے وہ خوش شکل انسان واقعی بہت اچھا تھا

غانیہ زاریہ اور نمرہ آفندی کا بے حد مشکور بھی وہ بالکل
اپنے والد سے برعکس تھا۔

”آپ سب نے بہت اچھا کیا جو اس گینگ کو

”یہ تو فرض تھا اور فرض ہمیشہ پورے ہی کرنے
چاہیں۔“ زاریہ کے انداز پر سب ہنسنے لگے تھے پھر

تھوڑی دیر میں وہ دونوں باہر نکل آئیں۔
”تم گاڑی میں بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔“
سامنے شاہنگ سینئر کی اونچی عمارت دیکھ کر وہ رک کر

زاریہ سے بولی۔
”چلو میں بھی ساتھ چلتی ہوں۔“ زاریہ کے کہنے

پر اس نے کچھ پل کھڑے رہ کر سوچا پھر اثبات میں
سر ہلادیا۔

ابھی وہ تھوڑی دور ہی پہنچی تھی کہ فضا میں فائرنگ کی
آوازیں گونجنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ان عجیب و

غریب شکل والے لڑکوں نے انہیں بھی اپنی گولیوں کی
لیٹ میں لے لیا تھا۔ زاریہ کے بائیں بازو پر ایک گولی

لگی تھی جبکہ غانیہ کے ایک سر پر درد دینے میں لگیں۔ ایسا
لگتا تھا جیسے وہ صرف غانیہ کو ہی مارنے کا ارادہ باندھ کر

آئے تھے جو کہ مکمل ہو چکا تھا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا
تھا کہ کسی کو بھی سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

زاریہ اپنی تکلیف بھول کر سامنے چت لپٹی غانیہ جو
خون میں لت پت تھی کو دیکھ رہی تھی ایک زوردار چیخ فضا

میں گونجی تھی پھر ہر طرف سناٹا چھا گیا۔
اسپتال میں اس وقت سب موجود تھے شاہ میر اس

وقت ایک اہم ڈیپلی کیشن کے ساتھ مینٹنگ میں بڑی تھا
جب اس کے فون پر افضل صاحب کی کال آئی تھی۔

”جی ماموں۔“
”بیٹا ابھی ہسپتال آ جاؤ۔“ ان کی آواز بتا رہی تھی کہ

وہ بہت مشکل سے یہ بات کر رہے ہیں شاہ میر کا دل
ایک پل کے لیے زور سے دھڑکا تھا۔ دماغ میں عجیب و

غریب دوسو سے س آنے لگے تھے۔ اس نے سر جھٹک
کر کال کی جانب سماعت مبذول کی۔

”خیریت ماموں..... کیا ہوا کون ہے ہسپتال
میں؟“ اسے تشویش نے اپنے گھبرے میں لے لیا تھا۔
”بس بیٹا تم آ جاؤ۔“ افضل صاحب کا آرزو

ممکین غزل

ہم کو نشے میں سیدھا بھی الٹا دکھائی دے
عالم تمام اک تماشا دکھائی دے

وحشت میں کیا بتائیں کیا کیا دکھائی دے
وحشت میں ہم کو مجنوں بھی لگتی دکھائی دے

شاید کہ اختابات کا سیزن قریب ہے
لیڈر جو ہم پر جان چھڑکتا دکھائی دے

جب سے سنا ہے جیب میں اک پائی بھی نہیں
ہر دوست اپنا رنگ بدلتا دکھائی دے

بھرتی کیے ہیں ہاس نے جس دن سے رشتے دار
دفتر کا سب نظام بگڑتا دکھائی دے

آیا ہوں جب سے بھاگ کر میں ہسپتال سے
پہلے سے میرا حال سنبھلا دکھائی دے

لاکھ پتی ہے سیٹھ مگر اس کے باوجود
سرمایہ اس کو اتنا بھی تھوڑا دکھائی دے

خود چمکے نے لاکر دی مجھے جب کتاب
آسان اب کیوں نہ مجھے پرچہ دکھائی دے

ہم آپ ہی واڈا والوں کی نوازش نہیں نیا
ہر شخص روشنی کو ترستا دکھائی دے

عائشہ حن ہنسی..... دیالی مری

لہجہ بہت کچھ جتا رہا تھا اس کی آنکھیں خود بخود غم
ہونے لگی تھیں۔

”یا اللہ سب ٹھیک ہو۔“ بے اختیار ہی اس کے لب
سے دعا کے لفظ ادا ہوئے تھے مگر قبولیت کا وقت شاید اب

نہیں رہا تھا۔ رابطہ منقطع ہو چکا تھا وہ بہت ریش
ڈرائیو کر کے ہسپتال پہنچا تھا اور نظر سامنے بیڈ پر بے

جان خون میں لت پت وجود پر پڑی تھی زمین کھسک گئی
تھی اس کے پیروں تلے سے۔ سامنے ہی ایک لیڈی

ڈاکٹر کھڑی تھیں۔
”ڈاکٹر.....“ وہ متحیر سا ڈاکٹر کی جانب بڑھا تھا۔

”شی از نومور.....“ ڈاکٹر کے الفاظ تھے یا ایٹم بم وہ ایک ٹک ڈاکٹر کو دیکھتا رہا پھر بیٹھ پر بے جان وجود کی طرف آیا تھا آنکھوں سے قطرہ قطرہ آنسو بہنے لگے تھے۔

”غانیہ..... غانیہ اٹھو..... اٹھو ناں.....“ وہ اسے دھیرے دھیرے ہلارہا تھا۔ خون میں ترچہ رہا تھا۔ پیالے میں لیے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”یہ فاول ہے تم مجھ سے ناراض نہیں تھیں پلیزی یوں نہیں کرو اٹھو غانیہ..... ایسا نہیں کرو۔ میں..... میں ہر جاؤں گا تمہارے بغیر..... اٹھو نہ غانی..... شدت غم سے وہ چیخ رہا تھا۔

”اٹھو غانی..... اپنے شاہ میر کو مت تکلیف دو۔“ وہ بری طرح اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ رہا تھا۔ کمرے میں سب ہی بے تحاشہ رو رہے تھے۔

افضل صاحب نے آگے بڑھ کر روتے شاہ میر کو اپنے کمزور بازوؤں میں بھینچ لیا تھا وہ اٹھائیس سالہ مرد بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا وہ بھرچکا تھا ٹوٹ چکا تھا۔

”غانیہ کو مارنے والے کوئی اور نہیں اس باس کا دوسرا بیٹا تھا جسے وہ بیرون ملک مقیم بھی تھی اسی نے مارا تھا اس نے بچ کا ساتھ دینے کے لیے اپنی جان کی بازی لگادی تھی۔“ اس نے آنسو صاف کر کے ساتھ کھڑی عازنہ کو دیکھا وہ بھی رو رہی تھی۔ اپنے ماضی کو آج پہلی بار اس نے عازنہ کے سامنے بیان کیا تھا۔

”آپ نے اتنا غم اپنے اندر چھپائے رکھا کبھی کسی سے شیئر کیوں نہیں کیا؟“

”کس کو بتاتا سب برابر کے شریک ہیں اس غم میں اور پھر میری ذات کا حصہ بھی غانیہ میں کیسے اپنے ہی آنسوؤں کا اشتہار لگاتا۔“ شاہ میر نے آہستہ سے جواب دیا۔

”غانیہ عازنہ مزید بولی۔

”زندگی ختم نہیں ہو جاتی ایک انسان کے چلے جانے سے ہمیں اپنے پیچھے اور بھی لوگوں کا سوچنا ہوتا ہے۔ جو صرف ہمارے لیے جیتے ہیں ہمیں ان کی خوشیوں کے لیے راہیں ہموار کرنی چاہیں۔ آپ کے گھر والے اگر آپ کے لیے ممکن ہیں تو آپ انہیں خوش کر دیں ان کی بات مان لیں، کر لیں شادی۔“ عازنہ کی بات پر وہ چونکا یہی تو غانیہ کہتی تھی یہی تو وہ اسے تلقین کر کے گئی تھی مگر وہ کتنا خود سر بن گیا تھا اسے صرف اپنے درد کی پروا تھی وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

”تم کرو مجھ سے شادی۔“

”جی.....“ بڑی دیر بعد وہ بولا تھا شاہ میر کے اس طرح کہنے پر وہ بے ساختہ ہنس اٹھا کر دیکھنے لگی۔

”ہاں میں غانیہ کی خواہش پوری کرنا چاہتا ہوں۔“

”نہیں سر..... آپ کو ایک سے ایک لڑکی مل جائے گی اور میں سرا کی نہیں ہوں میرے ساتھ میرے بھائی بھی ہیں انہیں میری ضرورت ہے۔“ آخری بات کہتے ہوئے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

”میں جانتا ہوں میری سانس پر میرے دل پر صرف غانیہ کا بوسہ ہے لیکن میں کوشش کروں گا تمہیں تمہارا حق دے سکوں۔“ اتنا کہتے ہی اس کی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئی تھیں جسے اس نے فوراً سے بیشتر عازنہ سے چھپا لیا تھا۔

”جہاں میں رہتا ہوں تم اپنے بھائیوں کو بھی رکھ سکتی ہو وہاں میری طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی۔“

”سر آپ.....“ اتنے سال بعد کسی انسان نے اتنی ہمدردی کی تھی وہ شاہ میر کے دونوں ہاتھ پر سر رکھ کر رو دی تھی۔

پھر اسی شام سب گھر والوں کی موجودگی میں اس کا ساگی سے نکاح ہو گیا تھا۔ ولیمہ ہوئے بھی دو دن گزر

چکے تھے اس وقت وہ اپنے روم میں بیٹھا تھا عازنہ صوفے پر بیٹھی تھی اس کے دونوں بھائی عمر، عمیر بھی اس کے ساتھ ہی تھے۔

”آپ آپ ولیم بن کر بہت اچھی لگ رہی تھیں۔“ یہ عمر تھا۔

”نہیں جی زیادہ اچھے شاہ میر بھائی لگ رہے تھے۔“ عمیر نے فوراً مداخلت کی۔

”جی نہیں، دونوں بہت اچھے لگ رہے تھے ہے ناں شاہ میر بھائی۔“ عمر کی بات پر وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا پھر مسکرا کر سر ہلا دیا۔

زار یہ جو غانیہ کی ڈیجھ کے بعد بہت خاموش رہنے لگی تھی عرفان سے شادی ہو کر وہ ایبٹ آباد چلی گئی تھی اور اب تین سال بعد ہی واپس آئی تھی جب شاہ میر نے خود شادی کی رضامندی دی تھی۔

”شاہ میر آپ کے لیے چائے لاؤں؟“ عازنہ کی آواز پر اس نے پلٹ کر دیکھا وہ غانیہ کی تصویر لیے اسے صاف گم رہا تھا عازنہ مسکرا دی۔

”ہاں لے آؤ۔“ وہ نرم اور دھیمے لہجے میں کہہ کر خاموش ہو گیا تھا عازنہ اسے تصویر کو لیے کھڑا دیکھتی رہی۔

”آپ اسے واپس اپنی جگہ لگا دیں۔“

”نہیں میں اسے کور میں لپیٹ کر رکھ رہا ہوں۔ میں غانیہ کے لیے رونا نہیں چاہتا اسے صرف اچھی یاد کی طرح اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔“ یہ تصویر کسی فنکشن کی تھی غانیہ منہ پر ہاتھ رکھے اپنی مسکراہٹ روک لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے ایک نظر کور میں لپٹی تصویر کو دیکھا پھر عازنہ کو جس کا منہ پھول گیا تھا بالکل غانیہ کی طرح وہ ہلکا سا مسکرایا۔

”مجھے میرے اللہ اور غانیہ کے سامنے سرخرو ہونے دو عازنہ میں نہیں چاہتا جب میں غانیہ سے ملوں تو وہ مجھ سے ناراض ہو کہ میں نے تمہیں تمہارا حق کیوں نہیں دیا۔ بے شک یہ بہت مشکل ہے۔“ شاہ میر کی آواز بھاری

مغربی اور شرقی ادب کی منتخب کجائیل کا مجموعہ



لفظ لفظ نگارے سطر سطر جس سے ہر ہلو تحریریں
ایسی کہانیاں اس سے ملتی ہیں جی ہوں گی

شائع ہو گیا ہے

مغربی ادب سے انتخاب
ہر ماہ نو سورت تراجم دس دس کی شاہکار کہانیاں
معروف ادیب زریں فسر کے قلم سے نکل ناول
مختلف ممالک میں پلنے والی آزادی کی تحریکوں کے پس منظر میں
ہر ماہ دس سورت تراجم دس دس کی شاہکار کہانیاں

اس کے علاوہ

خوب صورت اشعار منتخب غزلوں اور اقتباسات پر مبنی
خوشبوئے سخن اور ذوق آگہی کے عنوان سے مستقل سلسلے

اور بہت کچھ آپ کی پسند اور آرا کے مطابق

کسی بھی قسم کی شکایت کی صورت میں
021-35620771/2
0300-8264242

۱۱۔ لے گئی تھی جب وہ مسکراتی ہوئی اس کے ہاتھ سے
 ۱۲۔ لے کر واپس اس کی جگہ لگا کر بولی۔
 ۱۳۔ میں نہیں چاہتی کہ آپ غانیہ کو بھلائیں وہ یہی
 نہ کی ہم سب کے ساتھ۔ اس نے مسکراتی غانیہ کی
 ۱۴۔ ہم پر ہاتھ پھیرا اور پھر خود بھی مسکراتے ہوئے وہاں
 چلی گئی۔



اس وقت وہ قبرستان میں غانیہ کی قبر پر گلاب کے ترو
 ۱۵۔ پھول ڈال رہا تھا غانیہ کی دوسری لظم جو اس نے اس
 نام پر بھی تو تھی لیکن غصہ میں مفہوم نہیں سمجھ پایا تھا آج وہ
 لظم اس کے ذہن کے پروے پر ابھر رہی تھی۔
 جب میری موت کی خبر پہنچے تم تک
 تو بس اتنا کرتا

میرا نام فقط ایک بار اپنے لبوں سے ادا کرتا
 تم میری جدائی کا فقط چند لمحے افسوس کرتا
 الٹی آستی آنکھوں سے میرے نام کا آکے سو گراتا
 بومیری تڑپتی بلکتی محبت کو میرا ب کرے گا
 ۱۶۔ ہاروانہ ہو میری ڈوٹی شہر خوشیاں کی طرف
 اس چند قدم اسے اپنے کندھے کا سہارا دیتا
 لہ تمہارے وجود کی خوشبو کو
 میں اپنے اندر جذب کر سکوں
 لہ میں اتاریں جب لوگ مجھے
 تو اپنے لمس سے جھکتی مٹی کو
 مجھ پر ایک خری احسان کی صورت ڈال دیتا
 اور اگر کبھی تمہیں کسی موڑ پر

نہری یاد آ جائے
 تو بس آنکھیں بند کر کے مجھے یاد کرتا
 میں چاند کی کرنوں میں تمہیں نظر آؤں گی
 پھولوں پر گرے اوس کے قطروں میں تمہیں ملوں گی
 بھی خود سے بغاوت کر کے چپکے سے میرے شہر آتا
 تمہارے قدموں سے مٹی کی صورت لپٹ کر انہیں

پل دو پل
 جو میری مغفرت کے لیے ہاتھ اٹھاؤ گے
 میری قبر پر
 تو بارش بن کر
 تمہاری پتیلیوں پر گر کے جذب ہو جاؤں گی
 تمہیں نہ کبھی ستاؤں گی نہ کبھی رلاؤں گی

بن کر ایک انجان لمحہ
 تمہاری زندگی کے سپنوں میں کہیں گم ہو جاؤں گی
 چند بل جو جھگیں گی تمہاری پلکیں آنسوؤں سے
 اس پل میں تمہاری آنکھ سے
 ہمیشہ کے لیے اسون کر بہہ جاؤں گی
 دعا مانگ کر اس نے ہاتھ چہرے پر پھیرے پھر
 دھیرے دھیرے غانیہ سے باتیں کرنے لگا
 ”دیکھو غانیہ بہت خوش ہوں میں بالکل تمہاری
 طرح ہے عازنہ بالکل تمہاری طرح ہی مجھ سے لڑتی ہے
 زندگی میں ہر سو خوشیاں ہی خوشیاں ہیں۔ عازنہ سے
 بندھے ہر شے کو بہت ایمان داری سے مہار ہا ہوں کہ
 تم ناراض نہ ہو جاؤ۔ شوہر ہونے کے ناطے عازنہ سے
 بہت محبت بھی ہے مگر دل کا ایک گوشہ آج بھی تمہاری
 محبت سے آباو ہے جہاں کوئی اپنے قدم نہیں جھاسکتا۔“
 وہ اس کی قبر پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرتا کہہ رہا تھا پھر مسکرا
 کر اس کی قبر پر الوداعی نظر ڈالتے اٹھ کر قبرستان سے
 باہر نکل آیا۔



ہومیوڈاکٹر طلعت نظامی

ہائوسٹریا (Hystreia)

ہسٹریا (Hystreia) یونانی زبان کا لفظ ہے
 جس کے معنی بچہ دانی (Uterus) یہ ایک ایسا
 اعصابی مرض ہے جس کی وجہ نفسیاتی ہوتی ہے۔ اس
 بیماری سے یہ ضروری نہیں کہ نظام جسم میں بذات خود
 کوئی تکلیف پیدا ہو۔ ہسٹریا کا آلات
 تولید کے نظام عصبی سے گہرا تعلق ہے اس مرض
 میں نوے فی صد عورتیں اور دس فی صد مرد مبتلا ہوتے
 ہیں۔

یہ مرض عصبی ہے اور نظام عصبی کے افعال میں فتور
 واقع ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ مرض صرف عورتوں
 تک ہی نہیں کیونکہ یہ محض رحم کی خرابی سے پیدا نہیں
 ہوتا ہے بلکہ مردوں میں بھی یہ مرض دیکھنے کو آتا ہے۔
 اسے باؤ گولہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کہ جب
 اس مرض کا دورہ شروع ہوتا ہے تو مریض کو ایسا محسوس
 ہوتا ہے کہ اس کے پیٹ سے ایک گولہ اٹھ کر اوپر کو
 جا کر اس کے حلق میں اٹک گیا ہے۔

برائے طبیب اس مرض کو صرف عورتوں کی بیماری
 سمجھا کرتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ مرض رحم کی
 خرابی سے پیدا ہوتا ہے لیکن اب جدید تحقیق سے یہ
 بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ مرض ان عورتوں کو بھی ہوتا
 ہے جن کے رحم میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ عصبی مزاج
 کے مردوں کو بھی یہ مرض دیکھنے میں آتا ہے اس مرض
 میں کسی عضو میں کوئی خاص نقص نہیں ہوا کرتا بلکہ نظام
 عصبی کے فعل میں عارضی نقص واقع ہو کر اس مرض کا
 دورہ ہوا کرتا ہے۔

جو خواتین اس مرض میں مبتلا ہو جائیں اپنے آپ

کو مختلف امراض میں گھرا محسوس کرتی ہیں کوئی اپنے
 آپ کو فالج میں مبتلا سمجھتی ہیں کوئی عام جسمانی تکلیف
 بیان کرتی ہیں کوئی لنگڑا کر کوئی پاؤں کھینٹ کر چلتی
 ہیں۔ کوئی نچلے دھڑکے فالج میں خود کو مبتلا سمجھتی ہے
 لیکن جب کھڑا کیا جائے تو کھڑی ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ
 وہی طور پر بیمار ہوئی ہیں بعض کو گرانی سر کی شکایت
 ہوتی ہے بعض کو اختلاج قلب۔

بعض عورتیں حواس غماہری کی حس کو بہت تیز
 پاتی ہیں یعنی معمولی تیز روشنی کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتیں
 معمولی آواز کو تیز بھلی کو بہت زیادہ محسوس کرتی ہیں
 بعض خواتین پیٹ کے درد کی شکایت کرتی ہیں بعض
 گلے میں درم ہوتی ہیں کچھ امراض سل میں خود کو مبتلا
 پاتی ہیں۔

لیکن چونکہ وہ واقعی طور پر ان امراض میں اپنے
 آپ کو مبتلا سمجھتی ہیں اس لیے بالآخر ذریعہ رفتہ رفتہ وکیل
 کے زیادہ اثر کر لینے کی وجہ سے وہ واقعی ان امراض
 میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔

علامات کے لحاظ سے ہسٹریا کی دو قسمیں ہیں
 ☆ خفیف ہسٹریا
 ☆ شدید ہسٹریا

خفیف ہسٹریا
 مریض کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیٹ سے
 ایک گولہ اٹھ کر اوپر کو جاتا ہے اور گلے میں اٹک گیا ہو
 وہ اس کو نگلنے کی کوشش کرتی ہے اور اس کا دم گھٹنے لگتا
 ہے۔ یہ تکالیف جلد ہی دور ہو جاتی ہے مریض کو تھوڑا
 سر اور گردن میں سختی محسوس ہوتی ہے ڈکار آتے ہیں
 حکم پھول جاتا ہے دل دھڑکتا ہے پیشاب پتلا اور
 بکثرت خارج ہوتا ہے چہرے پر سرخی نمایاں ہوتی
 ہے۔

شدید ہسٹریا
 ایک مریض سچ مار کر رونے لگتی ہے یا زور سے
 ہنسنے لگتی ہے۔ سر میں تکلیف محسوس کرتی ہے پیٹ سے

کو لانا اٹھ کر اوپر کو جاتا محسوس ہوتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ زمین پر گر پڑتی ہے بظاہر وہ بے ہوش ہوتی ہے۔ لیکن آس پاس کی آوازیں کو بخوبی سنی ہے ہاتھ اور پیروں میں سچ ہوتا ہے۔ مرض کا دورہ لوگوں کی موجودگی میں پڑتا ہے یہ دورہ چند منٹ سے چند گھنٹوں یا دنوں میں محیط ہوتا ہے۔ ایک دورے کے بعد دوسرا دورہ فوراً پڑسکتا ہے سوتے میں دورہ نہیں پڑتا جب مرض کا حملہ دور ہو جاتا ہے تو مریض کو بہت نقاہت محسوس ہوتی ہے۔

ہسٹریا کی یہ نمود آگے بڑھ کر ارادی اور غیر ارادی عضلات (Voluntary and Involuntary) کو متاثر کرتی ہے تو شدید قسم کے تشنجی دورے پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ دورے محض لرزہ کی کیفیت سے لے کر شدید تشنجی بد وضع دوروں تک ہو سکتے ہیں ایک ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ ہسٹریا کے دوروں میں 'دانتوں کا بجنا' منہ کا ٹیڑھا ہونا، آنکھوں کا اوپر کی طرف چڑھ جانا، سلسل ڈھیلوں کا آنکھوں کے حلقوں میں گھومتے رہنا۔ ہاتھوں اور پیروں میں کھنچاؤ کا پیدا ہونا، مضمیوں کا بند ہو جانا، جسم کا اکڑ جانا دیکھا جاتا ہے۔ یہ کیفیت چند منٹ سے کئی گھنٹوں تک رہ سکتی ہے اور اس کے بعد پکا ایک آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور یہ بھی کیفیت اپنے آپ رخ ہو کر دورہ ختم ہو جاتا ہے۔

ہسٹریا کی یہ نمود آگے بڑھ کر ارادی اور غیر ارادی عضلات (Voluntary and Involuntary) کو متاثر کرتی ہے تو شدید قسم کے تشنجی دورے پیدا ہو سکتے ہیں۔ یہ دورے محض لرزہ کی کیفیت سے لے کر شدید تشنجی بد وضع دوروں تک ہو سکتے ہیں ایک ڈاکٹر لکھتے ہیں کہ ہسٹریا کے دوروں میں 'دانتوں کا بجنا' منہ کا ٹیڑھا ہونا، آنکھوں کا اوپر کی طرف چڑھ جانا، سلسل ڈھیلوں کا آنکھوں کے حلقوں میں گھومتے رہنا۔ ہاتھوں اور پیروں میں کھنچاؤ کا پیدا ہونا، مضمیوں کا بند ہو جانا، جسم کا اکڑ جانا دیکھا جاتا ہے۔ یہ کیفیت چند منٹ سے کئی گھنٹوں تک رہ سکتی ہے اور اس کے بعد پکا ایک آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اور یہ بھی کیفیت اپنے آپ رخ ہو کر دورہ ختم ہو جاتا ہے۔

بے حد اعصابی کمزوری پلاٹینا، فاسفورک ایسڈ، الٹرس فوری نو سا، مسلسل ایک ہی خیال کے تارک یک پہلو کو سوچے۔ اکٹھا، ٹکس و امیکا، جلیسی میم۔ حد سے زیادہ خوف اکوٹھیت، پلاٹینا، پلسا ٹیلا۔ توہمات:۔ بے خوابی مکی فیکوگا، ویلیر یا نہ سائی پریڈ میم، ہیڈ او ما۔ دل میں کمزوری ہائیڈو سیانک ایسڈ، فاسفورس۔

اسباب مرض یہ مرض موروثی ہوتا ہے جن والدین کو مرگی یا ہسٹریا کا عارضہ ہو ان کے بچوں کو یہ مرض ہو جاتا ہے۔ اس مرض میں عموماً بارہ سے چالیس سال تک کی عمر کی عورتیں مبتلا ہوتی ہیں۔ عورتوں میں حیض کی خرابی یا حیض کا بند ہونا، شہوانی خیالات کا غلبہ، عیش و عشرت کی زندگی گزارنا، رنج و فکر، غصہ و خوف، عشق میں ناکامی و بدنامی، دائمی غصہ، مردوں میں بکثرت دماغی

ہسٹریا

میمونہ رومان

مدیر نورین مہک..... کجرات

وہ ملا تو صدیوں بعد بھی میرے لب پر کوئی گلا نہ تھا اسے میری چپ نے رلا دیا جسے گفتگو میں کمال تھا روشی وفا..... ماچھیوال

فرمت قلیل کہانی طویل ہے شکوے تو ہزار ہیں مگر جانے دیجیے طیبہ خاور سلطان..... عزیز چک ڈیرا باد

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے شاہ قریشی..... ساہیوال

شب وصال ہے گل کردوان چرخوں کو خوش کی بزم میں کیا کام جلنے والوں کا نجم انجم خوان..... کراچی

نظروں سے پلا کے جام مدھوں کر دیا سنائی جو داستان ہجر تو خاموش کر دیا تقاضا تھا کہ اک بار نقاب رخ سے ہٹا دو درشن کر کے اس نے بے ہوش کر دیا مدیحہ کرن..... وزیر آباد

بیٹھ جاتا ہوں خاک پہ اکثر اپنی اوقات اچھی لگتی ہے غزالہ لہیر پر..... مری ڈنڈ

ہم طالب شہرت ہیں ہمیں تنگ سے کیا کام بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا رقیہ ناز..... وہاڑی

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا ان کا تھا کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا حنا نورین..... والدین

عشق دریا ہے جو تیرے وہ تہی دست رہے ہمارے دل کو بھلا رکھا ہے ہائے وہ درد کہ جس کا کوئی احساس نہیں آج اس دل کا ترنہ نہیں دیکھا جاتا یہ بھی اچھا ہے کوئی آس پاس نہیں نورین انجم خوان..... کراچی

وہ جو ڈوبے تھے کسی اور کنارے نکلے ارم کمال..... فیصل آباد

جو مسکرائیں تو ہنس ہنس پڑیں کئی موسم وہ سنگٹائے تو باد صبا ٹھہر جائے وہ ہونٹ ہونٹوں پر رکھ دے دم آخر مجھے گماں ہے کہ آتی قضا ٹھہر جائے

پر دین افضل شاہین..... بہاولنگر

شام کی دلہیز سے شمعیں اٹھا کر لے گیا کون ہے جو شہر کی رسمیں چرا کر لے گیا لوگ پاگل ہو رہے تھے بارشوں کی چاہ میں اور جھونکا بادلوں کو ہی اڑا کر لے گیا

یا سمین کنول..... پسرور

موسم گل میں اپنی شاخوں سے زرد پتے ہی بس جھڑے ہوں گے خود کو تنہا ہی پاؤ گے ہر پل شہر میں لوگ تو بڑے ہوں گے

سیدہ لباجاد..... کھر وڑکا

تسکین نہ ہو جس میں وہ راز بدل ڈالو جو راز نہ رکھ پائے ہم راز بدل ڈالو تم نے بھی سنی ہوگی کیا خوب حکایت ہے انجام کا ہو ڈر تو آغاز بدل ڈالو

سمیع غزل..... بی ایم

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے فریدہ جالید فری..... لاہور

آہ وہ یاد جس نے دل کو بھلا رکھا ہے ہائے وہ درد کہ جس کا کوئی احساس نہیں آج اس دل کا ترنہ نہیں دیکھا جاتا یہ بھی اچھا ہے کوئی آس پاس نہیں نورین انجم خوان..... کراچی

بارش ہوئی تو پھولوں کے تن جاک ہو گئے موسم کے ہاتھ بھیگ کر سفاک ہو گئے

بادل کو کیا خبر ہے کہ بارش کی چاہ میں
کیسے بلند و بالا شجر خاک ہو گئے
رویہ کوثر..... بستی ملوک
ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کت بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے
اسما گل مغن..... کوٹ مبارک
بات کب عشق کی ہونٹوں سے بیاں ہوتی ہے
عشق ہوتا ہے تو آنکھوں میں زبان ہوتی ہے
گل مینا خان ایندھینا چاچا ایس..... ہنسہ
ترے ہوتے ہوئے خالق
مجھ پر ہر شخص نے خدائی کی
سیدہ نادیہ حسن.....
حسین لگتی ہے کس قدر یہ برتی بارش
زار و قطار روتی ہوئی جیسے کوئی دوشیزہ
جاذبہ عبا..... مری
یہ جو رقص ہے میرا فرش پر
یہ ہی لے اڑا مجھے عرش پر
میری ذات میں جو دھال ہے
تیرے عشق کا یہ کمال ہے
انم زہرہ..... ملتان
میری راہ گز میری منزلیں میری محفلیں تیری ذات تک
میری خواہش میری جستجو میری ہر خوشی تیرے نام تک
ہو تیری سوچ میری یاد تک..... تیری گفتگو میری بات تک
ہو چہمیں میرے ساتھ کی آرزو میری زندگی کے بعد تک
تسلیہم حیراؤ..... اسلام آباد
خواب عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
طیبہ حنا..... تونسہ شریف
یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے
فہیدہ خالق..... برٹانی
جن جن کو تھا یہ عشق کا آزار مر گئے

اکثر ہمارے ساتھ کے بیمار مر گئے
سیرا گل ناز..... کراچی
غموں سے الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک بہانا نہیں آتا
فہیدہ غوری..... کراچی
میرے ساتھ چلنے والے تجھے کیا ملا سفر میں
وہی دکھ بھری زمیں ہے وہی غزدہ آسمان ہے
انہی راستوں نے جن پر بھی تم تھے ساتھ میرے
مجھے روک روک پوچھا تیرا ہم سفر کہاں ہے
انیلا طالب..... لاہور
چمن سے سو رہا ہے جہاں
میری نیند جانے کھوئی ہے کہاں؟
نورین مسکان..... سیالکوٹ، ڈسکے
مرتا نہیں کوئی کسی کے بغیر یہ حقیقت ہے زندگی کی
لیکن صرف سانس آنے کو جینا بھی نہیں کہتے
دفا آرزو..... ہنسہ
ہر چند کہ حالات موافق نہیں پھر بھی
دل تیری طرفداری میں سفاک بہت ہے
عائشہ مسکان..... رحیم یار خان
یہ سنگریزے عداوتوں کے وہ آجینے ستادوں کے
دل مسافر قبول کر لے ملا جو کچھ جہاں جہاں ہے
تو ہم نفس ہے نہ ہم سفر ہے کسے خبر ہے کہ ٹوکدھر ہے
میں وکیل و بے کے پوچھا بیٹا کیس سے مکمل مکالمے سے
انم نصیر..... ملتان
ہوائیں نوید دے رہی ہیں کسی کے لوٹ آنے کی
مگر آنے والے سن لے ہم تجھ سے روٹھ گئے ہیں
خواب دیکھے تھے بھی تیری قربت کے کنول نے
انتظار طویل میں وہ خواب سارے ٹوٹ گئے ہیں

biazdill@aanchal.com.pk

دشمنستان

طلعت آغاز

خشخاش کا حلوہ

ضروری اشیاء:-

خشخاش

ایک پیالی

بادام

چینی

دودھ

چھوٹی لاپچی

چاندی کے ورق

ترکیب:-

خشخاش اور بادام کو علیحدہ علیحدہ ٹھنڈے پانی میں بھگو کے
رکھ دیں پھر دس سے تین مرتبہ پانی میں دھو لیں۔ خشخاش کو پانی
سے چھان لیں ٹرے میں اخبار بچا کر اس پر پھیلا کر خشک
کرنے رکھ دیں بادام کو پھیل لیں پھر بادام اور خشخاش ملا کر
پارک پیس لیں۔ دودھ کو اہلنے رکھیں اور اس میں بھی ہوئی
الچی ڈال کر تین سے چار منٹ پکالیں۔ چمن میں بھی ڈال کر
تین سے چار منٹ گرم کریں اور اس میں خشخاش اور بادام کا
پیسٹ ڈال کر اتنی دیر بھوئیں کہ خوشبو آئے لگے۔ خوشبو آنے پر
اس پر چینی ڈال کر دس منٹ تک بھوئیں اور آخر میں اس میں
دودھ شامل کریں پھر اتنی دیر بھوئیں کہ حلوہ گاڑھا ہو جائے
اب حلوہ چوبے سے اتار کر ٹرے میں پھیلا کر نکال لیں اور
چاندی کے ورق سے سجا کر گرم گرم پیش کریں۔
روٹی دفا..... مامیوال

ڈھوکلا

اجزاء:-

چاول کا آٹا

بیکن

دہی کی کھمبی لسی

کھانے کا سوڈا

نمک

250 گرام

ڈیڑھ کپ

تین کپ

ایک چمچی

حسب ذائقہ

ہری مرچ اور کدو کا پسا ہوا
تیل
بھجارتانے کے لیے اشیاء:-
زیرہ
رائی
کڑی پتہ
چارے پانچ عدد
ترکیب:-

چاول کا آٹا اور بیکن کو دہی کی لسی کے ساتھ اچھی طرح
مکس کر کے سات آٹھ گھنٹہ کے لیے رکھ دیں۔ پھر اس میں
باقی کے مصالحے ملا لیں ایک برتن میں تیل ڈالیں اور اس پھر
کو ڈال کر ہلکی آگ پر پکائیں۔ جب کنارے چھوڑنے لگے تو
اس کا مطلب ہے پک گیا پھر چوکور گلوے کاٹ لیں زیرہ رائی
اور کڑی پتہ کا بھجارتانے پھر مرے کا ڈھونڈا کھائیں اور
دعاؤں میں یاد رکھیے۔

طیبہ خاور سلطان..... عزیز چک ڈیرا باد

نورگسی کباب

اجزاء:-

قیمہ (مرغی یا بکری کا)

ابلے ہوئے انڈے

کارن فلاور

نمک

سرخ مرچ

کٹنا گرم مصالحہ

پسا ہوا خشک دھنیا

سبز مرچ

انار دانہ

اورک، اہسن پیسٹ

ترکیب:-

قیمہ میں تمام اجزاء شامل کریں انڈے اہال کر پیش کریں
اور انہیں بھی قیمے میں شامل کر لیں اچھی طرح سے ہاتھوں کی
مدد سے قیمہ میں تمام اجزاء مکس کریں پانچ منٹ ڈھانپ کر
رکھ دیں پھر کباب کی شکل دے کر دس منٹ فریزر میں رکھیں
دس منٹ بعد فرائی کر کے کچپ کے ساتھ پیش کریں۔
سیدہ لوہا سجاد..... کمر ڈیپکا
رس ملانی

اشیاء:-

دودھ ایک لیٹر
ملک پاؤڈر ایک کپ
بیکنگ پاؤڈر ایک چائے کاج
انڈا ایک عدد
چینی آٹھ کھانے کے کچ
گھی (جما ہوا) ایک چائے کاج
الائیچہ چار عدد
پستہ (کٹا ہوا) چار سے پانچ عدد
ترکیب:-

دودھ میں چینی اور الائیچہ ڈال کر ابال لیں ملک پاؤڈر ڈالیں اس میں بیکنگ پاؤڈر اور انڈا ڈال کر گھی کے ساتھ گوندھ لیں اب ہاتھ پر ہلکا سا گھی لگا کر اس کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بنائیں جب دودھ ابل جائے تو اس میں یہ گولیاں ڈال دیں اب اسے درمیان آٹے پر رکھ کر آٹھ سے دس منٹ تک پکائیں تھوڑی دیر میں یہ پھول جائیں گی۔ پتی کو دقتہ دقتہ سے ہلاتے رہیں جب سمٹا سا دودھ گاڑھا ہو جائے تو اتار لیں اور سمٹا کر لیں اس کے بعد پستہ وغیرہ چمڑک کر پیش کریں۔

سویت نوڈلز

ضروری اجزاء:-

نوڈلز آدھا کیکٹ
چینی حسب پسند
جیلی حسب پسند
قلیور ایک کیکٹ
کیوڑہ چند قطرے
پستہ بادام (کٹا ہوا) دد کھانے کے کچ
ناریل (پسا ہوا) دد کھانے کے کچ
سبز الائیچہ بارہ عدد
دودھ پانچ عدد
ایک کلو ترکیب:-

نوڈلز بال لیں دودھ کو تار گرم کریں کٹا دھارہ جائے اس میں چینی ڈال کر ایک جوش دے لیں اور ساتھ ہی الائیچہ کیوڑہ کش اور نوڈلز ڈال دیں حرید تھوڑی دیر پکا میں اور

باؤل میں نکال کر سمٹا کر لیں۔ جیلی تیار کر کے سمٹا کر لیں جیلی کی ڈیزائننگ کر کے سویت نوڈلز پر ڈیکوریٹ کر دیں اور ساتھ ہی ناریل پستہ بادام بھی چمڑک دیں مزے دار سویت نوڈلز تیار ہیں سمٹا سمٹا سر کریں۔ پروین افضل شاہین..... بہاولنگر فولادی پلاؤ

اجزاء:-

چاول ایک کلو
بند کوبی ایک پھول
شمک مرچ دد عدد
پیاز ایک عدد
ادریک لہسن پیسٹ دو چائے کے کچ
تیمہ (چکن یون لیس) ڈیڑھ کلو گرام
سفید زیرہ ایک کھانے کاج
آٹھ کھڑا گرم مصالحہ (چھوٹی الائیچہ)
دارچینی وارچینی
لونگ کالی مرچ
دو سے تین پانچ عدد
چھ عدد
تھوڑا سا

ایک کھانے کاج
آدھا کلو کیوب کنگ
چار سے پانچ عدد
دو سے تین عدد
ایک کپ
تین سے چار عدد
دکھانے کے کچ
حسب ضرورت
ڈیڑھ کچ
دکھانے کے کچ
دکھانے کے کچ
سویا سوس ترکیب:-
چاول صاف کر کے بھگو دیں پیاز سلاں کریں۔ ایک پتلے میں آٹھ ڈالیں اور پیاز ڈال دیں پیاز لائٹ براؤن

کریں۔ ادریک اور لہسن کا پیسٹ ڈالیں اور اس میں چکن تیمہ ڈالیں اور آٹھ کوبی ڈال دیں۔ آٹھ سے دس منٹ بھونیں اور اس میں تمام مصالحے ڈالیں اور مزید پانچ منٹ کے لیے بھونیں پھر ڈیڑھ کلو پانی ڈالیں آٹھ درمیان کریں۔ اب اس میں چاول شامل کر کے ڈھکن لگا دیں۔ اب دس سے پندرہ منٹ کے بعد چیک کریں چاولوں کا پانی خشک ہو گیا ہے اگر چاول ایک کئی رہ گئے ہیں تو اخبار کا دم دیں اگر دوسری رہ گیا ہے تو کیلا کچر ڈال کر دم دیں پندرہ سے بیس منٹ کے لیے دیں سبزیوں کو فرانی کرنے کے لیے:-

آٹھ ایک کھانے کے کچ
ایک کھانے کاج
ایک کھانے کاج
ایک کھانے کاج
کالی مرچ (پسی ہوئی) ایک کھانے کاج
سادہ نمک حسب ضرورت
چائیر نمک ایک کھانے کاج
آدھا کپ ترکیب:-

تمام سبزیوں کو کیوڑہ میں کاٹ لیں ایک ساس چین میں آٹھ ڈالیں اور گرم کریں۔ گاجر کے علاوہ تمام سبزیوں اور لوبیا شامل کریں اور تمام مصالحے ڈال کر بھون لیں اور اس میں آدھا کپ چینی شامل کریں اور ڈھکن لگا کے پانچ منٹ کے لیے چھوڑ دیں گاجر کو الگ سے تمام مصالحے ڈال کر فرانی کریں تاکہ تمام سبزیوں میں اس کا کھرن آئے۔ پانچ منٹ کے بعد چیک کریں پانی خشک ہو گیا ہے تو چھلکا بند کر دیں جب چاولوں کا دم ٹھوٹیں اس میں فرانی کی ہوئی سبزیوں اور ایلے ہوئے انڈے شامل کر دیں اور اسٹیشن سی ڈش میں ڈال کر دہی کے راسیہ کے ساتھ سر کریں۔

نوٹ:-

سبزیوں اگر موسم کی نہ ہوں تو پانچ منٹ کے لیے بوائل کر لیں تاکہ اس کا کچا پن ختم ہو جائے۔ مسز فرحانہ فلک..... ڈی جی خان فرانی چٹ پی مونگ وال

اجزاء:-

مونگ وال ابل ہوئی آدھا کلو

فماڑ

دودھ تین عدد
تین عدد
چار عدد
ایک کچ
ایک کچ
بڑی سی ایک عدد
ایک کچ
ایک کچ
ایک کچ
ایک کچ
آدھا کچ
آٹھ عدد
آدھی پیال
حسب ذائقہ
حسب ضرورت

ترکیب:-

آٹھ کئی فرانی میں گرم کر لیں زیرہ ڈال کر لائٹ براؤن کریں اس کے بعد فماڑ ڈال کر فماڑ نرم ہونے تک فرانی کر لیں۔ اب لہسن ثابت لال مرچ ثابت دھنیا گھی لال مرچ ہلدی پسادھیا کلو گھی نمک ڈال کر دس منٹ فرانی کریں اب ابلے والے ڈال کر پانچ منٹ فرانی کریں اس کے بعد پانچ منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں پھر کچھ دیر بعد اس میں باریک پیاز کٹی ہوئی ہری مرچ باریک کٹی ہوئی ثابت ہری مرچ ہرا دھنیا مونگ لٹا ہوا چلوے سے اتار کر رکھ دیں پانچ منٹ ڈھکن ڈھکا رہے دیں اس کے بعد مزے سے کھائیں اور ہمیں بھی بھجوائیں؟

سونی علی..... ریشم علی مور



ایک بیوٹی پارلر میں چند لڑکیاں چہرے کی تھریڈنگ اور پلچ کر رہی تھیں ان کی عمریں اٹھارہ سے بائیس سال کے درمیان ہوں گی۔ سب کاج میں زیر تعلیم ہیں۔ یہ ہر ماہ باقاعدگی سے چہرے اور ہاتھوں کی پلچ کرائی ہیں اگر پارلر جانے کا وقت نہیں ملتا تو پھر خود کرتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہر لڑکی کو اپنا خیال رکھنا چاہئے تاکہ بڑھاپے میں پلاسٹک سرجری یا دیگر مہنگے طریقے نہ اختیار کرنے پڑیں۔ ہر لڑکی کو بیس سال کے بعد اپنے چہرے گرون اور ہاتھ بیروں پر خصوصی توجہ دینی چاہئے اور میک اپ ضرور کرنا چاہئے۔ یہ وقت کا تقاضا ہے۔ ہمارے ملک میں بانی ہوا تک میں آلودگی ہے۔ دھوپ میں میک اپ کئے بغیر گھر سے نکلنے کا مطلب ہے کہ آپ اپنے حسن کی دشمن ہیں۔ بعض لڑکیاں شادی کے دن میک اپ کرتی ہیں اس وقت وہ حسین تو لگتی ہیں لیکن اس کے بعد ان کا حسن ماند پڑنے لگتا ہے کیونکہ شادی کے بعد جب زندگی تبدیل ہوتی ہے۔ کام کا بوجھ تھکاوٹ ہوتی ہے۔ بچے پیدا ہوتے ہیں تو جو بیس سال کی شادی شدہ لڑکی چالیس سال کی نظر آنے لگتی ہے۔ اس وقت انہیں احساس ہوتا ہے کہ اپنے آپ پر توجہ نہیں دی۔ آج کل تو میٹرک کی طالبہ کو بھی علم ہوتا ہے کہ منہ شام اور رات کے وقت کیسا میک اپ کرنا چاہئے۔ جلد کی حفاظت کیسے ممکن ہے۔ اس میں کوئی برائی نہیں ہے جب ہمیں معلوم ہے کہ میک اپ کرنے سے جلد خراب نہیں ہوتی۔ حسن بگڑتا ہے تو پھر کیوں نہ کریں۔ البتہ میک اپ زیادہ اور ہر وقت نہیں کرنا چاہئے۔

میک اپ سے بے نیاز چہرے کی مالک ایک خاتون کا کہنا ہے کہ میں نے زندگی کے پچاس سالوں میں پہلی اور آخری مرتبہ میک اپ شادی اور ولیمہ کے دن کیا تھا۔ اس

کے بعد سناج تک سوائے لپ اسٹک کے کچھ استعمال نہیں کرتی۔ مجھے عام میک اپ کی چیزوں کے نام تک نہیں معلوم۔ میری دو بیٹیاں ہیں انہیں میک اپ کی شہد ہے بلکہ وہ تو اب مجھے بھی مشورے دیتی ہیں کہ آپ اپنے چہرے پر فلاں فاؤنڈیشن استعمال کریں فلاں صابن سے منہ دھوئیں۔ میں ان کی باتیں سن کر خاموش رہتی ہوں۔ کیونکہ جب میری جیب ہی میک اپ کرنے کی اجازت دے تو میں اس کے بارے میں کیوں سوچوں۔ البتہ میں سمجھتی ہوں کہ عورت کو اپنا خیال رکھنا چاہئے اور ہلکا پھلکا میک اپ ضرور کرنا چاہئے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں آج کل خواتین کی شادی ایک مسئلہ بن گئی ہے۔ شادی کسی لڑکی کے چہرے پر کوئی پیدائشی نشان ہے تو اس کا رشتہ نہیں آ رہا یا کسی کے چہرے پر دردیں زیادہ ہیں۔ غرض یہ کہ جمونے جمونے مسائل کی وجہ سے لڑکیاں احساس کمتری کا شکار ہو جاتی ہیں۔ میک اپ سے ان کے چہرے کے نشانات جہاں چھپ جاتے ہیں وہاں مختلف کریموں کے استعمال سے ختم بھی ہو جاتے ہیں۔ ایک گھریلو خاتون کا کہنا ہے کہ بنی سنوری خواتین سب کو اچھی لگتی ہیں ان کی شادیاں بھی ہو جاتی ہیں جب کہ سدھی سادی لڑکیوں کی شادی بھی مسئلہ بن گئی ہے۔ اس لئے اب پہلی کہ نسبت خواتین میں میک اپ کرنے کا رجحان زیادہ ہو گیا ہے۔

ایک ماہر آرائش حسن جن کا ایک بیوٹی پارلر ہے جہاں نہ صرف خواتین کا میک اپ کیا جاتا ہے بلکہ لڑکیوں کو میک اپ کرنے کی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ نیز انہیں جلد کی حفاظت کے طریقے بھی بتائے جاتے ہیں ان سے جب ہم نے پوچھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ بیوٹی پارلرز کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے خواتین میں میک اپ کرنے کا رجحان زیادہ ہو رہا ہے ایسا کیوں ہے؟ خواتین میک اپ کیوں کرتی ہیں؟ اس بارے میں انہوں نے کہا کہ آرائش حسن کا ہر خاتون کی زندگی میں اہم حصہ ہے۔ اب یہ ایک فن بھی ہے اور ضرورت بھی۔ ماضی کا جائزہ لیں تو پتا چلے گا کہ

پرانے زمانے میں بھی خواتین اپنے حسن کی حفاظت کے لیے مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں اور گھریلو نسخے استعمال کرتی تھیں۔ اب حسن کو نکھارنے کے جدید ادارے ہیں جن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ خواتین میں شعور پیدا کیا جائے کہ جلد کی حفاظت کیسے ممکن ہے۔ حسن کو تو ہر دور میں نکھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جب تک لپ اسٹک کا وجود نہیں تھا خواتین مسی دند سا لگاتی تھیں آبی لائٹز تاپہ تھا تو سرمہ کا جل لگا کر آنکھوں کو پرکشش بنایا جاتا تھا۔ فیشل مساج کا تصور نہیں تھا تو بیسن اینٹن سے رنگ نکھاری جاتی تھی۔ بالوں کی چمک میں اضافہ کرنے اور انہیں سنہری رنگ میں کرنے کے لیے مہندی لگائی جاتی تھی۔ اب مختلف رنگوں سے بالوں کو ایک نہیں دو تین رنگوں میں رنگا (ڈائی) جاتا ہے۔ قدرت کے عطیے مٹی پانی، نمکیات کی صورت میں ہیں۔ ان کو خواتین مختلف طریقوں سے اپنے چہرے پر استعمال کرتی ہیں۔ کچھ عریقات ایسے ہیں جن کے استعمال سے چہرے کی جلد ملائم بلکہ چمک دار ہو جاتی ہے۔ چہرے پر تازگی آ جاتی ہے۔

انہوں نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ انسان کبھی مطمئن نہیں ہوتا۔ مثلاً جن خواتین کے بال جمونے ہوتے ہیں وہ انہیں بڑے کرنے کی کوشش کرتی ہیں جن کے بڑے ہوتے ہی وہ انہیں چھوٹا کر لیتی ہیں۔ سیدھے بالوں والی خواتین ہنسنے والے اور ہنسنے والے بالوں والی خواتین ہال سیدھے کر لیتی ہیں۔ غرض اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی سعی کرتی رہتی ہیں۔ اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ سنوارنا چاہتی ہیں اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔ ہر خاتون کو خود پر توجہ دینی چاہئے۔ میک اپ کرنا ہر عورت کا حق ہے۔ اگر چنانچہ کہ دور میں عورت گھریلو یا ملازمت پیشہ اس کے پاس وقت کی قلت ہی رہتی ہے مگر اس کے باوجود وہ اپنا خیال زیادہ رکھنے لگی ہے۔ پھر نئی ایجادات کے ساتھ میک اپ کی اشیاء بھی روز بروز نئی نئی متعارف ہو رہی ہیں۔ ان کی تحفہ ہوتی ہے اور وہ عورت جو گھر بیٹھے اپنے حسن اور اپنی جلد کے لیے فکر مند

ہوتی ہے۔ مختلف میک اپ کی اشیاء خرید کر اپنے حسن کو نکھارتی رہتی ہے۔

مونے ہونٹوں کو پتلا میک اپ ہی کفر ریعے کیا جاتا ہے۔ کالے رنگ کو گورا میک اپ ہی کرتا ہے۔ ایسے میں کون کالی لڑکی ہوگی جو میک اپ کرنے کی خواہشمند نہیں ہوگی، گوری حسین لڑکیاں اپنے آپ کو مزید خوب صورت بنانے کے لیے میک اپ کرتی ہیں۔ آپ میک اپ کئے ہوئے اور عام چہرے کو دیکھیں فرق صاف نظر آ جائے گا۔ اب تو مرد بھی میک اپ کرنے لگے ہیں۔ ایک دور تھا جب ہم کہتے تھے فلاں لڑکی تو پیدائشی حسین ہے اسے میک اپ کرنے کی بھی ضرورت نہیں لیکن اب تو مس ردلڈ کے حسن کو بھی میک اپ سے مزید نکھارا جاتا ہے۔ میک اپ عورت کی خواہش ہی نہیں اس کی ضرورت بھی ہے۔ پہلے زمانے میں خواتین کی جلد اچھی ہوتی تھی۔ ان پر کام کا بوجھ نہیں تھا۔ اب خواتین پر بہت زیادہ کام کا دباؤ ہوتا ہے۔ خواہ وہ گھریلو ہوں یا ملازمت پیشہ۔ اس لیے بھی میک اپ کرنا ان کے لیے ضروری ہو گیا ہے۔ تھکے ہوئے نڈھال بیمار چہروں پر بھی میک اپ کرنے سے رونق آ جاتی ہے۔ جو خواتین میک اپ نہیں کرتیں اپنی جلد کا خیال نہیں رکھیں ان کو میرا مشورہ ہے کہ وہ ضرور میک اپ کیا کریں لیکن میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ گھر میں بھی میک اپ کریں ہر چیز کی زیادتی بری ہوتی ہے۔ اس لیے تقریبات کی مناسبت سے میک اپ کریں لیکن جلد کی حفاظت ضرور کریں۔ خواہ گھریلو گھروں سے کریں یا مختلف اوشنر اور کریموں سے۔



سیکھیں

ایمان وقار

نعت رسول مقبول ﷺ

میرے قدم ہوں تیرا حرم ہو بس کافی ہے
پھر چاہے ہو جائے جاں قضا اے نبی ﷺ
میری بساط جاں یہ حیات نو تو کچھ بھی نہیں
نہ ہو سکا اگر دیدارِ روضہ رسول کا اے نبی ﷺ
میری ہر تمنا کے تصور میں ابھرتا ہے فقط سبز گنبد
کہ اب ہر خواہش و تمنا فنا ہوئی اے نبی ﷺ
تیرا ہی وسیلہ تیرا ہی فکر کرم تیرا ہی مدینہ ہو
جو رکھوں جہیں تو خاک ہی ہو جاؤں اے نبی ﷺ
میرے لفظوں میں میرے قلم میں خوشبوی مہک اُچی ہے
جب سے لکھنا سیکھا ہے تیرا نام اے نبی ﷺ
میں ہوں گردشِ زمانہ ہر آرزو گردابِ سفر
تھام لیں ہاتھ تو ہو جاؤں معتبر اے نبی ﷺ
اب تو بس ایک ہی دعا ہے کہ دم آخر
لب پر نام ہو محمد ﷺ اور روحِ فنا اے نبی ﷺ
راوی میرا یاز..... کراچی

غزل

کیا سمیٹوں گی اب خرابوں سے
کھر تو بل ہی گیا چرخوں سے
آج آنکھیں مہک اُٹھیں جیسے
کوئی ہو کے گیا ہے خوابوں سے
کون سے موسموں کی آمد ہے
آج آنے لگی گلابوں سے
پانچوں سے بھری ہوئی بدل
آج گزری ہے پھر سراپوں سے
نیند آتی ہے لوٹ جاتی ہے
ڈر سا لگے لگا ہے خوابوں سے

سیما غزل..... کراچی

غزل

شام کے اجالوں میں چھپیں ڈھونڈا ہے

میں نے پُر نور ستاروں میں چھپیں ڈھونڈا ہے
شام ہوتے ہی پرندے گھروں کو لوٹے ہیں
میں نے رات کے اندھیاروں میں تہمی کو ڈھونڈا ہے
دل مرجھا سا گیا ہے تمہارے بغیر عالی
میں نے قسمت کے ستاروں میں تہمی کو ڈھونڈا ہے
عالیہ کاظمی..... کہونہ

غزل

خواب آنکھوں میں سجانے کی جسارت کی ہے
ہم نے تو مسمم تم سے ہی محبت کی ہے
حق تجھ کو تو ہانے کا جتایا ہی نہیں ہے
جان غزل ہم نے تو محبت میں عبادت کی ہے
تیری آنکھوں کی شرارت کو محبت جانا
کم فہم تھے سو ہم نے حماقت کی ہے
پنے ہی نہیں ٹوٹے فقط آنکھ سے اپنی
مت ہوئی نیند بھی رخصت کی ہے
یہ جو محفل میں دیوانے کا گماں ہوتا ہے
سکس سے کہیں کس نے عنایت کی ہے
سیدہ جیاعباس..... تلہ گنگ

غزل

دن رات انتظار میں رہتی ہیں یہ آنکھیں
اکثر تجھے خیال میں کہتی ہیں یہ آنکھیں
آ جاؤ کہ مت ہوئی دیکھے ہوئے تجھ کو
آ دیکھ تیری دید کو ترسی ہیں یہ آنکھیں
بن تیرے کوئی صورت چھتی نہیں نگاہ میں
دن رات تیرے خواب بنتی ہیں یہ آنکھیں
آخری سانس سے پہلے تیرا دیدار میں کرلوں
بس دعا خدا سے میری کرنی ہیں یہ آنکھیں
تحریر اس کی آنکھ کی پڑھ لیتی ہے رہاب
ہل ہل اسی کی یاد میں بری ہیں یہ آنکھیں
کول رہاب افضل..... لاہور

غزل

بکھی شام کو شام نہ لکھتا
بکھی زندگی کو ناتمام نہ لکھتا
رہ کر زہر کے سمندروں میں

بکھی محبت کو زہر کا جام نہ لکھتا
انتظار کی سولی پر سادوں کے موسم میں
فلکستہ حال چراغ کا انجام نہ لکھتا
ملنے کی تمنا میں خط ضرور لکھتا
لیکن کبھی خط میں اپنا نام نہ لکھتا
راتوں کے سناٹوں میں
کبھی یادوں کے کھرام نہ لکھتا
وقت کی گردش کے ہاتھوں میں
اپنے ارادے کو ناکام نہ لکھتا
دیکھے تھے جو اس کے ساتھ خواب
کبھی خواب کے وہ حسین ابھام نہ لکھتا
پار اور جیت کے نشے میں ڈوب کر
بکھی عشق کے وہ طرزِ کلام نہ لکھتا
ہو جس سے مقصود رسوائی زمانہ
اپنے لیوں پر ایسا پیام نہ لکھتا
ہو جو غلام ابنِ غلام ہو کے آزاد
خود کو بھی وہ سوچ کے غلام نہ لکھتا
جو ملائے آنسو کو شبنم سے جا کے
کبھی ان خوشیوں کو اصول مقام نہ لکھتا
لوٹنے ہو جائے سر سے جب مجبور یوں کے قصے
کبھی مشہدِ شکست ذات کو نظام نہ لکھتا
فاطمہ مشہد..... فیصل آباد

میں ایک شاعر ہوں

لوگ سمجھتے ہیں میں

جب چاہوں غزل تخلیق کر سکتی ہوں

جب چاہوں اپنی سوچوں کو

لفظوں کے موتی میں پرو سکتی ہوں

مگر نہیں.....

میں اکثر چہرہ ہنسنے کر سوجھتی ہوں

دماغ بھی خالی رہتا ہے

قلم بھی چپ رہتا ہے

میں کچھ بھی نہیں لکھ پاتی

ہاں مگر

میں جب بھی آپ کو سوچوں تو
ہر لفظ ادب سے جھک جاتا ہے
ہر تصویر میں رنگ بھرا جاتا ہے
ہر نظارے میں جان پڑ جاتی ہے
لفظ خود بخود تہیب پاتے ہیں
قلم بھی چلنے کو بے تاب ہوتا ہے
بے ربط دھڑکتے دل کو
بھی چین ملتا ہے

آپ کی سوچوں کا سا تباہ لے کر

چاہوں گا اک سا ن لے کر

میں آپ کی یادوں کے سائے تلے

پھر غزل بھی تخلیق کرتی ہوں

پھر جو چاہوں لفظوں کو

سوچوں کی زبان دے کر

جیسے چاہوں ڈھال لیتی ہوں

ہاں اک آپ کی یاد سے

میرا دماغ بھی چلتا ہے

میرا قلم بھی چلتا ہے

اور پھر غزل بھی تخلیق ہوتی ہے

ایمان علی..... ڈوگہ مہرات

غزل

بے حد تجھے چاہا ہے حد تجھے بھلایا بھی

تیرے بن جی نہیں سکتے تجھ کو بتایا بھی

کون سی چیز تھی میری جس کو تجھ سے جدا کیا

تجھے اس حسین زندگی کا حق دار بتایا بھی

تیری چاہت کا یہ طریقہ سمجھ نہیں آتا

کبھی تو لگتا اپنا ہے کبھی پرایا بھی

مالِ عندلیب..... گوجرانوالہ

غزل

سنو ناراض نہ ہوتا مگر

کسی پر یوں ستم نہیں ڈھالتے

کوئی مٹانے آئے تو اس پر

اس سے ناراض ہو نہیں جاتے

بات بے بات رکھتے ہو سر پر ہاتھ

جج جو بولیں قسم نہیں کھاتے
بہت اپنے بھی جو چھڑ جائیں
پچھے والے بھی مر نہیں جاتے
پھر بھی یہ بات ندا گئی ہے
جانے والے کبھی نہیں آتے
سیدہ ندا کرم حسین شاہ.....
عشق

وہ عشق تھا
جو ہو گیا
میں پیار تھا
جو کھو گیا
وہ پھول تھا
جو کھل گیا
میں خوشبو تھا
جو کھم گیا
میں دن تھا
جو ڈھل گیا
وہ روشنی تھی
جو روشن رہی
میں چراغ تھا
جو بجھ گیا

میمونہ ناز..... وزیر آباد

تیری یاد
تیری یاد تو ہر پہلے آتی ہے
بے وجہ تیرا پانی ہے مگر اے
دوست نہ جانے کیوں؟
دسمبر کی اداس شاموں میں
ٹھنھری راتوں میں
دھند میں لٹی فضاؤں میں
بے چین ہواؤں میں
میرے دل کی اداس مٹری میں
ہر روز ہر لمحہ تیری یاد ہیں
ماتم ہوتا ہے.....
ہوٹوں پر سکیاں

جسم بے جان ہوتا ہے
میرا ہر آنسو بے دام ہوتا ہے
دسمبر آیا ہے کہ لوٹاؤ تم بھی
تیری یاد آگ لگی دل میں لگاتی ہے
ماروی تیری یاد میں اشک بہاتی ہے

ماروی یا سمن..... 44 ج

نظم

آج بے ساختہ
زمین پر بیٹھ کر
تیرا نام لکھا
اور تیرے نام کو
دیکھتے دیکھتے
آنکھیں
پانی سے تر ہوئیں
اور
میں صرف
خاموش ہونوں سے
کچھ نہ کہہ پائی
صرف
دل یہ صدا دے رہا تھا
کہ.....

مجھے کس جرم کی
سزا دے کر
اس زمانے میں
اکیلا
چھوڑ گئے
کیوں
مجھے سے
منہ موڑ گئے؟

عائشہ بی..... جھنڈ

غزل
تیرا میرا پیار کا رشتہ
چاہت کے اقرا کا رشتہ
کون بنے گا جیون ساتھی

مجھ سے ہو اٹھار کا رشتہ
کب سے میں منسوب ہوئی ہوں
تم سے در و دیوار کا رشتہ
حیرت میری سوچ علیحدہ
جیسے ہو اغیار کا رشتہ
سب سے تھا مضبوط ہمارا
سات سمندر پار کا رشتہ
مجھ کو مت سمجھاؤ فری
کیا سولی کیا دار کا رشتہ
فریدہ فری..... لاہور

آنچل

تمہارے نام کا آنچل جب سے اوڑھا ہے

سنو.....

اب اور کوئی اور معنی اچھی نہیں لگتی

شہزادی..... راولپنڈی

نظم

دشت و صحرا ہجر کے کانٹے
اکیلا میں اور رات بھی کالی
آسمان بادل دکھ کے قفسے
بے نوا آنکھیں دل بھی خالی
ساحل سمندر زیت کھڑے
اکیلا میں اور قدم بھی نہ بکھے
ہاتھ اور قسمت دھند کی چادر
بے رنگ روشنی بھٹکے رستے
پھرتا پانی اس کا ساتھی
اکیلا میں اور غم کا روگی
تو ہی بتا ہجر کے قفسے
چاند نورانی بے نور راتیں
پاگل دل اور خواب تھے اس کے
اکیلا میں اور ساتھی سب کے

ماہ نور عظیم..... بھکر

نظم

سنو.....

تم نے کبھی.....

زندہ کی قیدی کو دیکھا ہے
کہ جس کی قید کا اک وقت نہیں ہے
اسے معلوم ہے کہ
میری سزا نے ایک دن ختم ہوئی جانا ہے
اسی واسطے وہ کوئی شور نہیں کرتا
کوئی فریاد.....
کوئی احتجاج نہیں کرتا
کہ اس شخص دن سے پہلے
اسے رہائی مل نہیں سکتی
سنو.....

میرا بھی یہی فسانہ ہے
اس دکھ بھری زندگانی کو
میں خاموشی سے گزار رہی ہوں
مجھے بھی کچھ نہیں کہنا
اتفاق نہ ہی کوئی فریاد
مجھے معلوم ہے کہ
ایک دن میری اس
دکھ بھری زندگانی کا
وہ دن آخری ہوگا

کہ جب میری سانس ٹوٹے گی
اور میری بھی اس سزا سے جان چھوٹے گی

شمرہ عمر..... چچہ وطنی

نظم

سنو.....
کبھی احساس ہو تم کو تو لوٹ آنا
نہیں تو میرے خوابوں میں آ جانا
مجھے اپنا دیدار کرا جانا
یہی اک تمنا ہے دل میں
یہی اک کسک ہے دل میں
یہی اک کسک ہے باقی

سنو.....

کبھی فرصت ملے تو لوٹ آنا
کہ تم بن ہم کتنے اکیلے ہیں

فہد علی عباسی..... کوٹ نجیب اللہ

خواہش

خواہش کو دل میں چھپا کر
رود کو آنسو بہا کر
امیدوں کے دیے جلا کر
دھوئی پھرتی ہیں یہ لگاؤ اس رب کو سب کچھ مٹا کر
کبھی آسمانوں میں کبھی کائنات کے رنگوں میں
کبھی ہاتھوں کی لکیروں میں.....
محسوس ہوتا ہے وہ آرض و سماں کی ہر شے میں
بس تو احسان ماں اپنے پروردگار کا
اے غم دل.....

احسان کو دیا تجھ پر محمد ﷺ کا امتی بنا کر
پھر سوچا ہیں یہ کھیں.....
اک نئی امید پر اٹھنے کی آس لگا کر
سحرش مصطفیٰ..... میاں والی
ناداں لڑکیاں

ہم ناداں لڑکیاں
پلکوں پر خواب سجا کر
تخیلوں کے پیچھے دوڑنا
چھوٹی سی بات پر منہ بسور لینا
غم کے موتھوں پر زور سے فہم دینا
زندگی کو کھینچنے سے نا آشنا ٹھہری
سارہ حبیبہ اوڈ..... عبدالکیم

ماں
یہ کامیابیاں عزت یہ نام تم سے ہے
خدا نے جو بھی دیا ہے مقام تم سے ہے
تمہارے دم سے ہیں میرے لبوں میں کلمے گلاب
میرے وجود کا سارا نظام تم سے ہے
کہاں بساط جہاں اور میں کم سن و ناداں
یہ میری حیات کا سبب اہتمام تم سے ہے
جہاں جہاں میری دُکھنی سبب میں ہوں
جہاں جہاں ہے میرا احترام تم سے ہے
شیر الملوچ..... جنگ صدر

غزل
آؤ جاناں پیار کے ایسے پھول پختیں

کہ ہر سو خوشبو بکھر جائے
دیں ایک دوسرے کو اتنی خوشیاں
کہ ماپوں چہرے کھڑے جاں
باندھ لیں مل کر عہد وفا
ساری عمر اسی موقف پر ٹھہر جائیں
میں اور تم ہم بن کر جاناں
اس بے وفا دنیا سے بچھڑ جائیں
عائزہ علی مصطفیٰ بکھر..... فیصل آباد

تمہیں قیامت کی کیا خبر
ہم پر ٹوٹی ہے قیامت
ہم پر گزری ہے قیامت
ہم نے دیکھی ہے قیامت
لحوظ کی قیامت.....

صدیوں پر محیط
تم نے دیکھا ہے کبھی
تم نے سوچا ہے کبھی
دھماکے سے مرنے لوگوں کو
چھٹی پاؤں کو
روٹی بھٹی بہنوں کو
بے شناخت لاشوں کو
فضائیں پھیلے چھڑوں کو
بے گناہ خون سے رنگی زمینوں کو
ہم پر ٹوٹی ہے یہ قیامت.....

تم نے سوچا ہے کبھی
نہیں بچوں کا ہاتھ تھا سے
نماز پڑھنے گئے تھے وہ
خون میں نہا کئے
سفید کپڑے لہو رنگ لائے
تم پر ٹوٹی ہے قیامت.....
تم پر گزری ہے قیامت.....
تم نے دیکھی ہے قیامت.....

نہ جانتے ہو تم ابھی
نہ جانو گے تم کبھی

یہاں تو ہے بس بے بسی
یہاں تو ہے بس بے حسی

ثوبیہ بلال رح..... ظاہر پور

غزل
شب چوہدیس کے چاند کی
تھی بھٹی بھٹی سی چاندنی
بڑی مختصر سی وہ رات تھی
میری عادتوں میں شمار تھی
میرا خواب تھا وہ خیال تھا
میری زندگی کا سوال تھا
میری خوشی اس سے منسوب تھی
میں اس کے قدموں کی دھول تھی
بڑی مختصر سی وہ رات تھی
جس میں اونتیں کمال تھی

راؤ کرن بدر..... پالانڈ

میرے حسین
دین کو آن یہ بخشی میرے حسین نے ہے
حسین پہچان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
ہمیں اب پیاس کا مطلب سمجھ میں آیا ہے
ہاں تر زبان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
ہم لکھ کر حسین کے غم میں ہیں غم زدہ
غم کو بھی شان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
لبو حسین کے سب ساتھیوں کا کام آیا
اسے آن بان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
ہماری آنکھ کے آنسو بھی معتبر ٹھہرے
انہیں نئی شان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
سر فرات گل پانی بھی رہ گیا پیاسا
عجب پہچان یہ بخشی میرے حسین نے ہے
سہاس گل..... رحیم یار خان

شہادت

شہادت ایسی مراد ہے
برجود نہیں آتی
جان نال اپنا بچا کر
کرسب قربان

اس وعدہ لا شریک پر
پھر شاید توجیت جائے
عظیم شہادت تجھے نصیب ہو
بس اک شرط ہے
ہر پہل دل میں
بس اس خدا کو
رکھ یاد کر یاد

زمین سر جیو..... حیدر آباد

عمر بھر کا حساب لکھا ہے
ہم نے خطا کا جواب لکھا ہے
وہ جو کانٹوں سے بھر گئے دامن
ہم نے ان کو گلاب لکھا ہے
وہ تھے قصہ مختصر چمے
ہم نے ان کو کتاب لکھا ہے
جن کو لکھنا تھا سرگزشتوں میں
ہم نے ان کو خواب لکھا ہے
جن گناہوں پہ پکڑا واجب کبھی
ہم نے ان کو آب لکھا ہے
وہ جو عمریاں تھیں اک زمانے میں
ہم نے ان کو حجاب لکھا ہے
جن کی تافیر تھی اک دوا جیسی
ہم نے ان کو شراب لکھا ہے
وہ جو لکھتے ہیں عمر بے
ہم نے ان کو حباب لکھا ہے
بانجھ برگد کے پتھر جیسے وہ
ہم نے ان کو شباب لکھا ہے
وہ جو لکھتے ہمیں تم اور تو
ہم نے ان کو جناب لکھا ہے

طیبہ غفر مغل..... اسلام آباد



آپل فرینڈز کے نام

آنہ نسیم..... ذکرت مجرات
مجم، انجم، عوان اور آجمل فریڈز کے نام
السلام علیکم میری طرف سے تمام آجمل لٹاف اینڈ رائٹرز کو
محبتوں بھرا سلام قبول ہو۔ کیسے ہیں آپ سب جناب؟ آپ
چونک گئے ہوں گے کہ یہ کیوں بن بلائے مہمان کی طرح آجملی
تو..... فرسٹ ٹائم آجمل میں حاضری دے رہی ہوں لیکن میرا اور
اس کا ساتھ بہت رانا ہے آج میں آجمل میں مجھ، انجم، عوان کی وجہ
سے لکھنے پر مجبور ہوئی ہوں۔ مجھ، انجم، عوان کی تو میں بہت عرصے
سے فین ہوں اسے جی دیوانی کہیں تو زیادہ اچھا ہوگا۔ باقی تمام
مستقل سلسلے عزیز از جان ہیں شاعری میں کسی کسی کی تعریف
کردن محرم سب گل مٹھنا کنڈر سراز فارغہ گل، مجھ، انجم، آپ سب
بہت کمال کا لکھتی ہیں۔ بیاض دل میں نورین، انجم، عوان، عنزہ
یونس، آفریاتیات، مدیحہ نورین، حبک، محدہ، نواز، زہرل آپ کے
اشعار دل کو چھو گئے۔ نیرنگ خیال میں ارم کمال باجرہ، مہر پشاور
انجم، انجم، عوان، رشک، حنا، پربہن۔ نورین، انجم، عوان، آفری
لیات، منظرہ، یونس، رشک، حنا، فارغہ، عجمی، آپ سب سے دوستی کرنا
چاہتی ہوں اب تک کے لیے اتنا ہی کافی ہے اگر میری حوصلہ
انزلی کی گئی تو ان شاء اللہ اگلے ماہ پھر انٹری دوں گی اللہ حافظ۔
دعا قبول..... حافظ آباد

دریسا حقائق..... ہری اپور

میری کیوت سی آبی شاہین اور آج کل فرینڈز کے نام
السلام علیکم امیزی تمام آج کل فرینڈز اور آبی شاہین سب کو
دل کی گھبراہٹوں سے سلام امید کرتی ہوں آپ سب خیریت
سے ہوں کی آئی آئی جانی کی وفات کا سن کر بہت غصہ ہوا
میں دل سے ان کی مغفرت کی دعا مانگتی ہوں آبی شاہین میں نے
آبی بولا نہیں سنا تھی ہوں آپ کو اب آپ شکر پر ادا کر کے مجھے
شرمندہ تو نہ کرنا اور آپ کو اتنا تکلف سوچ نہیں کرتا اور آبی
آپ اتنی اداس بھی اچھی نہیں لگتی آبی اپنا بہت سارا خیال بھینٹ
آج کل فرینڈز آپ سب کو بھی سلام جو بھی مجھ سے دوستی کرنا
چاہے دل سے موٹے دیکھ آپ سب بہت ہی اچھی ہیں اگر
میں نے دوستی نہیں کرنی تو ہم پھر بھی زبردستی کر لیں گے محبتیں
آپ سب اپنا خیال رکھنا ان شاء اللہ پھر ملاقات ہوگی بے دوسری
سے انتظار رہے گا۔

سیدہ رابعہ شاہ..... گجرات

انہوں کے نام

پیارے بچے مجھ سے وابستہ تمام دوستوں اور پورے عالم اسلام کو جازیرہ عباسی کا احترام اور محبتوں بھر اسلام دھندلے روشن کی ہیں آپ؟ یا بڑے فسوس کی بات ہے کہ آپ نے اپنی بہن کا (بھیر) نام ہٹا لیا جس کی ڈرامہ سے پوچھا سسٹر بھلا اپنی بہنوں کا نام ہٹا کر کوئی یوں ہر کسی سے تعویذ یں پوچھتا ہے؟ میں بالکل بھی کوئی مشہور ہستی نہیں ہوں کسی بھی لحاظ سے جو یوں لوگ جانتے ہوں

یہ بیاری نیما میرا گاؤں مری میں بعد پول میرا آبائی گھر ہے مگر ہم تعلیمی سلسلے میں اسلام آباد رہائش پذیر ہیں گاؤں میں یوں ہر کوئی

چاند کی کرنوں کے نام
السلام علیکم اکیسی ہیں سب یقیناً ٹھیک ہوں گی۔ رحیمہ
روشن میں بالکل ٹھیک اور ٹھاک ہوں! آپ سناؤ آپ کیسی
ہو؟ طاہرہ منورہ یاد رکھئے کہ ابے کا بھگنہ بیاری لڑکی میں ٹھیک ہوں
آپ کیسی ہو؟ اسامہ کو سونٹ گرل میں تو ہوں ہی آپ کی فرینڈ
جو چنے کی کیا بات ہے پڑی ہو جاو گی۔ سمیرا سونلی دعاؤں کے
لئے شکر ہے آپ بھی خوش رہیں ہمیشہ طیبہ خاوا آپ بھی بہت
خوش رہیں دعاؤں کا شکر ہے آپ بھی ہمیشہ خوش رہیں خاوا بھائی

کے ساتھ ہم..... کوڑا خنی کیسی ہیں آپ! انا جب کدھر غائب ہو،
 گل ہا دعاۓ سحر بھی غائب ہیں۔ نجم انجم عنوان سہاس گل
 پر دینے لائی کوئی لٹ نہیں بجھی یاد رکھنا! اہل طالب و کش مریم
 غنیمت غنیمت! اہل کش عرصہ بھار سلگت موڑ کیوں ہے کیسی ہو
 سب؟ ختم کنول شرب ابوج میری عیدی کدھر ہے؟ چڑھنا آہ
 ریاض کیسی ہو پھر ختم ہو گئے پڑھ لو! واجست جی
 بھر کے زہمت جہیں خیال توین اقبال نوچی عفت حرا طہر نازیہ
 کنول نازیہ نفیسہ سعید گھٹت یا کین پیاری راکشز آپ کی
 عا داس کے پیغام مجھ مل گئے تھ آپ سے بات کر کے چھانکا
 خوش رہیں اور پیاری سی انجان دوست جو بار بار پیغام بھجوئی ہے
 ماہور سے کھلی گوری خان کدھر ہو اگر پیغام پڑھا توین اقبال
 خوشی سے رابطہ کرنا میں نے ان کو بتادیا ہے جو آپ نے ان سے
 کیا تھا اپنا خیال رکھنا اوکے اور اہل ماہرہ ہا جود سوچی کڑی کیسی
 وہ آپ کو لائی اے! میں شاندار کامیابی پر بہت بہت مبارک باڈ
 ٹیڈ آپ کو زندگی کے تمام امتحانات میں ایسے ہی کامیاب رکھے
 میں خوش رہوں! مسکرائی رہوں! اللہ حافظ۔

شاہِ زندہ کی اور آج کل کی تئیسوں کے نام
السلام علیکم اکیسی ہیں آپ سب؟ ایک لمبے وقفے کے بعد
مجل کی محفل میں حاضر ہیں، شہِ شاہِ زندہ کی ہم میں نہیں رہیں
نہیں ہی نہیں ہوتا اچانک ان کی وفات ہوگئی۔ دو ماہ بعد پتا چلا
شاہِ زندہ کی کے لیے بہت سے الفاظ لکھتا چاہتی ہوں لیکن قلم
تھک نہیں دے رہا کچھ لوگوں کے ساتھ کوئی رشتہ ہو کر بھی ایک
سیت اور عقیدت ہوتی ہے ان سے۔ شاہِ زندہ کی بھی ایسے ہی
لوگوں میں سے تھیں اگر کوئی کہتا ہو کہ ان کی وفات اچانک کیسے
ہوئی تو بتائیے ضرور۔ اللہ شاہِ زندہ کی مغفرت فرمائے اور
جات بلند کرنے، شکر یہ ان سب دوستوں کا جنہوں نے یاد
عالم کا جل شاہ ہمیشہ ہنسی مسکراتی رہیں، دعائے سحر، انا احب
ہیں شاہ (کہاں تم ہو گئی ہیں) جاناں ملک لاڈ ملک اریہ شاہ
باس گل، گلشن مریم، شمع مسکان، کرن شاہ، حیمہ ارشد عباس
یہ زکر صباہ زکر العنسی، زکر دارغ سیال، طیبہ یزدی، یلو موان اور
آہ مجل فریڈ زکر یار بھرا سلام خوش رہیں آ باد رہیں جن کے
مہر گئے ہیں ان سے سعادت اللہ تمہاں۔

پارس شاہ..... چکوال

کچھ ایسوں کے نام

بیاری صائمہ کیسی ہو بڑی کنجوں ہو کبھی فون ہی کر لیا کرو
بیاری سسر محرش متاثر تہا رہی تھوڑے 16 اکتوبر کو بے پٹی برتھ
اے ٹو ٹیڈیہ رانا زلٹ کی بہت مبارک ہو زلٹ میں کامیاب
جو ٹھہری افراتھیں بھی ڈھیر ڈھیر مبارک ہو زلٹ کی کنول
شہزادی فاطمہ شریف معززہ انور کہاں ہو؟ کیا ہو رہا ہے آج کل
ذیر فائزہ یعنی شکر یہ مجھے یاد کرنے کا۔ پیچھے کے بعد آج کل کیا
لڑ رہی ہیں بیاری سسر شمیمہ کبھی بھاگتا تو لہ میں آؤ ناں۔ ارم
کمال ہم تو آپ کے بہت بڑے فین ہیں پراپے نے بھی ادھر
نظر پائی نہیں کی۔ صائمہ تہا رہی سالگرہ 10 نومبر کو بے پٹی برتھ
اے ٹو ٹیڈیہ خوش رہو جلدی جلدی بتاؤ کیا گفت لوگی۔ میری
بیاری سسر شمیمہ تہا رہی سالگرہ یکم نومبر کو بے پٹی برتھ ڈے ٹو ٹیڈیہ
اللہ تہا رہا سب ہمیشہ بچوں پر قائم دایم رکھے آئیں۔

اقرا امتنا..... سرگودھا
میری فیملی ایڈا چل فریڈز کے نام
گھبت نواز میں مدینہ کالونی میں رہتی ہوں یاد آپ کا دوستی کا
بڑھایا ہوا تھا تمام لیا پیراس میں ماسٹر کرنے والی تو کوئی بات
نہیں۔ ویلکم آچل میں پہلی دفعت آنے کے لیے آئندہ بھی آئی
رہنا مسافر خوش رہو اور دوسروں کو بھی خوش رکھو۔ ماہ رخ خیال ایسی
بات نہیں ہم آپ کو یاد کرتے ہیں آفرال ہم سب آچل کے
میلی میز جو ہیں بھلا کوئی اپنی فیملی کو بھولتا ہے کیا؟ ایس شہزادی
کھل میرا تیرہ پسند کرنے کا شکر۔ ایلا طالب آئی کوثر خالد
پردین افضل شاہین ہمارے آچل کی جان کیسی ہیں آپ؟ طیبہ
راناتیار ہو جاو زلٹ آنے والا ہے 24 ستمبر کو میری سالگرہ
تھی زونیرہ ایڈا سے سویت سے میاں جانی آپ سب کو سالگرہ
مبارک ہو۔ اقرا پاکسی ہو ایڈا سے سویت سسر افراتشتاق
میری دعا ہے کہ اس وفد بھی ہمیں اسکا رشپ ملے آئیں۔
بیارے بھائی احسن مشتاق تم تو ہر جا کر معمول ہی گئے ہو یا ریک
الھکال ہی کرو ایڈا پرائی کی کے لیے.....

بہت سے گھر ہیں لیکن دل سا کوئی گھر نہیں
میری زندگی میں ماں تجھ سا کوئی معتبر نہیں
صائمہ مشتاق..... بھاگتا تو لہ سرگودھا
آچل فریڈز کے نام

السلام علیکم! آچل فریڈز کیسی ہیں سب؟ پردین افضل
آپ کی اہلی کا سن کر بہت دکھ ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو صبر دے دیے
میری اہلی کا بھی انتقال ہو چکا ہے پانچ سال ہو گئے ہیں تب میں

بارہ سال کی تھی اور اب میری عمر سترہ سال ہے وقت ایک سا نہیں
رہتا تب کیا تھا اور اب کیا ہے میں ان پانچ سال میں بہت پیچھے
ہو گئی ہوں۔ بیاری مدینہ نورین جھک پٹی ہو پیچھے ہو رہے ہیں
اللہ جہاں آپ کو ہر امتحان میں کامیاب کرے آئیں۔ کوثر خالد
آئی کیسی ہیں آپ کتاب کی مبارک ہو آپ کو فریدہ فری اللہ
تعالیٰ آپ کو صحت اور تندرستی عطا فرمائے۔ طیبہ خوار آپ کو
مبارک ہو آپ کی بہن کی مٹھنی کی بیاری عظمیٰ عظمیٰ کیسی ہیں جناب
اور نورین کیسی ہیں۔ افسوس آپ کیسی ہیں مینا کل ایڈا
ایس حسینہ کیا حال ہیں جناب کہاں عاصی ہیں آج کل فائزہ
بھٹی آپ کیسی ہیں؟ دلش مریم چٹیوں والو کیسی حالت بتائی ہے
اپنی (ہلہ) ارے مذاق کر رہی ہوں آئی ارم کمال آپ بہت
اچھی ہیں بالکل کوثر خالد کی طرح اب اجازت چاہتی ہوں
سانسوں نے وفا کی تو پھر ملیں گے اللہ حافظ۔

اسما گل مٹھل..... کوثر مبارک
ای جان کے نام
السلام علیکم! ای جان کیسی ہیں آپ؟ دیے تو ہم آپ کی اور
ایو کی برتھ ڈے سلیمہ بیٹ کرتے ہی ہیں اس دفعہ سوچا کہ آپ کو
آچل کے توسط سے دس کر دوں۔ 21 کتاب کی برتھ ڈے ہے
سو مینی مینی پٹی برتھ ڈے ذیرا جان! اللہ تعالیٰ آپ کو اچھی
صحت کے ساتھ ہی اور خوشیوں بھری زندگی عطا کرے آئیں۔
ہماری دعا ہے کہ ہمیشہ آپ کا اور ابو کا ساتھ ہمارے ساتھ رہے
کیونکہ زندگی میں قدم قدم پر آپ کے ساتھ اور آپ کی دعاؤں کی
شد ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو حج کی سعادت نصیب
فرمائے (میرے سمیت) آئیں۔ اللہ تعالیٰ آپ دونوں کو ہمیشہ
خوش رکھے اور زندگی میں کوئی بھی غم چھوے بھی نہ کرے آئیں
ثم آئیں۔ میں ان سے اتنا کہتا چاہتی ہوں ہم آپ سے بہت
پیار کرتے ہیں۔ "یہ روایت مداف والہ" ہم جانتے ہیں کہ
ہم آپ کا حق ادا نہیں کر سکتے اجازت دے اللہ حافظ۔

سعدیہ عورین عوری..... خوں کے پی کے
زیست مکر ایڈا ایشیہ شیر کے نام
السلام علیکم! آچل فریڈز کیا حال ہے زیست مکر ایڈا ایشیہ
آشیر ذیر کہاں مصروف ہیں کوئی خبر نہیں ماہ آپ کو بہت مس
کرتی ہے سو پلیز جلد اپنی خیریت سے آگاہ کریں میں تو کہیں
میں پاگل نہ ہو جاؤں آپ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے۔ لاریب
انشال جمرت ہے اتنا دھب کے قریب ہوئے اور مولانا صاحب

کے لفظوں سے عشق کرنے والی لڑکی یہ بھول گئی کہ اللہ تعالیٰ نے
عورت کو چار دیواری کے اندر کام کرنے کو کہا اور مرد کا کام تو پھر
آپ پولیس افسرین کے نام مردوں میں کیسے کام کریں گی
پیارے محبوب کی لاڈلی بیٹی نے بھی کھر کا کام اپنے ہاتھوں سے
کیا اور آپ بل کے پانی بھی نہیں پیتی۔ غور کرنا دعا ہے اللہ تعالیٰ
آپ کو دین کو سمجھنے اور اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے آئیں۔
ذیر حافظ صائمہ کشف بہت زیادہ خوشی ہوئی کہ آپ شرعی پردہ
کرتی ہیں میرے اور میرے گھر والوں کے لیے بھی دعا کرنا اللہ
تعالیٰ ہمیں نیک ہدایت عطا فرمائے۔ ذیر روٹی وفا کامل آئی
ایڈا مسکان ایک طویل عرصے بعد آپ کا چل اور شعاع میں
دیکھ کر خوش ہوئی آئی رہا کریں کم از کم اپنی خیریت تو بتادیا
کریں۔ آئی کوثر خالد آپ نے ایک نتیجہ پٹی کی پرورش کی ذمہ
داری اٹھائی اللہ تعالیٰ آپ کو اس میں سرخرو کرنے میں تیرہم آئی ایڈا
امیر سکندر وسرود بڑا یاد کیا جا رہا ہے خیر تو بے ناں نہیں..... خوب
صورت فریڈز نورین شیخ عروسہ پریدہ نورین سلطانہ حمیرا نورین
حمیرا عروش فاخرہ گل، بندہ کچھ ٹھوڑی سی شرم ہی کر لیتا ہے کہاں
کم ہیں اوسے سرگودھا والیوں۔ سیرا نقیہ ثانیہ مٹھل کشف فاطمہ
ایڈا افسی کتھہ کھٹے فرنگی اور جاناں جی آپ سے یہ امید تو نہیں
تھی۔ نینا خان شادی کیا کر لی آپ تو اب پہچانتی بھی نہیں عزیز
از جان تمنا ایڈا جی اللہ رب العزت آپ کو سدا خوش رکھے
آئیں۔ سوئی نورین لطیف پہچاننا نہیں پہچانا کوئی گل میں فیر بھی
حمیدہ چوہدری ایڈا میرا شاہد گ تو بڑی معصوم رہی ہو ذیر حرا
قریبی پردین آئی نورین انجمل لائبہ میز فاطمہ سیال ایلا طالب
فائزہ بھٹی گل مینا صائمہ مشتاق ایڈا معززہ اللہ تعالیٰ آپ کو نیک
عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آئیں۔ سوئی آسمن رحمن
فائزہ رحمن زہرہ ایمان میڈا بقصور ایڈا میری پالی ہام نور سلام
محبت ردنی ذیر رینا طاہر کا سلام فوراً قبول کرلو فرحت اشرف
لوال افضل سے کیا حلق ہے آپ کا بارس شاہ کیا صبر و قیامت ہیں
فائزہ پریدہ کرن شہزادی ایڈا تمام ذراؤں شیر خصوصاً شہزادی صباح
کوسلام دے دو دستو۔

ماہ رخ خیال..... سرگودھا
اپنے پیاروں کے نام
السلام علیکم! کیسی ہیں سب؟ آچل گرلز! میں نے پہلی بار
آچل میں شرکت کی ہے۔ میں آچل کی حمد بیاسات سال سے
طاہر قادی ہوں آچل میں خط لکھنے کو بھی بہت چاہتا تھا

مگر لکھنے کو بہت کچھ اور وقت قلیل..... میں یہی کہوں گی کہ.....
کہاں تک سنو گے کہاں تک سناؤں
جب اگست کے شمارہ میں تمنا بلوچ کا خط پڑھا تو ہانپیں گیا
ان کی بیٹی کی وفات کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا ان کا دکھ مجھے اپنے دل
کے بہت قریب محسوس ہوا اللہ تعالیٰ بخیر پری کو جنت الفردوس
میں جگہ عطا فرمائے اور اس کی ماما جانی کو صبر جمیل عطا فرمائے
آمین۔ میری اپنی بڑی آئی اس دکھ سے گزر چکی ہیں ہم اس دکھ
اور کرب کو محسوس کر سکتے ہیں میری آئی اپنی وصافاطمہ کے لیے
کتنی شوق ہیں میری جان میری بھائی وصافاطمہ کو دنیا میں آئے
بس چار ماہ اون دن ہوئے تھے کہ آفا فائزہ سے بھڑکائی بھی سوچا نہ
تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ میری آئی کو صبر جمیل عطا کرے
اور انہیں بہتر نعم البدل عطا کرے آئیں۔ ابھی ہم اس حادثے
سے تسکین نہیں پائے تھے کہ 19 جنوری 2017ء کی شام میری
عزیز از جان دوست کہکشاں اپنے دونوں بچوں سمیت اس دنیا
سے رخصت ہو گئی وہ صرف نام کی کہکشاں نہیں تھی بلکہ ہم سب
کی زندگیوں میں دائمی روشنی تھی۔ فاخرہ گل اور پردین افضل
شاہین کی والدہ کی رحلت کا سن کر بہت غصوں ہوا اللہ مرحومین کو
جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے نازیہ کنول نازیہ آپ کی والدہ
کو اللہ تعالیٰ جلد صحت یابی عطا کرے۔ آچل قارئین سے استعا
ہے کہ میری والدہ اور والد صاحب کے لیے بھی دعا کریں اللہ
پاک انہیں صحت والی زندگی عطا فرمائے آئیں۔ جیلو صائمہ پرنس
مائی لال ہیر و خالکی طرف سے بہت ساپیار آپ کا آپ کی برتھ
ڈے بہت مبارک ہو۔ ہمیشہ خوش رہو (اب سب میرے
بھانجے اور بھانجیاں مجھے گھور رہی ہوں گے کہ ان کا نام کیوں
نہیں لکھا تو صبر میرے تمام لال کڈا آپ سب کو اب آچل کے
ڈیسے یہ سراسر خنزیر و دروہ کی (زندگی رانی تو دوبارہ جلد ملیں گے
دعاؤں میں یاد رکھیے گا اللہ حافظ۔

مدیحہ کرن..... وزیر آباد
آچل کے مہکتے لوگوں کے نام
پیارے آچل و حجاب اشاف! میری کزن زنگل بہادر شیدائیہ
راشدہ رحمانہ خدیجہ میری کلاس فیلو جیلو غزل صدیقہ کیا کتھہ
سمیرا سولتی، صوفیہ رانیہ، البیڑ ارم ناز کائنات زینب صابو صفا
اسری زمرہ، تہمنہ صائمہ کرن شہزادی طیبہ یوسف فائزہ زینب
(تہما رانوں) کن کرنا غصہ یا مٹی چاہا چل اتار کر شوخ پھین لوں اور
تم سے ملنے جاؤں بھلا اس طرح بھی کوئی کرتا ہے) نازیہ پری

ملک، میرا شریف طوطا کھڑا دکھانا، کیونکہ عتایا عامر
آپنی جان اپنے بھائی جان آپ سب کی دیکھ رہی ہے میری
طرف سے دھیروں مبارک باد، سیدہ مرتضیٰ، عیسیٰ مسیح
کلیں ساری چوہدی فریج چوہدی خاصہ سکندر صبح مکان اقرأ
صغیر احمد ناز عیسیٰ فاخرہ گل سب فریج کے لیے بہت ساری
دعا میں اور سلام مجھے بھی دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

عائشہ ملک..... دہاڑی

باپ نہ ہا سائبان نہ ہا
عزیز تر وہ مجھے رکھتا تھا رنگ جاں سے
یہ بات سچ ہے میرا باپ کم نہ تھا میری ماں سے
جڑی تھی اس کی ہر ایک ہاں میری ہاں سے
یہ بات سچ ہے میرا باپ کم نہ تھا میری ماں سے
”تھا“ لکھتے ہوئے جس تکلف سے میں گزری ہوں وہ
بیان سے باہر ہے، 20 اگست کی صبح ناشتا سامنے رکھے جب
میرے اپنے آخری سانس لی تب سے اب تک میں بے یقین
ہوں میرا دل بٹاتا ہی نہیں ابویں چھوڑ گئے ہیں۔ پولی لگتا ہے
جیسے ابھی کہیں سے آ جا میں گئے ہیں رات دیر تک جاگتی ابوکا
انتظار کرتی تھی ابو آئے دوڑا رہے تھے کھولنے میں تھوڑی دیر
ہو جاتی تو موبائل پر کال کر کے اپنی آمد کا بتاتے۔ میں اب بھی
انتظار کرتی ہوں مگر نہ دوا نہ جتنا ہے نہ کال آتی ہے نہ کتنے دن
ہو گئے ہیں مجھے ابویں کو دیکھنے کی آواز سننے اور بھلا ایسا کب
ممکن ہے مگر یہ یقینی۔ دو ماہ پہلے رمضان میں جب ہم سب عمرہ
کے لیے مکہ چھوئی، بہن ایلیزا مزی وجہ سے نہ جا سکی تو گلے لگا
کر کہا ان شاء اللہ اگلے سال ہمیں ضرور ملے جاؤں گا یہ میرا قسم
وعدہ ہے مگر کون جانتا تھا یہ وعدہ وفا نہ ہوگا اور ابویں آپ نے تو اللہ
تعالیٰ سے بھی کہا تھا کہ میں اب ہر سال رمضان میں آیا کروں گا
بات تو آپ اللہ کے گھر کی کر رہے تھے اور خود ہی اللہ کے پاس
چلے گئے۔ ابویں ہمارا سب کچھ تھے دوست بھی بھائی بھی، بھی ہم
بہنوں کو بھائی کی کی محسوس نہیں ہونے دئی کہتے تھے میری پیشانی
ہی میرے سینے ہیں۔ میں اپنی باتیں صرف ابویں سے ہی کہنے کی
عادی تھی کیونکہ میں بچپن سے ہی ابو کے قریب رہی ہوں ابویں
مجھ سے باتیں شیر کرتے مشورہ کرتے اور میری توہر بات ہی ابو
کے بنا اھوری تھی۔ سب جانتے تھے میں بہت لالائی ہوں ابویں
ہر بات بلا جھجک کرتی تھی جہاز میں جب سیٹ بیلٹ باندھنے کو کہا
گیا تو مجھ سے کہا یہ کیسے باندھتے ہیں میری بھی باندھ دو“ اور میں

نے مسکراہٹ دہاتے ہوئے مصنوعی حیرت سے ابو کی طرف
دیکھا اور کہا ”کون مان سکتا ہے چوہدی صاحب کو سیٹ بیلٹ
باندھنا نہیں؟“ تو کہا ”تم ساتھ کس لیے ہو گئے ملنسا اور اتنے
خوش اخلاق کہ جہاں جاتے لوگ اکٹھے ہو جاتے ان کی کچنی کو
چھوٹے بڑے سب بچھائے کرتے انہیں اپنا نہانے کا فن آتا تھا۔
آفس میں ہوتے تو سب آتے جاتے نہ ہوتے تو کوئی بھی نہ آتا۔
مدینہ سے روز کال کر کے جو چھتے کوئی آتا ہے جواب ملتا کوئی بھی
نہیں آتا تو ہنس کر کہتے ”تم لوگوں کے پاس کس نے آتا ہے ہاں
اجما لایا کرو کوئی آئے تو چائے پانی پوچھا کر پھر مجھے کہتے دیکھو
ایک ماہ میں یہاں ہوں اور ابھی تک کوئی ڈیل نہیں ہو سکی“ اٹھارہ
دن ہم مدینہ رہے اور اتنے دنوں میں جہاں نئی پاکستانیوں سے
اپنے اخلاق کی بدولت تعلق بنایا ایک رات جب ہوئی آئے تو
کہنے لگے یہاں لوگ مجھے کد رہے ہیں کہ آپ کو تو عمرہ سچ کہا
ہے یہاں کا موسم راس آ گیا ہے ورنہ اکثر لوگ کمزور اور بیمار
ہو جاتے ہیں اور نگ بھی ماند پڑ جاتا ہے آپ تو دن بدن ٹھہرتے
جا رہے ہیں۔ میں نے کہا بس کریں ابویں کہیں نظر نہ لگ جائے
تو ہنس دینے اور جب ہم پاکستان واپس آئے تو ہر ایک نے کہا
بات کی مگر کون جانتا تھا یہ کیسا حسن ہے ایک ہی ماہ میں ان کے
ساتھ پر میرا بک نشان نظر آنے لگا تھا ان دو ماہ میں (عمرہ واپسی
سے وفات تک) ان کی وہی روشیں رہی جو مکہ مدینہ میں بھی کوئی
نماز قضا نہ کرتے اور دھڑوں کو بھی نماز پڑھنے کا کہتے۔ کچھ دن
سے بلکا بخار تھا 19 اگست ہفتے کے روز چیک اپ کر دیا گئے تو
مجھے میڈیسن بھانے لگے کہ یہ کچھ دوا پھر آرتی تب سے مجھے دیا
میں نے پوچھا ڈاکٹر نے کیا کہا کہتے ہیں بخار نہیں اب، بس
چھٹی پڑنٹم ہے پانچ دن کی میڈیسن دی ہے بنانی کچھ ٹیسٹ تھے
وہ کھائے ہیں دو تین دن تک رپورٹ ملے گی اور پھر صحت پر چلے
گئے میں بھی ساتھ چلی گئی ابی پہلے ہی صحت پر تھیں عصر اور مغرب
کے درمیان کا وقت تھا امی نے پوچھا بستر کدوں جواب آیا نہیں
بس تنکیر دے دو“ انسان تھوڑا سا بیمار ہوتا ہے مگر ساری ہمت قوم
ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا ابویں میڈیسن لے لیں کہنے لگے
نہیں اب صبح ہی لوں گا اور لیٹ گئے۔ مجھے یاد آیا عمرہ پر جا نے
سے پہلے کچھ مہرے سے مجھے عجیب سے دھم اور خیال آئے تھے
اور میں فوراً ابویں کو فون کر دیتی تھی ”ابویں کہاں ہیں آپ؟“ میں
فلاں جگہ ہوں کیا ہو بس آ رہا ہوں تھوڑی دیر تک۔ ”کچھ نہیں ہاں
جی“ بس عجیب سے دھم آ رہے تھے پچھا آپ کوئی صدقہ ادا

دے دینا“ ٹھیک ہے دے دوں گا“ اور ایک رات مدینہ کے ہوٹل
میں میں نے بہت عجیب اور خوفناک خواب دیکھا میں ڈر گئی اور
میری چیخ نکلی دادو نے پوچھا کیا ہوا؟ میں نے کہا ابویں کہاں
ہیں؟ ابویں اٹھے اور جواب دیا میں اصر ہوں کیا ہوا (مدینہ سے
بو قملے واڑ شاید نیند میں ہی تھے) میں نے کہا ”میں نے بہت برا
خواب دیکھا ہے“ (میری عادت ہے میں برا خواب بتاتی نہیں
ہوں) ابویں کہتے آیت الہی پڑھ کر سو جاؤ اللہ خبر کرے گا۔ ان
دنوں امی کی طبیعت خراب تھی وہ ہول ہی ہوتی تھیں حرم پاک نہیں
جا پاتی تھیں تو امی کی طرف سے میں خوفزدہ ہوئی کہ خواب میں امی
اور ابوکا وہی دیکھا تھا مگر کیا پتا تھا ابو نے نہیں رہنا اتنی جلدی اور
اپنا چک ہونے نہیں چھوڑ جاتا ہے۔ 20 اگست کی صبح اٹھے فریش
ہوئے اور چارپائی پر بیٹھ گئے ناشتا کیا اور ساتھ شستے سے پہلے
میڈیسن بھی پانی کا گلاس پی کر رکھا تھا جو ابونے پی لیا، ہمارا میری
بہن ابوکا ناشتا دے کر واپس کچن میں چلی گئی۔ رات میری دوست
آئی ہوئی تھی میں اس کے لیے فریج سے پانی کی بوتل نکال رہی
ہوں کہ میری نظر ابویں پر پڑی وہ میری طرف ہی دیکھ رہے تھے
عجیب سی کیفیت تھی ان کی آنکھوں میں شاید ایسا بھلے گا (کیا پتا
تھا وہ آخری نظر تھی) میں پانی لیے کمرے میں آئی اور ابھی میں
پانی کا گلاس رالی کو چکڑا کر گئی ہی ہوں کہ باہر سے ہمارے ہاں کی آواز
آئی ”مریم ابوکا کو دیکھو کیا ہو گیا ہے“ میں اور ابی فوراً کمرے سے نکل
کر ابو کے پاس آئیں میں نے دیکھا ابویں پر پانچ ماہ پرانے
ہیں امی اور ماں انہیں سیدھا لیٹانے کی کوشش کر رہی ہیں میں نے
ان کے ساتھ مل کر ابویں کو سیدھا لیٹانے کی نبض دیکھی سینے پر
ہاتھ رکھا اور میرا دل جیسے ٹھنسی میں آ گیا ابو بے حس و حرکت تھے۔
امی نے ہمارے کہا ”قیم اور نید (میرے بہنوئی اور چھوٹی زلی) کو
بلاؤ وہ ڈاکٹر لے آئیں میں نے ہفتے کے دن اور کھانے ہاتھوں
سے قیم کا نمبر ملایا اور بھرائی آواز میں کہا ”جلدی آؤ ابوکا کچھ ہو گیا
ہے“ لسنے میں ہمارا خودی پھوپھو کے ہاں چلی گئی ”قیم آیا ابو کے
چہرے کو تھپتھپاتا آواز دی ماموں جی ماموں جی“ مگر وہ نہیں جان پایا
ابو نہیں رہے شاید ابوتو گرتے ہی فوت ہو گئے تھے ہاتھ میں چکڑا
پہلا نوالہ بھی منہ تک نہ لے جا سکے، قیم ابویں لینے چلا گیا
لسنے میں پھوپھو بڑے بہنوئی سب آ گئے۔ بھائی نوید نے ابو کی
نبض دیکھی اور زور سے لٹی میں سر ہلاتے ہوئے بولے نہیں
ماموں جی (وہی بات جسے ماننے کو میرا دل تیار نہیں تھا) بھائی
رونے لگے ابویں لسنے لگی ابوکا دیکھا چپک کیا اور پوچھا کتنی دیر

ہوئی ہے میں نے کہا ابھی چندہ میں منٹ اور فور سے ان کے
چہرے دیکھنے کی کر کہا کہتے ہیں مگر وہ خاموشی سے ابو کو لے کر چلے
گئے امی بھی ساتھ چلی گئی میں جانے نماز بچھاے رو رو کر دعا
کرنے لگی مگر وہی ہوا جس کا زور تھوڑی ہی دیر میں ابوکا چارپائی پر
ڈالے واپس لے آئے سب رونے لگے اور میں ساکت سی
سیڑھیوں میں کھڑی ہوں نڈھال اور بے جان کیسے میں ابویں
چارپائی تک گئی کب ضبط ٹوٹا اور کب تک روتی رہی کچھ خبر نہیں
ہوں میں تب تک جب ابوکا خری آ رام گاہ تک لے جانے لگے
میں نے چارپائی پکڑ لی مگر چھوٹے چاچا کے بڑے اور مجھے اپنے
ساتھ لگا کر خوب رونے اور کون نہیں رو رہا تھا ہوا کھا لک باری ہر
کوئی بے یقین تھا اچانک کیا ہو گیا اچھے بھلے تو تھے کل تو ہمیں
طے تھے فون برات ہوئی تھی کئی عورتیں مردا یہ تھے جنہیں ہم
جانتے نہیں تھے مگر وہ دھواڑیں مار کر رو رہے تھے کہ ہم یتیم
ہو گئے ساتے لوگ اتنا یتیم نہ کہ جنازہ گھر گیا ہر روز پر لوگ نماز
کے لیے کھڑے تھے اور پھر جنازہ گاہ کے سامنے پارک کا گیٹ
کھول دیا گیا ایک دوسرے کے ساتھ گھر کے سکڑ سٹ کر لوگوں
نے نماز جنازہ ادا کی اور ابھی کی لوگ رہے تھے جنہیں جنازہ کے
سہمی وقت کا پتا نہ چل سکا تھا ابویں ایسی ہی دلخیز شخصیت کے
مالک تھے ہر کسی کے کب پران کی اچھائی اور عقائد کا ذکر تھا کھلے
ہاتھ اور کھلے دل کے مالک زندہ تھے تو ہر ایک کے پسندیدہ تھے۔
فوت ہوئے تو لوگ ہاتھ مٹل رہے تھے کہ جیسے ہر کسی نے اپنی
میتنی متاع کھو دی ہو مجھ سے بھی ابی اتنا لہا نہیں لکھا گیا کہ میں
مختصر رہتی اور کھتی ہوں مگر اب میں اپنے قلم کو روک نہیں پارہی جو کئی
باتیں مجھ جذب کرنے کے باوجود لکھتا جا رہا ہے اور دل بھی ابی چاہ رہا
ہے کہ کھتی جاؤں آپ سب سے دعا کی درخواست کر رہی ہوں
اللہ تعالیٰ میرے ابو کو جنت الفردوس میں جگہ دے ان کے درجات
بلند کرے اور ہم سب گھر والوں کو صبر و استقامت عطا فرمائے
آمین یا رب العالمین اور میری تمام دوستیں موش میڈیا فیس بک
فریڈ ز جنہوں نے اس کڑے وقت میں میرا ساتھ دیا آپ سب
کے لیے شکر یہ کا لفظ بہت چھوٹا ہے اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے
خیر دے اور ہمیشہ خوش رکھے آمین و السلام۔

دلکش مریم..... چینیٹ

dkp@aanchal.com.pk



جوہر سبک

منتخب قرآنی آیات کی تشریح تفہیم القرآن کے مطابق
جوہر امت میں نبی آیا ہے جب تک اور جہاں تک
اس نبی کی تعلیم کے اثرات باقی رہے یا نبی نہیں آیا (آیت
2: سورة فاطر)۔

جوہر اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کے سب انسانوں
لے لیے قیامت تک نبی بنا کر ان پر گمراہوں اور مشرکوں کی
ہدایت کے لیے قرآن نازل کیا (آیت 28 سورة سبا)۔
جوہر قرآن بنی اسرائیل کو ان باتوں کی حقیقت بتاتا
ہے جن میں وہ اختلاف رکھتے ہیں (آیت 26 سورة
انمل)۔

جوہر قرآن کو ماننا کافی نہیں قرآن پر عمل بھی کرنا ہوگا
(آیت 2 سورة السجده)۔

جوہر اللہ کی مشیت آزمائش کی نہ ہوتی تو انسان پیدائش
فرماں بردار ہوتا (آیت 13 سورة السجده)۔

جوہر اللہ کی مشیت میں اچھے برے لوگوں کے وجود اور
اچھائیوں اور برائیوں کی یکساں گنجائش ہے (آیت 7
سورة الزمر)۔

جوہر شیطان دل میں دوسرے ہی ڈال سکتا ہے بیماری یا
سہانی تکلیف نہیں دے سکتا (آیت 41 سورة ص)۔

جوہر شرک کی بنیاد ہی اللہ کی ذات یا صفات میں کسی
نقص یا کمزوری کا گمان رکھنا ہے (آیت 36 سورة
یٰسین)۔

جوہر انکار آخرت سے ہمیشہ اخلاقی بگاڑ پیدا ہوا جس
لے نتیجے میں گمراہوں پر عذاب آیا (آیت 9 سورة
الروم)۔

جوہر اللہ کی عبادت اور بندگی سے لوگوں کی دنیا اور
آخرت سنواری ہے اللہ کی کوئی غرض اس سے نہیں انگی ہوئی

(آیت 15 سورة فاطر)۔

جوہر کفر کے ساتھ کسی نیکی کا کوئی اجر نہیں نیکی ایمان
کے ساتھ ہی سودمند ہے (آیت 16 سورة الروم)۔

جوہر جس میں ہدایت کی طلب ہو اسے ہی اللہ ہدایت
کی توفیق دیتا ہے (آیت 56 سورة القصص)۔

جوہر جس کی نماز اسے فحش اور برے کاموں سے نہ
روکے اس کی نماز ہی نہیں (آیت 45 سورة العنکبوت)۔

جوہر انسان کو اچھے حالات میں سرکش اور برے حالات
میں مایوس نہیں ہونا چاہیے اللہ پر توکل رکھے (آیت 43
سورة ص)۔

جوہر ایمان کے ساتھ نیک عمل کرنے والا دنیا کی عارضی
راحتوں سے محروم بھی رہے تو آخرت میں نعمتیں پائے
گا (آیت 58 سورة العنکبوت)۔

جوہر اللہ کی بندگی میں شہریت رکاوٹ بنے تو ہجرت کر
جاؤ جہاں ہے اللہ اسے وہیں رزق دے رہا ہے (آیت
56,60 سورة العنکبوت)۔

جوہر جان تو ایک دن جانی ہے اہمیت ایمان بچانے کی
ہے جس پر آخرت کی ہمیشہ زندگی کی فلاح منحصر ہے
(آیت 57 سورة العنکبوت)۔

جوہر وہ مومن نہیں جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ماں
باپ اور تمام انسانوں سے بڑھ کر محبوب نہ ہوں (آیت 6
سورة الاحزاب)۔

جوہر جس معاملے میں اللہ اور رسول کا حکم واضح ہو اس
میں اپنی الگ رائے رکھنا جائز نہیں (آیت 36 سورة
الاحزاب)۔

جوہر علم رکھنے والے ہی اللہ سے ڈرتے ہیں جو جتنا اللہ
کی صفات سے لاعلم ہے اتنا ہی وہ نافرمان ہے
(آیت 28 سورة فاطر)۔

جوہر دنیا کی تلغیوں اور آفتیں تنبیہ ہیں کہ سنبھل جاؤ
اور نیک عمل کرو (آیت 2 سورة السجده)۔

جوہر شعور کی عمر کے بعد سنبھلنے کے جتنے مواقع جو شخص
ضائع کرے گا اتنا ہی اس کے کفر کا وبال بڑھے گا (آیت

37 سورة فاطر)۔

جوہر اللہ انسان کے دل میں آنے والے خیال تک سے
واقف ہے روز حشر اللہ سب کا حال بتادے گا (آیت 7
سورة الزمر)۔

جوہر روز حشر اللہ کے حضور عدالت میں سب انسانوں کا
مقدمہ پیش ہوگا اور جزا و سزا کا فیصلہ ہوگا (آیت 31 سورة
الزمر)۔

جوہر روز حشر کی سختیاں کافروں کے لیے ہوں گی باطل
ایمن والے بغیر حساب کے یا نیک حساب کے بعد داخل
جنت ہوں گے (آیت 55 سورة یٰسین)۔

جوہر غلام سردور... ناتھ ناظم باؤ کراچی
میر ایضاً سب بہنوں کے لیے حدیث کی روشنی میں
عورتوں کو ناخن پر مہندی لگانے کا حکم

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ
ایک عورت نے پردے کے چھچھے سے نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا اس نے ہاتھ میں خطا تھا۔ نبی
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ ہٹ لیا اور فرمایا کہ ”میں
نہیں جانتا کہ یہ مرد کا ہاتھ ہے یا عورت کا۔“ اس نے کہا
”عورت کا ہاتھ ہے۔“ فرمایا ”اگر عورت کا ہاتھ ہے تو اپنے
ہاتھ کے ناخن مہندی سے رنگ لے تاکہ فرق معلوم
ہو سکے۔“

(مشکوٰۃ شریف، باب الزجل) 4269
طیبہ سعدیہ عطاریہ... کھنیا لہ سیالکوٹ
باتیں یاد رکھنے کی

جوہر انسان کو اچھی سوچ پر وہ انعام ملتا ہے جو اسے اچھے
اعمال پر بھی نہیں ملتا کیونکہ سوچ میں دکھاوا نہیں ہوتا۔
جوہر مسکراتا تو میری شخصیت کا حصہ ہے آپ مجھے
خاص کچھ کرو دعاؤں میں بھول مت جانا۔
جوہر ہمیشہ میٹھے الفاظ بولو تاکہ کبھی واپس لینے پڑیں تو
کڑوے نہ لگیں۔
جوہر ضروری تو نہیں کہ وہ ہماری نگاہ میں رہے بس دعا
ہے جہاں بھی رہے خدا کی پناہ میں رہے۔

جوہر زندگی میں جو چاہو حاصل کر لو بس اتنا خیال رکھنا
کہ آپ کی منزل کا راستہ بھی لوگوں کے دلوں کو توڑتے
ہوئے نہ گزرے۔
جوہر تم جہاں بھی ہو اپنی آنکھوں کو بند کرو تم مجھے پالو
پروین افضل شاہین... بہاولنگر

جوہر والدین سر اٹھا کر چلتی ہے اس کے
والدین سر جھکا کر چلتے ہیں
اور... جولوڑکی
سر جھکا کر چلتی ہے
اس کے والدین سر اٹھا کر چلتے ہیں
اب... پیٹ پر منحصر ہے کہ
آپ سر اٹھا کر چلیں
یا سر جھکا کر

مریم عنصر... شیخو چک (ڈنگلہ)
بدبو
مہنگا پر فیوم لگانے سے بوسیدہ کردار کی بدبو ختم نہیں
ہوتی۔
مدیحہ نورین مہک... گجرات
حیرت زدہ

پیدائش اور اموات کے اعداد و شمار پڑھتے پڑھتے ایک
حسینہ نے قریب بیٹھے ہوئے نوجوان سے کہا۔
”تمہیں معلوم ہے کہ میری ہر سانس کے ساتھ ایک
آدی مر جاتا ہے۔“
”حیرت ہے“ نوجوان بولا۔ ”تم کوئی اچھا سا تو تھ
پیٹ کیوں نہیں استعمال کرتی۔“
ارم کمال... فیصل آباد
سنہرے الفاظ

جوہر اے انسان اس خدا سے مانگ جو دے تو رحمت اور
نہ دے تو حکمت۔
جوہر انسان ہو کر انسان سے مت مانگ جو دے تو
احسان اور نہ دے تو شرمندگی۔

269

انجیل نومبر ۲۰۱۷ء

ماہی..... گوجرانوالہ
 تین چیزیں
 تین چیزیں ایک جگہ پرورش پاتی ہیں (پھول،
 پانی، شہر)۔
 تین چیزیں پردہ چاہتی ہیں (عورت، کھانا،
 بات)۔
 تین چیزیں چھوٹی نہ سمجھیں (قرض، مرض،
 زہر)۔
 تین چیزوں کو بڑھاؤ (عقل، ہمت، محبت)۔
 تین چیزیں ہر ایک کی جدا ہوتی ہیں (صورت،
 حیرت، قسمت)۔
 تین چیزیں انسان کو تباہ کرتی ہیں (حرص، حسد،
 نم)۔
 تین چیزیں بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیتی ہیں (زن،
 رز زمین)۔
 تین چیزیں حافظہ کو قوت دیتی ہیں (روزہ، مسواک،
 تلاوت قرآن پاک)۔
 تین چیزیں انسان کو زندگی میں ایک بار ملتی ہیں
 (والدین، حسن، جوانی)۔
 آنسہ شبیر..... ڈوگر گجرات
 مسکرائے
 ایک دفعہ کسی بیرون ملک ایک پاکستانی ایک ہندوستانی
 اور ایک انگریز کو کسی کوڑے مارنے کی سزا ملی سزا سے پہلے
 سمران نے کہا کہ آپ تینوں کی سزا سے پہلے ایک ایک
 بات مانی جائے گی تو انگریز بولا۔
 ”مجھے ایک گدا لاکر باندھو (کمر پر)۔“ تیس کوڑے
 کدے پر لگے جب وہ ختم ہو گیا تو باقی کہ پچاس اسے
 لٹھانے پڑے۔ اسی طرح ہندوستانی نے اپنے پیچھے دو
 کدے (فوم) باندھنے کا اظہار کیا ساتھ کوڑے کدے پر
 اور باقی بچے ہیں وہ اس نے کھالیے اب پاکستانی کی باری
 آئی تو اس نے کہا کہ ”میرے پیچھے ہندوستانی کو باندھا
 جائے یہ میری خواہش ہے۔“ سو وہ قتل مند پاکستانی تھا
 سارے کہ سارے کوڑے ہندوستان کو کھانے پڑے۔
 زعمیر روشن..... مظفر آباد آزاد کشمیر
 ماڈرن الجبرا
 میٹرک اگر بجوبیٹ + ڈگری = دھکے۔
 میٹرک اگر بجوبیٹ + رشوت = اچھی نوکری۔
 میٹرک + اچھی نوکری = شادی۔
 لڑکی + لڑکا + حماقت = عشق۔
 اندھیرا + بل = واپڈا۔
 عورت + عورت = شور شرابا۔
 عورت + خاموشی = ناممکن۔
 بیوی + محبت = مطالبہ تنخواہ۔
 طاہرہ یاسمین..... عارف والا
 سوال.....؟
 اسٹوڈنٹ! استاذی لوگ انگلش اور اردو میں ہی بات
 کیوں کرتے ہیں؟ میچ میں کیوں نہیں؟“
 استاذ غصے سے۔ ”زیادہ 3، 5، 11 نہ کر 9-2 ہو جاؤ ورنہ
 6 کے 36 نظر آئیں گے اور 32 کے 32 دانت باہر
 آ جائیں گے۔“
 اسٹوڈنٹ۔ ”سر انگلش اور اردو میں ہی بات کریں
 میچ تو سننے میں ہی خوفناک لگتی ہے۔“
 ماریہ کنول ماہی..... گوجرانوالہ
 اقوال زریں
 میں نے زندگی میں صرف ایک بات سیکھی ہے کہ
 انسان کو کوئی چیز نہیں ہر اسکتی۔ جب تک وہ خود ہار نہ مان
 جائے۔
 دوسروں کو دکھ دینے والے ہمیشہ خود مسکراہٹ سے
 محروم رہتے ہیں۔
 آزمائے ہوئے کا زمانا بے وقوفی ہے۔
 بے وقوف دوست سے بہتر عقل مند دشمن ہوتا
 ہے۔
 غزالہ دلیر..... مری ڈنڈ
 نئی سوچ

قدرت کے کرشمات ہر لمحہ ہمیں آنے والی زندگی کے
 کٹھن امتحانوں کے لیے تیار کرتے رہتے ہیں۔ سمجھ دار اور
 عقل و فکر رکھنے والے ذی روح ان کرشمات کی کرنوں سے
 اپنی زندگی کی تاریک راہوں کو روشن کر لیتے ہیں اور بے
 وقوف لوگ ساری زندگی بد نصیبی کا رونا روتے ہوئے اس
 دارِ فانی سے کوچ کر جاتے ہیں۔
 سامعہ ملک پرویز..... خان پور ہزارہ
 زندگی کیا ہے؟
 زندگی کیا ہے..... دھوکہ، سراب یا پھر خوب صورت سا
 خواب۔
 زندگی حسین لئے، حسین یادیں یا پھر تلخ حقیقت۔
 زندگی تلخ تجربے کا نام ہے اور خوب صورت احساس
 بھی ہے جسے اگر محسوس کیا جائے تو موم کی طرح نرم اور اگر
 حالات پر چھوڑ دیا جائے تو تلخ حقیقت۔
 کہنے کو تو خوب صورت تھخہ ہے زندگی ہنسی مسکراتی
 جس میں اگر کائنات کی تمام تر رنگینیاں و رعنائیاں ہوں
 پھر ہر لمحہ باعث مسرت بن جاتا ہے۔
 کہیں زندگی جینے کا نام ہے لیکن جب جینے کی کوئی
 وجہ نہ ہو تو زندگی بوجھ لگتی ہے ایسا بوجھ جسے انسان چاہ کر بھی
 اپنے کندھوں سے نہیں اتار سکتا۔ زندگی میں بہت سے
 واقعات ہوتے ہیں، کچھ تو حسین یادیں دے جاتے ہیں
 اور کچھ تلخ یادوں کی صورت میں اپنا آپ چھوڑ جاتے ہیں۔
 انسان بہت سے حالات سے گزرتا ہے، بھی مشکل
 کبھی آسانیاں، کبھی لاحد و خواہشیں تو کبھی ناکام حسرتیں
 کیا ان سب سے تنگ آ کر انسان جینا چھوڑ دے ہرگز
 نہیں؟ انسان کٹا گے بڑھنے کے لیے جدوجہد کرنی چاہیے
 کیونکہ ہر قدم پر ناکامی تو نہیں ہوتی۔
 اقرار شاہ..... ترنگری بالا
 غزل
 آئی تھی میری زندگی میں وہ اجنبی کی طرح
 پھر ہو گئی وہ میرے اقرباء کی طرح
 رہنے لگی ہے میرے خیالوں میں ہر پل

آئینہ شہلا عام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اللہ رب العزت کے پاک نام سے ابتدا ہے جو خالقِ دو جہاں اور مہیاں کا مالک ہے۔ یہ سال بھی اب اختتام کی طرف ہے اس سال خوشی اور دکھ دونوں ہی رہے لیکن پاکستانی سیاست پر ایک ہی رنگ ہاں اب دیکھتے ہیں کہ چند سال کس کی بادی آتی ہے اور وہ کتنا ملک سے غلط ہوتا ہے اس بار آپ سب بہنوں نے شرکت کی اور صبا ایشل کی تحریر ”خواب زادی“ کو پسند کیا ہماری جانب سے بھی صبا ایشل کو مبارکباداں بڑھتے ہیں آپ کی محنت کی نیکی جانب جہاں آپ کے تبصرے ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں۔

صافحہ مشتاق..... سرگودھا۔ عیاری رانڈرز ڈیڈ اور شہلا آئی کیو اسلام آباد ہول آج اس دفعہ 22 کو لاٹس ہٹل گرلز مسکراتی ہوئی اچھی لگ رہی تھی سب سے پہلے مدیہ جی کی سرگوشیاں میں حمد و نعت سے دل کو سوزا لیا۔ در جواب آپ میں قیصر آئی بہنوں کی محنت سچائی بھی مسکراتے ہوئے دل میں اتر گئیں۔ دلاش کدہ میں مشتاق احمد فریضی معلومات میں اضافہ کرتے اچھے لگے ایسا کلمہ بھی ہر کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ ہمارا آج کل میں سچ لکھنا عاشر شرف رو بہ کوشش ہے ملاقات اچھی رہی پھر روز لگائی موست فحورٹ ناول فارغہ گل ”نور اسکر میرے گمشدہ“ آئی جی پی کیا کیا آپ نے انارش کے ساتھ اچھا اچھا کرنا آئی میرا دل کرتا ہے کہ شرمین کو ناول سے کیا دیا ہے ہی باہر پھینک دوں آئی جی پی آپ کی قلم ”جیسے جگہ سے سرور دے میرے دل میں خود کو اتار دے“ مجھے آئی پسنائی کی کسبے ساختہ اپنی ڈائری میں اتاری۔ راشدہ رقت کا افسانہ ”بندہ بنوں کی بات“ واقعہ جب بچہ چھوٹا ہوتا ہے کہنے کو وہ لڑلہ ہوتا ہے لیکن ساتھ ہیوں کا رعب بھی ہوتا ہے۔ سیمرا شریف طور ”جنوں سے عشق تک“ سیمرا جی کیا کہوں آپ کے ناول کے بارے میں میرے پاس الفاظ ہی شاید ختم ہو گئے ہیں آپ کی دیکھتے ہیں شہزادہ گلن میں خوشبو ہے یا سبکین شلا کا مکمل ناول بہت اچھا لگا یا سبکین جی اسامہ کے چچا کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا دیے اپنے رشتے ہی ایسے ہوتے ہیں جن پر اعتبار کر دہی پیڑ پیچھے جڑ کو پھونپ دیتے ہیں بانی ناول اچھی پڑھا نہیں۔ نیرنگ خیال میں انیلہ طالب کی لاکھ گی پٹی بہت پسند آئی۔ فائزہ بھٹی نے دوست کے نام میں یاد کیا اچھا لگا فائزہ جی میری سالگرہ 10 نومبر کو ہے اور میں ہی صاحبہ مشتاق ہوں صاحبہ شاعری نہیں یادگار لکھ میں انجم انجم عیوانی بیری اچھی لگی آئینہ سب نے خوب اچھا تبصرہ کیا کوثر خالد شکر یہ یاد کرنے کا لکھنا ہاں کہ لیے اجازت چاہوں گی ادا السلام۔

موجہ عنصر..... شیخوچٹ ڈنگہ۔ قلم سے نہ نہ کر قلم کی آنکھ سے آنسو ٹپک میں بیٹھ کر جب حال دل تحریر کرتے ہیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ شہلا کا حال احوال ہے؟ مسمیٰ آئی اگر کوئی حال احوال پوچھے تو بتا دیا کریں کہ چلو ہم ضد نہیں کرتے کہ ہمارا حال پھو تم خود کس حال میں ہو اتنا تو بتادو سب سے پہلے گل میں خوش کیا دیکھنے پر تہ دل سے شکر گزار ہوں اب آتے ہیں تبصرے کی جانب۔ کھو تو بہت ہے مگر شکایت نہیں کر سکتی میرے ہونوں کو اجازت نہیں تیرے خلاف بولنے کی (نارنگ لکھ میں ہمارا حصہ نہ ہم سے پوچھتے نہ بیاض دل دوبارہ ان میں تب حصہ لیں گے جب پچھلا شائع ہو) ”شب جگر کی پہلی بارش“ میں دوبارہ شہزادہ دیت ہوئی کہ کوئی درختوں کے ساتھ دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ ”پھولوں میں خوشبو دانی ہے“ نے بہت دیکھا کیا پتا نہیں اپنے غریب شہزادہ کیا کیوں کرتے ہیں کیا پتا ہے؟ شاید خوشی اسامہ کی طرح مجھے بھی یقین نہیں تاکہ اس طرح بھی ہو سکتا ہے۔ جی کرتا ہے کوئی آکر کہو سب جھوٹ ہے پتا نہیں، لڑکیاں اتنی حساس کیوں ہوتی ہیں ہمارا کیا چاہتا ہے کہ ہر رشتے سے غلوں کی خوشبو آئے۔

ہمیں کی لکھتی یادیں ہیں جب یاد کیا اچھی یادوں کو یوں ہونے دل میں بگڑے کہ جج اشی تنہا ہی بھی فصیحہ الاسلام لکھتے تم ستاروں کو بہت پسند ہو تمہاری کہیں ترنگ اور قرأت کے بارے میں جان کر خوشی ہوئی۔ ش گلگل آپ نے ہم شہزادہ یوں کیا سلام کیا وعلیکم السلام ایک صحت تمہارے لیے ان کے گھر زیادہ نہ چاہا کہ وہ قلم ہو جائے گی۔ خواب کا پڑھ کر خوشی ہوئی بہت بہت مبارک ہو ہمیں شہزادہ شاعر حاصل ہوا۔ بندہ کچھ یاد کیا اور ان پرچہ سننے کا مجھے بھی بہت شوق ہے انکاش شرف تمہارا سلام کرنے کا انداز بہت

آیا۔ یقیناً تو تمہارا تعارف پڑھ کر خوش مزاج ہو۔ دوست کا پیغام سلسلہ کافی دلچسپ ہوتا ہے یادگار لکھ میں بیاری پٹی پسند آیا بانی سب سلسلہ ٹھیک تھے آئی جی ضرور بتائے گا میری لکھائی کیسی ہے؟ دیے جب خط دیکھا انہی تو مسکرائی اور لکھتے گئے میرے مسکراتے سے ہوا میں مسکرائی ہیں۔ سیمرا بھائی فواد جو مجھ سے چھوٹا ہے اور ساتویں جماعت میں پڑھتا ہے بڑی مشکل سے ڈاک خانے خط پوسٹ کروانے کے لیے مانتا ہے اس کے لیے کوئی نصیحت کریں اللہ حافظ نہیں کہوں گی کہ یہ چاندیہ تارے یہ بہاریں کتنی ہیں مجھ کو کھی کی کو اذراں نہ کہتا۔

نصنا بلوچ..... ڈی آئی خان۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آئی جی فحل قارئین اینڈ فرینڈز کیسے ہیں آپ سب؟ اس بار آپ کل 27 کی شام کو ملا تو رات ایک بجے تک مطالعہ کیا وہ بیان کردیں گی بانی کے لیے معذرت۔ سب سے پہلے دوست کا پیغام پڑھا مادی یا سبکین برون افضل شاہین فریدہ فری عاش کشا لٹریٹ راجپوت، انجم انجم فری قاز آپ سب نے یاد رکھا شکر ہے اور جنہوں نے نہیں رکھا ان کا بھی شکر ہے خوش رہیں آئینہ سب بھی کے تبصرے مزے کے تھے۔ نیرنگ خیال میں بخیر انیلہ زنیہ و طاہر اور غزلہ گل راؤ کی قلم اچھی لگی کیونکہ میں نے اچھی پڑھی جو کسی میں بچ میں اچھی لگی پھر نازی آئی کی ”شب جگر کی پہلی بارش“ پڑھی واہ کی خوب صوبتی تے گے پھر عیاری ہیں نازی آئی ناول کو۔ زوہار اور درختوں یعنی بہن بھائی کے پڑا ٹکسوں میں کھیں ”افسوس کی موت کا بہت دکھ ہوا ہے چاری ہے گناہ ماری تھی۔ سارہ بیگم کلاس کے کے سہرا لکھتی سادہ زور اور سید بھائی ہیں اچھا لگا خالد کے لیے دوبار کے دل میں محبت و کچھ کر اچھا لگا۔ سید کی شادی اس شہزادہ کی لڑکی سے ہوئی نام یاد نہیں رہا۔ سرور کو ہوش آجائے گا ان شام مائندہ عمر انکھ کی جوڑی ہوزان کے ساتھ فٹ لکھی ہے عید الہادی اور شہزاد کا ملا بھی پکا ہے اور یہ عید بنا کی بلا کہاں سے لکھی پڑا سے من کی ہی کہانے پڑنے کیونکہ ہمارے صیام بھائی کو درختوں سے کوئی نہیں سمجھیں سکتا ہاں جی سادہ زور پر ہیوان کی جدائی کے کن ان بھی مجھے نظر آ رہے ہیں۔ راوی ہر طرف چین چین لکھتا نظر آ رہا ہے فریدہ فری جی ”رنگ حنا کی بات نہ چھوڑ“ کیا ہی پڑوست تحریر جی مقلدوں یاد ہے کہ پائلڈن۔ روز نے جو پھوڑا ڈھنچکا کو مارا وہ کیا ہی مزہ آ اور مرڈ کی وہ بات جو اس نے ڈھنچکا سے لکھی (اس چھوٹی حنا کی طاقت دیکھ لی تاں میں رانی بھی ہوں اور ماں بھی مردہ ہیں جنہیں کمرہ اور پچہ کچہ ہے ہوا فوس کروا پی ماں پر جس نے تم جیسے مرد کو نہیں جتا) مختصر پڑوست ناول تھا بانی اچھی زمر مطالعہ ہے زندگی رہی اور اللہ نے چاہا تو پھر ملاقات ہوگی اللہ حافظ۔

☆ ڈیٹر شہلا فریدہ فری کی تحریر واقعی داد بخشنی کی حق داری لیکن صرف ایک تحریر پر تبصرہ دینی معصومین کی حق دینی کے برابر ہے اس لیے سندھ سب کا خیال رکھیں۔

طیبہ یاسین..... جھنگ۔ میری طرف سے تمام چلن قارئین کو السلام علیکم! آٹھویں کلاس سے آنکھ کی خاموش قاری ہوں لیکن ہاں لکھنے کی جہالت کر رہی ہوں مجھے شروع ہی سے دوسرے تمام ڈھنچکوں کی بجائے آنکھ زیادہ اچھا لگتا ہے کیونکہ مجھے اس کی بہت زیادہ یاد کیاں سبق آموز لگتی ہیں۔ ”شب جگر کی پہلی بارش“ میرا فحورٹ ناول ہے آئی نازیہ کو دل نازی سے ملنے کا بہت شوق ہے۔ ”دور مسکرا میرے گمشدہ“ پلینز فار مل صاحبہ اس کا پٹی اینڈ کینچہ گا اور پلینز اریش اور اچہ کو لور کوئی دکھ نہ کچھ گے۔ مجھے بہت شوق ہے کہ میں آپ کو لوگوں سے مل سکوں مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب میں لڑکیوں کے تعارف دیکھتی اور پڑھتی ہوں تو اس نام میرا دل بھی کرتا ہے کہ میں بھی ایسا لکھوں تاکہ پھر میرا بھی ایسا ہی تعارف اور انڈر وولیا جائے۔ میں آج کل میں کچھ کرنا چاہتی ہوں اور وہ صرف اور صرف آپ کی مدد سے ہوگا کہ اگر آپ میری حوصلہ افزائی کریں تو تب ہی ناں مجھے آپ سے ملنے کا بہت شوق ہے وہ شوق بھی میرا آج کل کی دانگی سے ہی ہوگا۔ امید ہے کہ میرا خط آپ کو پوری لگا ہوگا لیکن اس کو روکی کی کو کوری کی نذر نہ کیجیے گا اور میری جوی خوشی ہے وہ بھی بخوڑی بہت مجھے بتا دیں کیونکہ مجھے گینڈ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

☆ طیبہ آپ اپنا تعارف لکھ کر بھیج دیں۔

دقیہ ناز..... مہلسی، وھازی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ابھی آپ کی محفل میں آئے ہیں کیسی ہیں اور بانی آج کل سے وابستہ پر یاں کسی ہیں؟ آج کل ہمیں 26 کو لاٹس سے پہلے ناٹل پر نظر پڑی تو دل خوش ہو گیا ردا کو کچھ کرنا گناہاں ہیں مسکراٹ سے دل چیتے کا ۱۱۱۱۔ سب سے پہلے دوست سے دل کو سوزا لیا اس کے بعد ”دور مسکرا میرے گمشدہ“ پڑھا (پتا نہیں کب مسکرائے گا) جھنگ لکھتے کہ فرغی کہیں ہے چارے بارش تو چھٹاں دے اور دوسری طرف شرمین ایسے لوگ نہ اپنے گھر بناتے ہیں نہ کسی کے گھر بننے دیتے ہیں۔ بارش کے بدل میں ماما کے لیے غلطی جلدی در کریں اس کے بعد ”شب جگر کی پہلی بارش“ پڑھا امید ہے کہ مریدہ کو کھل دی ہوش آجائے گا اور سب ٹھیک ہو جائے گا لیکن صیام اور درختوں کا کیا وہ لیا نہیں گے۔ ”عیری زلف کے سر ہونے تک“ میں بانی کے بارے میں پڑھ کر برا صدمہ لگا اللہ تعالیٰ ایسے شتوں سے بجائے امید ہے کہ اب آپ کی بچ جائے گی۔ مامد سے اللہ بجائے اور سوزہ جی لڑکی کے ساتھ کچھ نہیں ہونا چاہیے صبا ایشل کا ”خواب زادی“ پڑھا تو ایک عجیب سا احساس ہوا اس کے خرمیں لکھی چند لائنز لوگ مجھ جائیں تو پر جی خوش رہ سکتی ہے کراس سانج کو کوکن درست کرے۔ یا سبکین شلا کا ناول ”اچھی پھولوں میں خوشبو دانی ہے“ پڑھا واقعی شاعری ہے غایت کر دیا ہے کہ محبت جی ہو تو دل ہی جاتی ہے چاہے جس دور لیے سے بھی ملے ساتھ ہی اپلوں پر زیادہ مہر و سر کرنے کا انعام بھی کیا خوب دیا شاید یہ معصوم لڑکی ہی بھول گئی کی کہ.....

غیروں کو کیا معلوم کہ دل کس بات پر دکتے ہیں

او کے اللہ حافظ۔

سبحو بھار ایکس..... اہم ایس ایس ڈنگہ۔ السلام علیکم پیارے چل قیصر آئی شہلا ڈارنگ لولی رائز اینڈ کسمی شیشی ری رائز کیا حال ہے سب ٹھیک؟ اگر نہیں تو ہونا چاہیے طلیس جلدی سے فریگی ہو جائیں کیونکہ عمر بھروسہ جیسا تیرہ لے کر آئی جو دینے مجھے معلوم ہے کہ مجھے تیرہ کرنا بالکل نہیں آتا تیرہ پیارے ہڈیوں کے لیے کوشش کر سکتی ہوں! کافی انتظار کے بعد آخر چل 24 کو ملا جیسے ہی ہاتھ میں پایا دل زین پر ٹنگ نہیں رہے تھخہ آ کر لے کر آئے اور اپنے پیٹھ میں بھاگے آچل تو ہمارا کردہ کچھ پریشان ہو گیا۔

میری کمر کی چوٹ دیکھ کر بولے

چوٹ تو کسی دیوانے کا گلتا ہے

ناٹھل پیارا قاضی ماؤں کی معصومی مسکراہٹ نے دل کو خوب بھایا۔ قیصر آئی کی سرگوشیاں سنیں آف پیاری بہنوں کیوں آئی کونکھ کرتی ہو اس لیے جست پر ٹیکس۔ ابھی جو رائز لکھ رہی ہیں انہیں پرچین محمد خٹک کی کیا ہی تعریف کی ہے۔ جواب آئی میں کیسے شرکت کرتے ہیں ہمارا آچل عاشر شرف مجھ سے دوستی کرو گی؟ پلیز جواب دینا اگر کہیں قبول ہے تو روز نہ بدی.....

تمہارا جب دل چاہے میرے ہو جانا

مجھوں میں سے زبردی ابھی نہیں

اس کے بعد ایک نظر پورے سالے پر دوڑائی (بھئی جس کا آچل اچھا ہوگا وہی پہلے پرچین کے رائز کا نام دیکھ کر پڑھنا تو بھروسہ پرانا ہو گیا ہے) سب سے اچھا آچل ”چھوٹوں میں ابھی خوب ہے“ وال بھروسہ اداؤں میرے موہاں پر بھی ہے۔ یائین نشاط و دل ڈن ایسے ہی تھری رہیں بہت خوب اس کے بعد دوڑ لگی سلسلہ وار پراس ماؤں کے بڑھاپے کے لیے نہ تو کمر ہاری ناراض ہو جائے۔

کہ تم میں تو میری جان بیتی ہے

جنت کا ستارہ اور خوب زادی بہت پسند آئے جبکہ لالی بی بی اس یں ہی تھا پلیز یہی ناول کی تعداد برقرار رکھنا۔ افسانے راشدہ رفت کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا یائین مائی! اب صرف افسانہ؟ عمارت آپ کا انداز بہت مختلف ہے۔

کیسے نہ ہوتے ہم تھا عمارت

کہ تمہارا انداز محبت ہی مختلف ہے

جبکہ اسیر محبت اور پشیمانی بھی خوب رہے مستقل سلسلہ نیند میں سب کے تیرہ مکمل کے تھے اور میرا تو سب سے اچھا تھا (آہم)۔ کوثر نی آپ تیرہ کمال کا کرتی ہوں کیسے بیان کرو؟

ان کا انداز گفتگو ہی کچھ ایسا تھا

اگر دل نہ دیتے تو جان بٹھ لکل جلتی

مجھ پانچیز سے دوستی کریں گی؟ بیاض دل میں اس دفعہ سب نے خوش کر دیا اوم شوش مقابلہ میں بھی شرکت کر سکتی ہوں؟ مجھے بہت شوق ہے۔ یونی کانیز میں سوال جواب کا سلسلہ دوبارہ شروع کریں تیرنگ خیال میں سب کا انتخاب اچھا تھا۔ دوست کا پیغام آئے ہم بھی ایک عدد پیغام سے مکمل میں بھاریں ہمیں اس کے پیارے لکھے بہت خوب ہم سے پوچھنے واہ! فی کیا بات ہے عروہ تم کیا لکھی آپ کی صحت میں نہیں اپنی ایک نئی کا سلسلہ بھی رہی ہوں پلیز حل کریں۔ جب کاسنگرہ مبارک میری طرف سے اور ایک عدد کا ڈیجیٹل بھی ہوں کام کی باتیں واقعی کام کی باتیں! اچھا! اللہ حافظ تمھاری دیکھنے کا بہت بہت شکر ہے زندگی رہی تو دوبارہ تنگ کرتے آؤں گی۔

مشہی خان..... ہانسوہ۔ السلام علیکم شہلا! آئی اور آچل وجاب اسلاف مجھوں اور اجاؤں سے بھر پور سلام قبول ہو۔ کسی ہیں آپ اور سب چل ریڈرز کو سلام اور دیر دل دعائیں۔ سب آئی ہوں تیرے کی طرف سب سے پہلے چل 27 کو طوائف خوب صورت ماؤں کو دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور ماؤں کی میری ٹیوٹ بہت اچھا لگا سورتی پھر سرگوشیاں محمد خٹک سے مستند ہوتے ہوئے در جواب آں میں پیچھے تو سب کے گلے شکوے سامنے آئے ابھی میں ہماری دوست سہیہ کول بھی کڑی نظر آئیں۔ وقت آتا تھا مقابلہ سخت تو اس لیے ہم نے ڈائریک جھانک لگی! اپنے سوٹ ٹیوٹ ناول ”شب بھری پہلی بارش“ نازی آئی و دل ڈن اتنا اچھا لگنے کے لیے لے ڈیو اور دوری کا لٹنا پھر دلی کا ڈیو اور کومناف کر دیا اچھا لگا بعد یہ کچھ پسند نہیں اب خیر خواہ صدام کو استعمال کر کے درمکون کو تار چر کرے کی پھر ایک اور خوب صورت ناول ”جنوں سے عشق تک“ بڑی ایکسٹنٹ سے پڑھا لیکن تو کچھ ناٹھ لگایں شہری صاحب کے حراج تو ساتویں سالہ سے باتیں کرتے نظر آئے اللہ خبر کرے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ آخر آئی نے اشراج کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے چارویں بنا کی صورت کے تصور اور شہری ویری سینڈ پرائی تو بڑی ہی حالاک اور درمکون خاتون ہیں۔ ساندہ چند کے ساتھ کچھ زیادہ ہی سیر نہیں ہوتی ہے سوڈہ چھو کچھ کمری پھینک سکتی۔ زیادہ میاں کا دل سوڈہ کے لیے نرم ہوا ہے۔ کچھ کچھ ہوتا ہے ان کو پیارے میاں کی باتیں نہ کر سب سے اشراج کر داری و دل بڑا ہی ظالم لگا۔

اشراج کو گرتے دیکھ کر بھی انجان بندہ اور چل دیا شہزیب بھیا اچھا کیا آپ نے زید کو سوڈہ سے شادی کا مشورہ دیا کہ باقی کہانیاں ابھی زیر مطالعہ ہیں۔ پیارے لکھے میں سب کی گزارشات اچھی لکھیں بیاض دل میں ارم کمال اور یادگار لکھے میں ارم ریاض ارم کمال! مجھ بھروسہ اور باقی سب لوگوں کی کاوشیں اچھی لکھیں انباجا رت دیں اس دعا کے ساتھ کہ آچل ہمیشہ ہمارے سروں پر تاقیامت رہے آئیں۔

حبیب قریشی..... عبد الحکیم۔ السلام علیکم! آئی آپ کی سی ہو؟ آپ حیرت سے ہوں یہ دعا ہے ہماری رب باری تعالیٰ سے لے کر کھامصر فریڈر پیڈا کی وجہ سے اسکی اسٹوری ہم کو سرساز ہو گئے ج میں آئی جی یہ خط صرف اور صرف آپ کے نام میری طرف سے یہ جگہ یہ قول فرما میں شکر یہ قول کرنے کا فخر یہ گل کی آپ تو آچل کی شہزادی ہونا اسٹوری ازاد باسٹ لوش پلیز اجیر سے حرامت ہونا نازی لائی یہ دو بیوی لکھیں کس کی ہیں آپ کی آئی ڈی رہا بی اسٹوری تو بہت بہترین بات ہوئی ہے آخر آئی آپ کی کہانی میں تو بہت زیادہ جیس بنایا جاتا ہے پلیز اس کو جلد ہی شکر کریں کہانی تو سب سے پہلے پڑھنے کو دل کرتا ہے۔ زیادہ سوڈہ بہت بہترین جوڑ ہے ”قصہ سائز بننے کا“ ایک بہت اچھی کہانی کہانی بہت اچھا لگا پڑھ کر۔ راریہ تو بالکل میری جیسی ہوتی ہے ساندہ مدن جیسی ہوتی ہے بے چاری ہر وقت جاتے بناتی رہتی ہے۔ لکھائی ”بی“ پڑھ کر تو اپنے وادیا جان یاد آ گئے جب دقات پائی تو میں بھی جاتے ہی نکال رہی تھی اور ہاتھ کا پڑے تھے اللہ تعالیٰ میرے وادیا جان کو جنت میں جلد سے آئیں۔ ناول اچھا تھا ایک دم ہی ڈرامائی شکل اختیار کر گیا بیانی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نازی کی توفیق دے آئیں۔ سب سے باتوں میں یہ زیادتی نہیں رہا کہ ماؤں کی سی مگی تو سننے جواب ناول کو پڑھنے ہوئی کس کی مجھے یہ لڑکی بہت زیادہ ہی پیاری لگتی ہے معصوم صورت اور تھکے لگ کر میرے کس میں ہوتا تو احوار مانگ لگتی۔ مجھے ایسے ہی جھکے پسند ہیں رات زیادہ ہو گئی ہے اب اجازت جاتی ہوں اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو اپنی حفاظت میں رکھے آئیں۔ آچل و دل کی رت چوٹی ترقی کرے آئیں پاکستان زندہ باد! پاک فون پاکستان باد

شبیم کنول..... پاپا نگری، حافظ آباد۔ السلام علیکم! میری طرف سے سب کو پیارہ اسلام! کسی ہیں آپ سب؟ آچل تمام ڈائجسٹ میں ناپ ف دی اسٹ جا رہا ہے دعا ہے کہ یہ ہمیشہ دل دن رات چوٹی ترقی کے منازل طے کرتا رہے آچل نے ہمیشہ اپنے پرانے اور نئے لکھنے والوں کی پذیرائی کرتا ہے آچل میرا کمن ہے اس کی ہر اسٹوری میں کسی نہ کسی کردار کی صورت میں ہم اپنے ارد گرد کے ماحول کے بارے میں پتا چلتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں لکھنے والی ہمیں ان کی قوی کیا ہی بات ہے ہر کوئی الگ ہی روپ لے کر آتی ہیں چار چاند لگنے لگتے ہیں اس لیے ٹیوٹ ناول ”شب بھری پہلی بارش“ آخری موڑ پر ہے پھر سے لوہ جا رہا ہے پلیز نازی آئی درمکون کے ساتھ رامت کر دینے کا بس جلدی جلدی صدام اور درمکون کی شادی کر دیں شکر ہے شہزاد اور عبدالہادی کی شادی ہوئی چاہے ان دونوں کی جوڑی ایک ساتھ اچھی لگتی ہے۔ سیر انکی آپ بھی مجھ اچھا نہیں سمجھتی بہت ہی زبردست لگتی ہیں ابھی جا رہے ہیں اور کہانی زبردست موڑ پر آگئی ہے۔ شہرینے کے دل میں لیکن اب محبت آ جانے والے شہرینے چارویں کے ساتھ بھی لیکن اچھا نہیں کرتا۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ وادیا لاجاب اساندہ نے محبت کو کچھ کر لکھا اب چند لکھیں کرے گا یا نہیں جوڑی ابھی لکھی ان دونوں کی اللہ اشراج کے ساتھ کچھ تو اچھا کر دیں مجھے اشراج کی نانی بہت خفا ہے تو دل کو بھی ٹھوڑا دل نرم کرنا چاہیے اشراج بے چاری کا کیا تصور ہے عروہ لی بی خواب ہی دھکتی رہے کی زید کے سوڈہ ہی زید کی زبان ہے کی۔ قافروہ آئی میں آپ سے ناراض آپ نے پھر اچھے کے ساتھ رہا کیا ٹھوڑی ہی خوشی تو دے دیتی غزنی شروع سے ہی مجھے اچھا نہیں لگتا شہرین سے بھی کس اللہ ہی بجائے سکندر صاحب کو تو زعمور اللہ رحم کرے پیاری اجیر پر۔ باقی سب افسانے ناولوں بھی زبردست ہیں اجازت دیں زندگی نے وہی اجازت تو پھر آؤں گی! آئینہ میں اللہ حافظ۔

انیلا طالب..... محمود انوالہ۔ السلام علیکم! ڈیو آچل رائز اینڈ ریڈرز اور خاص طور پر بہت ہی پیاری آئی شہلا آپ کو اپنا طالب کا سلام قبول ہوں میں کمن کرنا آخر 24 خبر کا آچل چلے گا وہ بھی سعیدہ نئی کے ہاتھوں جب بھی وہاں سے گھر آئی ہیں میں آچل لانے کی فرمائش ضرور کرتی ہوں اور دعا ہے کہ سب کچھ لکھتی ہیں..... ”انیلا! اچھا سا لکھنا بتا کر آچل لینا ہے تو میرا جواب آگے سے ہوتا ہے آئی میں آپ کے لیے دعا کروں گی آچل ضرور لانا۔“ چلیں چھوڑیں کیا باتیں لے کے بیٹھتی ہیں یا ناول ردا کی پیاری تصویر سے حساس ورتی پسند یا سرگوشیاں محمد خٹک کے بعد ہمارا آچل پڑے روزینہ کوڑ اور ہانی۔ جنہوں سے مل کر بہت اچھا لگا۔ مکمل ناول میں ”ڈر کاسا میرے کشہ“ بوا زبردست جا رہا ہے اجیر کے ساتھ کچھ پرائیں ہونا چاہیے شہرین کا علان کریں۔ قافروہ آئی آئی لانک یو آپ بے حد اچھا لگتی ہیں صاف ستھری تحریر عروہ جاتا ہے۔ ”شب بھری پہلی بارش“ اور ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ دونوں ناول اچھے جا رہے ہیں۔ ناولت میں صابینہ شیل کا ”خفا ساندہ“ پسند آئی ان دونوں بہت مصروف ہوں اس لیے آپ کی آچل ابھی زیر مطالعہ ہے۔ بیاض دل میں ریا تو شاز بہتر حافظہ میرا کے اشعار من کو بھانے تیرنگ خیال میں دقا رز و ز تیرہ طاہر اور نو زید سلطانہ کی شاعری دل پر لگی اپنی ڈھائی سال پہلے کی نظم و کچھ کے بعد خوشی ہوئی ایمان آئی بہت شکر ہے مہربانی پیاری حنا کنول آپ نے آئی اپنا بیت سے عید کی مبارک باد دی مجھے ہے پناہ اچھا لگا۔ قافروہ بھی عید کی مبارک باد دینے کا شکر۔ روز دست کا پیغام آئی میں سب نے اچھے اچھے پیغام لکھے آئینہ میں دسمہ روٹن کا تیرہ اور آئی ارم کمال کا تیرہ اچھا لگا ڈیٹر ہم، نجم، عثمان پیاری گل مینا خان میرے اشعار پسند کرنے پر دل سے مشکور ہوں آئی کوڑ خالند تو ہیں ہی اتنی پیری تیرہ بھی شکارے مارا رہا۔ ہم سے پوچھنے میں آئی ارم اور نورین انعم کے اچھے اچھے سولات خوب رہے آخر میں اپنا مکمل دل بھی سنائیں پتا ہے آچل کے لیے ان

گنت خوب صورت تحریر آتی ہیں مگر دل بے صبر البتین نہیں پکڑتا ضد کرتا ہے کہ بھی تمہاری کہانی کو سلیکٹ ہوئے آٹھ ماہ نہ رکھے ابھی تک نہیں اس سے پہلے بھی شاید 2016ء کے خری میٹوں میں زندگی کتنی حسین ہے کے نام سے بڑی محنت سے ایک تحریر لکھ کر بھیجی پتا نہیں رومی میں چلی گئی ہوگی بے چاری ویسے میرا دل کہہ رہا ہے کہ میری منتخب تحریریں جلد ہی لکھیں گی..... ہم کون سا آچل صرف اپنی تحریریں کے لیے پڑھتے ہیں دیگر سلسلوں میں ہمارا نام آجاتا ہے میرے لیے یہی بہت ہے خوش رہیں اللہ کو یاد کرتے ہیں زندگی رہی تو اگلے ماہ حاضری دوں گی تب تک کے لیے اللہ حافظ۔

کون شہزادی..... مانسہرہ۔ السلام علیکم شہلا اپنا اینڈ ویئر آچل فریڈز! کیسے ہوتا ہے کہ آپ سب؟ امیدوار ہیں خیر خیریت سے ہوں گے سب سے پہلے تو آچل و جاب کے تمام اسٹاف عمیر زجباب کی سالگرہ کی مبارکباد وصول کریں اللہ کرے آچل کی طرح جاب بھی دن و رات چوکی تری کے منازل طے کرے آپ آتے ہیں آچل کی طرف تو آچل 29 کو ملا ناٹل کرل بس مسوری آئے گے بڑھاتے میں قیصر آرائی سے سرگوشیاں کہیں محمد صغرت نے دل کو سکون بخشا جیسا کہ بقول شاعر.....

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چاہہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمد ﷺ بہ اجاہہ تو نہیں

در جواب آں میں بھانکتے ہوئے آگے بڑھنے دناش کدہ سے ہمیشہ کی مستفید ہوئے۔ ہمارا آچل میں فضیلا اسلام میں شکیل زوبینہ کوثر اور علانہ شرف سے ملاقات خوب رہی جبکہ شکیل چنگیز خان اور دجال کی ہنسی کو تو ہم نے بھی نہیں چھوڑا آگے بڑھے تو قیصر اشریف طور آگئیں ”جنون سے عشق تک“ میر انور تمل ناول ”شکر ہے شہری کا نکاح ہو گیا لیکن اس کے بعد جو توڑ پھوڑ کی دوا لگد دے گئے ہیں دوسر پھر کیسے کہہ دوں کہ زکری نے اپنی قسط کا بے چینی سے انتقام ہے پھر طے بازی کنول سے ”شب جبر کی پہلی بارش“ کے ساتھ سہیل علی اور سادہ بھائی نکلے نکلے کر دوا رعدہ زین اور مہتابی پرانی دشمنی کا بدلہ دے سکوں گے کیسے لکھی ہیں پڑا آگے پتا ملے گا جبکہ زکری زاد کے ساتھ آسان سے کراچور میں اٹکے والا معاملہ لگتا ہے۔ اتر اتر مشیر احمد کا ”تیری زلف کے سر ہوئے تک“ ناول کا اشراف کے ساتھ جگہ میر رویہ برا لگائیں کیا کریں یہ رویہ بھی اشراف کی ناں سے عمل کا رد عمل تھا ہے چاری اشراف پر ترس آیا اور جہاں آ رہا ہے پتا نہ دھب۔ دوسری طرف زید سودہ کے لیے کوئی اسٹیڈی نہیں لیتے اور پیار سے ماں کے سالے صاحب کہنے پر بھڑک اٹھے اب پتا نہیں چھال آ رہیکم کون کی نئی چال طے والی ہیں پھر بڑے فائزہ گل کے ”دورا سکر میرے شہد“ کی طرف اسکند صاحب کے اس عرصہ میں جو نکلے گئے ہیں ہور ہے۔ شرمن اور غزنی پر بہت غصہ آیا ہے چارہ رش اجیہ کو طے پھر چلا گیا اور سے شرمن کا اجیہ کہہ کر دیا دیتے ہیں آگے کہتا ہوں ہے۔ ”ابھی بچوں میں خوشبو ہے“ یا آئین شاد کا گھل ناول بہترین رہا۔ کیا فیاض خان جیسے شخص لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں جبکہ ان ٹھنڈیوں کے بعد سادہ کو پتا نہیں لکھی فیروز خان مل گیا۔ ناول کی دنیا میں ”خواب زادی“ کے ساتھ مہتابی نکل نظر آئیں۔ جی کے خواہاں کا عکس پیش کرتی ہوئی انٹر سٹک اسٹوری گئی۔ افسانوں میں ”بندہ ہونوں کی بات“ راشر فعت نے خوب سمجھا۔ ”قصدا نثر بننے کا“ عمارہ احمد نے بہترین طریقے سے قلم بند کیا۔ پہلے تو افر کا خوب بیکار لگا لگا خرب کو نامانی بڑا کر دھو لکھی ہے (ویسے آپ جس کی بات ہے مجھے بھی لگتا ہے کہ میں لکھ سکتی ہوں) اپنی آچل رہتا ہے۔ مستقل سلسلوں میں۔ ہو سکا کارز سے قلم میں اضافہ کیا۔ بیاض دل میں فائدہ صدیقی ایمان۔ بٹ ارم کمال اور حافظہ میرا کے انتخاب پسند ہے۔ ڈش مقابلہ میں پانی لے لے یا پتی کا گائڈ کو پڑھتے ہوئے بزم نیرنگ خیال میں پیچھے فریدہ فری انتم نصیر نورین مکان کی خزیں اور تیرا انیم زینہ طاہرہ فوزیہ سلطانہ اور طیبہ گل کی تفصیل پسند آئی۔ دوست کا پیغام آئے سب پیغامات بڑھ ڈالے کسی نے یاد نہ کیا ٹھوڑا افسردہ ہوئے (چلو کوئی گل میں) یادگار لکھے میں مریم ہر نقی نورین انجمن نجم انجم اعوان ارم کمال اور مریم بیاض کی نگارشات پسند آئیں۔ آئینہ میں جانے پہچانے کو شہر سے نظر آئے جن میں ہمیشہ کی طرح پیر عمر بکر کوثر خالدہ ہیں اس کے بعد زینہ روشن اور گل بیہ خان اینڈ حیدر ایچ ایش کا تبصرہ جاندار رہا۔ ہم سے پوچھا جواب دہا آخر میں آچل کے لیے دھیر ساری دعائیں زندگی رہی پھر ملاقات ہوئی اللہ حافظ پاکستان زندہ باد۔

مون قریشی..... عبدالحمید۔ السلام علیکم آپ لوگ خیریت سے ہیں اللہ تعالیٰ خیر ہی رکھے آئین اس دفعہ تو ڈالنے دل ہی جیت لیا وہاں کیا بات ہے جناب چشم بدور سے مدد و خدمت خوب رہی جس کہانی نے ہمیں بہت زیادہ ہی مسکرانے پر مجبور کر دیا وہ ”قصدا نثر بننے کا“ وہابی دادہ کی بات ہے شاپا عمارہ خان۔ سادہ کی طرح میں جائے ہی پکائی دتی ہوں یاد تو یہی گئی بارہی جیسی خصوصیات رکھنے وال (بڑی بہن کی طرح) جائے تو ہم بھی جب بھائی طے جاتے تب ہی بتاتے ہیں اب ہر بات تو ہمیں ندو سے کہنے آئیں جائے پھر آئے فائزہ آبی کی طرف پھر ہمارا مسکراہٹ ہی جھین لیں۔ بارش کو گشودہ کر کے اور بے سوگنا ہا رہا ہے کہ ”آجیہ سکندر کچھ نہ جانے بڑے طوفان کو نہ جانے“ آپ کی والدہ محترمہ کا بہت بڑا دکھ ہے اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے آئین۔ نازی آبی پلیر سیدہ کو کیوں کم کر دیا پلیر سے سانسے لائیں جلدی اب میں آپ سے فرماؤں کہ میں نے بچوں کی تصویریں کاچل میں لگا دیں پلیر پلیر آبی اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ اپنے گھر میں خوش رکھے آئین۔ اچھا اجازت دیں اگلے مہینہ پھر آئیں گے پاکستان ہمیشہ قائم و دائم ہے آئین۔

ہنس اکبر..... ملتان۔ السلام علیکم شہلا! آئی اور تمام آچل پڑھنے والوں کو میرا سلام شہلا! آئی میں آج تقریباً بارہ سال سے پڑھ رہی ہوں لیکن بھی خط لکھنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوا آج سوچا آپ کو خط لکھ ہی ڈالوں آچل میری بہت ہی پیاری لکھی ہے میں جب بھی اس

ہوتی ہوں تو آچل میرے ساتھ ہوتا ہے آچل کی سب ہی کہانیاں بہت اچھی اور سبق آموز ہوتی ہیں سب سے پہلے سرورق پر نظر پڑی ناول بس ٹھیک کی تھی اس کے بعد سرگوشیاں پڑھیں اور اس کے بعد مدد و خدمت پڑھ کر سرورق حاصل کیا۔ سلسلے دار ناول اتر اتر مشیر احمد کی آپ بہت ہی اچھا لکھ رہی ہونے لگتا ہے ناول پڑھ کر بیٹا ہے اشراف کی خال کا بیٹا سودہ اور زید مجھے بہت اچھے لگتے ہیں سودہ میری جلدی سے بھائی بن جاؤ نا کہانی بہت اچھی ہے آگے دیکھتے کیا ہوتا ہے نازیہ کنول نازی آبی آپ کی محنت رنگ لاری سب تو آخری قسط کا انتقام سادہ آبی آپ تمام کرداروں کے بارے میں برضا میں لکھا کریں۔ ”دورا سکر میرے شہد“ ”شکر ہے شہد“ ”شب جبر کی پہلی بارش“ میں اب مسکراتے کب ہیں یہ تو فائزہ گل ہی بتائیں گی۔ ”جنون سے عشق تک“ اب شہر زین اور مہتابی کا جنون تو ہم پڑھ رہے ہیں عشق کب ہوتا ہے سب تو یہ دیکھنا ہے افسانے آں ناول تمام اچھے تھے ”بندہ ہونوں کی بات“ راشر فعت کا مہتابی اچھا لگا۔ ”قصدا نثر بننے کا“ بہن بھائیوں کی جھجھک تھاڑا اچھی لگی اسیر عبت سے تو مجھے بھی سبق حاصل ہو اب بات تو حقیقت ہے ہر شے نیلنسا مانتا ہے پشیمانی بھی ہماری آج کل کی لڑکیوں کے لیے ماں جسے اپنے بچوں کی رہنمائی تھی ہے مجھے ویسی ہی لگی یہ ناول ”خواب زادی“ میں آئین مجھے اپنے شوہر سونو جیسا لگا (آہم) عمل ناول ابھی نہیں پڑھا ویسے ایک بات بتاؤں میں سلسلہ پڑھتی ہوں کہ بھی آچل ختم ہی نہ ہو جائے (یہی سی) آئینہ میں شوق سے دیکھتی ہوں آپ کی محنت ہم سے پوچھئے سب دیکھتی ہوں آچل پورا پورا دیکھتی ہوں اچھا بھی زندگی رہی تو آئینہ بھی شامل رہیں گے اللہ تعالیٰ اپنے سوا کسی کا محتاج نہ کرے آئین پاکستان زندہ باد۔

طیبہ خاور سلطان..... عزیز چاک، وزیر آباد۔ السلام علیکم آپ شہلا! آبی اور آچل فریڈز! آچل مجھے 20 کل گیا تھا ناٹل اچھا تھا سب سے پہلے آئی قیصر آرائی سرگوشیاں میں پھر مدد و خدمت ہے مستفید ہوئے۔ در جواب آں میں سب بہنوں کے کیفرز ملاحظہ کیے دناش کدہ میں بھانکتا تو یہ سلسلہ بہت معلومات لیے ہوئے تھا۔ ہمارا آچل میں بھانکتا تو چاروں بہنوں کے تعارف پسند آئے ویسے علانہ شرف کا تعارف زیادہ پسند آیا۔ سلسلے دار ناول میں ”شب جبر کی پہلی بارش“ نازیہ بی سلیو کیوں ہوئی ہیں زوایا اور عالم کی بھی اسٹوری چلائی۔ ”جنون سے عشق تک“ میرا سیر لکھی بہت زبردست اسٹوری جاری ہے۔ ”خواب زادی“ مہتابی نکل ہے۔ ”پشیمانی“ خدیجہ جلال انسان جب جوش میں لے لگی رہی مڑا وہاں گیا۔ ”اسیر عبت“ عدا حسین بیو باکل گئی اسٹوری لکھ دی آپ نے (آہم)۔ ”پشیمانی“ خدیجہ جلال انسان جب جوش میں آتا ہے بڑھتا ہے کوئی ہوش نہیں ہوتا اس کی آنکھیں بند ہونے لگ جاتا ہے اور بعد میں نقصان اٹھاتا پڑ جاتا ہے انسان کو اس لیے جوئی کام کریں سوچ سمجھ کر کریں۔ صرف پچھتاوہ جاتا ہے سبق آموز اسٹوری گئی۔ ”قصدا نثر بننے کا“ عمارہ خان ایک پھر میری مذاق لیے ہوئے تھی اسٹوری ناکس سی۔ ”ابھی بچوں میں خوشبو پانی ہے“ یا آئین شاد کا تبصرہ میں آچل کی اسٹوری میں تو کھوئی ”بخت کا ستارہ“ نظیر فاطمہ مجھے تو رونا گیا آئی اچھی اسٹوری شروع سے دھی اور اینڈ پر پھر پور خوشی۔ ”بندہ ہونوں کی بات“ راشر فعت جی ہمارے ہونوں تو آپ نے مسکراہٹ بھیجی رہی بہت پوئیک اور ایک ہٹ کے اسٹوری لکھی آپ نے بہت سے سرے چھائے آپ نے لائف کے دیکھی مڑا گیا۔ لکھی کہانیاں لے کے لکھی رہے آچل کے دوسرے سلسلے کی طرف بڑھو کام کی باتیں میں بہت اچھی باتیں پڑھنے کو لکھیں۔ ہم سے پوچھئے میں ارم کمال، نجم انجم اعوان شکیلہ سب کے سوالات مرے کے تھے آئینہ میں زینہ روشن، کوثر خالدہ پ، دلوں کا تبصرہ جاندار تھا یادگار لکھے میں غلام سرور مریم ہر نقی، نجم انجم اعوان نے بچوں کو یادگار بنا دیا دوست کا پیغام آئے میں زندگی تو پھر عمل کے نام دے دیا میں جیسے لیکن شامل نہیں ہوئے آپ نے دوسری آفر مجھے آپ کی دوسری قبول ہے۔ اسامہ گل جی آپ کی دوسری بھی قبول ہے دوسری دفا دعائیں دے رہے شکر ہے اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے آئین۔ نیرنگ خیال میں زینہ گل انجم نصیر، نعیم انصر آپ کی تخلیق بہت اعلیٰ تھی۔ بیاض دل میں شاپا عمارہ ”خلفہ نصیر نورین ارم کمال“ آپ کی پسند لا جواب تھی۔ ہو سکا کارز بہت معلومات میں اضافہ نہ نظر آتا ہے آچل ہر بار کی طرح اس بار بھی ایک دم دیکھت تھا اللہ تعالیٰ نے میری تندہ ماریہ گل کو جانے سنا بیٹا عطا کیا ہے جس کا نام اس نے عرم علی رکھا ہے میری طرف سے بہت بہت مبارکبادیں اللہ تعالیٰ عرم علی کو صحت و تندرستی عطا فرمائے آئین اینڈ پرسب کے لیے دھیر دوا میں اللہ حافظ دوا میں میں یاد رکھیگا۔

صباہ زنگہ، زنگہ کا زنگہ..... جوڑہ۔ السلام علیکم آآ آچل و جاب ریڈرز سادہ ہے کہ سب لوگ خیریت سے ہوں گے آفر آل ہماری اور سب کی دوا میں آپ کے ساتھ ہیں۔ ہمیں رد فعت آچل 23 کل جاتا ہے بغیر مصیبت و مشقت کے اس دفعہ ہماری عید بھی گئی ٹھیک ہی گزری۔ ناول ناس گئی سب سے پہلے احادیث پڑھی پھر سرگوشیاں پھر مدد و خدمت سے دل کو سکون پہنچایا۔ بھی تک کوئی اسٹوری نہیں پڑھی جس یادگار لکھنے بیاض دل آئینہ اور دوست کا پیغام پڑھے سوئی کر دیا بھی تک کوئی اسٹوری نہیں پڑھی۔ ہم دونوں نے پہلی دفعہ آئینہ میں لکھا ہے پتا نہیں کہ کم تو کوئی کوئی نہ پڑھتا ہے گا یا نہیں۔ زینہ روشن شکر ہے ہمارا اور افسی دنیا کا انٹرو پوسند کرنے کا فائزہ گل میں جلدی ہم دونوں کے خیالات تو ملے ہیں کہ سمجھ ہوتا ہی ہو کر کرنے کے لیے ہے کوثر خالدہ آپ نے افسی دنیاں زرگر کا انٹرو پوئیں پڑھا تھا 2013 کے کسی رسالے میں ایڈ ہوا تھا ٹھیک پو کتا پ کو ہماری شاعری پسند آئی۔ کوثر خالدہ اور جی آپ نے ہماری شاعری دھیان سے پڑھی یا نکل جیسے وہی ہیں جو مرے ہیں دوسروں کے لیے۔ سچ بالکل سچ کہا آپ نے۔ ہم نے مقابلہ اس لیے کیا تھا کہ ہم سب دیکھنا چاہتی ہیں کہ آپ لوگ دنیاں دھکیں زرگر کو یاد رکھے ہوئے ہیں یا پھر مجھے لگے ہوئے ہیں۔ ہم نے سب کو بتا دیا ہوں کہ افسی زرگر میری پھوپھو ہیں اور دنیاں زرگر میری بڑی بہن ہے جن کی اب شادی ہو گئی ہے ان کا ایک بیٹا بھی ہے محمد عروہ اور احسن عزیز علی شکر ہے ہمارا انٹرو پوسند کرنے کا اور یادگار لکھے کو پسند کرنے کا بھی بہت شکر ہے۔

ادوم کمال..... فیصل آباد۔ پیاری سی شہلائی مسدا ہستی اور مسکری رہیں آئین اسلام علیہ السلام میرے کمال کے فضل و کرم سے خیریت سے ہوں لی آج کل کا شمار ہر وقت کی باندی ہمارے آج کل کا طرہ امتیاز ہے ناکل کر لی کا شمار بہت روشن بھی۔ سرکشیوں سے جابجی سا لنگھ نمبر کی خوش خبری پاتے ہوئے صرفت سے دل کو سکون بخشا میری طرف سے سا لنگھ نمبر کی سب کو پیشی مبارک یاد جواب اس سے بہنوں کے کدھ کھ کھ گائی ملی دانش کدھ سے ذن خوب تہا ہوا ہمارا آج کل میں فیصلہ اسلام اور دیوٹر ڈائر ایکٹ دل میں اثر نہیں سب سے پہلے اپنا سوٹ فیرٹ ناول ”ذرا مسکامیرے کشفہ“ پڑھا اچھا اور دانش اپنی زندگی کے تازک دور اسے پرکھ رہے ہیں اللہ کرے دانش اور اچھے کے ساتھ کو کسی کی نظر نہ لگے اور شرین کا تو منہ کلا کر دانا چاہیے اپنی اندھی خواہشات کے لیے اتنا بھی نہیں کرنا چاہیے اور سکندر صاحب کو جو چمک میں کھڑا کر کے جو جوتے مارنے چاہیں۔ راسدہ رفت کی ”بندہ خوں کی بات“ میں جواب ہے۔ ”بخت کا ستارہ“ میں نظیر فاطمہ نے دل خوش کر دیا۔ ”اچھی پھولوں میں خوشبو ہے“ میں ”ایمن نشاط نے کہاں کی کولدی جلدی سینا ہے“ کی سی رہی۔ ”تقد رائے بننے کا“ لیوں پر مسکرائیں بھیر گیا (ویل ڈن غارہ خان)۔ شمارے کی اسے دن ”الان بی“ رہیں (شباب سیر اسرافاز) ”جنوں سے عشق تک“ شہرہ کا ردل اس کے لائف اسٹائل اور تربیت کے لحاظ سے ناول ہے یہ شادی ہوئی تو بیخ و دام ڈھونڈنے سے ہوا کریں گے۔ ”سیر محبت میں خدا حسین نے بہت اچھا سبق دیا کہ سیر محبت کو سیر رکھنے کے لیے الفت اور محبت کی ڈور سے مسلسل باندھ کر رکھنا پڑتا ہے تب ہی محبت کی کھشال آپ کے زندگی کے آسان پر سدا ہو سکتی رہتی ہے۔ ”خواب زادی“ میں خوابوں نے مجھے بھی خواب دیکھنے پر مجبور کر دیا۔ بیاض دل میں شاندا میں راجپوت نادید شعیب اور میر تقی میر کے اشعار اسے دن رہے۔ نیرنگ خیال میں مدیر گل اپنیا طالب اور نورین مسکان سرور کی شاعری دل کو چھوئی۔ دوست کا پیغام آئے میں سب بہنوں کے کھٹے پیغامات نے مسال باندھ دیا جن بہنوں نے مجھے یاد کالان کا زحرف شری آئینہ میں سب کے چمکتے دیتے بھرے خوب بہار دکھا ہے تنے ہم سے پوچھنے میں شامل کدھ کے مرے دار پاسکی جواب شمارے کی جان ہوتے ہیں اچھا اجازت دیں بی انان اللہ۔

ایس این شہزادی کھول..... جزاؤ والا۔ السلام علیکم اجمعین شافعی لٹریچر کا قارئین اور شہلاہا کی کوسلام اس دفعہ لٹریچر کی 24 کول لکھا تھا اور میرا خط لکھنے کی وجہ اس دفعہ ناگل بہت ہی پسند آیا آپ اس طرح کہ کسی ناگل دیکھ کر اس آپ میں جو دفعہ پہلے دستخط کرتی ہیں اس دفعہ اپنے نام کی وجہ سے سارا ذخیرہ دیکھا لیکن نہیں اتنا نام نہ لا رہا ہیں اسلئے کہ دیکھیں تو اسٹ میں لیکن میں ٹوٹ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا اور پھر ہمیشہ کی طرح پہلے حدیث پر بھی سرگوشیوں کے اوپر جو حدیث ہوتی ہے مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔ سرگوشیاں سنیں اور ”شب جگر کی پہلی بارش“ پر سید میری جملہ نگاہیں دو غزل پر نازی آئی۔ شہزاد ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ پر گھس گئے آپ کی جی سید یہ کہاں گیا ہے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ داد! آپ کی افراطی کہانی کہنے آپ کی میرا شریف اس قطع میں تو آپ نے ہر جگہ شہزاد کا موڈ آ کر دکھا کر کی تو ہنسی سکرانی اچھی لگتی ہے۔ ”ذرا مسکرا میرے گمشدہ“ آپ کی فائزہ گل اچھی ہے چاری کے ساتھ اب اتنا یاد تازہ کر کے دو تو اچھی ہے اور لٹریچر کی نگاہ کو اسے ہوش آ جانا چاہیے اور شرمین میرا دل کرتا ہے شوق کر دیا اتنا اچھی انسان تو نہیں ہونا چاہیے۔ مستقل سلسلے میں آئینہ خانے میں آئی کئی کوش خالدا اور مد بخورین جگہ کے خطوط پسند آئے مد بخورین جگہ بانی سلسلوں سے غائب ہو گئی؟ وجہ؟ دوست کا پیغام آئے میں سلی رب کو از کا شہیدوں کوسلام کرنا اور فوجوں کے لیے دعا کرنا پسند ہے اللہ تعالیٰ لیکی کی خوش پوری کرے آئین۔ آپ کی میرا بھائی بھی آری میں بہہ دو سال دشانی دورستان اور دوا دی تیرا میں فراموش انجام دیتا رہا ہے اس کے بعد ان کی پوشنگ ابھی اگست 2017 میں ہوئی ہے ایک میرے ماسوں بھی آری میں ہے وہ آج کل جوں آ زاد کریم ہوئے ہیں اور بھی ماسوں اور چاچا دی میں ہیں اور مجھے خوشی ہوئی ہے ہمارے ابھی ریٹائرڈ فوجی ہیں۔ ہمارے خاندان میں زیادہ تر اسکول ماسٹر اور آری میں ہی ہیں اور اس کے لیے ہمیں فخر ہے۔ بانی ذخیرہ ابھی پڑھا نہیں اس لیے تعویذ اساتیرہ کیا۔ تمام قارئین سے درخواست ہے کہ میرے پیچھے کے لیے دعا کریں یہ لاسٹ سمسٹر ہے اور میرے پیچھے اچھے سے ہو جائیں آئینہ میں میرے سوا کہ کے لیے دعا کر کے اللہ انہیں بخیر دے گا اللہ حافظ۔

شاہتہ جٹ..... حبیجہ وطنی۔ السلام علیکم! یہاں یہ شہلا آبی اور تمام محل راتوں رات بیدار ہو کر امید کرتی ہیں سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فٹ فٹ ہوں گے تو جاب بڑھتے ہیں اس راہ کے کلکل کی جانب سرورق مائل سب ٹھیک ہی لگی مگر بڑھتے ہی پھر بڑھتے ہی کے پاس بھی ان کی باتیں سو فیصد درست ہیں اور ان کی لکھاری، جینس بھی دوسرے کا دامن تھامیں، کبھی اور کمر کا پھل بیٹھا ہوتا ہے اس کی مثال، خود کو دیتے ہیں بھی ان کی کہانی، ہم نے ارسال کر دی مگر اس کے باوجود حال ہے جو ہم نے تنگ کیا ہو اور اللہ کے فضل و کرم سے اس بار حجاب میں ہماری تحریر زینت بن گئی اس کے لیے ہم تمام محل اشاف کے مشکور ہیں اللہ جل و جاب کون دکن رات چوٹی کرتی عطا کرے آمین۔ حمد و ثنوت سداں کو حضور کی اور دانش کدہ ہر بار کی طرح معلومات کا وسیع ذخیرہ لیے ہوئے تھا اب اس سے سلسلہ وار بائو کی جانب تو جناب "تیری زلف کے سر ہونے تک"، آخر ایسی بات کوئی ناٹوسٹ لائیں اور یہ باتہ یقیناً کوئی بڑی غلطی کرنے والی ہے اسے انشاء اور فطرت کی کہانی کا کردار جو مکہ کا فخر

ہے۔ ”شبِ ہجر کی پہلی رات“ بس ٹھیک ہی لگا۔ ”ذرا سسکا میرے گھسندہ“ کوئی نیا کا نام شرمین کا پریمانی کا زہرا بیجہ کو دے گئی اب دیکھو کیا ہے۔ ”ابھی پھولوں میں خوشبو ہے“ ٹھیک رہا۔ ”جنوں سے عشق تک“ کچھ تو اگے کے پرہاڑا نادر“ سخت کا ستارہ“ نابل تھا لیکن آج کل اہلِ تقدے والے لوگ ملنا تو ہوا مشکل ہے جیسا شائق کا کردار دکھایا گیا ہے۔ ”خوابِ زادی“ خرابوں کا ہی رنگ لگا“ ”ہاں ہی“ اس کی ٹھیک ہی تھا۔ افسوس سارے نابل ہی تھے اس کے بعد جو ہے ہم شائد کہی طرف سوالوں کے جوابات پڑھ کر دلِ باغِ ہویا اور نیو نیو ہونٹوں پر پھر بھی گئی یادگار لہجے میں سب نے زبردست کھانسی تک خیال میں وہاں ذوقِ زائل راؤ رویشا ملک نے کمال کا لکھا۔ جیاض دل سب کے اشعار اچھے لگے بانی سارے سلسلے بھی کمال کے انتخابِ اجازت ویں اثناء اللہ اگلے ماہ پھر حاضر ہوں گی اس دعا کے ساتھ کہ اللہ پاک کے ہمارے ملک کو بری نظر سے بچائے اور ہمارے ملک کا نام پوری دنیا میں روشن ہوا آمین۔

سین ارشاد..... احسان پور۔ السلام علیکم اہلہذا! کسی ہی آپ؟ ہمیری طرف سے نامہ اشاف کویت بھر اسلام جی تواب بات ہو جانے ہمارے پیارے چل کی بھوک آئی؟ کیا لکھوں پیارے آکل کا ہر سلسلہ راہی جواب ہے۔ مائل ہر باؤل کو دیکھ کر بے ساختہ ماشاء اللہ لکھا۔ جو جواب آں میں دلکش مریج کے والد کی رحلت کا کن کر بہت غصوں ہوا دینک والدین کی نفی لغت کا کوئی اہل نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو کبر و ذیل عطا فرمائے تعارف میں منجیل کا تعارف بہت اچھا لگا جناب آپ مفتی شہدہ ہولو ہم شادی شدہ ہر مالک ایک عیاری ہی بیگی باں بھی ہوں۔ مجھے آپ سے مل کر بہت اچھا لگا "شب بھر کی پہلی بارش" بہت خوب نازیب آئی آپ ہمیشہ ایسے ہی مفتی ہیں لیکن پہلی بارش ہو سکوں کو کامیاب سے بالکل بھی جدا نہ کرنا وہی عبدالہادی کی شادی شہزادہ سے کرنا۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" پہلی بارش افراقی انشراح لا رہی مجھے عیبت انسان سے دوسرا نور بدینہ جی آپ سے سوودہ کو کی اور کے ساتھ دیکھنا پسند کرتا ہے اور نہ خواص سے اظہار محبت کرتا ہے اور آئی آج کی ساری کہانیاں ہیں لا جواب ہیں۔ ہر مقابلہ شہزہت میں فیاض کی ڈش اچھی کی کیونکہ کر لے طور جنے کی دال بہت پسند ہے اور نیرم خیال بھی جیسے کوڑ کی غزل اچھی کی اور عیاری طبع خادر کیا آپ بھول کی ہو مجھے لیکن میں نہیں بھولی میں آپ کو یاد کرنی ہوں اور آپ کے لیے دعا میں مانگتی ہوں کہ آپ سب خوش ہو دوسرے نئی سسرالی ہو پوچھوں کی طرح اب میں اجازت چاہتی ہوں اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آج کل کا دور مزید تری دے اللہ حافظ۔

عاصمہ عبد المالك..... گھوڑہ خان۔ السلام علیکم شہزادہ عزیز خان آج کل کہے ہیں آپ لوگ؟ تو جنابہ محفل کے کبھی سلسلے زبردست ہیں اللہ تعالیٰ آج کل کون دن کی اور رات چوکنی ترتی دے آئیں۔ ماڈل کی دل چھو لینے والی مسکراہٹ نے دل سوا لیا۔ سب سے پہلے تو ”بیری زلف کے سر ہونے تک“ میں کیا تھی یہ زید میاں منہ سے بولنے نہیں اچھا سے پھر سکتے رہیں اندری اندر اور سو دھ لے لڑیں گے پیارے میاں اور یہ نوحہ میاں کے جذبات کو کھو اٹھتا کروں یہ پلیر اور ”دور مسکرا میرے کشمیر“ کی تو کہیا بات ہے جناب لیکن مجھے سہمیائی اچھا اور ایش کو میرا زماش میں مت ڈالیں اور شرمین جیسی لڑکیوں سے تو اللہ بچائے۔ ”شب جبر کی ہوئی بارش“، ”میں ٹھیک سی تھی افسانوں میں“ ”خواب زادی“ نے ستار کشیا میری دعا ہے کہ اللہ پاک تمام خواب زادیوں کے خواب اس طرح بچ کر دے آئیں مسکراہ خواب تو ہوتے ہی نوٹنے کے لیے ہیں باقی تمام جمل ابھی پڑھنا باقی ہے اللہ پاک سب کو اپنے حفظ و امان میں رکھے پاکستان زندہ باد دوبارہ حاضر ہوں گے شرط زندگی۔

کائنات خان نامعلوم۔ آج کل 25 کلو میٹر میں میری دوست کو ذرا اس کے گھر میں لگائی اور پھینکی آچل کر پڑے، جب تک لوہا آچل نہ پڑھوچھو نہیں آتا ہے۔ ناٹشل بس سوسو تھا ہاں ایر رنگ اچھے تھے اگلے ماہ حاتمہ کا براڈسٹریٹ ناٹشل دیں۔ (بھی تو بات مان لیا کریں) کوپے گان؟ ایک نظر فرست پڑو! شکر کے کہ ناٹول پڑھائے، ورنہ تو ایک ہی نمبر دیکھ دیکھ کر پڑھو گئے تھے! بتا دیے ہوتے ہوئے ہمارا آچل پڑھاسب بورنگ مرے کا ایک بھی تعارف نہ تھا۔ سلسلہ وار ”شب جگر کی پہلی بارش“ پلینز اسے ختم کر دیں، بہت بور کر دیا ہے میں نے پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ ”تیری زلف کے سر ہونے تک“ اب مرزا آ رہے ہیں نا آئی۔ ”میرے شہد“ کا خردہ آئی کی کہانی اچھی ہے مجھے! بارش کا کردار بہت پسند ہے پلینز اس کے ساتھ سب اچھا کرتا۔ ”جنون سے عشق تک“ ”سیر آئی اب تک مجھے اچھی قسط پسند نہیں آئی۔ ”اگلی پھولوں میں خوشبو پائی ہے“ واہ کہانی کا کیا ناٹشل تھا قیر! باہر (آچل پڑھ کر) ہوتا تو مرزا جانا ناٹشل مجھے بہت پسند ہے۔ یہ ناٹشل باہر لگا میں کہانی بھی بہت اچھی تھی۔ ناٹول ”اناس لی“ پسند آیا بیانی دو تھی لا جواب تھے۔ افسانے میں راشدہ آئی چھائی کریں۔ ”سیر محبت“ بل ڈون آئی۔ مستقل سلسلے سارے اچھے ہیں آئینہ میں سب کے تہرے اچھے لگے خاص کر ڈنگ والوں کے (بھی جان پہچان کے جو ہیں) کوڑا تھی کا غول تہرہ مرزا دے گیا اور ہاں پچھوہے سے لگے ٹیم کا ناٹشل کی طرف بالکل دھیان نہیں ہے خیاں کیا کریں جب چیز باہر سے بھائے گی تو ظاہر ہے لوگ نہیں کے کاندسے بھی اچھی ہی ہوئی کہانی بڑی لگی ہے تو بڑا دلا سوری آٹھہ حافظ۔

☆ ڈیزر کائنات آپ کی تحویز نوٹ کر لی ہے

ننا رسول ہاشمی..... صادقی آباد۔ تمام قارئین کو سلام و تحنیں میں رہتا ہوں جب کہ آپ نے مجھ کو تو مجھے ہمیں بھلائی دیا۔ فی الحال بارہ ورق بہت خوب صورت تھا کہوت سی روان کی انھیں سے دیکھتے ہوئے مسکرائیں گی کہانچوں میں سب سے پہلے قارئین کی ”ذرا مسکرائے کہ شگفتہ“ پریمی اربن تو واقعی کشیدہ ہونے والا تھا شرمین اور غزنی کی حال کا ساما ہوگئی، ان کی مشکلات کو ہونے کا بجائے

پرستی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اتر اصغر کی "تیری زلف کے سر ہونے تک" ہر قسط پہلی سے بڑھ کر شاندار اور لا جواب ہوتی ہے۔ جہاں آراء کا کردار محل کرنا شروع کے سامنے چکا ہے لیکن وہ اپنے لیے چھوٹی نہیں کر رہی۔ زید کو بہن کی فطرت کا اندازہ ہو جانا چاہیے تھا اور اسے چاہیے کہ اس دو ماہ کی لڑکی عمرانی کرے۔ "بخت کا ستارہ" نظیر فاطمہ کی اچھی تحریر کی لیکن کچھ زیادہ متاثر کن نہیں تھی۔ "سباہ فیصل" کی "خواب زادی" میں تو ہر لڑکی کو اپنا ہی مس نظر آیا ہوگا کہ ہر لڑکی کی خوب زادی ہوتی ہے مگر جب سنی دنیا میں داخل ہوتی ہے تو ان کی خواہشیں اور وہ دھندھا جاتا ہے حالانکہ یہ خواب کوئی بہت زیادہ مضبوط بھی نہیں ہوتے۔ "سر سمیت" عناصر میں ان کے ایک بے حد سبق آموز تحریر کی باقی رسالہ بھی زیر مطالعہ ہے السلام۔

فریدہ فری..... لاہور۔ السلام علیکم! اکثر یہ کہاجا چکا ہے کہ سب سے پہلے قیصر راہ کی سرگیاں میں جو کیفیت آئے وہ شخص پہلے ماہ تمبرہ شائع نہیں ہوا تھا بہت شاعری تو تھی اب تو بے حد بیانوں بہت مشکل سے لکھی ہوئی چلے گئے تمبرہ آہرہ کرلوں آج کل مرگئی تو کہتی ہوں کہ مری آ کر طبعیت ذرا جھلکی ہے۔ اپنی شاعری بڑھ کر چھانکا کر تمام فسانے اور ناول بہترین لکھے ڈس مقابلہ میں وائٹ چلی کی کڑی لکھی ہے۔ ناول کی کیونکر شہ ہمارے پسندیدہ ڈس ہے مگر ہم وائٹ کی بجائے سرخ مرغ ڈائیں گے۔ دوست کا پیغام آئے میں اپنا خط دیکر کہے کہ خوشی ہوئی نہ ہم کو یونین بھائی نے یاد کیا نہیں ہے۔ بے حد محسوس ہوا اور نہ کوثر خالد نے بہت اداس ہیں۔ افسانوں میں "بخت کا ستارہ" ہونٹوں کی بات قصہ رانسر بننے کا کہاں کی خوب زادی! اسیر محبت بہترین تحریریں لکھیں۔ اقبال بانو جو ناول کی ملکہ عالیہ ہیں ان کی بھی بے حد محسوس ہوئی اقبال بانو کی آپ کو بے حد سلام اور دعا۔ گلش مریم کے والد کی وفات کا بڑھ کر بے حد محسوس ہوا اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں جگہ دے آمین۔ پروین افضل طیبہ نیز نجمہ گلش مریم اور بی بی علی کشمہ لے لالہ اسلم مدیرہ محک نورین فیضی صاف شاید ناراض ہیں۔ نگہت غفار زہت جنیں سب اس گل ان سب کو بے حد سلام اور دعا۔

اسماء گل مغل..... کوٹ مہارٹ۔ آہم..... جی شہلا! آپ کی کسی ہیں؟ اس بات پر چل جلدی ملا دو جانی کی مہربانی سے نائل اچھا تھا۔ محمد زینت نائل کدہ سے ایمان تازہ کیا فاطمہ کی ایسی شخصیت میری ہانکی سے بہت ملتی ہے۔ یہ ایک پکا ناول بہت اچھا چاہا ہے۔ "تیری زلف کے سر ہونے تک" آخر آپ کی آپ کا انداز بہت اچھا ہے۔ "شب بھری پہلی بارش" ایک فانیس پر چکا ہے شہزاد کو کچھ سانی ہوئی سمیرا آپ کی کہانی کا نام یاد نہیں آ رہا۔ ان اور شہزادہ کی نوک جھوک اچھی لگتی ہے افسانے انہی بڑھے نہیں وجہ بہت خاص ہے میری ہانکی خالدہ شاہین کی شادی ہو رہی ہے اس لیے بہت سارے کام ہیں۔ سب آچل پڑنے والوں سے ریکوئسٹ ہے میری ہانکی کے لیے کوئی اچھی ہی دعا دیں۔ اچھا اب اجازت چاہتی ہوں اللہ حافظ۔

محسن عزیزین حلیم..... کوٹھا کلاں۔ ڈیرہ سر شہلا! چل اشاف اور قارئین کو ہماری طرف سے چاہت میرا سلام۔ آچل اس بار بہت لیٹ موصول ہوا سرور دق را کے ساتھ بھنگار ہاتھ ادیری کیوٹ اینڈ چارنگ نائل تھا۔ سب سے پہلے مدیرہ بی کی سرگیاں پر محسوس اور پھر زینت سے مستفید ہوئے۔ در جواب اس میں مدیرہ جی لکھنے اچھے جوابات دیتی ہیں۔ ناس۔ ہمارا آچل میں فیضی الاسلام سے لکھیں روینہ کوثر، عائشہ اشرف کا تعارف بڑھا بہت اچھا لگا۔ سلسلہ دار ناول کی بات ہو جائے تو "تیری زلف کے سر ہونے تک" اتر اصغر احمد کمال کا ناول ہے "شب بھری پہلی بارش"۔ دونوں کو اس کا بھائی مل گیا ہانی سب اپنا کیا محبت رہے ہیں۔ باز یہ آپ واقعی میں ہی ایسا بڑے قابل ہیں ویری کڈ۔ "نور اسکر ماہرے کشدہ" فاطمہ گل کی کہانیات ہے سسرل کرتا ہے کہ شرمین کے منہ پر پھڑو کی برسات کر دوں اور بسکندر ہے ہی کہیں انسان پیٹ میں آنت نہیں اور منہ میں دانت نہیں۔ شرمین جہا بہت بڑی چیز ہوتی ہے مگر اس جیسے بے غیرت انسان نہیں مجھے چین کو اس کی محبت مل گئی ہے۔ یہ اچھی بات ہے مگر مجاہد بے چاری کو ایک خوشی ملی تو ساتھ میں ایسا اس کی بھی دل ڈن فاطمہ کی۔ "میں بھی پھولوں میں خوشبو مانی ہے" یا مین نشاط ویری بیٹ ناول آپ کا ساتھ ناول "پائل دل" آکھیں۔ "میں بھی نہیں بھولے ہم اور اس بار بھی آپ نے کمال کر دیا بہت شاندار۔ "جنوں سے حق تک" یہ کیا شہزادہ تو بھی کو اپنا دشمن مجھے بھی ہے اگر مگر کے بدوں نے یہ فیصلہ کیا ہے تو جج مجھ پر کیا ہے اگر شہزادہ زین شاہ میں انٹر سٹل ہے تو وہ اپنے والدین کو بتا دے خیر یہ قسط پڑھت رہی گڈ سمیرا! آپ کی ناول میں "بخت کا ستارہ" نظیر فاطمہ ویری کڈ۔ "اس کی" سمیرا فراز بہت زبردست ناول رہا۔ "خواب زادی" سباہ فیصل ویری کڈ افسانے بھی ایک سے بڑھ کر ایک تھے۔ آپ کی فائزہ بھی شکر ہے۔ بیاض دل میں بھی نے بہت اچھا لکھا دیکر سلسلے بھی بہت اچھے جارہے ہیں۔ اس دعا کے ساتھ اجازت چاہیں گے کہ آچل ہمیشہ سلامت رہے زندگی رسی تو پھر ملاقات ہوئی تب تک کے لیے اللہ نگہبان۔

☆ اب اس دعا کے ساتھ آئندہ ماہ تک کے لیے اجازت اللہ رب العزت ہم سب پر رحم فرمائے۔ ہماری پریشانیوں کو دور کرے اور پاکستان کا قیامت قائم رکھے آمین۔



میں نے سب کو چھوڑ دیا

شمالیہ کاشف

پروین افضل شاہین..... بہاولنگر

س: میری سالگرہ بر میرے میاں جانی پر اس افضل شاہین میرے سامنے بیٹھے تھے مگر اس طرح کہ.....؟

ج: پہلو جو میں لنگور رہے ناں۔

س: نہ جھپٹتی کے وقت دن کی سہیلیاں اسے نسوؤں کے ساتھ دوا کرتی ہیں اس وقت لہا کے دوست کیا کرتے ہیں؟

ج: اس وقت تو بھنگڑا ڈالتے ہیں لیکن بعد میں اس کے آنسو صاف کرتے ہیں۔

س: دوسروں کے دروازہ کھٹکانے سے کیا ملتا ہے؟

ج: کبھی پیسے ملتے ہیں کبھی جھڑکی اب تم اپنے میاں کے ایسے کام بھی کرواؤ گی کیا۔

زمیمہ روشن..... آزاد کشمیر

س: آنی جی جلدی سے کوئی نوکھتا نہیں سکون کا جج میں کہیں نہیں مل رہا ہے آپ کو پتا ہے کیا؟

ج: یہ صرف خیر شادی شدہ اور خوب صورت لوگوں کو میسر ہے جیسے مجھے تم صرف مل کر کو نکلو۔

س: آنی جی ہر سوال کا جواب حاضر ہوتا ہے آپ کے پاس یہ بتائیں کسیر دیکھا ہے کبھی؟ نہیں دیکھا تو پینکٹ کریں اور آجائیں ہمارے پاس آپ کا تعارف کچھ اس طرح کرواؤں گی

یہ ہماری شمالیہ آنی آن انسان نے ان کو اپنا دماغ ڈھینٹ کر دیا تھا جب ہی تو ہر وقت کہتی ہیں ہم سے پوچھتے ہیں کیا لگا؟

ج: اپنے دماغ کا علاج کروا کر کسیر جاؤں گی تب آؤں گی۔

س: ایک اچھی اور دلہنی دعا کے ساتھ رخصت کیجیے سدا سہاگن رہو کے علاوہ؟

ج: سدا رومال سے اپنی ناک صاف کرتی رہو خوش رہو۔

س: مجبوریاں ان کی بھی اور تنہا ہم ہو گئے..... کیوں؟

ج: ادھار لے کر وہ مگر جو گئے۔

س: اگر سلسلہ ہوتا کہ "نجم انجم" سے پوچھتے تو آپ مجھ سے

کیا سوال کرتی؟

ج: تمہاری سوچیں اتنی گہنی کیوں ہیں؟

س: آپ جب مجھے خوب صورت القاب سے نوازتی ہیں تو میرے ملک صاحب بہت خوش ہوتے ہیں آپ کو بڑی دعائیں دیتے ہیں؟

ج: ان کی دعاؤں سے ہی تو آپ نے مجھ جیسی خوب صورت اساتذہ حاصل کی ہے۔

س: آپ کو پتا ہے کہ مجھے کسی سے پیار ہو گیا ہے (۱۱۱۱) اظہار کرنے کا کوئی آسان طریقہ بتائیں؟

ج: اپنے میاں کے کان میں اس کا نام بتادیں باقی وہ سب خود سمجھ لیں گے۔

س: بہت کوشش کر لی مگر وہ کم بخت دل سے نکلا ہی نہیں؟

ج: یہ بات ساس کو بتا دو اس کے بعد دل سے تو کیا نکلے گا کبھی نظری نہیں آئے گا۔

دعا موصول..... حافظا باد

س: کتاب کی چیز سے کیسے ہوتے ہیں؟

ج: مختلف گہنی بار تو تم کو اپنا حسین چہرے کا دیدار کرایا پھر بھی پوچھ رہی ہو۔

س: مت گستاخی کرنا اس سے..... کس سے؟

ج: اپنی ہونے والی ساس سے جب ہو جائے تب کرنا۔

س: سفید جھوٹ کے کہتے ہیں؟

ج: وہی جسے تم بول کر ہر جگہ اپنا مطلب نکالتی ہو۔

س: طبعیت زیادہ خراب ہو تو کس سے رجوع کیا جائے؟

ج: تم تو جانوروں کے ڈاکٹر سے کرنا۔

س: سحر ہے جو عین حوری..... عیوں کے کی کے

س: شائل آنی جی کسی ہیں آپ؟ آپ کی محفل میں پہلی بار آئی ہوں تمہاری ہی جگہ ملے گی؟

ج: بہت مولیٰ ہو اس لیے کھڑی رہو بس۔

س: شائل آنی اپنے حسن کا راز تو بتائیں؟

ج: ابھی تو آنی ہو اور فری بھی ہو گئیں۔

س: آنی آپ کے پاس ایسا وظیفہ ہے جس سے آپ محفل میں ہر ماہ مجھے تمہاری ہی جگہ ملا کرے پائیز بتادیں؟

ج: اپنا ساز اور وزن کم کر لو۔

س: عظمیٰ الشفیق..... بڑا نوالہ

س: اچھا یہ تو بتائیے آنی جب آپ کو غصہ آتا ہے کیا رد عمل

ہوتا ہے؟

ج: رومی کی نوکری میں قصداً تار دیتی ہوں آگے تم خود مجھ دار ہو۔

س: آپ! جب روتے روتے ہنسی آ جائے وہ بھی کسی کے سامنے تو؟

ج: اپنے دلداروں کا سوچ لیا کرو پھر رونا آنے گا۔

س: آپ مجھے کس بات سے یاد کریں گی؟

ج: بڑن بہت اچھے صاف کرتی ہو۔

س: مجھے کوئی نصیحت کر دیں؟

ج: ہمیشہ کام اور کام کرو جب اپنے گھر کے کاموں سے فارغ ہو جاؤ تو مہمانوں کے گھر کے کام کرنا۔

حنانورین..... دلمہدین

س: آپ! دوسری بار انٹری دی ہے کیا آپ نے مجھے یاد کیا؟

ج: بہت یاد کیا جو خراب سی چائے پلا کر گئی تھی مجھے زندگی بھر تمہاری صورت کے ساتھ یاد رہے گی۔

س: آپ! آپ نے مجھے عینک کے بغیر دیکھ کر چیخ کیوں ماری تھی؟

ج: تم عینک کے بغیر بھی چڑیل ہی لگ رہی تھیں۔

س: آپ! پروین افضل شاہین کے سوال اتنے کٹھنے ٹٹھے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: کیونکہ ان کی ہر بات اپنے میاں سے شروع ہوتی ہے تمہاری طرح وہ فارغ نہیں۔

اتر اکبات..... حافظ آباد

س: آپ! میں جب بھی آتی ہوں آپ محفل سے کوچ کیوں کر جاتی ہیں؟

ج: تم آتے ہی ادھار اٹھنا شروع ہو جاتی ہو۔

س: آپ! آپ ایک ٹران لاد دیکھتے نہیں؟ میں سولاجٹ کی لہو ضرور دیتی تھیں؟

ج: اس میں تم جو میر دن کا رول پلے کر رہی تھیں۔

س: میں کراچی نہیں آتی کیونکہ آپ کو دیکھ لیا تو.....؟

ج: میری خوب صورتی سے محل کر مزید کا سیاہ ہو جاؤں گی۔

کآپ بڑے مہمان نواز ہیں؟

ج: مہمان نواز تو ہم ہے پران کے لیے جو.....

س: آپ! جان آپ نے تو سن رکھا ہوگا کہ ہماری کشمیر کلونگ جنت کہتے ہیں تو ذرا لٹائیے گا کہ اس میں رہنے والوں کو کیا کہتے ہیں؟

ج: جنت میں رہنے والوں کو جنتی کہتے..... کیوں کشمیر۔

س: آپ! جان ایک سال پہلے مجھے یرقان ہو گیا تھا اور آپ جانتی ہیں میرا رنگ بالکل پیلا ہو گیا تھا جب سی شکل بن گئی تھی کاش آپ آپ وہاں ہوتیں تو.....؟

ج: تمہاری شکل تو ابھی بھی جوابات دیکھ کر چلی ہونے لگی ہے۔

نورین انجم..... کراچی

س: مجھے دیکھ کر آپ کے ہاتھوں کی گرفت ڈنڈے پر مضبوط کیوں ہو جاتی ہے؟

ج: بغیر ڈنڈے کے تم قابو بھی تو نہیں آتی ناں۔

س: کام کرنے والی کو مایہ کیوں کہتے ہیں؟ چاہیے مایہ آئی یا ماما جانی بھی تو کہہ سکتے ہیں؟

ج: چاہیے مایہ آئی یا مایہ اگر گھر کے کام کرتیں تو پھر مایہ لفظ ہی کیوں ایجاد ہوتا۔

س: سوچ کر تائیں کہ میں آپ کی کسی لگتی ہوں؟

ج: بالکل دیکھی..... سمجھ جاؤ۔

س: آپ ہم سے ملنے کب آ رہی ہیں؟

ج: جب آپ دعوت میں من و سلوٹی کھلائیں گی۔

س: میں جب بھی بارش میں نہاتی ہوں تو میرے کپڑوں کے ساتھ میں بھی بھیک جاتی ہوں۔

ج: تو پھر صوب کا انتظار کیا کرو تا کہ کپڑوں کے ساتھ تم بھی سوکھ جاؤ۔

عاش کشملا..... رحیم یار خان

س: اور ہاں میری ساس مندوں کے خلاف کچھ مت بولیں گا کیونکہ ابھی میں خود ہی ہوں؟

ج: گئی نہیں گئی ہو روز تمہاری ساتھ کی تو دادی نانی بن گئی ہیں۔

س: اچھا یہ بتائیں کیا آپ میری بھابی بنیں گی؟ کوئی بات نہیں میرے اور میرے گھر والے بے جدا ہوتے ہیں کرلیں گے آپ کے ساتھ گزارہ؟

ج: تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے ہی تمہارا بھائی اب تک کنوارہ بنے بے چارہ۔

س: کبجوں آپ! جان انعام والا سلسلہ کیوں نہیں رکھتیں؟

ج: اب شاہنشاہ تم ادھار دلاؤں کر کے جانا۔

س: اس بار دیکھا آپ تو پانی بھرتے نظر آئیں میرے سامنے جواب بھی نہیں دھونڈے جارہے؟

ج: جواب تو کھرے کھرے دے سکتی ہوں لیکن تمہاری روتی صورت پر ترس گیا۔

راجہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان

س: کاش کوئی ہم سے بھی پوچھے ”اتنی دیر تک کیوں جاگتے ہو؟“

ج: اس لیے جاگتی ہو جن کلو پری کو حور پری بناتی ہوں کے شوہر کہیں ڈنڈا لے کر نا آ جائیں۔

س: نہ جانے کیسے لوگ ہوتے ہیں جن کو سیکھے پر سر رکھ کر ہی نیند آ جاتی ہے؟

ج: غم جو کیا مضطرب میں رکھو گی تو کہاں نیند آئے گی۔

س: زندگی کے بارے میں کیا کہیں گی آپ؟ زندگی کیا ہے؟

ج: تمہارے بغیر بہت خوب صورت اور حسین بھی جگ میں پوچھ لو اپنے شوہر سے۔

شازبہ اینڈ حراجاویہ..... نور پور

س: ہم نے ماری انٹریاں دل میں بھی گھنٹیاں بھلا کس کے؟

ج: اسی گدھے کے دل میں جس کے مضطرب پر تم نے انٹری ماری تھی۔

س: ارے دو تین ماہ غائب کیا رہی تم تو میری جدائی میں مجھوں بن چکی ہو۔

ج: اور تم کلی..... بالکل جوشی لگی سیارات جیسی۔

س: چھ جون کو میری سالگرہ بھی گشت بھی نہیں دیا کبجوں۔

ج: میں نے بھیجی تھی اب اگر تمہارا چھوٹا بھائی لے اڑا تو اس میں شکوہ کیا ممبر کے گھونٹ نی لو۔

س: میری جی حراجاویہ جو جی تم اور بہن زیادہ لگتی ہے اس کو بھی آپ کی محفل میں آنے کا شوق ہے کیا جگہ دیں گی؟

ج: یہاں تم کو کال کر اس کو ضرور جگہ دوں گی اب سوچ لو۔

مدیحہ نورین مہک..... کجرات

س: آپ! جی کوک باپتھی سے دودھ سوڈا کیوں نہیں پیتا؟

ج: پیتا ہے نئی ٹرائی کر کے دیکھو۔

س: لائٹریں کیا مٹی کا تیل بھرا ہوتا ہے؟

ج: خود مٹی کا ارادہ ہے کیا؟

س: لوگ چاند پر جاتے ہیں سورج پر کیوں نہیں جاتے؟

ج: سورج کہتا ہے پہلے تمہاری انٹری ہوں۔

س: لوگ اپنے محبوب کو ستاروں کے نام سے کیوں نہیں پکارتے میرا پلو میرا مشتری وغیرہ؟

ج: چاند نیک ہی ہے ناں محبوب بھی واحد ہی اچھا لگتا ہے بیٹا تم اپنے محبوب کو دو۔

س: بندہ جتنا بھی کالا کیوں نہ ہو اس کا مختار بہت چمک رہا ہوتا ہے کیا راز ہے؟

ج: اس کا جواب تو تم دو تمہارا سر کیوں چمک رہا ہے جبکہ عقل بھی نہیں ہے۔

س: دودھ میں مدھانی ڈالیں تو لسی بنتی ہے لسی میں مدھانی ڈالیں تو کیا بنے گا؟

ج: تمہارا قافلو دودھ بھی ساس کے ہاتھوں ڈال کر دیکھنا پھر پتا چلے گا۔

س: یہ منہ اور مسور کی دال کیوں چنے کی دال کیوں نہیں؟

ج: چنے کی دال جیسا تو تمہارا پنامہ ہے۔

س: گرم مصالحہ ہوتا ہے ٹھنڈا مصالحہ کیوں نہیں ہوتا؟

ج: لگتا ہے کچن سنہیال رہی ہو آج کل اپنے سسرال کا تب ہی ایسے سوال پوچھ رہی ہو۔



کپ کی صحت

رخسانہ اقبال، خوشاب سے لکھتی ہیں کہ میرا خط شائع کئے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ 30 China کے 5 قطرے اور 30 Rush Tox کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

خدیجہ ابراہیم لاہور سے لکھتی ہیں کہ گرمی کی وجہ سے چھینکیں آتی ہیں، ناک سے پتلا پانی جیسا مواد خارج ہوتا ہے، اس کے ساتھ کبھی بخار بھی ہو جاتا ہے۔ آنکھوں سے بھی پانی آتا ہے۔ پونوں میں جلن ہوتی ہے آنکھیں سرخ بھی ہو جاتی ہیں۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Allium Cepa کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

مسرحسن ملک ملتان سے لکھتی ہیں کہ میری شادی کو بیس سال ہو گئے ہیں، میرے شوہر کی عمر چالیس سال ہے، انہیں ازدواجی زندگی میں مسائل کا سامنا ہے جس کی وجہ سے ہم کافی پریشان ہیں، کوئی مناسب دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ اپنے شوہر کو 30 Staphisagaria کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں اور ڈاکٹر صاحب کا بتایا ہوا خاص طلا بذر یہ منی آرڈر منگوا سکتی ہیں جس کی قیمت ۸۰۰ روپے ہے۔ ان شاء اللہ بہت افادہ ہوگا۔

فوزیہ راز، فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میری عمر انیس سال ہے میری آنکھوں کے نیچے حلقے ہیں، کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 3x China کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

شاہدہ فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ مجھے متلی اور آٹھی کی شکایت ہے، خاص طور پر چربی والے گوشت، انڈے اور چھل کی بو سے متلی ہوتی ہے، دوسرے کمرے سے یا باورچی خانے سے بھی بو آتی ہے تو متلی ہونے لگتی ہے۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Colchicum کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

عبدالستار گجرات سے لکھتے ہیں کہ مجھے کافی عرصے سے بواسیر کی شکایت ہے جو اب ناسور کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ کوئی دوا تجویز کریں کہ اس بیماری سے شفاء مل جائے۔

محترمہ آپ 30 Paeonia کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

امجد خان سوات سے لکھتے ہیں کہ میں کئی بیمار یوں میں مبتلا ہوں، عمل کیفیت لکھ رہا ہوں میرے لیے کوئی علاج تجویز فرمائیں اور ہمارے علاقے میں ہومیو پیتھک میڈیسن نہیں ملتی، تجویز کردہ دوائی کو منگوانے کا طریقہ بھی بتادیں۔

محترمہ آپ کی ایک ماہ کی دوا ایک ہزار روپے کی ہے، مبلغ ایک ہزار روپے کا منی آرڈر ہمارے کلینک کے نام پر پار سال کریں، آپ کی دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

محمد عثمان، ہری پور سے لکھتے ہیں کہ میری عمر پچاس سال ہے، میرا مسئلہ یہ ہے کہ پیشاب کے آخر میں تکلیف ہوتی ہے، کبھی پیشاب کم لیسدا اور اور جھاگ والا آتا ہے۔ مثانے میں بھی اکثر درد ہوتا ہے۔ میرے لیے کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Sarseparilla کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

منیبہ سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میری عمر پچاس سال ہے، جوڑوں میں درد رہتا ہے، درد پاؤں کی انگوٹھوں سے جوڑوں کی طرف بڑھتا ہے، کبھی سوجن بھی ہو جاتی ہے، ٹھنڈی چیز لگانے سے درد میں کمی محسوس ہوتی ہے۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Ledum Pal کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔ اس کے علاوہ

جوڑوں کے درد کے لیے ہمارے کلینک کے پتے، مبلغ ۷۰۰ روپے کا منی آرڈر بھیج دیں، ایک بوتل Aphrodite Pain Killer آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔

نسیم بانو لاہور سے لکھتی ہیں کہ میرا بچہ جب لکھتا

پڑھتا ہے تب آنکھوں میں درد اور جلن ہوتی ہے۔ پڑھتے وقت آنکھوں سے پانی آتا ہے الفاظ آپس میں گڈ گڈ ہو جاتے ہیں، سر میں درد بھی رہتا ہے، کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ اپنے بچوں کو 30 Natrum Mure کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔

نبیلہ نقیہ روالپنڈی سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر بہت زیادہ بال ہیں جس کی وجہ سے چہرے کی حرکت بھی سانسولی لگتی ہے، برائے کرم بالوں کو ہمیشہ ختم کرنے کے لیے ایفروڈائنٹ ارسال کریں۔ میں خط میں ۹۰۰ روپے رکھ کر منی آرڈر کر رہی ہوں اور انٹراساڈنڈ کی رپورٹ بھی خط کے ساتھ بھیج رہی ہوں۔

محترمہ ہم نے بار بار لکھا ہے کہ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال کریں مگر پھر بھی آپ نے یہ غلطی کی ہے۔ ایفروڈائنٹ ہمیں بھیج کر دوا نہ کر دیا گیا ہے۔ دوبارہ منگوانے کے لیے آئندہ اپنے قریبی ڈاکخانے سے معلوم کر لیں کہ منی آرڈر کس طرح ہوتا ہے۔

میمونہ ذریہ غازی خان سے لکھتی ہیں کہ مجھے ہلکی سی سردی لگنے تو زکام ہو جاتا ہے، گلے میں درد ہوتا ہے، کچھ بھی کھانے پینے میں گلے میں تکلیف ہوتی ہے، نکلے میں درد ہوتا ہے، گلے کے غدود سوج جاتے ہیں۔ کوئی دوا بتادیں۔

محترمہ آپ 30 Baryta Carb کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔ ٹھنڈی اور چمکانی دوا اشیاء سے پرہیز کریں۔

انجم، بکھرے لکھتی ہیں کہ میری عمر اٹھارہ سال ہے، میرے منہ سے ناگوار قسم کی بدبو آتی ہے، ہاضمہ کی کوئی شکایت نہیں ہے، بار بار دانٹ صاف کرنے کے باوجود بو نہیں جاتی، کسی محفل میں شرمندگی کے باعث شرکت نہیں کرتی۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ 30 Cimicifuga کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

راجہ عمیر ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میرے دو بچے ہیں، میرے بیٹے کی عمر پندرہ سال ہے اور بیٹی کی عمر اٹھارہ سال ہے، دونوں بہت شرمیلے ہیں، کوئی بھی مہمان گھر پر

آئیں تو ان سے نہیں ملتے، اپنے کمروں میں رہتے ہیں، گفتگو کرتا پند نہیں کرتے، معمولی محنت والا کام بھی بہت بڑا معلوم ہوتا ہے، رات کو ڈر لگتا ہے، نیند کی کمی اور سستی کا شکار ہیں۔ حافظہ بھی کمزور ہے۔ کوئی دوا تجویز کریں۔

محترمہ آپ اپنے دونوں بچوں کو 6x Kali Phos کی دو گولیاں دن میں تین مرتبہ کلائیں۔

ریاض احمد، ایبٹ آباد سے لکھتے ہیں کہ میرے بال بہت کمزور ہیں، گرمی رہے ہیں اور جن پن نمایاں ہوتا جا رہا ہے، اس مسئلے کے حل کے لیے خط میں ایک ہزار روپے رکھ کر ارسال کر رہا ہوں۔ خط میں میرا موبائل نمبر بھی موجود ہے جیسے ہی خط مل جائے کال کر کے مطلع کریں۔

محترمہ ہم نے بار بار لکھا ہے کہ رقم ہمیشہ منی آرڈر کے ذریعے ارسال کریں مگر پھر بھی آپ نے یہ غلطی کی ہے۔ ہمیں گروڈر آپ کو روانہ کر دیا گیا ہے۔ دوبارہ منگوانے کے لیے آئندہ مبلغ ۷۰۰ روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں۔ آپ کو ایک بوتل بھیج دی جائے گی۔

نائلہ، بہاولپور سے لکھتی ہیں کہ مجھے تین سالوں سے دانتوں کی بیماری Gingivites ہے، اس بیماری میں مسوڑھے پھولے ہوئے اور دانتوں سے خون آتا ہے اور ہلکا ہلکا خنڈا اور گرم بھی لگتا ہے، دانت ہلکے ہلکے ملتے بھی ہیں اور تین سالوں سے مسلسل علاج کر رہی ہوں کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ معدہ خراب رہتا ہے، چہرے پر دانے نکل آتے ہیں، کھانا کھانے کے بعد پیٹ پھول جاتا ہے اور پیٹ سخت ہو جاتا ہے۔ میرے دونوں مسائل کیلئے مناسب دوا تجویز کریں۔ تیسرا مسئلہ میری بہن کا ہے، صبح اٹھتی ہے تو منہ اور دانتوں میں کڑوا ہوتا ہے اور تین مہینوں سے معدے اور پیٹ کے بائیں طرف درد بھی ہوتا ہے، جب درد زیادہ ہوتا ہے تو پیٹ کے بائیں طرف اور ناف کے ارد گرد جگہ سخت اور کھچاؤ محسوس ہوتا ہے۔

محترمہ آپ دانتوں کیلئے 6x Marc Sol کے 5 قطرے اور معدے کیلئے 6x Carboveg کے 5

قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ لیں۔

شمینہ، رحیم یار خان سے لکھتی ہیں کہ میری عمر تقریباً 30 سال ہے، میرے بالوں کا مسئلہ ہے، جب بھی کچھ کرتی ہوں ڈھیر سارے بال تھک میں آ جاتے ہیں اب تو تھوڑے

الٹراساؤنڈ کروا کر رپورٹ بھیجیں، دوسرے مسئلے کے لئے ہمارا تیار کردہ Aphrodite Hair Inhibitor استعمال کرنا ہوگا۔ آپ ہمیں مبلغ 900 روپے بذریعہ منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں۔ آپ کو ایک بوتل آپ کے گھر بھیج دی جائے گی۔ اس کے استعمال سے فائدہ ہوگا۔ آپ Nux Vomica 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پیئیں، پانی زیادہ پیئیں، ان شاء اللہ بہتری آئے گی۔

سانول علی خان، ڈیرہ اسماعیل خان سے لکھتے ہیں کہ میرے ساتھ 2 مسئلے ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر کے بال بہت زیادہ گرتے ہیں اور دوبارہ اُٹھتے بھی نہیں ہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میری فروری 2018ء میں شادی ہے اور نوجوانی کی غلط کاریوں سے اپنا بہت نقصان کر چکا ہوں اس وجہ سے بہت پریشان ہوں اس مسئلے کا بھی بہتر حل بتادیں اور کیا آپ کی تجویز کردہ دوائی ڈیرہ اسماعیل خان سے مل جائے گی؟ پریز اور دوائی استعمال کرنے کا عرصہ بھی بتادیں۔

محترم آپ کے تمام مسائل بہرگور سے حل ہو جائیں گے۔ گھر پر منگوانے کیلئے مبلغ 700 روپے بذریعہ منی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں۔ آپ کو ایک بوتل بھیج دی جائے گی اور دوسرے مسئلے کیلئے Acid Phos 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار پیئیں اور ڈاکٹر صاحب کا بنایا ہوا خاص طلاء بذریعہ منی آرڈر منگوا سکتے ہیں جس کی قیمت = 800/ روپے ہے۔ ان شاء اللہ بہت افادہ ہوگا۔

شمینہ اشرف، ٹنڈی والا سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر مردوں کی طرح سخت بال ہے، ایک بار قمر بڈنگ کروائی جس کی وجہ سے بال زیادہ اور سخت ہو گئے ہیں کچھ عرصے بعد میری شادی ہے میں ان بالوں کی وجہ سے بہت پریشان ہوں، جس کی وجہ سے میرا رنگ بھی سناٹا ہو گیا ہے۔ میرا آجکل میں یہ کالم دس سالوں سے پڑھ رہی ہوں میں نے ایفروڈائٹ کے بارے میں پڑھا ہے، کیا اس سے بال ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں گے کئی بوتلیں استعمال کرنے سے بال ختم ہو سکے پلیز تفصیل سے بتائیں اور مجھے منی آرڈر کے بارے میں معلوم نہیں ہے اس بارے میں بھی تفصیل سے

سے بال رہ گئے ہیں میں نے بہت سارے ٹونکے اور تیل استعمال کئے مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں کافی سالوں سے (آجکل ڈائجسٹ) پڑھ رہی ہوں لیکن کبھی خط نہیں لکھا، پہلی دفعہ خط لکھ رہی ہوں۔ آپ کے میسر گرو کی بہت تعریف سنی ہے، میں بہت پریشان ہوں کیا میرا مسئلہ حل ہو جائے گا، بال گرتا بند ہو جائیں گے اور نئے بال بھی آنا شروع ہو جائیں گے اس کیلئے مجھے کتنی بوتلیں استعمال کرنی پڑیں گی۔ طریقہ استعمال اور یہ بھی بتادیں کہ منی آرڈر کرنے کے کتنے دن بعد آرڈر ملے گا۔

محترمہ آپ کے تمام مسائل بہرگور سے حل ہو جائیں گے۔ تین ماہ کے مکمل کورس کیلئے آپ کو 4 بوتلیں استعمال کرنی ہوں گی۔ گھر پر منگوانے کیلئے مبلغ 2800 روپے بذریعہ منی آرڈر کریں۔ آپ کو 4 بوتلیں بھیج دی جائیں گی۔ منی آرڈر وصول ہونے کے بعد 3 سے 4 دن میں آپ کو آرڈر مل جائے گا۔

حنانورین، دہلیندین سے لکھتی ہیں کہ میرا دماغ بہت کمزور ہے۔ کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ دماغ ٹھک گیا ہے، دماغ پُرسکون نہیں ہے سو جاؤں تب بھی صحیح نہیں ہوتا ہے۔ دوسرا مسئلہ میرے والدین کا ہے، ان کے کمرے کولہوں اور ٹھنڈوں میں درور ہوتا ہے، امی بہت کمزور ہیں۔

محترمہ آپ Kali Phos 6 کی 4 گولیاں دن میں تین بار کھائیں اور اپنے والدین کو Theridian 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں، ان شاء اللہ افادہ ہوگا۔

ایمن اختر، سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میری بہن کا ماہواری کا مسئلہ ہے، ڈیٹ ٹھیک سے نہیں آتی، جب کوئی دوائی لیتی ہے تو اسے ڈیٹ آتی ہے، اگر نہ لیں تو چھ مہینے بھی نہیں آتی۔ کافی دوائیاں استعمال کر چکی ہیں لیکن اسے آرام نہیں آتا۔ اب اس کی شادی ہوئی ہے ابھی بھی یہی حال ہے۔ دوسرا مسئلہ اس کے چہرے پر بال بہت زیادہ ہیں، ٹھوڑی کے نیچے داڑھی کی طرح بال ہیں۔ پلیز کوئی دوائی بتادیں کہ اس کے مسئلے حل ہو جائیں۔ تیسرا مسئلہ میرا ہے مجھے اکثر قبض رہتی ہے، میرے لئے بھی کوئی دوائی بتائیں۔

محترمہ آپ اپنی بہن کے پہلے مسئلے کیلئے Pelvis کا

بتائیں۔

محترمہ آپ کی طرح ہزاروں خواتین ہمارے کلینک کے تیار کردہ Aphrodite Hair Inhibitor سے فیضیاب ہو چکی ہیں، آپ ہمارے کلینک کے پتے پر مبلغ 900/= روپے کا مٹی آرڈر یا ایزی پیسہ (اکاؤنٹ نمبر 03494900800) کریں، Aphrodite Hair Inhibitor آپ کے گھر پہنچ جائے گا۔ آپ کے بال سخت اور موٹے ہیں اس لئے آپ کو اس کے ساتھ Olum jec 3x کی ایک گولی صبح اور شام کھانی ہوگی۔ دونوں دوائیوں کے استعمال سے چہرے کے فالتو بال ان شاء اللہ مستقل طور پر ختم ہو جائیں گے۔ مٹی آرڈر کرنے کا طریقہ اپنے قریبی ڈاک خانے سے معلوم کر لیں۔ راجہ رضا، بھکر سے لکھتی ہیں کہ میری والدہ کو قبض کی شکایت ہے، کبھی قبض اور کبھی دست بھی ہوتے ہیں، اجابت کے وقت زور لگاتا پڑتا ہے، کوئی دوا تجویز کر دیں۔

محترمہ آپ اپنی والدہ کو Collinsonia 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں۔ آمنہ بی بی، فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا 3 سال کا بچہ ہے جو چوکیٹ اور ٹافیوں بہت کھاتا ہے جس کی وجہ سے دانت کالے ہو گئے ہیں، دانتوں کے کنارے ٹوٹنے بھی لگے ہیں، کچھ دانت ٹوٹ بھی گئے ہیں، دانتوں میں درد بھی ہوتا ہے، کوئی دوا تجویز کر دیں۔

محترمہ آپ اپنے بچے کو Staphysagria 30 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پلائیں، غیر معیاری ٹوفیاں اور مضمی چیزوں سے پرہیز کروائیں۔

تانیہ، پونچھ، آزاد کشمیر سے لکھتی ہیں کہ میری عمر 18 سال ہے، میرا مسئلہ نسوانی حسن کی کمی کا ہے جس کی وجہ سے میں کافی پریشان ہوں اور دوسرا مسئلہ ماہانہ نظام بھی ٹھیک نہیں ہے، 2 ماہ بعد ماہواری آتی ہے، 15 سے 20 دن تک رہتی ہے، کوئی دوائی تجویز کر دیں اور یہ بھی بتادیں کہ رنگ گورا کرنے کی میڈیسن Judum 1M ہو یا پینکٹ اسٹور سے مل جاتی ہے اور اس کے کوئی سائیڈ ایفیکٹ تو نہیں ہے۔

محترمہ آپ ماہانہ نظام کیلئے 30 Pulsatilla کے

5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین بار عین اور نسوانی حسن میں اضافے کیلئے آپ ہمارے کلینک کے ایڈریس پر 600/= روپے کا مٹی آرڈر کر کے بریسٹ پیوٹی منگوا سکتی ہیں۔

حمیدہ بیگم، میر پور خاص سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے اکثر سر میں درد رہتا ہے، درد کی شدت سے چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، اور سر گرم بھی ہوتا ہے بلکا بخار محسوس ہوتا ہے، روشنی، شور اور آواز لٹھنے سے درد کی شدت میں اضافہ ہوتا ہے، پیشانی میں دائیں طرف درد زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ کوئی دوا بتا دیں۔

محترمہ آپ Belladonna 6 کے 5 قطرے آدھا کپ پانی میں دن میں تین مرتبہ پھینکیں۔ مسز امل، ڈیرہ اسماعیل خان سے لکھتی ہیں کہ میری شادی کو 6 سال کا عرصہ ہو چکا ہے، اب تک اولاد سے محروم ہوں۔ شوہر کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں ہے، ان کی رپورٹ ٹھیک ہیں، مجھے بھی کوئی علاج بتائیں تاکہ میں صاحب اولاد ہو سکوں۔

محترمہ آپ اپنے Palvis کا الٹرا ساؤنڈ کروا کر رپورٹ ہمارے کلینک کے ایڈریس پر روانہ کر دیں، رپورٹ دیکھ کر دوائی تجویز کی جائے گی۔ مٹی آرڈر کرنے کا پتہ:

ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک
ایڈریس: دکان نمبر C-5، کے ڈی اے فلیٹس، فیز 4،
شادمان ٹاؤن نمبر 2، سیکٹر B-14، تارھ کراچی۔
75850 فون نمبر: 021-36997059
صبح 10 بجے، شام 6 بجے۔

ایزی پیسہ اکاؤنٹ نمبر: 03494900800
خط لکھئے کا پتہ:
آپ کی صحت ماہنامہ آنجل کراچی پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی۔



نگہ بانی

حنانہ احمد

نئی وی کے لیے ”آئی“ کنٹرول

جراثیمی میں ایک ایسا ہی دی متعارف کرایا گیا ہے جسے انسانی آنکھ کے اشاروں سے کنٹرول کیا جاسکتا ہے اس کی دی کو ہارکینی نے سوئیڈن کے ایک ادارے ٹوبی کی بنائی ہوئی ٹیکنالوجی کی مدد سے تیار کیا ہے۔ ٹوبی کینی پہلے سے ہی کمپیوٹر پر آنکھ کے اشارے سے کام کرنے والی ٹیکنالوجی تیار کرتی ہے اور تو بک کی جاری ہے کہ اس ٹیکنالوجی پر چلنے والی اشیاء جلد صارفین کو دستیاب ہو سکیں گی۔ اس کی دی کی خاص بات یہ ہے کہ اسے چلانے کے لیے آپ کو یہ صورت کنٹرول کی ضرورت نہیں رہے گی بلکہ آپ اپنی نظروں سے ہی ریموٹ کنٹرول کا کام لے سکیں گے۔ چھٹیل بدلنے کے لیے ہی وی اسکرین کے اوپر یا نیچے موجود نشانات پر نظر بھر کے دیکھنا اور پلک جھپکنا ہی کافی ہوگا۔

اداسی کی قیمت

امریکا کے طبی ادارے ہارورڈ یونیورسٹی کے ماہرین کی ایک ٹیم نے اداسی کی حالت میں کیے گئے فیصلوں پر تحقیق کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اداسی کی حالت میں مالیاتی امور سے کیے جانے والے اکثر فیصلے نقصان کا باعث بنتے ہیں اور اداسی کی بھاری قیمت چکانا پڑتی ہے۔

نمک کا استعمال اور کینسر

ورلڈ کینسر ریسرچ فنڈ نے کہا ہے کہ کھانے میں نمک کم کرنے سے معدے کے کینسر کے خطرات کو کم کیا جاسکتا ہے۔ حد سے زیادہ نمک کا استعمال دوران خون میں دباؤ کا باعث ہوتا ہے اور اس سے دل کی بیماری اور کینسر ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔

بے روزگاری سے دل کی بیماریاں

ایک حالیہ تحقیق کے مطابق پچاس اور ساٹھ سال کی عمر کے بے روزگار افراد میں ہارٹ ایکٹ یعنی دل کے دورے کا

خطرہ زیادہ ہوتا ہے تحقیق کے مطابق ہارٹ ایکٹ کے حوالے سے بے روزگاری اور سرگرم فوٹی کے عوامل ایک جیسے ہی ہیں۔ امریکا اور ایسے تیرہ ہزار افراد پر تحقیق کی گئی جنہیں بے روزگار ہونے ایک سال ہوا تھا۔ نتائج کے مطابق ایسے افراد میں بے روزگاری کے پہلے تین ماہ میں دل کے دورے کا امکان زیادہ ہوتا ہے اور نوکری سے نکالے جانے کی صورت میں اس امکان میں تیزی سے اضافہ ہوتا ہے۔ برٹس ہارٹ فاؤنڈیشن نے تجویز کیا ہے کہ اگرچہ ذہنی دباؤ کا دل کے عارضے سے تعلق ہو سکتا ہے لیکن یہ براہ راست دل کی بیماریوں کا باعث ایسے خواتین اور مردوں کی بیماریوں کا زیادہ خطرہ رہا جو تباہ کن فوٹی کرتے تھے اور بہت کم یا بالکل ورزش نہیں کرتے تھے۔ حال ہی میں بے روزگار ہونے والے افراد میں سے ستائیس فیصد میں دل کی بیماری کی علامات مشرک تھیں۔

چاکلیٹ سے چالاکی

چاکلیٹ کے بارے میں ایک تازہ تحقیق سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ ان ممالک میں نوٹیل انعام حاصل کرنے والے زیادہ افراد پیدا ہوئے جہاں چاکلیٹ زیادہ کھائی جاتی ہے۔ کولمبیا یونیورسٹی کے پروفیسر کا کہنا ہے کہ جب ستائیس یہ پتا چلا کہ کوکا آپ کے لیے فائدہ مند ہے تب سے وہ چاکلیٹ کے فوائد پر حیرت زدہ ہیں۔ واضح رہے کہ چاکلیٹ کوکا سے بننا ہے ایک تحقیق میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ عمر دراز لوگ جنہیں ذہنی پریشانی ہے یا جنہیں نسیان کا مرض ہونے والا ہودہ اگر مستقل کوکا استعمال کرتے رہیں تو ان کی ذہنی کارکردگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ ان تحقیقات کے بعد کسی ملک میں نوٹیل انعام جیتنے والے افراد کی تعداد وہاں چاکلیٹ کے استعمال کا موازنہ کیا گیا۔

موٹاپا بھی نعمت ہے

امریکی میڈیکل ایسوسی ایشن کے ایک جریدے میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ موٹاپے کے شکار ایسے مریض جن کے خون کے اندر شوگر کی مقدار زیادہ ہوتی ہے اس مرض کے شکار وبلے مریضوں سے زیادہ عمر باتے ہیں۔

سام سنگ کا ایک ارب ڈالر جرمانہ امریکی ریاست کیلیفورنیا کی ایک عدالت نے جنوبی کوریا کے الیکٹرونک ٹیکنالوجی کے اہم ادارے سام سنگ کو حکم دیا ہے کہ وہ اپیل کو ہرجانے کے طور پر پچاس ارب ڈالر ادا کرے کیونکہ اس نے اپیل کی ٹیکنالوجی اوڈیزائن چوری کر کے اپنا ٹیبلٹ کمپیوٹر بنایا ہے۔

بولتی گاڑیاں حادثات روکیں گی
امریکا میں سیکڑوں گاڑیوں میں ایک ایسا آلہ نصب کیا جا رہا ہے جس کی مدد سے گاڑیاں ایک دوسرے سے باتیں کر سکیں گی۔ امریکی ریاست مسٹی ٹرن میں ہونے والا یہ تجربہ محکمہ ٹرانسپورٹ کی زیر نگرانی ہو رہا ہے اور اس ٹیکنالوجی کا مقصد حادثات کو کم کرنا ہے۔

روبوٹس اولمپکس کا انعقاد
برطانوی شہر برمنگھم میں روبوٹس کے ”اولمپکس مقابلے“ جاری ہیں۔ جس میں دنیا بھر کی چھپیس تیس ہجڑے رسی ہیں نفا رومبوورڈ کپ میں شریک ٹیموں کے روبوٹس باسکٹ بال فٹ بال سمیت مختلف کھیلوں میں حصہ لے رہے ہیں۔ برطانوی پہلی مرتبہ روبوٹس کے عالمی مقابلوں کی میزبانی کر رہا ہے اور مقابلوں میں شرکت کی خواہش کا اظہار کیا تھا ان مقابلوں میں روبوٹس نے انسانی کھلاڑیوں کے کئی ریکارڈ بھی توڑے ہیں۔ ان مقابلوں کے ایک منتظم نے میڈیا کو بتایا کہ ”سپرمنٹ“ کا عالمی ریکارڈ پیالیں سیکنڈ ہے جبکہ سنگاپور کے روبوٹ نے اسے اسیس سیکنڈ میں طے کیا انہوں نے بتایا کہ انسانوں کے برعکس روبوٹس سو میٹر کی دوڑ میں حصہ نہیں لیتے ہیں۔

دنیا کا سستا ترین ٹیبلٹ
بھارت میں آکاش نامی دنیا کا سستا ترین ٹیبلٹ کمپیوٹر کا ایک نیا ورژن متعارف کرایا گیا ہے جس میں پچھلے ورژن کے مقابلے میں زیادہ تیز پروسیسر اور زیادہ دیرپا بیٹری نصب ہے ٹیبلٹ ”گینڈاروڈ“ آپریٹنگ سسٹم پر چلتا ہے۔

ویسٹ کینسر سے سالانہ چالیس ہزار اموات
پاکستان میں طبی ماہرین کا کہنا ہے کہ ملک میں ہر سال

چالیس ہزار خواتین چھاتی کے سرطان کے باعث موت کے منہ میں چلی جاتی ہیں اور ہر لوہ میں سے ایک اس مرض کا شکار ہو سکتی ہے جو انتہائی تشویش کا باعث ہے۔ سرطان سے بچاؤ اور اس مرض کے بارے میں آگاہی پھیلانے والی تنظیم پنک ربن سوسائٹی پاکستان کے مطابق ملک میں مختلف تنظیموں کے اعداد و شمار کے مطابق ہر سال نوے ہزار خواتین چھاتی کے سرطان کا شکار ہوتی ہیں۔ چھاتی کا سرطان کی شرح براعظم ایشیا میں سب سے زیادہ پاکستان میں ہی ہے اور ملک میں کینسر کی مختلف اقسام میں سب سے زیادہ مریض چھاتی کے سرطان ہی کے ہیں اس کے اعداد و شمار بھی بہت چونکا دینے والے ہیں کیونکہ ہر سال چالیس ہزار خواتین پاکستان میں اس بیماری کی وجہ سے موت کی نیند سو جاتی ہیں۔

آلودگی سے خلائی حادثوں کا خطرہ
زمین سے بلندی پر بالائی فضا میں کاربن ڈائی آکسائیڈ کے جمع ہونے سے کھنچاؤ کا اثر یا ڈریگ کیفیت کم ہو جائے گا اور اس سے مدار میں موجود سیٹلائٹس اور وہاں گردش کرتا ہوا خلائی کوارڈرکٹ نہ صرف زمین کی جانب آئے گا بلکہ ان کے درمیان تصادم بھی بڑھ جائے گا۔ ایک سائنسی جریدے میں شائع شدہ ایک تحقیق کے مطابق زمین پر ایندھن کے جلنے سے درجہ حرارت میں اضافہ ہوا ہے۔ مطالعے کے مطابق اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زمین سے تقریباً نوے کلو میٹر بلندی کا علاقہ زیادہ سرد اور کم کثیف ہو جائے گا اور وہاں موجود سیٹلائٹس پر فضائی رگڑ یا کھنچاؤ کم ہوگا اور اس کے اثرات اس خلائی کچرے پر بھی پڑیں گے جو ناکارہ سیٹلائٹس اور راکٹوں کی چلتی سے وجود میں آیا اور پہلے سے ہی غیر مستحکم ہے۔ بالائی فضا میں کم رگڑ کا مطلب ہے کہ سیٹلائٹ اور خلائی طیارے وہاں زیادہ طویل عرصے تک موجود رہے گا اور ان کے باہمی ٹکرائے کے خطرات میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔

